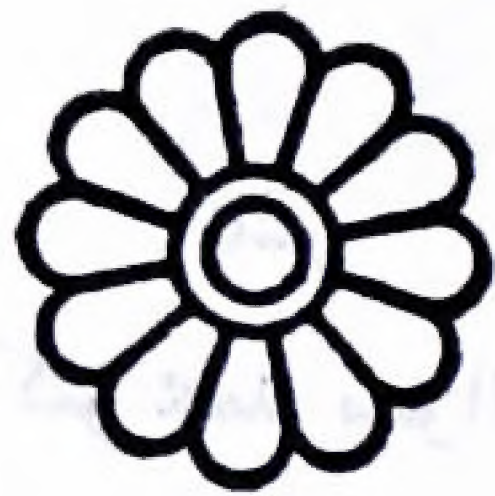


اقبال

کے

محبوب صوفیہ



اعجاز الحق قدوسی

اقبال اکادمی پاکستان

DATA ENTERED

جملہ حقوق بحق اقبال اگادسی پاکستان ، لاہور
محفوظ ہیں

۲۹۷۶۹۲
۱۲

۲۰۲۸

طبع اول جنوری ۱۹۷۶ء
تعداد ۱۰۰۰

قیمت
۳۰ روپے (لائبریری ایڈیشن)
۲۵ روپے (عام ایڈیشن)



ڈاکٹر محمد معزالدین
ڈائریکٹر

اقبال اگادسی پاکستان

۹۰-بی ۲، گلبرگ نمبر ۳ - لاہور۔

مطبع

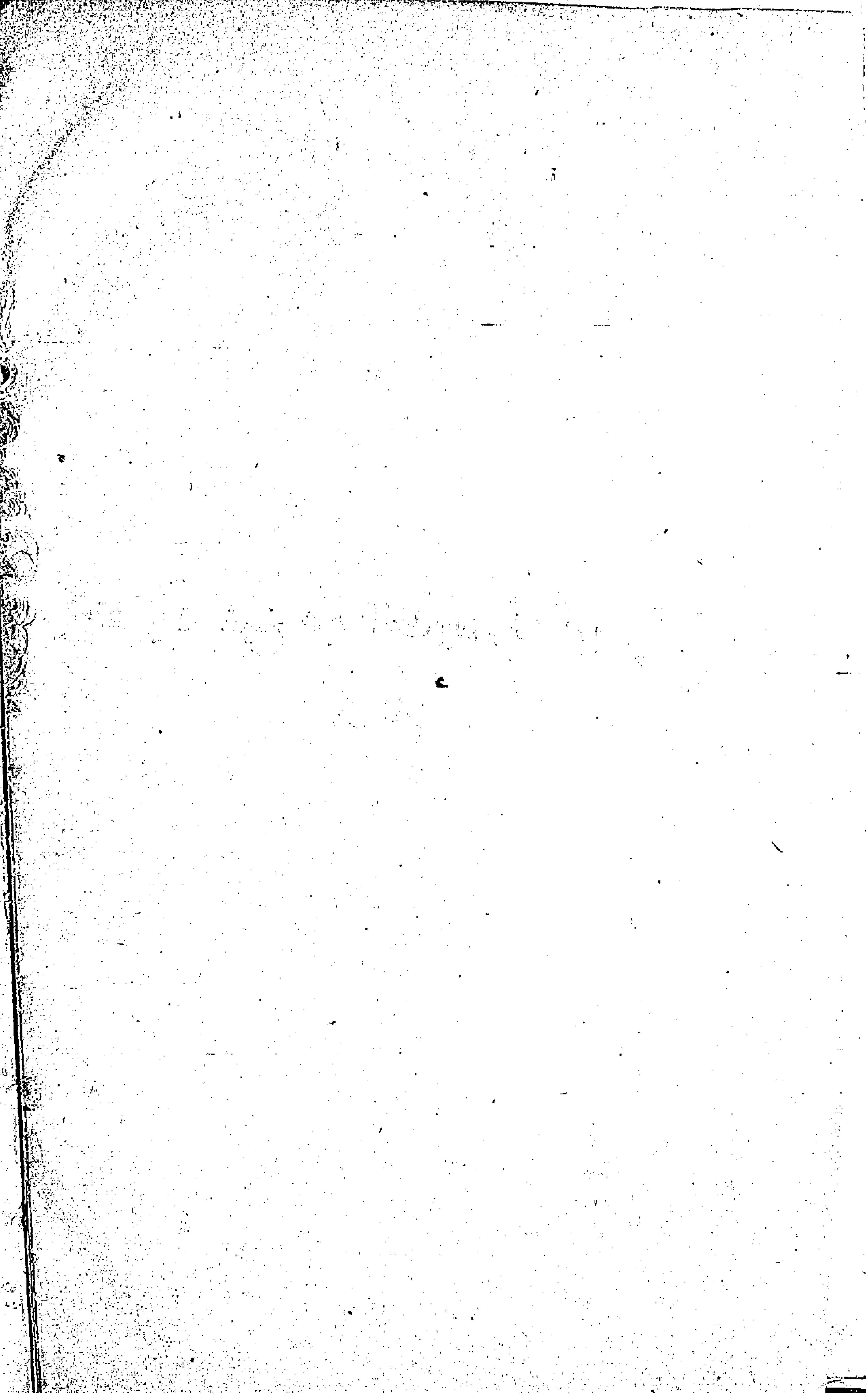
رومی پرنٹنگ پریس

اشفاق النساء منزل، گوالی لین نمبر ۲
وہن قادی، کراچی۔

22/3/77

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ
کے نام

میری طرف سے تحفہ پیش کیا جا رہا ہے



فہرست مضامین

اقبال کے محبوب صوفیہ⁷³

صفحہ	عنوان	نمبر سلسلہ
------	-------	------------

انتساب - پیشی لفظ

(۱)

۱	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۱
۱	بارگاہِ امام المتقین میں علامہ اقبال کا خراج عقیدت	۲
۲	حالات	۳
۲	اسلام	۴
۳	ہجرت	۵
۱	حضرت فاطمہ ^{رض} سے نکاح	۶
۲	غزوات	۷
۴	حجۃ الوداع	۸
۴	خلافت	۹
۴	حضرت علی ^{رض} کی خلافت	۱۰
۵	شہادت	۱۱
۵	فضل و کمال	۱۲
۶	تصوف	۱۳

(۲)

۷	حضرت فضیل بن عیاض ⁷³	۱۴
۸	حالات	۱۵
۱۱	خلفاء	۱۶

نمبر سلسلہ	عنوان	صفحہ
------------	-------	------

(۳)

۱۷	حضرت با یزید بسطامیؒ	۱۲
۱۸	حضرت با یزید بسطامی کے متعلق علامہ اقبال کا تاثر	۱۲
۱۹	حالات	۱۳
۲۰	ہمعصر	۱۳
۲۱	طریقہ طیفوری	۱۵
۲۲	تعلیم	۱۵
۲۳	شطحات	۲۲
۲۴	وفات	۲۲
۲۵	تصانیف	۲۳

(۴)

۲۶	حضرت جنید بغدادیؒ	۲۳
۲۷	حضرت جنید بغدادیؒ سے علامہ اقبال کی محبت و عقیدت	۲۳
۲۸	حالات	۲۵
۲۹	قربیت روحانی	۲۵
۳۰	تعلیمات	۲۷

(۵)

۳۱	حضرت حسین بن منصور بن حلاجؒ	۳۲
۳۲	علامہ اقبال کا منصور کے متعلق اظہار خیال	۳۲
۳۳	حالات	۳۶
۳۴	شادی	۳۷
۳۵	احوال میں تغیر	۳۹

ردیف	صفحہ	عنوان	نمبر سلسلہ
	۳۰	علماء کا فتویٰ	۳۶
۸	۳۱	قید و بند	۳۷
۸	۳۱	قتل	۳۸
۸	۳۳	آخری الفاظ	۳۹
		(۶)	
۸	۳۴	حضرت ابوسعید ابوالخیرؓ	۴۰
۸	۳۴	علامہ اقبال کی عقیدت	۴۱
۸	۳۵	حالات	۴۲
۹	۳۵	شاعری	۴۳
۹	۳۶	تعلیم تصوف	۴۴
	۳۸	شاعری کا نمونہ	۴۵
۹	۳۹	وفات	۴۶
		(۷)	
۹	۵۱	حضرت داتا گنج بخشؒ	۴۷
۱۰	۵۱	بارگاہِ حضرت داتا گنج بخش میں علامہ کا خراج عقیدت	۴۸
۱۰	۵۲	حالات	۴۹
۱۰	۵۲	تعلیم و تربیت	۵۰
۱۰	۵۳	بیعت	۵۱
۱۰	۵۳	مرشد کی وفات	۵۲
	۵۵	سیر و سیاحت	۵۳
۱۰	۵۶	ریاضتیں اور مجاہدے	۵۴
۱۰	۵۶	از دواجی زندگی	۵۵
۱۱	۵۷		

صفحہ	عنوان	نمبر سلسلہ
۵۸	لاہور میں تشریف آوری	۵۶
۵۹	تبلیغ اسلام	۵۷
۶۰	تصوف کی اصلاح	۵۸
۶۰	لاہور کی زندگی	۵۹
۶۱	علامہ اقبال کی ایک روایت	۶۰
۶۳	تصانیف	۶۱
۶۴	کشف المحجوب	۶۲
۶۶	وفات	۶۳
۶۷	فضائل و مناقب	۶۴
۷۳	(۸)	
۶۸	حضرت اویس قرنیؓ	۶۵
۶۹	حالات	۶۶
۷۱	عشق رسولؐ	۶۷
۷۲	(۹)	
۷۳	حجۃ الاسلام امام غزالیؒ	۶۸
۷۴	امام غزالی کے متعلق علامہ اقبال کا تاثر	۶۹
۷۵	حالات	۷۰
۷۷	حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مزار پر حاضری اور عہد	۷۱
۷۸	احیاء العلوم الدین	۷۲
۸۱	نصیحت الملوک	۷۳
۸۲	اسلامی حکومت کے قیام کی جد و جہد	۷۴

صفحہ	عنوان	نمبر سلسلہ
۸۳	کیمیائے سعادت	۷۵
۸۳	وفات	۷۶
۸۶	امام غزالی کے مجدد دانہ کارنامے	۷۷
	(۱۰)	
۸۹	حکیم سنائیؒ	۷۸
۸۹	حکیم سنائی کی عظمت علامہ اقبال کی نظر میں	۷۹
۸۹	حالات	۸۰
۹۳	شاعری	۸۱
۹۵	وفات	۸۲
	(۱۱)	
۹۷	شیخ فرید الدین عطارؒ	۸۳
۹۷	بارگاہ عطار میں علامہ اقبال کی نذر عقیدت	۸۴
۱۰۰	حالات	۸۵
۱۰۱	رشد و ہدایت	۸۶
۱۰۲	شاعری	۸۷
۱۰۷	تصانیف	۸۸
۱۰۸	وفات	۸۹
	(۱۲)	
۱۰۹	حضرت سید احمد رفاعیؒ	۹۰
۱۰۹	علامہ اقبال کا سید احمد رفاعی کے متعلق تاثر	۹۱
۱۱۰	حالات	۹۲

(۱۳)

حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ

۹۳

۵۶

علامہ اقبال کا حضرت خواجہ اجمیری سے
اظہار عقیدت

۹۴

۵۷

۵۸

۵۹

حالات

۹۵

۶۰

بیعت

۹۶

۶۱

بزرگوں سے ملاقاتیں

۹۷

۶۲

حج و زیارتِ حرمین

۹۸

۶۳

پاک و ہند میں تشریف آوری

۹۹

۶۴

اجمیر میں رشد و ہدایت

۱۰۰

مریدوں کی تربیت

۱۰۱

۶۵

وفات

۱۰۲

۶۶

اولاد

۱۰۳

۶۷

خلفاء

۱۰۴

۶۸

(۱۴)

حضرت شمس تبریزؒ

۱۰۵

۶۸

حضرت شمس تبریز کے متعلق علامہ اقبال کا تاثر

۱۰۶

۶۹

حالات

۱۰۷

۷۰

ذریعہ معاش

۱۰۸

۷۱

حضرت شمس تبریز کی مولانا سے محبت

۱۰۹

۷۲

وفات

۱۱۰

۷۳

تصانیف

۱۱۱

۷۴

نمبر سلسلہ	عنوان	صفحہ
	(۱۵)	
۱۱۲	مولانا جلال الدین روسیؒ معروف بہ (مولانا روم)	۱۴۵
۱۱۳	علامہ اقبال کا مولانا روم کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت	۱۴۵
۱۱۴	حالات	۱۵۱
۱۱۵	تعلیم و تربیت	۱۵۲
۲۱۶	بیعت	۱۵۳
۱۱۷	ڈاکٹر رضا زادہ شفق کا بیان	۱۶۰
۱۱۸	اخلاق	۱۶۳
۱۱۹	ریاضت و عبادت	۱۶۳
۱۲۰	نماز میں خشوع و خضوع	۱۶۵
۱۲۱	زہد و قناعت	۱۶۶
۱۲۲	فیاضی و ایثار	۱۶۶
۱۲۳	بے نفسی اور فنائیت	۱۶۷
۱۲۴	استغنا و بے نیازی	۱۶۷
۱۲۵	معیشت	۱۶۸
۱۲۶	تصانیف	۱۶۸
۱۲۷	فیہ مافیہ	۱۶۸
۱۲۸	دیوان شمس تبریز	۱۶۸
۱۲۹	مثنوی مولانا روم	۱۷۰
۱۳۰	مثنوی کی خصوصیات	۱۷۵
۱۳۱	زبان کا مسئلہ اور مثنوی	۱۷۵
۱۳۲	مولانا کی تصوف میں بنیادی تعلیمات	۱۷۷
۱۳۳	عشق و عقل	۱۷۷

نمبر سلسلہ	عنوان	صفحہ
۱۳۳	انسانیت	۱۸۱
۱۳۵	علامہ اقبال کے کلام میں مولانا کا ہر تو	۱۸۲
	(۱۶)	
۱۳۶	حضرت شیخ حسام الحق ضیاء الدینؒ	۱۹۳
۱۳۷	حالات	۲۰۰
۱۳۸	نکسین	۲۰۰
۱۳۹	مولانا غلام رسول مسر	۲۰۱
۱۴۰	پروفیسر یوسف سلیم چشتی	۲۰۲
۱۴۱	مولانا حسام الدین چلی	۲۰۳
۱۴۲	مثنوی	۲۰۵
	(۱۷)	
۱۴۳	حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ	۲۰۷
۱۴۴	علامہ اقبال کا عراقی کی بارگاہ میں خراج عقیدت	۲۰۷
۱۴۵	حالات	۲۰۷
۱۴۶	ریاضتیں	۱۰
۱۴۷	خلافت	۱۲
۱۴۸	لمعات	۱۳
۱۴۹	وفات	۱۵
	(۱۸)	
۱۵۰	شیخ محمود شبستریؒ	۱۷
۱۵۱	حالات	۱۸

نمبر مسلسلہ	عنوان	صفحہ
۱۵۳	تصانیف	۲۱۹
۱۵۴	گشن راز کی تصنیف کا واقعہ	۲۱۹
	(۱۹)	
۱۵۵	حضرت شیخ بوعلی قلندر یانی پتی ^{۷۰}	۲۲۱
۱۵۶	علامہ اقبال کا خراج عقیدت	۲۲۱
۱۵۷	حالات	۲۲۱
۱۵۸	تعلیم	۲۲۳
۱۵۹	بیعت	۲۲۴
۱۶۰	جذب و مکر	۲۲۳
۱۶۱	حضرت شمس الدین ترک اور بوعلی قلندر کی باہمی محبت	۲۲۵
۱۶۲	شاہانِ وقت کی عقیدت (جلال الدین خلجی)	۲۲۶
۱۶۳	علاء الدین خلجی	۲۲۷
۱۶۴	حضرت بوعلی قلندر اور امیر خسرو	۲۲۷
۱۶۵	سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کا وہ واقعہ جس	
	نے علامہ اقبال کو متاثر کیا	۲۳۱
۱۶۶	تبلیغ	۲۳۴
۱۶۷	وفات	۲۳۵
۱۶۸	تصانیف	۲۳۵
	(۲۰)	
۱۶۹	حضرت خواجہ نظام الدین محبر رب الہی ^{۷۱}	۲۴۲
۱۷۰	علامہ اقبال کی عقیدت	۲۴۲

صفحہ	عنوان	نمبر مسلسل
۲۴۵	حالات	۱۷۱
۲۴۶	خاندان و نسب	۱۷۲
۲۴۶	دستارِ فضیلت	۱۷۳
۲۴۷	حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی عقیدت	۱۷۴
۲۴۸	دہلی میں حصولِ تعلیم	۱۷۵
۲۴۹	قوتِ حافظہ	۱۷۶
۲۴۹	درسِ حدیث و فقہ	۱۷۷
۲۴۹	والدہ کی وفات	۱۷۸
۲۵۰	بیعت	۱۷۹
۲۵۱	تعلیمِ علوم ظاہری	۱۸۰
۲۵۲	بے نفسی کی تعلیم	۱۸۱
۲۵۳	خلافت سے مرفرازی	۱۸۲
۲۵۵	دہلی میں قیام	۱۸۳
۲۵۷	دورِ ابتلاء	۱۸۴
۲۵۷	دہلی کے قیام کے زمانے میں شیخ کی خدمت میں حاضری	۱۸۵
۲۵۸	غیاث پورہ کی سکونت	۱۸۶
۲۶۲	رشد و ہدایت	۱۸۷
۲۶۳	تعلیمات	۱۸۸
۲۶۸	وفات	۱۸۹
۲۷۰	خلقاء و مریدین	۱۹۰
۲۷۳	حضرت امیر خسروؒ	۱۹۱
۲۷۳	حضرت امیر خسروؒ کے متعلق علامہ اقبال کا تاثر	۱۹۲

صفحہ	عنوان	نمبر سلسلہ
۲۷۴	حالات	۱۹۳
۲۷۴	ولادت	۱۹۴
۲۷۵	تعلیم و تربیت	۱۹۵
۲۷۶	شاعری کی ابتدا	۱۹۶
۲۷۸	نانا کی وفات	۱۹۷
۲۷۹	بیعت	۱۹۸
۲۸۱	پیرو مرید کی محبت	۱۹۹
۲۸۳	امیر خسرو کو محمد کا سہ لیس اور ترک اللہ کا خطاب	۲۰۰
۲۸۴	روحانی تربیت	۲۰۱
۲۹۰	شاعری	۲۰۲
۲۹۵	تصانیف	۲۰۳
۲۹۷	وفات	۲۰۴
۲۹۸	امیر خسرو کے چند شعر	۲۰۵
	(۲۲)	
	۵ خواجہ اقبالؒ	۲۰۶
۳۰۰	علامہ اقبال کا خواجہ اقبال کے متعلق اظہار عقیدت	۲۰۷
۳۰۰	حالات	۲۰۸
	(۲۳)	
۳۰۵	✓ حضرت سید علی ہمدانیؒ	۲۰۹
۳۰۵	علامہ اقبال کی نذر عقیدت	۲۱۰
۳۰۹	ولادت	۲۱۱
۳۱۰	رفقاء	۲۱۲

نمبر سلسلہ	عنوان	صفحہ
۲۱۳	(۱) میر سید حسن سامانی	۳۱۰
۲۱۴	(۲) سید جلال الدین عطائی	۳۱۱
۲۱۵	(۳) سید کمال	۳۱۱
۲۱۶	(۴) حضرت جمال الدین محدث	۳۱۲
۲۱۷	(۵) حضرت سید فیروز	۳۱۲
۲۱۸	(۶) سید محمد کاظم	۳۱۳
۲۱۹	(۷) حضرت میر رکن الدین	۳۱۳
۲۲۰	(۸) سید فخر الدین	۳۱۳
۲۲۱	(۹) سید محمد قریشی	۳۱۳
۲۲۲	(۱۰) مولانا پیر محمد قاضی	۳۱۳
۲۲۳	(۱۱) شیخ سلیمان	۳۱۳
۲۲۴	(۱۲) شیخ احمد خوش خوار	۳۱۴
۲۲۵	قیام	۳۱۵
۲۲۶	رشد و ہدایت	۳۱۶
۲۲۷	عرفانی	۳۱۷
۲۲۸	سلطان قطب الدین پر لطف و عنایت	۳۱۹
۲۲۹	کشمیر سے روانگی	۳۲۰
۲۳۰	وفات	۳۲۰
۲۳۱	تعمیر خانقاہ سید علی ہمدانی	۳۲۱
۲۳۲	سلسلہ طریقت	۳۲۶
۲۳۳	تصانیف	۳۲۶
۲۳۴	اقوال حکیمانہ	۳۲۷
۲۳۵	حضرت سید علی ہمدانی کی عالمگیر عظمت	۳۲۹
۲۳۶	اولاد	۳۳۰

صفحہ	عنوان	نمبر سلسلہ
	(۲۴)	
۳۳۱	مولانا جامیؒ	۲۳۷
۳۳۱	شاعرِ مشرق کا تاثر	۲۳۸
۳۳۲	حالات	۲۳۹
۳۳۳	ولادت	۲۴۰
۳۳۳	تعلیم	۲۴۱
۳۳۵	روحانی تعلیم و تربیت	۲۴۲
	حضرت خواجہ ناصر الدین عبداللہ معروف	۲۴۳
۳۳۷	بہ خواجہ احراز مرشد مولانا جامی	
۳۳۴	مولانا جامی کا تصوف میں مسلک	۲۴۴
۳۳۶	شاعری	۲۴۵
۳۵۱	سیاحت	۲۴۶
۳۵۲	اخلاق	۲۴۷
۳۵۲	ذوقِ علم	۲۴۸
۳۵۳	فقر و درویشی	۲۴۹
۳۵۵	عزتِ نفس اور امتیاز	۲۵۰
۳۵۵	مولانا جامی کے ناقدین کا ایک اعتراض	۲۵۱
۳۵۷	مولانا جامی کا اپنی شاعری پر تبصرہ	۲۵۲
۳۵۸	شاہانِ وقت کی عقیدت	۲۵۳
۳۶۱	وفات	۲۵۴
۳۶۲	تصانیف	۲۵۵
۳۶۲	اولاد	۲۵۶

نمبر سلسلہ	عنوان	صفحہ
	(۲۵)	
۲۵۷	حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ	۳۶۴
۲۵۸	حضرت شیخ کی عظمت علامہ اقبال کی نظر میں	۳۶۴
۲۵۹	حضرت شیخ کی خود اپنے قول کے متعلق تشریح	۳۶۶
۲۶۰	حالات	۳۶۸
۲۶۱	خاندان شیخ عبدالقدوس کی ردولی میں سکونت	۳۷۲
۲۶۲	حضرت شیخ کے جد امجد	۳۷۲
۲۶۳	شیخ محمد اسماعیل	۳۷۶
۲۶۴	حضرت شیخ کی ولادت	۳۷۸
۲۶۵	دور طالب علمی کی تصانیف	۳۷۹
۲۶۶	جذبہ عشق ربانی	۳۷۹
۲۶۷	شرح عوارف	۳۸۲
۲۶۸	بیعت	۳۸۳
۲۶۹	عبادات	۳۹۱
۲۷۰	شادی	۳۹۵
۲۷۱	معیشت	۳۹۶
۲۷۲	خلافت سے سرفرازی	۳۹۶
۲۷۳	ردولی سے ہجرت	۳۹۷
۲۷۴	شیخ محمد کی وفات	۳۹۹
۲۷۵	گنگوہ میں آمد	۴۰۰
۲۷۶	بابر اور ابراہیم لودھی کی جنگ	۴۰۱
۲۷۷	حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ پانی پت کے	۴۰۲
۲۷۸	میدان جنگ میں	۴۰۲

نمبر سلسلہ	عنوان	صفحہ
۲۷۸	حضرت شیخ، بابر کی قید میں	۳۰۲
۲۷۹	حضرت شیخ کی رہائی	۳۰۳
۲۸۰	ہمد ہمایو	۳۰۳
۲۸۱	حضرت شیخ کا مسلک	۳۰۴
۲۸۲	وحدت الوجود	۳۰۴
۲۸۳	سماع	۳۱۰
۲۸۴	حضرت شیخ کی تعلیمات	۳۱۵
۲۸۵	رشد و ہدایت اور مریدوں کی تربیت	۳۱۵
۲۸۶	ریا کار صوفیوں اور خام درویشوں پر تاسف	۳۱۷
۲۸۷	شاہانِ اسلام کے اوصاف	۳۱۹
۲۸۸	حضرت شیخ کے مکاتیب	۳۱۹
۲۸۹	سکندر لودھی کے نام ایک خط	۳۲۱
۲۹۰	لودھی امراء کے نام مکاتیب	۳۲۳
۲۹۱	بابر کے نام ایک خط	۳۲۴
۲۹۲	ہمایوں کے نام ایک خط	۳۲۶
۲۹۳	سغل امراء کے نام خطوط	۳۲۷
۲۹۴	حضرت شیخ کی وفات	۳۲۸
۲۹۵	بیماری اور وفات کی کیفیت	۳۲۹
۲۹۶	عمر	۳۳۰
۲۹۷	اولاد	۳۳۰
۲۹۸	زبدۃ المقامات	۳۳۱
۲۹۹	شجرہ خاندانِ قدوسیہ	۳۳۱
۳۰۰	خلفاء	۳۳۲
۳۰۱	حضرت شیخ کی تصانیف	۳۳۴

نمبر سلسلہ	عنوان	صفحہ
۳۰۲	حضرت شیخ کی شاعری	۴۳۶
۳۰۳	نمونہ کلام فارسی	۴۳۶
۳۰۴	ہندی شاعری	۴۳۷
	(۲۶)	
۳۰۵	حضرت مجدد الف ثانی	۴۴۰
۳۰۶	علامہ اقبال کی عقیدت	۴۴۰
۳۰۷	حالات	۴۴۲
۳۰۸	سلسلہ نسب	۴۴۳
۳۰۹	بیعت و خلافت	۴۴۴
۳۱۰	سلسلہ چشتیہ	۴۴۵
۳۱۱	سلسلہ قادریہ	۴۴۶
۳۱۲	عزم حج و بیعت	۴۴۶
۳۱۳	شجرہ نقشبندیہ	۴۴۷
۳۱۴	خواجہ باقی باللہ کی بشارت	۴۴۷
۳۱۵	حضرت مجدد کے رشد و ہدایت کا طریقہ کار	۴۵۱
۳۱۶	تعلیمات	۴۵۲
۳۱۷	وحدت الشہود	۴۵۳
۳۱۸	شیخ بدیع الدین	۴۵۴
۳۱۹	قید و بند	۴۵۷
۳۲۰	وفات	۴۵۷
۳۲۱	تصانیف	۴۵۸
۳۲۲	اولاد	۴۶۵
۳۲۳	خواجہ محمد صادق	۴۶۵

نمبر سلسلہ	عنوان	صفحہ
۳۲۳	خواجہ محمد سعید	۳۶۶
۳۲۴	خواجہ محمد معصوم	۳۶۶
۳۲۵	خواجہ محمد یحییٰ	۳۶۷
۳۲۶	محمد فرخ - محمد عیسیٰ اور آسم کثوم	۳۶۷
۳۲۷	خلفاء	۳۶۸
۳۲۸	(۲۷) حضرت میاں میر	۳۷۶
۳۲۹	✓ میاں میر کے متعلق علامہ اقبال کا تاثر	۳۷۶
۳۳۰	حالات	۳۷۷
۳۳۱	تعلیم - طریقت - بیعت	۳۷۸
۳۳۲	لاہور میں آمد	۳۷۹
۳۳۳	ریاضتیں اور مجاہدے	۳۸۰
۳۳۴	مرہند میں تشریف آوری	۳۸۱
۳۳۵	پہلا مرید	۳۸۱
۳۳۶	لاہور میں دوبارہ تشریف آوری	۳۸۲
۳۳۷	مریدوں کی تربیت	۳۸۳
۳۳۸	✓ میاں میر کے متعلق علامہ اقبال کی ایک روایت	۳۸۳
۳۳۹	شاہان وقت کی عقیدت	۳۸۷
۳۴۰	(جہانگیر) - (شاہجہان)	۳۹۱
۳۴۱	(داراشکوہ)	۳۹۲
۳۴۲	اخلاق	۳۹۵
۳۴۳	مسلک	۳۹۶

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر سلسلہ
۳۹۷	فقر و غنا	۳۴۴
۳۹۷	وفات	۳۴۵
۵۰۱	مزار کی تعمیر	۳۴۶
۵۰۱	خلفا و مریدین	۳۴۷
۵۰۲	(۲۸)	
۵۰۳	۵ پیر غلام حیدر شاہ	۳۴۸
۵۰۳	علامہ اقبال کی عقیدت	۳۴۹
۵۰۳	حالات	۳۵۰
۵۰۵	بیعت	۳۵۱
۵۰۵	خلافت	۳۵۲
۵۰۶	شیخ کی شفقت	۳۵۳
۵۰۶	اخلاق	۳۵۴
۵۰۷	وفات	۳۵۵
۵۰۸	(۲۹)	
۵۰۸	حضرت سید محمد بابا تاج الدین ناگپوری	۳۵۶
۵۰۸	علامہ اقبال کا تاثر	۳۵۷
۵۱۰	حالات	۳۵۸
۵۱۳	سلسلہ طریقت	۳۵۹
۵۱۳	عالم جذب و سر (نستی) (پیشہ)	۳۶۰
۵۱۴	راجا رگھو جی راؤ کی عقیدت اور شکر اذریئے میں قیام	۳۶۱
۵۱۴	کرامات	۳۶۲
۵۱۵	وفات	۳۶۳

نمبر مسلسلہ	عنوان	صفحہ
-------------	-------	------

	(۳۰)	
۵۱۶	حضرت شاہ سلیمان پھلواریؒ	۳۶۴
۵۱۶	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۳۶۵
۵۱۸	نفس تصوف کے متعلق علامہ اقبال کی رائے	۳۶۶
۵۱۹	شیخ محی الدین ابن عربی اور وحدت الوجود	۳۶۷
۵۲۲	علامہ اقبال اور ابن عربی	۳۶۸
۵۲۷	حالات (شیخ محی الدین ابن عربی)	۳۶۹
۵۲۸	خلافت	۳۷۰
۵۲۹	شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاقات	۳۷۱
۵۳۰	وفات	۳۷۲
۵۳۰	تصانیف	۳۷۳
۵۳۱	فتوحات کے متعلق شیخ اکبر کا اظہار خیال	۳۷۴
۵۳۲	علامہ اقبال کا مولانا شاہ سلیمان کے متعلق تاثر	۳۷۵
۵۳۳	حالات (شاہ سلیمان پھلواری)	۳۷۶
۵۳۴	مولانا کی خدمات	۳۷۷

	(۳۱)	
۵۴۱	حضرت پیر سید مہر علی شاہ گرلویؒ	۳۷۸
۵۴۱	علامہ اقبال کی عقیدت	۳۷۹
۵۴۱	حالات	۳۸۰
۵۴۱	سلسلہ نسب	۳۸۱
۵۴۲	بیعت	۳۸۲

پیش لفظ

اسلامی تصوف کے ماضی کی تاریخ پر اگر وسیع نظر ڈالی جائے تو ہمارے نگاہ پہلی صدی ہجری کے نصف اواخر سے آگے نہیں بڑھتی، تاریخ شاید ہے کہ جب بنی امیہ کے مظالم خدا سے زیادہ بڑھے، اور زیادہ و حجاج بن یوسف جیسے ظالم پیدا ہوئے جن کے مظالم سے لوگ تنگ آچکے تھے، اور اموی دور کے دوسرے گورنر ملک کو ظلم و ستم کی آماجگاہ بنائے ہوئے تھے، تو اس ظلم و ستم کے رد عمل میں پہلی صدی ہجری کے نصف اواخر میں صوفیائے کرام کا پہلا طبقہ وجود میں آیا، یہ وہ وقت تھا کہ ظلم اپنے انتہائی نقطہ عروج پر پہنچ چکا تھا، انصاف پسند طبیعتیں ان مظالم کو دیکھ کر کانپ کانپ اٹھتی تھیں۔ ہشام بن حکیم بن حزام نے ایک مرتبہ شام کے نبطیوں کو دیکھا کہ انہیں جریدہ ادا نہ کرنے کے جرم میں چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کیا گیا ہے وہ اس تکلیف دہ منظر کو برداشت نہ کر سکے اور بے اختیار پکار اٹھے: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، آپ فرماتے تھے کہ خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں، حجاج بن یوسف جس کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ اگر دنیا کے تمام ظالموں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے، اور حجاج بن یوسف کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو مظالم میں ہمارے زمانے کے ظالم حجاج بن یوسف کے ظلم کا پلڑا جھک جائے گا۔ خواجہ حسن بصری جو طبقہ اول کے صوفیہ میں بڑے نامور صوفی شمار ہوتے ہیں وہ گیارہ سال تک حجاج کے مظالم کو دیکھ کر

(الف)

(ب)

گوشہ گیر رہے۔ یہاں تک کہ جب اُس کی موت کی خبر منی تو
مجدے میں گر کر کہا کہ: اے اللہ! میں تجھ سے ڈرتا ہوں
اور اُس سے ڈرتا ہوں جو تجھ سے نہیں ڈرتا۔

وسط ایشیا میں گو مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب آیا ہوا
تھا، لیکن ان فتوحات میں روح جہاد گم ہو چکی تھی، ان فتوحات
میں رضائے الہی کا جذبہ کم اور شان و شکوہ اور اقتدار کی ہوس
نمایاں طور پر نظر آتی تھی، خدا کے خاص بندے جنہوں نے
غزوات نبویؐ کو دیکھا تھا، اور اُن کی روح کو سمجھا تھا، جب
وہ ان فتوحات اور ان جنگوں کو دیکھتے جن کا مقصد سوائے حشمت
و شوکت اور اقتدار کے کچھ نہ تھا تو اس انقلاب کو دیکھ کر
جو مسلمانوں کی طبیعت میں آیا تھا، انتہائی تکلیف محسوس کرتے
تھے۔ ان حقیقت پسندوں نے مسلمانوں کی فلاح اس میں دیکھی کہ
وہ حکومت وقت سے قطع تعلق کر کے عبادت الہی، توبہ و استغفار
میں مشغول ہو جائیں۔ الغرض اس طرح صوفیہ کا پہلا طبقہ وجود
میں آیا۔ طبقہ اول کے صوفیہ میں حضرت حسن بصری، حبیب
عجمی، حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت ابراہیم ادہم خاص
طور پر مشہور ہیں، طبقہ اول کے صوفیہ کا دور ۶۶۱ء سے ۸۵۰ء
تک ہے۔

طبقہ اول کے صوفیہ نے اپنے اس جذبے کو تحریک کی
صورت نہیں دی، بلکہ وہ انفرادی طور پر گوشہ گیر ہو کر محض
عبادت الہی اور توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے، اور اس دور
سیاست کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔

طبقہ اول کے صوفیہ کے کارناموں پر اگر ہم غور کریں تو یہ
حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ انہوں نے حکومت سے علیحدگی
اختیار کر کے اپنی بیزاری سے حکومت کے غلط رویوں کا آسے

(ج)

احساس دلایا ، اور رفتہ رفتہ اپنی اخلاقی اور روحانی قوت سے اور اپنے مثبت رویوں سے عوام میں اس قدر مقبولیت حاصل کر لی کہ فرمانرواؤں کی طاقت ان کے سامنے ہیچ ہو کر رہ گئی ، یہاں تک کہ وہ پہلی صدی ہجری ہی میں ایک ناقابل تسخیر طاقت بن گئے ۔

چنانچہ جب کبھی ان کو موقع ملتا تو وہ خلفاء کو ان کی بے راہ روی پر برملا ٹوکتے ، اور حق گوئی میں کسی چیز کی پروا نہ کرتے تھے ۔ امام ابو حنیفہ ، امام سفیان ثوری ، حضرت فضیل بن عیاض ، خواجہ حبیب عجمی اور حضرت ابراہیم ادہم اس دور کی وہ شخصیتیں ہیں کہ جنہوں نے خلفاء کو ان کے غلط رویوں پر سختی سے متنبہ کیا ۔

زبانے نے ایک اور کروٹ لی ، بنو امیہ کا دور ختم ہو کر بنو عباس کی حکومت کی داغ بیل پڑی ، عباسیوں کے عہد میں یونانی علوم و فنون مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بنے ۔ عباسی خلیفہ ماسون نے فلسفہ و حکمت کو عربی میں منتقل کر کے ، فکر کے لیے نئی راہیں ہموار کیں ۔ ان علوم کی وجہ سے عقل نے بے لگام ہو کر مذہب سے بغاوت کی ، اسلامی عقائد و فکر کو دھچکا لگا۔ اسلامی پختگی فکر ، شک اور انکار میں تبدیل ہونے لگی ، اسلامی فکر و نظر سے ہٹ کر طرح طرح سے قرآنی آیات کی تاویلات کی جانے لگیں ، مذہب کو عقل کا یہاں تک تابع بنایا گیا کہ عقلیت کے اس طوفان میں لوگ مذہب سے بے تعلق ہونے لگے ۔

عقلیت کے اس سیلابی دور میں صوفیائے کرام کا دوسرا طبقہ وجود میں آیا ۔ اس دور کے صوفیہ میں حضرت بایزید بسطامی ، حضرت معروف کرخی ، شیخ فرید الدین عطار ، حضرت ذوالنون مصری ، حضرت جنید بغدادی وغیرہ مشہور ہیں ۔ ان بزرگوں نے عقلیت کے

اس طوفان کے عوامل و محرکات کا جائزہ لے کر عقل کے ان اندھیروں میں عشق الہی کا چراغ روشن کر کے عقل گزیدہ انسانوں کو یقین و ایمان کی قوت عطا کی، اس دور کے صوفیہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تعلیمات میں سب سے زیادہ عشق الہی پر زور دے کر تشکک و انکار کے دہارے کے رخ کو موڑ کر اسلامی عقائد و فکر کو مستحکم کیا۔

فقہ کی تدوین کے بعد صوفیہ کا تیسرا طبقہ وجود میں آیا۔ یہ وہ دور تھا کہ عوام نے مجتہدین کرام کے فقہ کو آخری درجہ دیے کر اجتہاد کے دروازے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا تھا، وہ اس حقیقت کو فراموش کر چکے تھے کہ دنیا جس قدر آگے بڑھتی جائے گی، اسی قدر نئے مسائل پیدا ہوتے جائیں گے اور وہ اپنے حل کا مطالبہ کریں گے، لیکن کوئی بھی اس دور میں اس حقیقت پر غور نہ کرتا تھا اس پر مزید شہم پیدا کیا گیا کہ فقہی مسائل کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال کر ان میں نئی نئی تاویلات کی گئیں اور فقہاء میں حیل کی بنیاد پڑی۔

تیسرے طبقے کے صوفیہ نے اس خرابی کو شدت سے محسوس کیا، انہوں نے عمل و فکر کو ہم آہنگ کر کے عوام کے داخلی اور خارجی مسائل کو سمجھ کر اسلام، انسانیت اور سلامتی کا درس دیا، اسی کے ساتھ تزکیہ باطن کی طرف خاص توجہ دی، اور عوام میں اخلاقی قدروں کا شعور بیدار کیا، اور ساتھ ہی تصوف میں تالیف و تصنیف کے دریچوں کو کھولا۔

دسویں صدی عیسوی میں تصوف نے باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کی۔ اسی صدی میں تصوف کی بعض اصطلاحیں ایجاد ہوئیں، اور تصوف کے موضوع پر باقاعدہ کتابیں لکھی گئیں۔

گیارہویں صدی عیسوی میں تصوف کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا، اس دور کے مشائخ میں شیخ ابوالقاسم قشیری، حضرت داتا گنج بخش، خواجہ عبد اللہ انصاری، سلطان ابو سعید ابوالخیر وغیرہ وہ اکابر صوفیہ ہیں، جنہوں نے اسلامی فن تصوف اور تعلیمات تصوف کو مستقل موضوع بنا کر کتابیں لکھیں۔ حضرت داتا گنج بخش نے اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب اسی زمانے میں پاکستان کے قدیم اور مشہور شہر لاہور میں لکھی، جس کا شمار تصوف کی اعلیٰ ترین کتابوں میں ہوتا ہے، یہ کتاب اسلامی تصوف کو ہمہ گیر اور مقبول بنانے میں بہت مدد و معاون ثابت ہوئی، بعض بزرگوں نے تو اس کی ہمہ گیری، مقبولیت اور افادیت کو دیکھتے ہوئے یہاں تک لکھا کہ ”جس کا کوئی پیر نہ ہو، اس کے لیے کشف المحجوب کافی ہے“۔ چنانچہ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس دور کے صوفیہ نے طریقت کو شریعت کے آئینے میں پیش کر کے علماء کے لیے تصوف میں بڑی کشش پیدا کر دی۔

بارہویں صدی عیسوی کے صوفیائے کرام نے اسلامی تصوف کو فلسفے کی شکل دی، اسی زمانے میں تصوف کے بعض اہم سلسلوں کی بنیاد پڑی، اسی صدی میں امام غزالی نے اپنی معرکتہ الآراء کتاب ”احیاء العلوم“ لکھ کر گلشن تصوف اور اخلاق محمدیؐ کی آبیاری کی۔

اسی صدی میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے بغداد میں مسئلہ رشد و ہدایت کو زینت بخشا، آپ کی تصانیف میں فتوح الغیب، فتح ربانی، غنیۃ الطالبین اور فیوض ربانیہ رہروان راہ طریقت کے لیے راہ نما ہیں۔

اسی صدی میں حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی جیسے عظیم المرتبت صوفی پیدا ہوئے۔

تیرہویں صدی عیسوی میں اسلامی تصوف کی تحریک عالمگیر بن چکی تھی، اس صدی میں باقاعدہ تصوف کے سلسلے قائم ہوئے، ساتھ ہی جابجا صوفیائے کرام نے اپنی خانقاہیں قائم کر کے رشد و ہدایت کے چراغ روشن کیے۔

یہ ہے اسلامی تصوف کی اجمالی تاریخ، جسے میں نے ”تاریخ مشائخ چشت“ سے اختصار کے ساتھ اس لیے پیش کر دیا ہے کہ اس سے اسلامی تصوف کے ارتقا کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبال کے متعلق بعض حلقوں میں اس خیال کا اظہار کیا جاتا ہے کہ وہ تصوف کے مخالف تھے، اس غلط فہمی کی بنیاد دراصل اس پر مبنی ہے کہ علامہ نے جابجا اپنی نظم و نثر میں آسمان تصوف کی مخالفت کی ہے کہ جس کا سرچشمہ قرآن و حدیث نہیں۔ وہ دراصل مسخ شدہ تصوف اور صوفیائے خام کے خلاف تھے، وہ اس تصوف کے مخالف تھے جس کا خمیر عجمی خیالات و فلسفے کی آمیزش سے تیار کیا گیا تھا، اور جس نے خالص اسلامی تصوف کے سرچشموں کو گدلا کر دیا تھا، انہوں نے شیخ محی الدین ابن عربی اور حافظ شیرازی کی اس لیے مخالفت کی کہ ان کے مخلصانہ خیال کے مطابق اول الذکر نے مسئلہ وحدت الوجود کو فلسفے کی شکل دے کر اسلامی تصوف کا ایک جزو بنایا، اور ان کے اس نظریے کی دل آویزی نے مسلمانوں کے دل و دماغ پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ حضرت مجدد الف ثانی سے پہلے تک اکثر اکابر صوفیہ اس نظریے کی رنگینیوں میں گم ہو کر اس سے متاثر رہے۔ شیخ ابن عربی کے فکر و مانے اس نظریے کو وہ رعنائی اور توانائی بخشی تھی کہ کسی کو اس کے خلاف مجال سخن نہ تھی لیکن شیخ ابن عربی اپنی تصانیف میں اس پر مصر ہیں کہ وحدت الوجود کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر ہے انہوں نے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں قرآن و حدیث سے متعدد دلائل پیش کیے ہیں، ان کے ہمعصر اور بعد کے صوفیہ نے ان کے اس نظریے کو نہ صرف قبول کیا،

بلکہ اپنی تعلیمات کا جزو بنالیا۔ پھر عربی، فارسی اور اردو کے نامور صوفی شعراء نے اس فلسفے کو اپنایا، ان کے شاعرانہ تخیل نے اس فلسفے کو شعر کے سانچے میں ڈھال کر نئے گل کھلائے، عراقی نے صب سے پہلے لمعات میں جو نظم و نثر میں ہے اس فکر کو شعر کے قالب میں ڈھالا، پھر آخر الذکر حافظ شیرازی نے اپنی شیریں نوائی اور سحر بیانی سے غزل کے روپ میں اس کو دو آتشہ کر دیا، اور بقول علامہ اقبال یہ فلسفہ اس قدر سکر آلود اور خواب آور تھا کہ اس نے مسلمانوں کی زندگی پر نہایت ہی ناخوشگوار اثر ڈالا، خودی کی نفی نے ذوق عمل اور جدوجہد کی رفتار کو مفقود کر دیا، عمل محکم اور سعی پیہم کا تصور ایک خواب و خیال ہو کر رہ گیا۔ پھر رندی و سرمستی کی تلقین نے جزا و سزا کے تصور کو مضمحل کر دیا پھر حال دونوں خیالات کے بزرگی اپنے پاس دلائل و براہین رکھتے ہیں۔

علامہ اقبال نظریہ وحدت الوجود کا ماخذ افلاطون کے نظریہ تصورات کو بتاتے ہیں جس کو صوفیہ اعیان ثابۃ سے تعبیر کرتے ہیں، اور اس نظریہ کو مسلک گو سفندی سے تعبیر کرتے ہیں، اور اس نظریہ سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں وہ افلاطون کے اس فلسفے پر محاکاتی رنگ میں تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں :

راہب دیرینہ افلاطون حکیم

از گروہ کو سفندان قدیم

(۱) افلاطون : ۴۲۷ ق۔ م میں ایتھنس کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوا، ابتدائی تعلیم کرٹیللاس سے حاصل کی، پھر سقراط کا شاگرد ہوا، جس کے نظریات نے اس پر نہایت گہرا اثر ڈالا، اس کے علاوہ فیثا غورث اور اس کے متبعین کے ان نظریات نے جن کا تعلق ریاضی سے تھا، اسے بے حد متاثر کیا، وہ اپنے مرنے تک فلسفے کی تعلیم دیتا رہا افلاطون نے ہی تصورات کا نظریہ پیش کیا تھا۔

(ح)

در زخمش او در ظلمت معقول گم
در کیمستان وجود افکنده شمع
آنچنان افسون ناله محسوس خورد
اعتبار از دست و چشم و گوش برد
گفت مشر زتنگی در مردن است
شمع را صد جلوه از افسردن است
جام او خواب آور و گیتی ربا است
گوسفندی در لباس آدم است
حکم او بر جان صوفی محکم است

فکر افلاطون زیان را سود گفت
حکمت او بود را نا بود گفت
منکر پنگامش بر وجود گشت
خالق اعیان ناله مشهود گشت

زنده جان را عالم امکان خوش است
مرده دل را عالم اعیان خوش است

آپوش بیهوش از لطف خرام : زین کافا (۱)
لذات گفتار بر کبکش حرام
قوم ها از سکر او مسموم گشت
خفت از ذوق عمل محروم گشت

(۱) کلیات اقبال فارسی (اسرار و رموز - ص ۳۲) - حواله نویسنده

اس حکایت میں علامہ اقبال نے نہایت خلوص سے ان صوفیہ پر تنقید کی ہے کہ جنہوں نے افلاطون کے اس فلسفے کو روح اسلام سے بے نیاز ہو کر اپنایا ، پھر اس کو اس دلکش انداز میں پیش کیا کہ وہ بادی النظر میں عین اسلامی تعلیمات کے مطابق نظر آنے لگا۔

اسی لیے انہوں نے شیخ محی الدین ابن عربی پر محض اس مسئلہ وحدۃ الوجود کی بنا پر سخت تنقید کی ہے ، ورنہ وہ ان کی صوفیانہ عظمت کے قائل تھے ، اور بقول سید عابد علی عابد مرحوم ، انہوں نے ایران کے مابعد الطبیعیات اور اپنے خطبات میں ابن عربی سے استفادہ بھی کیا تھا۔

حافظ شیرازی کی مخالفت کی بنیاد بھی یہی مسئلہ وحدت الوجود تھا ، شیخ ابن عربی کے نزدیک وحدت الوجود کا ماحصل یہ ہے کہ وجود صرف واحد کا ہے ، دنیا و مافیہا کا کوئی وجود نہیں ، ظاہر ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے وہ فریب نظر ہے ، وجود صرف خدا کا ہے ، باقی سبچ ہے ، حافظ نے اس فلسفے کو عجب بوقلمونیوں کے ساتھ ایسے انداز میں پیش کیا کہ دلوں میں اتار دیا۔ حافظ نے وحدۃ الوجود کے فلسفے کو جو دل آویزی بخشی ہے ، اس کے چند نمونے ہم یہاں پیش کرتے ہیں ، فرماتے ہیں :

نہ بندی زان میان طرفی کمروار

اگر خود را بہ بینی درسیانہ

ندیم و مطرب و ساقی ہمہ اوست

خیال آب و گل در رہ بہانہ

وجود ما معنائست "حافظ"

کہ تحقیقش فسوں است و فسانہ

حافظ خودی کے تصور کی اپنے اشعار میں نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں :

(۱)

فکرِ خود و رائے خود دار عالم زندگی نیست
کفرِ بحثِ اذریں مذہبِ خود بینی و خود رائی
تا فضل و عقل بینی، بے معرفت نشینی

یک نکتہ ات بگویم خود را نہیں کہ رستی
علامہ اقبال نے ان مضر اثرات کو دیکھ کر جو ان کی رائے میں
نظریہ وحدت الوجود سے معاشرے میں مرتب ہو رہے تھے، ان بزرگوں
کے بعض نظریوں کی مخالفت کی تھی، وہ صوفیائے خام اور رسمی تصوف
کے بھی خلاف تھے، چنانچہ ایک خط میں حضرت اکبر الہ آبادی کو
لکھتے ہیں :

بہان لاہور میں ضروریاتِ اسلامی سے ایک متفق بھی
آگاہ نہیں... صوفیہ کی دکانیں ہیں مگر وہاں سیرت
اسلامی کی متاع نہیں بکتی۔۔۔ لیکن جہاں تک خالص اسلامی تصوف کا تعلق ہے، وہ نہ صرف
اسلامی تصوف کے قائل تھے، بلکہ وہ خود ملتِ اسلامیہ میں لیت
تھے، اور ان صوفیائے کرام سے و الہانہ عقیدت و شیفتگی رکھتے تھے،
جنہوں نے اسلامی تصوف کو اپنے حکیمانہ نظریات سے پروان
چڑھایا، وہ شریعت کے آئینے میں حقیقت کار جمال دیکھنا چاہتے
تھے، اور جس آئینہ گر کے آئینے میں یہ جمال ہم آہنگ ہو کر
نظر آجاتا، علامہ اس کے والد و شہدا ہو جاتے، ان صوفیائے کرام میں
وہ ان صوفیہ کے بے حد مداح و معترف ہیں جنہوں نے ملتِ اسلامیہ
کے جسد میں نئی روح پھونکی، اور زوال و انحطاط کے دور میں
احیائے دین کے نئے راستے تلاش کیے، اور مسلمانوں کی دینی اور
سماجی زندگی کے آراستہ کرنے میں عظیم الشان کارنامے انجام دیے،
جب کبھی امتِ مسلمہ پر کوئی نازک وقت آیا، انہوں نے بصیرت
اور حکمت کے ساتھ نامساعد حالات کا مقابلہ کیا، اور اسلامی

(۱) اقبال ٹائمز حصہ دوم، ص ۴۸

(ک)

معاشرے کا صحیح مزاج قائم رکھنے کے لیے انتھک کوششیں کیں۔ علامہ اقبال نے اپنے شعری اور نثری مجموعوں میں ان کے ناموں کے ساتھ ان کی بارگاہ عالی مرتبت میں خراج عقیدت پیش کر کے ان صوفیائے کرام اور بزرگان عظام کی نشان دہی کی ہے جن سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں، اور جن کی کوششوں نے اسلامی روح، اسلامی فکر، اسلامی کردار اور اسلامی سرمایہ زندگی کو تباہ ہونے سے بچا لیا، ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ وہ شریعت اور طریقت کو ہم آہنگ کر کے اپنی تبلیغی جدوجہد اور روحانی تصرف سے انسانی قلوب پر اثر انداز ہوئے، اور دنیا کی کاپا پلٹ کر رکھ دی۔

علامہ اقبال کے ان محبوب صوفیائے کرام کی عظمت کا تقاضا تھا کہ ان صوفیائے کرام کا ایک مستقل تذکرہ لکھا جائے، چونکہ اقبال کے موضوعات میں ابھی تک اس موضوع پر کوئی کام نہیں ہوا تھا، خدا کا شکر ہے کہ یہ سعادت بھی میرا مقدر ہوئی، آج میں ”اقبال کے محبوب صوفیہ“ کے نام سے اس تذکرے کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

میں نے اس تذکرے کی تالیف میں کوشش کی ہے کہ ہر بزرگ کے حالات زندگی، ان کی تبلیغی اور اصلاحی جدوجہد، ان کی سیرت و اخلاق کے مختلف پہلو، ان کی علمی و دینی خدمات، ان کی تصانیف، ان کے دور کے وہ عوامل و محرکات جن میں انہوں نے اپنی شمع ہدایت روشن کی، تفصیل سے آجائیں، خاص طور پر اس فلسفے یا واقعہ کو جس کی بنا پر علامہ اقبال ان سے متاثر ہوئے ہیں وضاحت سے پیش کیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ اسلامی تصوف کی تعلیمات عقلیت پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی نقطہ نگاہ رکھتی ہیں، ان کا رخ کائنات کی طرف ہے، اور صوفیہ کا پیام آفاقی ہے، صوفیہ عوام کی مادی،

روحانی اور ثقافتی بہبود کے لیے ایک اور ایسے نئے معاشرے کی تشکیل چاہتے تھے، جس میں طبقاتی تفاوت، سماجی برائیاں ختم ہوں، مساوات اسلامی کا آفتاب جلوہ گر ہو، اور معاشرے کے ہر فرد کو راحت و سکون میسر ہو، میں نے اسی مقصد کے پیش نظر یہ کتاب لکھی ہے، اور تاریخ و تحقیق کی روشنی میں ان بزرگوں کی تعلیمات کو پیش کیا ہے جو گفتار و کردار، فکر و عمل میں حق پرستی اور سچائی کے علمبردار تھے۔

افادیت اور امتداد کے لحاظ سے مآخذ کے حوالے ذیلی حواشی میں دئے دیئے گئے ہیں، اور مزید معلوماتی اور ضروری حواشی کا اضافہ کتاب کے مناسب اور ضروری مواقع پر کر دیا گیا ہے۔ کتاب کی ترتیب صوفیائے کرام کے منہ وفات کے لحاظ سے رکھی گئی ہے۔

میں جناب محترم سید عبدالواحد صاحب معینی، نائب صدر اقبال اکادمی اور جناب ڈاکٹر محمد معزالدین صاحب، ڈائرکٹر اقبال اکادمی کا بھی سپاس گزار ہوں کہ ان دونوں حضرات کی قدر افزائیوں کی بدولت یہ کتاب منظر عام پر آسکی۔ ورنہ خدا جانے کب تک یہ مسودہ معرض تاخیر میں پڑا رہتا۔

آخر میں میری دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ میری اس تالیف کو حسن قبول سے نوازے۔ آمین۔

میر تقی میر

قدوسی منزل ۵۵/۵۵

لیاقت آباد

کراچی۔ ۱۹۷۵ء مارچ ۵ء

اعجاز الحق قدوسی

۲۰ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ مطابق

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

1

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

بارگاہ امام المتقین میں علامہ اقبال کا خراج عقیدت

باب مدینہ العلم و العرفان ، امام المتقین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سرخیل صوفیائے کرام ہیں ۔ طریقت کے بہت سے سلسلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے شروع ہوتے ہیں ۔ تمام مسلمان اور صوفیائے کرام حضرت علیؑ کی محبت اور ان کی عقیدت کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت اور عقیدت کے بغیر کسی صوفی پر علم و عرفان کے دروازے نہیں کھل سکتے ۔

✓ علامہ اقبال نے ”اسرار و رموز“ میں جس سوز و گداز سے حضرت علیؑ کی بارگاہ میں اپنا ہدیہ عقیدت پیش کیا ہے ۔ اور ان کی عظمت بے پایاں اور جلالت شان کی نشان دہی کی ہے ۔ اس نظم کا ایک ایک شعر ایمان افزا اور سرمایہ بصیرت ہے ۔ اور ایک قاری کو ان کی یہ نظم بے حد متاثر کرتی ہے ۔ فرماتے ہیں :

عشق را سرمایہ ایمان علیؑ
در جہاں مثل کھر تابندہ ام

✓ مسلم اول شد مردان علیؑ
✓ از ولایت دودمانش زندہ ام

مے اگر ریزد ز خاکِ من ازوست
حق یدالله خواند در آم کتاب
سیہر اسمائے علی داند کہ چیست
زیر فرمانش حجاز و چین و روم

زمزم از جوشد ز خاکِ من ازوست
مرسل حق کرد نامش بو تراب
ہر کہ دانائے رموزِ زندگی ست
ذاتِ او دروازہ شہرِ علوم

حالات:

آپ کا اسم گرامی علی، ابوالحسن اور ابو تراب کنیت، حیدر لقب، آپ کے والد کا نام جناب ابو طالب، اور والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ حضرت علیؑ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے، حضرت علیؑ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے، حضرت ابو طالب چونکہ کثیر العیال تھے، اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کی کفالت اپنے ذمے لے لی تھی، اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی بچپن سے حضرت علیؑ کی تربیت فرمائی۔

اسلام:

حضرت علیؑ نے دس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، اور وہ بچپن میں سب سے پہلے ایمان لائے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؑ تیرہ سال مکہ معظمہ میں رہے، چونکہ وہ ذاتِ دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے مشوروں کی مجلسوں میں، تعلیم و ارشاد کے مجموعوں میں، معبود حقیقی کی عبادت و پرستش میں وہ ہر وقت آپ کے ساتھ موجود رہتے تھے۔

(۱) زرقانی، جلد ۱، ص ۲۸۰ (۲) اسد الغابہ، تذکرہ حضرت علیؑ

ہجرت :

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم ملا ، اور کفار نے عزم کیا کہ وہ نعوذ باللہ رسول اکرم صلی اللہ وسلم کو قتل کر دیں تو ہجرت کے لیے روانہ ہونے سے قبل آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ آپ کی جگہ آپ کے بستر مبارک پر استراحت کریں ، اس وقت حضرت علیؓ کی عمر زیادہ سے زیادہ بائیس تیس برس کی تھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس بستر پر ایک قتل ہونے والا ہے ، حضرت علیؓ کی فدویت و جان نثاری کا یہ عالم تھا کہ آپ اسی بستر پر سوئے ، کفار کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ تشریف لے جا چکے ہیں اور حضرت علیؓ آپ کے بستر پر آرام فرما ہیں تو اپنی غفلت پر سخت برہم ہوئے ، اور حضرت علیؓ کو چھوڑ کر آپ کی تلاش میں سرگرداں پھرنے لگے ، تین چار روز کے بعد حضرت علیؓ بھی آن تمام امانتوں کو آن مالکوں کو واپس کر کے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے ۔

حضرت فاطمہ سے نکاح :

سنہ ۲ ہجری کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا اور اپنی محبوب صاحبزادی خاتون جنت حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا ۔

غزوات :

حضرت علی کرم اللہ وجہہ آن تمام غزوات میں شریک رہے ، جو رسول اکرم صلی اللہ وسلم کے زمانے میں پیش آئے ، اور ہر غزوے میں شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے ۔ غزوہ بدر ، غزوہ احد ،

(۱) مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۴۰ -

غزوہ خندق ، فتح مکہ اور دوسرے تمام معرکوں میں شیخ خدا نے دشمنوں کی صفیں کی صفیں الٹ دیں ، اور ذوالفقار حیدری نے اپنی شجاعت کا لوہا دشمنانِ اسلام سے منوایا ۔

خیبر کے معرکے میں جب وہ کسی سے فتح نہ ہوسکا تو آپ نے حضرت علیؓ کو سپہ سالار مقرر فرمایا ، اور خیبر آپ کے ہاتھوں فتح ہوا ، اور یہودیوں کا سردار مرہب آپ کے ہاتھ سے مارا گیا ۔

حجۃ الوداع :

سنہ ۱۰ ہجری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا ۔ یہ حج ، حجۃ الوداع کہلاتا ہے ، حضرت علیؓ اس حج میں شریک تھے ۔

خلافت :

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ مسلمانوں کے خلیفہ منتخب ہوئے ، سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی ۔ اور حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت راشدہ ہوئے ، حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت عثمانؓ نے مسند خلافت کو زینت بخشی ۔

حضرت علیؓ کی خلافت :

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ مسند آرائے خلافت راشدہ ہوئے ، ۱۲ رجب سنہ ۴۰ (۶۵۹ ع) کو بعض وجوہ کی بنا پر آپ نے کوفے میں اقامت اختیار کی ۔ اور اس طرح دارالحکومت مدینے سے عراق منتقل ہو گیا ۔

شہادت :

۲۔ رمضان ۵۴۰ھ (۶۶۱ع) میں ابن ماجہ نے صبح کی نماز کے وقت عین نماز کی حالت میں حضرت علیؑ کو شہید کر دیا ، اور یہ فضل و کمال ، رشد و ہدایت کا آفتاب غروب ہو گیا ۔

فضل و کمال :

حضرت علیؑ کی فضل و کمال کی سب سے بڑی بنیاد یہ ہے کہ انہوں نے بچپن ہی سے درسگاہ رسالت میں تعلیم و تربیت حاصل کی ۔ اس لیے انہوں نے بارگاہ رسالت میں تعلیم و تربیت پا کر غیر معمولی تجربہ اور فضل و کمال حاصل کیا ۔ آپ کو دربار رسالت سے انا مدینۃ العلم و علی بابہا (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) کا شرف امتیاز بخشا گیا ۔

حضرت علیؑ کو علوم قرآن و تفسیر ، علم تاریخ و منسوخ ، علم حدیث ، فقہ و اجتہاد میں غیر معمولی تبحر اور کمال حاصل تھا ، قضا اور فیصلے میں بھی آپ کی افضلیت اور صلاحیت کو اکابر صحابہؓ تسلیم کرتے تھے ۔ علم اسرار و حکم میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا تقریر و خطابت میں بھی آپ غیر معمولی ملکہ رکھتے تھے ، عام نحو کی بنیاد آپ نے رکھی ۔ وہ ان صحابہ کرامؓ میں تھے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی پورا قرآن زبانی یاد کر لیا تھا ، نہ صرف لفظی طور سے آپ اس کے حافظ تھے ، بلکہ اس کی ایک ایک آیت اور شان نزول سے واقف تھے ، طبقات ابن سعد میں ہے کہ ایک موقع پر خود حضرت علی مرتضیٰؑ نے فرمایا کہ میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ یہ کہاں اور کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی ۔

حضرت فضیل بن عیاضؓ

جاوید نامہ میں علامہ اقبال نے جن بزرگوں کو خراج عقیدت پیش کیا ہے، ان میں حضرت فضیل بن عیاض بھی ہیں، وہ افلاک کی سیر کرتے ہوئے ایک مقام پر پہنچتے ہیں تو عارف رومی سے پوچھتے ہیں -

من بہ رومی گفتم این صحرا خوش است
در کہستان شورش دریا خوش است
من نیابم از حیات این جا نشان
از کجا می آید آواز اذان؟

مولانا روم جواب دیتے ہیں :

گفت رومی این مقام اولیاست	آشنا این خاکدان باخاک ماست
بوالبشر چون رخت از فردوس بست	یک دو روزے اندریں عالم نشست
این فضا ہا سوز آہش دیدہ است	نالہ ہائے صبحگاہش دیدہ است
زائران این مقام ارجمند	پاک مردان از مقامات بلند
پاک مردان چون فضیل و بوسعید	عارفان مثل جنید و بایزید

خمیز تا مارا نماز آید بدست
یک دو دم سوز و گداز آید بدست

حضرت فضیل بن عیاض کا تعلق طبقہ^۱ اول کے صوفیہ سے ہے، صوفیہ کا طبقہ^۲ اول کا زمانہ ۶۶۱ ع (۵۴۱) سے ۸۵۰ ع (۵۲۳۶) تک مقرر کیا گیا ہے، یہ اس وقت وجود میں آیا، جب کہ بنی امیہ کے مظالم حد سے زیادہ بڑھے، اور ان میں حجاج بن یوسف اور زیاد بن مغیرہ جیسے ظالم پیدا ہوئے، جن کے مظالم سے خدا کی مخلوق چیخ اٹھی ان ظالمانہ رویوں کے ردِ عمل میں صوفیہ کا پہلا طبقہ وجود میں آیا ان صوفیہ کا طریقہ^۳ عمل یہ تھا کہ یہ حکومت سے منقطع ہو کر گوشہ گیر ہو گئے۔ اور دعاؤں اور عبادتوں میں مصروف ہو گئے۔ طبقہ^۴ اول کے صوفیہ میں حضرت اویس قرنی، حضرت حسن بصری، حضرت مالک بن دینار، حضرت محمد واسع، حضرت حبیب عجمی اور حضرت خواجہ فضیل بن عیاض خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ بزرگ انفرادی طور پر رات دن عبادت میں مشغول رہتے تھے، اور خلفاء اور امراء کی صحبتوں اور ان کی ملاقاتوں کو بُری نظر سے دیکھتے تھے، خشیت اللہ کی جذبے سے سرشار تھے، اور کسی اجتماعی فکر کے بغیر انفرادی طور پر عبادت و ریاضت میں زندگی بسر کرتے تھے۔

حالات :

نفحات الانس میں ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض کی کنیت ابو علی ہے، یہ دراصل کوفے کے رہنے والے تھے، بعضوں نے ان کے بزرگوں کا وطن خراسان بتایا ہے، کہا جاتا ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض مشرقِ قدیم میں پیدا ہوئے، یا وِرد میں بڑھے ہوئے^۲، سفینۃ الاولیاء

- (۱) جاوید نامہ، ص ۶۴
(۲) نفحات الانس (اردو ترجمہ) ص ۴۲-۴۳ (۲) سفینۃ الاولیاء، (اردو ترجمہ) ص ۱۲۰-۱۲۱

الاولیاء میں ہے کہ وہ خواجہ عبدالواحد بن زید کے مرید ، امام اعظم امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید ہیں ، ابراہیم بن ادہم ، بشر حافی ، سفیان ثوری اور داؤد طائی کے ہم عصر تھے ، معارف و حقائق میں یکتائے روزگار تھے اور طبقہ اول کے صوفیہ کی طرح یہ بھی عبادت و ریاضت ، گوشہ گیری ، اور خافا اور آمرا سے قطع تعلق کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے ، وہ ہمیشہ خلفاء اور آمرا سے اجتناب کی کوشش کرتے اور اگر مجبوراً کہیں ملنا پڑ جاتا تو نہایت جرات و دلیری سے ان کو ان کی غلطیوں پر متنبہ کرتے ۔

سیرالاقطاب ، سیرالمتقدمین اور تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ ابتدا میں حضرت فضیل بن عیاض قزاقی کرتے تھے ، اور قزاقوں کے سردار تھے ، مسافروں کے مال و اسباب کو لوٹ کر لاتے ، اور اس پر گزر بسر کرتے تھے ۔ ایک روز وہ ایک قافلے کو لوٹنے کے لیے گئے ، جب وہ اس قافلے کو لوٹنے لگے تو قافلے میں کے ایک شخص نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی : **الْمَیْمَانِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اِنْ تِخَشَعْ قُلُوبُهُمْ لَذِکْرِ اللّٰهِ (ترجمہ : کیا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں ، وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قاب اللہ کے ذکر سے خشوع حاصل کریں)** اس آیت نے ہجلی کی طرح حضرت فضیل بن عیاض کے دل پر اثر کیا ، انہوں نے اس قافلے کو چھوڑا ، ان کے دل کی دنیا بدل گئی ، وہ زار زار روتے ہوئے جنگلوں اور بیابانوں میں پھرنے لگے اتنے میں ایک دوسرا قافلہ آدھر سے گزرا ، اس قافلے کے لوگوں نے جو ان سے ناواقف تھے ، خود ان ہی سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ اس راستے میں فضیل قزاق جو لوٹ مار کرتا تھا ، اب اس کا کوئی خطرہ تو نہیں ؟ حضرت فضیل نے انہیں جواب دیا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ فضیل بن عیاض توبہ کرچکا ہے : پہلے تم اس سے ڈرتے تھے ، اب وہ تم سے ڈرتا ہے ، وہ سچے دل سے توبہ کرچکا ہے ، اب تمہیں کسی خوف و خطرے کی ضرورت نہیں ۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ اس کے بعد خواجہ کو فہم گئے ، اور امام ابو حنیفہ کی خدمت میں رہے ، وہاں سے بصرہ آئے ، چاہتے تھے کہ حضرت خواجہ حسن بصری سے بیعت کریں لیکن ان کی اوقات پوچھی تھی ، پھر وہ حضرت خواجہ عبدالواحد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت ہوئے ۔

ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید اپنے وزیر فضل کے ساتھ حضرت خواجہ فضیل بن عیاض کے گھر پر حاضر ہوا ، اور دروازہ کھٹکھٹایا ، اندر سے پوچھا کون ہے ؟ وزیر نے جواب دیا امیر المومنین ، خواجہ فضیل نے اندر سے فرمایا کہ امیر المومنین کو مجھ سے کیا کام ، اور میرا آن سے کیا واسطہ ؟ وزیر نے کہا کہ ہمیں اندر آنے کی اجازت دیجیے ، ورنہ ہم حکماً اندر آجائیں گے ، اندر سے جواب آیا کہ میں اجازت تو نہیں دے سکتا ، لیکن اگر تم حکماً اندر آنا چاہو تو آؤ ، چنانچہ خلیفہ اور وزیر اندر گئے ، ان کے آنے ہی حضرت خواجہ فضیل نے چراغ گل کر دیا ، تاکہ خلیفہ کو نہ دیکھ سکیں ، اتفاق سے ہارون کا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے چھو گیا ، فرمایا کیسا نرم ہاتھ ہے کاش دوزخ کی آگ سے بچا رہے ، خلیفہ نے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے ، حضرت فضیل نے فرمایا تمہارے باپ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے ، انہوں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ مجھے کسی صوبے کا حاکم بنا دیجئے ، آپ نے فرمایا یا عم ہک لنفسک یعنی اے چچا ! میں تمہیں تمہارے نفس کا امیر بناتا ہوں ، ہارون الرشید نے کہا کچھ اور ، فرمایا یہ ملک تمہارا گھر ہے ، اور اس ملک کے رہنے بسنے والے تمہاری اولاد ، ماں باپ کے ساتھ نرمی ، بہن بھائیوں پر مہربانی ، بچے بچیوں سے نیک سلوک کرو ، یاد رکھو اگر کوئی سفلس بڑھیا رات کو بھڑکی منو جائے گی تو قیامت کے دن وہ بھی

تمہاری دامن گیر ہوگی^۱۔

نفحات الانس اور سفینۃ الاولیا میں ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض نے محرم ۱۸۷ھ (۳-۲۰۸۰ ع) میں وفات پائی۔ مزار مبارک مکہ شریف میں ہے^۲۔

خلفاء:

حضرت خواجہ فضیل کے پانچ خلفاء جنہوں نے ان کے بعد آن کی شمعِ رشد و ہدایت کو روشن رکھا۔ ان کے نام یہ ہیں (۱) حضرت ابراہیم بن ادہم (۲) شیخ محمد شیرازہ (۳) خواجہ بشر حافی (۴) شیخ ابی رجا عطاری (۵) خواجہ عبداللہ سیاری۔

(۱) تاریخ سرائے چشت، ص ۷۵ - ۷۶ بحوالہ تذکرۃ الاولیا (عطاری) اردو ترجمہ، ص ۸۴ - ۸۵
(۲) نفحات الانس (اردو ترجمہ) ص ۴۲، سفینۃ الاولیا (اردو ترجمہ)

م

حضرت بایزید بسطامی

حضرت بایزید بسطامیؒ کے متعلق علامہ اقبال کا تاثر:-

حضرت بایزید بسطامیؒ، ان صوفیائے کرام میں سے ہیں کہ جن سے علامہ نے اپنی غیر معمولی محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے، ان کے فقر کو ایک مثالی اور قابل تقلید نمونہ قرار دیا ہے۔ بال جبریل میں فرماتے ہیں :

شوکتِ منجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمال ہے نقاب

اسرار و رموز میں ان کی عشق رسولؐ کی سرشاری اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بایزیدؒ نے محض اس لیے خربوزہ کھانے سے اجتناب کیا کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح خربوزہ کھایا

(۱) بال جبریل، ص ۱۵۴

تھا اُن کے عشق اور اتباع رسولؐ کو قابلِ نمونہ و مثال قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

کیفیتها خیزد از صہبائے عشق ہست ہم تقلید از اسمائے عشق
کاملِ بسطام در تسلیمِ فرد اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد
عاشقی محکم شو از تقلیدِ یار تا کمندِ تو شود یزداں شکار
لشکرے پیدا کن از سلطانِ عشق جلوہ گر شو بر سرفارانِ عشق
تاخدائے کعبہ بنواز د ترا

شرح انی جاعل^۱ سازد ترا^۲

جاوید نامہ میں صبر و رضا کی تلقین کرتے ہوئے حضرت بایزید بسطامی کے ایمان کامل کی تشریح پیر روم کی زبان سے اس طرح بیان کرتے ہیں :

کارِ مردان است تسلیم و رضا برضعیفان راست ناید ایں قبا
تو کہ دانی از مقامِ پیر روم می ندانی از کلامِ پیر روم
بود گہرے در زمانِ بایزید
گفت او را یک مسلمانِ معید
خوشتر اُن باشد کہ ایمانِ اُوری
تا بدست آید نجات و سروری
گفت ایں ایمان اگر ہست اے مرید
آنکہ دارد شیخ عالمِ بایزید
مین ندارم طاقتِ اُن ، تابِ اُن
کان فزون آمد ز کوششہائے جاں^۲

حالات:

حضرت بایزید بسطامی⁷⁰ کا اسم گرامی طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان ہے، آپ کے دادا بٹ پرست تھے، جنہوں نے اس خاندان میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔

ڈاکٹر عبدالرب صاحب سابق ڈائرکٹر اقبال اکادمی نے اپنی کتاب^۱ میں لکھا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی^۲ طہران اور نیشاپور کے درمیان موضع بسطام میں پیدا ہوئے، ان کا قیاس ہے کہ حضرت بایزید بسطامی⁷⁰ ۱۶۱ھ (۷۷۷ع) میں پیدا ہوئے ہوں گے، ڈاکٹر موصوف کا قیاس ہے کہ انہوں نے متاہل زندگی بسر کی، اور ان کے بیوی بچے بھی تھے، انہوں نے لکھا کہ ۱۰ سال کی عمر میں وہ وطن سے نکلے۔ اس سفر میں ان کی ملاقات تین سو صوفیہ سے ہوئی، بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ ان کی ملاقات حضرت امام جعفر صادق^۴ سے بھی بتائی جاتی ہے، لیکن یہ ممکن نہیں، اس لیے کہ امام جعفر صادق^۴ نے ۱۴۸ھ (۷۶۵ع) میں وفات پائی۔

ہمعصر:

نفحات الانس میں ہے کہ حضرت بایزید بسطامی حضرت احمد خضرویہ^۱، یحییٰ بن معاذ^۲ کے ہمعصر تھے، اور ان دونوں بزرگوں نے

The life, thought and historical importance of Abu Yazid (۱) al Bistami The Academy for Pakistan Affairs, Dacca 1971).

(۲) ڈاکٹر عبدالرب نے ان کا پورا نام ابو یزید البسطامی لکھا ہے۔

(۳) حضرت احمد خضرویہ: کی کنیت ابو حامد تھی، بلخ کے رہنے

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

حضرت بایزید بسطامی سے روحانی استفادہ بھی کیا تھا ، ڈاکٹر عبدالرب نے اپنی کتاب میں حضرت بایزید سے استفادہ کرنے والوں میں ابو موسیٰ دیوبلی کا بھی اضافہ کیا ہے ، جو آرمینیا سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ۔

طریقہ طیفوری :

ڈاکٹر عبدالرب نے اپنی کتاب میں لکھا کہ حضرت بایزید کے زمانے تک کوئی سلسلہ طریقت نہیں تھا ، حضرت بایزید پہلے شخص ہیں ، جنہوں نے سلسلہ طیفوریہ کی بنیاد رکھی ۔ علامہ ابو الفضل نے آئین اکبری میں طریقت کے ان سلسلوں کے نام دیے ہیں ، جنہوں نے اس بزرگ صغیر پاک و ہند میں روحانی خدمات انجام دی ہیں ، اس فہرست میں سلسلہ طیفوریہ کا نام بھی درج ہے ۔

تعلیم :

حضرت بایزید بسطامی نے رشد و ہدایت کا سلسلہ اس زمانے میں شروع کیا جب یونانی فلاسفہ مسلمانوں میں ہمہ گیر بن رہا تھا ، عقل اور مذہب میں ایک کشمکش جاری تھی مذہب کے عقائد و فکر کو

بقیہ جواشی (صفحہ ۱۴)

والے تھے ، خراسان کے مشہور مشائخ شمار ہوتے تھے ، اور حضرت بایزید سے بسطام میں ملے تھے ، احمد خسرو بہ نے ۵۲۴ھ (۸۶۰ع) میں وفات پائی ۔ نفحات الانس ، (آردو ترجمہ) ص ۶۲

(۲) حضرت یحییٰ بن معاذ : کی کنیت ابو زکریا ہے ، یہ طبقہ اول کے صوفیہ سے تعلق رکھتے ہیں ، یحییٰ بن معاذ نے ۱۵۸ھ (۷۷۴ع) میں وفات پائی ۔ نفحات الانس (آردو ترجمہ) ص ۶۳-۶۴

عقل کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا تھا، بے راہ رو عقل اس معنی میں مشہور نہیں کہ مذہبی عقائد و فکر کی ایسی تاویلات کی جائیں کہ اس کا رشتہ فلسفے سے جوڑ سکے، قرآن حکیم کے طریقہ استدلال کو بدل کر فلسفے کی دقیقہ منجیوں میں گم کیا جا رہا تھا، حضرت جنید بغدادی آن بزرگوں میں ہیں، جنہوں نے اس وضعیت اور عقلیت کے طوفانوں کے مقابل میں عشق الہی اور محبت رسولؐ کے چراغ کو روشن کیا، اور عقل بے راہ رو کا مداوا عشق الہی کے تریاق سے کیا، انہوں نے اپنی تعلیمات میں عشق الہی اور اتباع رسولؐ پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔

✓ علامہ اقبال بھی حضرت بایزید بسطامیؒ کے مسلک عشق سے بے حد متاثر نظر آتے ہیں، وہ حاصل زندگی عشق کو بتاتے ہوئے جاوید نامہ میں فرماتے ہیں :-

زندگی را شرع و آئین است عشق

اصل تہذیب است دین، دین است عشق

ظاہر اور سوز ناک و آتشیں

بساطن اور نوبی رب العالی میں

از تبر و تاب ذر و نش علم و فن

از جنون ذو فنونش علم و فن

دین نگر د پختہ ہے آداب عشق

دین بگیر از حجت ارباب عشق

✓ اسرار و رموز میں فرماتے ہیں کہ جب خودی محبت سے مستحکم

ہوئی ہے تو فرماں دہ عالم بن جاتی ہے :

از محبت چوں خودی محکم شود قوتش فرماندہ عالم شود

پیام مشرق میں عقل و عشق کا مقابلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

عقلے کہ جہاں سوزد ، یک جلوہ بیبا کش
از عشق پیاسوزد ، آئین جہانتابی
عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیزد
از تاب و تب رومی ، تا حیرت فارابی
ایں حرف نشاط آور می گویم و می رقصم
از عشق دل آساید ، با ایں ہمہ بیتابی

وہ موجودہ دور کی عقلیت کے سیلاب پر افسوس کناں پہوتے پہوتے
کہتے ہیں :

عشق پامال خرد گشت و جہاں دیگر شد
بود آبا کہ مرا رخصت آہے بخشند

زبور عجم میں فرماتے ہیں :

عشق اگر فرمان دہد از جان شیریں ہم گزر
عشق محبوب است ، و مقصود است و جان مقصود نے

عشق سے اُن کا مقصود محبت الہی ہے ، محبت الہی کے لیے وہ
محبت اور اتباع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لازمی قرار
دیتے ہیں ۔

اسرار و رموز میں فرماتے ہیں :

✓ مومن از عشق است و عشق از مومن است
✓ عشق را ناممکن ما ، ممکن است
عشق صید از زور بازو افگند
عقل بکار است و داسے می زند

وہ عقل و عشق کا موازنہ کرتے ہوئے عشق کو عقل پر فضیلت دیتے
ہوئے فرماتے ہیں ۔

عقل مہیا کی است او مہیا کی تر
 ہیا کی تر، چالا کی تر، بیہیا کی تر
 عقل در پیچاک اسباب و علل
 عشق چوگان باز میدان عمل
 عقل را سرپایند از بیم و شک است
 عشق را عزم و یقین لاینفک است
 آن کنند تعمیر تیا ویران کنند
 ایں کنند ویران، کہ آبادان کنند
 عقل چون بیاد است ارزان درجہاں
 عشق کہ میاب و بے ہائے او گراں
 عقل محکم از اساس چون و چہند
 عشق عریاں از لباس چون و چہند
 عقل می گوید کہ خود را پیش کن
 عشق گوید امتحان خویش کن
 عقل باغیر آشنا از اکتساب
 عشق از فضل است و بتا خود در حساب
 عقل گوید شاد شو، آباد شو
 عشق گوید، بندہ شو، آزاد شو
 عشق را آرام جان حریت است
 ناقہ اش را ساربان حریت است

وہ عشق کو ایک ہمہ گیر طاقت بتاتے ہوئے ایک ایسی توانائی

قرار دیتے ہیں کہ جس کے ذریعے سے عمل کو فروغ حاصل ہوتا

ہے، اور ثابت قدمی، صبر و استقامت کو تقویت پہنچتی ہے، وہ

✓ عشق کو نور حیات قرار دیتے ہیں۔ ان کے ذیل کے اشعار میں اس

خیال کی ترجمانی ملتی ہے ، فرماتے ہیں ۔

✓ مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات ، موت ہے اس پر حرام
✓ تند و سبک میر ہے گرچہ زمانے کی رو
✓ عشق خود ایک سیل ہے ، سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے مساوی
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دمِ جبرئیل ، عشق دلِ مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول ، عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام ، عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیرِ حرم ، عشق امیرِ جنود
عشق ہے ابن السبیل ، اس کے ہزاروں مقام
✓ عشق کے مضرب سے نغمہ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات ، عشق سے نارِ حیات

✓ بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشاخانے لبِ بنام ابھی^۲

✓ صدقِ خلیل^۴ بھی ہے عشق ، صبرِ حسین^۵ بھی ہے عشق
معرکہ^۶ وجودِ فرمیں بدرو حنین بھی ہے عشق^۳

ایک حلقے کی جانب سے قدیم صوفیہ اور اسلامیہ اقبال پر یہ
الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے عشق کی تعلیم دے کر تعقل

- (۱) بال جبریل ، ص ۱۲۷-۱۲۸ ۲۔ بانگ درا ص ۳۱۸
(۳) بال جبریل ص ۱۵۳

تفکر اور تدبیر کے تمام راستے بند کر دیے ہیں، حالانکہ قرآن حکیم میں ہمیں جاہلجا تفکر اور تدبیر کی دعوت دی گئی ہے، وہ عشق کو ایک رجعت پسندانہ خیال قرار دیتے ہیں، جس نے عقل و فکر کی راہیں بند کر کے دنیا کی موجودہ ترقیات پر بہت برا اثر ڈالا ہے، لیکن اس حلقے کے افراد کا یہ اعتراض نہایت ہی غلط فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے، علامہ اقبال جس عشق کی دعوت دیتے ہیں، اس کا ماخذ خود قرآن حکیم اور حدیث شریف ہے قرآن حکیم میں سے، والذین امنوا اشهدوا باللہ (اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کے ساتھ شدید محبت رکھتے ہیں)۔ حدیث شریف میں جن تین چیزوں کے ذریعہ سے حلاوت ایمان حاصل

ہوتی ہے، ان میں سب سے پہلی چیز اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے، جسے سب چیزوں پر اولیت دی گئی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبوی میں اس جذبے کو حب سے تعبیر کیا گیا ہے، علامہ اقبال اور تمام صوفیائے کرام اسی جذبے سے قلب کو گرمانا چاہتے ہیں اور اس کو اس کے مترادف لفظ عشق سے تعبیر کرتے ہیں، علامہ اقبال اور تمام صوفیہ اس تعقل اور تفکر کو محمود ٹھراتے ہیں جو حقیقت اشیا کے معلوم کرنے کے بعد خدا شناسی کی طرف رہبری کرتا ہے، وہ اس عشق کو عقل کا امام قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین ہے عشق

عشق نہ ہو تو شرع و دین بت کدہ تصورات

وہ اس تعقل و تفکر کو ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں، جن سے بے لگام عقل انسانوں کے دل و دماغ میں خدا کے خلاف بغاوت پیدا کرتی ہے، فرماتے ہیں:

قلب را از صبغتہ اللہ رنگ دہ عشق را ناموس و نام و رنگ دہ
طبع مسلم از محبت قاہر است مسلم از عاشق نباشد کافر است

(۱) پال جبریل، ص ۱۵۳ (۲) اسرار و رموز، ص ۶۹-۷۰

علامہ، عشق الہی کے لیے محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لازمی قرار دیتے ہوئے ہمیں اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ دنیا اور آخرت اور ملت کی ساری کامرانیوں عشق رسول^۱ پر منحصر ہیں۔ فرماتے ہیں :

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است^۱
 ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست بجز و بر در گوشہ دامن اوست
 سوز صدیق^۲ و علی^۳ از حق طلب ذرہ عشق نبی از حق طلب
 ز آنکہ ملت را حیات از عشق اوست برگ و ساز کائنات از عشق اوست^۲

✓ وہ ایک جگہ عشق رسول^۱ کو محبت الہی پر بھی ترجیح دیتے ہوئے اس نکتے کو واضح فرماتے ہیں کہ اگر ہم اس نکتے پر غور کریں کہ ہمیں معرفت الہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی سے حاصل ہوئی ہے تو خدا سے بھی نبی محبوب تر ٹھہرتا ہے : کہتے ہیں :

✓ معنی حرفم کنی تحقیق اگر بنگری بادیدہ صدیق^۲ اگر
 قوت قلب و جگر گردد نبی از خدا محبوب تر گردد نبی^۳

علامہ جس عشق سے قلوب کو گرمانا چاہتے ہیں ، اس کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

✓ عشق را از تیغ و خنجر پاک نیست
 ✓ اصل عشق از آب و باد و خاک نیست^۴

-
- (۱) اسرار و رموز ص ۲۰ (۲) پیام مشرق ، ص ۸
 (۳) اسرار و رموز ص ۱۱۷ (۴) اسرار و رموز ص ۱۹

وہ ایمان و یقین محکم کا ذریعہ عشق کو قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں :

صدقِ خلیل بھی ہے عشق ، صبرِ حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حسنین بھی ہے عشق

شطحیات :

وہ الفاظ جو صوفیائے کرام کی زبان سے عالم سکر و مستی میں نکلتے ہیں ، اور بظاہر شریعت کے خلاف ہوتے ہیں ، ایسے کلمات کو اصطلاح تصوف میں شطحیات کہا جاتا ہے ۔ اکابر صوفیہ کی شطحیات مشہور ہیں ، ان کے صحیح مفہوم کو متعین کرنا ، اہل بصیرت کا کام ہے۔ حضرت بایزید بسطامی کی بھی بعض شطحیات مثلاً سبحانی ما اعظم شافی وغیرہ مشہور ہیں ، ڈاکٹر عبدالرب صاحب نے اپنے مقالے میں لکھا ہے کہ : وہ سات مرتبہ بسطام سے اپنی شطحیات کی بنا پر نکالے گئے ، لیکن نفحات الانس میں حضرت حصری کا بیان ہے کہ حضرت بایزید بسطامی پر شطح کی حالت نہ تھی ، اور وہ شرعی اوامر و نواہی کو بڑی اہمیت دیتے تھے ، شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ بہت سے جھوٹ حضرت بایزید سے منسوب کیے گئے ہیں ۔^۲

وفات :

ڈاکٹر عبدالرب سابق ڈائریکٹر اقبال اکادمی نے اپنے مقالے میں حضرت بایزید بسطامی کی وفات ۵۲۳ھ (۸۳۸-۳۹ع) میں بتائی ہے ، صاحب نفحات الانس نے آپ کا سنہ وفات ۵۴۶ھ (۸۵۳-۵۴ع) کو زیادہ صحیح بتایا ہے ۔

(۱) بال جبریل ، ص ۱۵۳
(۲) نفحات الانس فارسی ، طبع نولکشور ، ص ۵۹ - ۶۰

تصانیف :

حضرت بایزید بسطامی کے ملفوظات کو ابوالفضل محمد السلاگی
(متوفی ۵۸۴ھ) (۱۰۹۳ع) نے النور من کلمات ابی الطیفور کے نام سے
جمع کیا ہے۔

۴

70

حضرت جنید بغدادی

✓ علامہ اقبال کی محبت و عقیدت :

حضرت جنید بغدادی ان بزرگوں میں سے ہیں کہ جن سے علامہ اقبال کو غیر معمولی محبت و عقیدت تھی ، اور جنہیں وہ اپنی شاعری میں بطور نمونہ و مثال پیش کرتے ہیں ۔ بال جبریل میں ان کی ایک نظم ذوق و شوق کے عنوان سے ہے ، اس میں فقر جنید کو سراہتے ہوئے فرماتے ہیں :

شوکت منبر و سلیم تیرے جلال کی نمود
✓ فقر جنید و بایزید تیرا جمال ہے نقاب

ارمغان حجاز میں حضرت جنید کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں :

دگر بمدرسہ ہائے حرم نمی بینم
✓ دل جنید و نگاہ غزالی و رازی

(۱) بال جبریل ، ص ۵۴ (۲) ارمغان حجاز ، ص ۲۷۱

حالات :

حضرت جنید بغدادی کی کنیت ابو القاسم ، اور آپ کا لقب قواریری اور زجاج و خراز ہے ، قواریری اور زجاج آپ کو اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کے والد شیشے کی تجارت کرتے تھے ، اور خراز آپ کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ خود موزہ دوزی کا کام کرتے تھے ، حضرت جنید کا آبائی وطن نہاوند تھا ، لیکن وہ بغداد میں پیدا ہوئے^۱۔

تربیت روحانی :

حضرت جنید بغدادی نے روحانی تربیت حضرت سری سقطی^۲، حارث محاسبی^۳ اور محمد قصاب^۴ سے حاصل کی تھی۔

(۱) نفحات الانس (اردو ترجمہ) ص ۹۰-۹۱

(۲) حضرت سری سقطی: حضرت سری بن المغلس السقطی کی کنیت ابو الحسن ہے ، یہ طبقہ اول کے صوفیہ میں شمار ہوتے ہیں ، حضرت جنید کے استاد ہیں ، اور خود حضرت معروف کرخی کے شاگرد ہیں ، حضرت سری سقطی نے منگل کے دن ۳ رمضان ۵۲۵۳ (۶۸-۶۸۶۷) میں وفات پائی۔ نفحات الانس اردو ترجمہ ص ۶۰-۶۱۔

(۳) حارث محاسبی: حارث بن امدالمحاسبی کی کنیت ابو عبد اللہ ہے ، آپ کا شمار طبقہ اول کے صوفیہ میں ہوتا ہے ، بصرے کے رہنے والے تھے ، لیکن بعد میں بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی ، حادث محاسبی نے ۵۲۴۳ (۵۸-۵۸۷۷) میں وفات پائی۔ (نفحات الانس۔ اردو ترجمہ ، ص ۵۷)

(۴) شیخ محمد قصاب: ابو العباس قصاب کے شاگرد ہیں ، دامغان میں رہتے تھے (نفحات الانس (اردو ترجمہ) ص ۳۲۸)

شیخ فرید الدین عطار ان کی محامد و اوصاف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں -

سقتدائے اہل تصوف بود ، واورا سید الطائفہ گفتہ اند ،
ولسان القوم خواندہ اند واعبدالمشائخ نوشتہ اند ،
وطاؤس العلماء و سلطان المحققین و ذر شریعت و حقیقت
باقصی الغایت بود ، و در زہد و عشق بے نظیر ، و در
طریقت مجتہد ، و بیشتر از مشائخ بغداد در عصر او
وبعد ازوے مذہب او داشتہ اند ، وطریق او طریق
صحو بود - ... و او را تصانیف عالی است در اشارات
و حقائق و معانی -

ترجمہ

حضرت جنید بغدادی ، اہل تصوف کے پیشوا تھے ، ان کو
سید الطائفہ لسان القوم کہتے تھے ، ابدالمشائخ ، طاؤس
العلماء اور سلطان المحققین لکھتے تھے ، شریعت اور
حقیقت کی انتہا پر تھے ، زہد و عشق میں بے نظیر تھے ، اور
طریقت میں مجتہد کا درجہ رکھتے تھے ، ان کے زمانے
میں اور ان کے بعد بغداد کے مشائخ ان کا مذہب رکھتے
تھے ، ان کا طریقہ ”صحو“ تھا ، ... اشارات و حقائق
و معانی میں ان کی تصانیف بہت بلند ہیں ۔

حضرت سری سقطی جو حضرت جنید کے ماسوں بھی تھے ، اور
مرشد بھی ، ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا کبھی مرید اپنے پیر
سے بڑھ سکتا ہے ؟ فرمایا ہاں ، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جنید

اپنے مرتبے میں مجھ سے بلند ہے۔

صاحب کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ نے
آن کو طریقت میں شیخ المشائخ اور شریعت میں امام الائمہ لکھا ہے۔

شیخ ابو جعفر حیدر کہا کرتے تھے کہ عقل اگر مرد ہوتی
تو جنید کی شکل میں ہوتی۔ حضرت جنید بغدادی نے اس دور میں اپنا
چراغ رشد و ہدایت روشن کیا، جب کہ مسلمانوں میں یونانی فلسفے
کا رواج ہوا، بے لگام عقل نے مذہب سے بغاوت اختیار کی، اعتقاد کی
بنیادیں ہل گئیں، دینی وجدان اور صحیح فکر و نظر گم ہونے لگا، اور
عقلیت کے اس سیلاب نے مسلمانوں کی دینی زندگی پر نہایت برا اثر
ڈالا، مذہبی عقاید کو عقل کے سانچوں میں ڈھال کر بے سرو پا تاویلات
کا باب کھولا گیا، قرآنی آیات کی تاویلات کی گئیں، جن سے مذہب
کی حقیقی روح گم ہونے لگی۔

حضرت جنید بغدادی اور ان کے ہم عصر صوفیہ نے اس فتنے کے
خلاف آواز اٹھائی اور عقل کے مقابلے میں عشق الہی پر زور دیا، اور
خود بھی عشق الہی سے سرشار ہو کر زندگی بسر کی، اور اس طرح
فلسفے کے برے اثرات کا مداوا قلبی کیفیات کے ذریعے سے کیا، اور
اپنی تعلیمات میں محبت الہی پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔

تعلیمات :

✓ حضرت جنید بغدادی کی تعلیمات میں ہمیں جس تصوف کی طرف
رہبری ملتی ہے وہ حقیقی اور اسلامی تصوف ہے، جس کا سرچشمہ
قرآن و حدیث ہے۔ فرماتے ہیں کہ :

✓ ایں راہ کسے یابند کہ کتاب بردست راست
گرفتہ باشد، و سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

بر دست چپ، و در روشنائی دو شمع می ردد تا نہ
در سفاک شبہت افتد، نہ در ظلمت بدعت

ترجمہ

(تصوف کی) یہ راہ صرف وہی پا سکتا ہے، جس کے
سیانے ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں حدیث
سنت رسول مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو، ان دونوں
چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے، تا کہ نہ تو
شبہے کے گڑبوں میں گرے، اور نہ بدعت کے اندھیرے
میں پھنسے۔

محبت الہی کی عملی راہ غریبوں سے محبت اور خدمت خلق
ہے۔ سیرالاولیاء میں ہے کہ حضرت جنید بغدادی فرمایا کرتے
تھے کہ میں نے مدینے کی گلیوں میں حق کو پایا ہے، لوگوں
نے پوچھا کیسے؟ فرمایا

روزے در بازار مدینہ می رفتم۔ شکستگانے دیدم
از غایت شکستگی کہ صفت نستوان کرد، برایشان
رحم آمد، خواستم کہ با ایشان یاشم و مسوانست
بگیرم، صحبت ایشان بودم، پنداشتم کہ خدا باشکستگان
است^۲

ترجمہ

ایک روز میں مدینے کے بازار میں چلا جا رہا تھا کہ چند

(۱) تذکرہ الاولیاء (شیخ فرید الدین عطار) مطبوعہ لیدن، ص ۸

(۲) سیرالاولیاء، ص ۵۵۹ - ۵۵۸

خستہ حال لوگوں کو دیکھا کہ جن کی ہریشانی کی کیفیت بیان میں نہیں آ سکتی ، مجھے ان پر رحم آیا اور میں نے چاہا کہ میں بھی ان کے ساتھ رہوں اور ان سے سوانست اختیار کروں ، چنانچہ ان کی صحبت میں رہا اور سمجھ گیا کہ خدا شکستہ حالوں کے ساتھ ہے ۔

✓ خیرالمجالس میں ہے کہ حضرت جنید بغدادی نے ایک رات بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے اللہ ! مجھے یہ بتا دے کہ بہشت میں میرا ماتھی اور مصاحب کون ہوگا؟ آواز آئی کہ فلاں چرواہا ، حضرت جنید بغدادی اس چرواہے سے جا کر ملے ، اور کئی دن تک بغور اس کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہے ، کئی دن کے مشاہدے کے بعد اس سے فرمایا کہ تم پانچ وقت نماز باجماعت ادا کرتے ہو ، اس کے سوا مجھے تمہارا کوئی کام ایسا نظر نہیں آیا کہ تم خدائے تعالیٰ کی نظر میں اس قدر مقبول ہو ، کیا تمہیں یہ اعلیٰ مرتبہ کسی باطنی معاملے کے سبب سے ملا ہے؟ چرواہے نے جواب دیا کہ اے خواجہ جنید! میں ایک جاہل آدمی ہوں ، میں نہیں جانتا کہ باطن کس کو کہتے ہیں ۔ اور معاملہ کیا ہوتا ہے؟ لیکن مجھ میں دو باتیں ہیں ، ایک یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ ان سب پہاڑوں کو سونا کر دے ، اور میرے قبضے میں دے دے ، پھر یہ پہاڑ میرے پاس سے جاتے رہیں تو مجھے ان کے جانے کا ذرا بھی رنج و غم نہ ہوگا ۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی مجھ پر ظلم کرے یا احسان و وفا کرے تو میں اس جفا و وفا کو اس کی طرف سے نہیں جانتا ، بلکہ یہ سب اللہ کی طرف سے جانتا ہوں ۔

ایک شخص سے حضرت جنید بغدادی نے پوچھا کہاں سے آ رہے ہو؟ جواب دیا حج کر کے آیا ہوں ، دریافت کیا واقعی ، جواب ملا

جی ہاں۔ فرمایا جس وقت تم حج کے ارادے سے باہر نکلے تھے، کیا گناہوں کے تہ تیغ دینے کا ارادہ بھی کیا تھا؟ جواب ملا نہیں، ایسا تو کوئی ارادہ نہیں کیا تھا۔ فرمایا پھر تم حج کے لیے نکلے ہی نہ تھے، پھر پوچھا سفر میں جب منزل پر منزل طے کر رہے تھے، کیا مقامات حق بھی ساتھ ساتھ طے کیے تھے؟ جواب ملا نہیں۔ فرمایا تو تم نے سفر حج کی منزلیں طے نہیں کیں۔ پھر دریافت کیا، جب تم نے روزِ مشرہ کا لباس اتار کر احرام باندھا تھا، تو کیا صفات بشریہ سے بھی مفارقت کی تھی؟ جواب ملا نہیں، فرمایا تو پھر تم نے احرام باندھا ہی نہیں، پھر پوچھا جب تم عرفات میں کھڑے ہوئے، تو معرفتِ حق سے بھی بہرہ مند ہوئے تھے؟ جواب دیا نہیں، فرمایا پھر تو تم نے عرفات میں وقوف کیا ہی نہیں۔ فرمایا جب تم مزدلفہ گئے تھے تو نفسانی خواہش سے ہمیشہ کے لیے دست کش ہو گئے تھے؟ جواب ملا نہیں، فرمایا، پھر تم مزدلفہ گئے ہی نہیں۔ فرمایا خانہ کعبہ کا طواف کرنے وقت جمالِ حق کا پرتو بھی دیکھا تھا؟ کہا نہیں۔ فرمایا تو تم نے طوافِ کعبہ کیا ہی نہیں۔ پھر پوچھا صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت تمہیں اس کے مرتبے و مقام کا فہم و ادراک بھی ہوا تھا یا نہیں؟ جواب دیا نہیں؟ فرمایا تم نے سعی بھی نہیں کی۔ پھر ارشاد فرمایا منیٰ میں جب تم نے قربانی کی تھی، تو اس کے ساتھ اپنی نفسانی خواہشات کو بھی قربان کیا تھا؟ جواب دیا نہیں، فرمایا تم نے قربانی بھی نہیں کی۔ پھر دریافت کیا، جب تم نے سنگ ریزے پھینکے تھے تو نفسِ امّارہ اور ہوا و ہوس کو بھی کچلا تھا یا نہیں؟ جواب دیا نہیں فرمایا تم نے سنگ ریزے بھی نہیں پھینکے۔ پھر ارشاد ہوا تم نے حج کے آداب و شرائط کو ملحوظ ہی نہیں رکھا، واپس جاؤ، اور ان آداب و

شرائط کے ساتھ فریضہ حج ادا کرو۔^۱

حضرت جنید بغدادی نے ۵۲۹ھ (۹۱۰ع) میں وفات پائی ، وفات سے کچھ پہلے روتے ہوئے فرمایا کہ اب جب کہ میری عمر کا صحیفہ لپیٹا جا رہا ہے ، میں اپنی ستر سالہ طاعت و عبادت کو ایک بال میں لٹکا ہوا دیکھ رہا ہوں ہوا اس کو ہلا رہی ہے ، کہا نہیں جا سکتا کہ یہ توڑنے والی ہوا ہے یا ملانے والی ہوا ہے

(۱) رسالہ زندگی - لاہور ص ۲۴ تا ۳۰ جنوری ۱۹۷۲ جلد ۱۰ شمارہ



حضرت حسین بن منصور حلاج

علامہ اقبال کا منصور کے متعلق اظہار خیال :

حضرت منصور کے متعلق اُن کے نعرہ "انا الحق کی وجہ سے صوفیائے کرام میں اختلاف ہے۔ شیخ عمرو بن عثمان مکی، ابو یعقوب اور علی بن عثمان سہیل اصفہانی جیسے متقدمین صوفیہ نے ان کا انکار کیا ہے، اور ان کو مسہجور قرار دیا ہے، لیکن شیخ ابوبکر شبلی، ابوالعباس بن عطا، شیخ عبداللہ خفیف، شیخ ابوالقاسم نصرآبادی، شیخ ابومسعود ابوالخیر، شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری، اور حضرت داتا گنج بخش دہلوی، اور دوسرے متاخرین صوفیہ ان کے معتقد ہیں، اور ان کو بزرگ مانتے ہیں، ان بزرگوں کا کہنا ہے کہ معاملے کا مسہجور، مسہجور نہیں ہوتا، منصور کو جو کچھ جھیلنا پڑا وہ غلبہ شوق، جذبہ عشق اور مراتب و مدارج کو ضبط نہ کرنے کی وجہ سے تھا، وہ عالم بیخودی اور فرط عشق میں "انا الحق" کہہ بیٹھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً علامہ اقبال بھی منصور کے

منکرین میں تھے۔ چنانچہ ایک خط میں حضرت اکبر الہ آبادی کو لکھتے ہیں:

پہلے عرض کر چکا ہوں کہ کون تصوف میرے
نزدیک قابل اعتراض ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے،
وہ نئی بات نہیں، حضرت علا الدولہ منجانی^۱
لکھ چکے ہیں، حضرت جنید بغدادی لکھ چکے ہیں۔
میں نے تو محی الدین اور منصور حلاج کے متعلق وہ
الفاظ نہیں لکھے جو حضرت منجانی اور جنید نے ان
دونوں بزرگوں کے متعلق ارشاد فرمائے ہیں۔ ہاں ان
کے عقائد اور خیالات سے بیزاری ظاہر کی ہے۔
اگر اسی کا نام مادیت ہے تو قسم بخداۓ لایزال مجھ
سے بڑھ کر مادہ پرست دنیا میں کوئی نہ ہوگا^۲

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہ مطالعے اور تفکر نے بعد میں
منصور کے متعلق علامہ کی رائے میں تبدیلی پیدا کر دی تھی۔

(۱) حضرت علا الدولہ منجانی: منجانی مہو کتابت ہے، یہ لفظ سمعانی
ہے، ان بزرگ کا پورا نام ابوالمکارم رکن الدین احمد بن احمد
البیہا بانکی السمعانی ہے۔ یہ سمعان کے بادشاہوں کے خاندان سے تھے،
۵۶۸۷ (۱۲۸۸-۸۹) میں بغداد میں شیخ نورالدین عبدالرحمن
کسرتی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی اور خرقہ خلافت
حاصل کیا، اور رجب ۵۷۳۶ (۱۳۳۶ ع) کو بروج احرار صوفی آباد
میں ۷۷ سال کی عمر میں واصل الی اللہ ہوئے، (نفعات الانس
(آردو ترجمہ) ص ۴۶۸)

(۲) اقبال نامہ، حصہ دوم خط بنام حضرت اکبر الہ آبادی، ۱۱ جون
۱۹۱۸ ع، ص ۵۳-۵۵

ڈاکٹر ابو سعید نور الدین اپنی کتاب اسلامی تصوف اور اقبال میں لکھتے ہیں کہ :

صوفیہ کی فنا کے سلسلے میں یہاں ایک اور اہم نکتہ پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ منصور حلاج نے اتحاد بذات حق کا دعویٰ کر کے جو ”انا الحق“ کہا تھا، اس کے متعلق علامہ اقبال کہتے ہیں کہ مشہور فرنیچ مستشرق مسلمانوں نے منصور حلاج کے جو اقوال وار شادات جمع کیے ہیں، ان کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قول ”انا الحق“ سے مراد ہر گز یہ نہیں تھا کہ وہ خدا کے ساتھ متحد ہو گئے تھے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تخلیق حق (Creative truth) ہوں، بمعصر صوفیہ نے ان کے اس قول کو وحدت الوجودی رنگ دے دیا۔

اس کے علاوہ منصور حلاج کے دوسرے اقوال سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا کی وراثت کے قائل تھے۔ بنا بریں ان کے قول کی تفسیر اس طرح کرنی چاہیے کہ انسانی خودی وہ حقیر قطرہ نہیں ہے، جو انجام کار دریا میں مل جائے، بلکہ وہ قطرہ ہے جو اپنی ہستی کو زیادہ پائیدار صورت میں استوار کرے، اور اس بات کا اقرار کرے کہ اس کی ہستی حق ہے۔^۲

بال جبریل میں تو علامہ نے منصور کی یہاں تک ہمنوائی

کی ہے کہ فرماتے ہیں :

نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا
رقابت علم و عرفان میں غلط بینی ہے منبر کی
کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا

علامہ اقبال کی اس وضاحت کے بعد ہم منصور کے حالات کی
طرف رجوع کرتے ہیں منصور کی ذات اکثر صوفیہ کے نزدیک ایک
محبوب ترین ہستی رہی ہے۔ شیخ ابو سعید ابو الخیر نے منصور
کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ :

حسین منصور حلاج قدس اللہ روحہ بڑے مرتبے پر
فائز ہیں ، ان کے زمانے میں مشرق میں ان جیسا کوئی
نہیں ہوا ۔

حضرت شبلی^۱ جیسے بزرگ عارف نے جس دار پر منصور

(۱) بال جبریل - ص ۳۸

(۲) شبلی : ابو بکر شبلی کا نام جعفر بن یونس ہے آپ چوتھے طبقے
کے صوفیہ سے تعلق رکھتے ہیں ، مصر کے رہنے والے تھے ، بغداد
میں آئے اور خیر نساج کی مجلس میں توبہ کی ، خیر نساج نے
ان کو حضرت جنید بغدادی کے پاس بھیجا ، مالکی مذہب رکھتے
تھے ، حضرت جنید ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ہر قوم
کا ایک تاج ہوتا ہے ، اور اس قوم کا تاج شبلی ہیں حضرت
ابو بکر شبلی نے ستاسی سال کی عمر میں ۵۳۲ھ (۳۶-۹۳۵ع)
میں وفات پائی (نقحات الانس اردو ترجمہ ص ۲۹۲-۲۰۳)

کو چڑھایا گیا ، اس دار کے نیچے کھڑے ہو کر کہا الم ننہاک علی العالمین (کیا ہم نے تم کو عالم پر اس راز کے آشکارہ کرنے سے نہیں روکا تھا ، پھر انہوں نے کہا کہ میں بھی وہی کہتا ہوں جو وہ کہتا تھا ، لیکن دیوانگی نے مجھے چھوڑا لیا ، اور عقل نے اسے گرا دیا)۔

دسویں صدی ہجری کے مشہور صوفی و عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی⁷⁰ نے منصور اور ان کے دار پر چڑھائے جانے پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا:

نادانوں نے منصور حلاج کو سولی پر چڑھایا اور مار ڈالا ، اگر میں اس وقت وہاں ہوتا تو ان کو ہرگز قتل نہ ہونے دیتا..... فرمایا انسان جو خلاصہٴ موجودات ہے ، جب وہ خبر حق دیتا ہے تو وہ کیوں دار کا مستحق قرار پاتا ہے ؟

حالات:

حسین حلاج بن منصور البیضاوی جو منصور حلاج کے لقب سے عالم میں مشہور ہوئے ان کی کنیت ابوالمغیث تھی ، یہ ۵۲۴ھ (۸۵۸-۵۹ ع) کے قریب بیضا (فارس) نواح طور میں پیدا ہوئے ، حلاج ان کو اس لیے کہتے ہیں ایک دن وہ اپنے ایک دوست دہنیہ کی دکان پر تشریف لے گئے ، اس کو کسی کام سے بھیجا ، اور روٹی کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے رہے ، روٹی ایک طرف اور بنولے ایک طرف ہوتے رہے ، اس وقت سے وہ حلاج کہلائے ۔

(۱) لطائف قدوسی ، ص - ۳۸ - ۳۹ - لطیفہ ۶۵

شیخ فریدالدین عطار نے تذکرہ الاولیاء میں لکھا ہے کہ پہلے وہ تستر میں آئے ، اور دو سال تک شیخ مہل بن عبداللہ کی خدمت میں رہے ، پھر بغداد گئے ، پھر بصرہ گئے ، اور عمرو بن عثمان کی خدمت میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کی ، تقریباً اٹھارہ ماہ ان کی خدمت میں رہے ۔

شادی :

یہیں منصور نے ابو یعقوب اقطع کی بیٹی سے شادی کی ، کسی وجہ سے ان کے استاد عمرو بن عثمان منصورؒ ان سے ناراض ہو گئے ۔

حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں :

اس کے بعد منصور بغداد آئے ، اور حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں رہنے لگے حضرت جنید نے ان کو سکوت اور خلوت اختیار کرنے کے لیے فرمایا ، منصور بہت دن تک ان کی خدمت میں رہے ۔

(۱) مہل بن عبداللہ : کی کنیت ابو محمد ہے تستر کے رہنے والے تھے ، دوسرے طبقے کے صوفیہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ حضرت مہل بن عبداللہ نے محرم ۵۲۸۳ (۸۹۶ع) میں وفات پائی (نفحات الانس ، اردو ترجمہ ، ص ۷۶)

(۲) عمرو بن عثمان : کی کنیت عبداللہ ہے ، یہ دوسرے طبقے کے صوفیہ میں شمار ہوتے ہیں حسین منصور کے استاد ہیں ، انہی نسبت حضرت جنید سے کرتے تھے ، اور خراز کی صحبت میں بھی رہے تھے ، انہوں نے بغداد میں ۵۲۹۶ (۹۰۸-۹ع) میں وفات پائی (نفحات الانس اردو ترجمہ ، ص ۹۵)

نفحات الانس میں ہے کہ منصور حضرت نوریؒ کی خدمت میں بھی رہے تھے۔

سفر حجاز:

پھر حجاز گئے اور ایک سال تک حجاز میں رہے، اس کے بعد بغداد واپس آئے، اور صوفیہ کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت جنید سے ملاقات کی اس ملاقات میں حضرت جنید سے چند مسائل پوچھے، لیکن حضرت جنید نے کچھ جواب نہ دیا۔ صرف اتنا فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم جلد ہی اپنے خون سے دار کی لکڑیوں کو سرخ کرو گے، منصور نے جواب دیا کہ جس دن میں اپنے خون سے دار کی لکڑیوں کو سرخ کروں گا، اس دن آپ اہل فتویٰ کا لباس پہنیں گے۔

حضرت جنید نے جب منصور کے سوالات کے جوابات نہ دیے، تو وہ ناراض ہو کر اور بغیر اجازت تستر چلے آئے اور ایک سال وہاں رہ کر غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔ لوگوں نے حسد کی بنا پر ان کی مخالفت شروع کی یہاں تک کہ ان کے استاد عمرو بن عثمان نے بھی ان کی مخالفت میں خوزستان اور دوسرے شہروں میں خطوط لکھے، اور ان شہروں کے لوگوں کی نظر سے ان کو گرا دیا۔

نوری: حضرت ابوالحسن نوری کا نام محمد بن محمد اور احمد زیادہ صحیح ہے، ان کا شمار طبقہ دوم کے صوفیہ میں ہوتا ہے ان کا آبائی وطن شہر بعثور تھا، جو ہرات و مرو کے درمیان ہے۔ حضرت سری مقطی، محمد بن علی قصاب اور احمد بن الحواری کی خدمت میں رہے، حضرت نوری نے ۹۵ھ (۸۰۷-۹۰۷ ع) میں وفات پائی (نفحات الانس، اردو ترجمہ، ص ۸۹)

منصور نے دل گرفتہ اور ملول ہو کر جامہٴ تصوف آتار دیا ، قبا پہننے لگے اور دنیا کے کاموں میں لگ گئے ۔ پھر پانچ سال تک غائب رہے ، اس عرصے میں وہ خراسان ، ماوراءالنہر اور سیستان کے حصول میں رہے ، پھر اسوا ز آئے ، اور اہل اسوا ز کو اپنا پیام سنایا ، اور وہاں کے عوام و خواص میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی ، لوگ ان کو حلاج الاسرار کہتے تھے ، پھر دوبارہ انہوں نے جامہٴ تصوف پہن لیا ، اور حرم کا ارادہ کیا ، جب مکہ معظمہ پہنچے یعقوب نہرجوری نے ان کو جادوگر ٹھہرایا ، یہاں تک کہ مختلف ممالک میں گھومتے رہے ، اقصائے عالم میں لوگ ان کے معتقد ہو گئے اہل ہند ان کو اپنے خطوط میں ابوالمغیث ، اہل چین ابوالمعین ، اہل خراسان ابوالمہر ، اہل فارس ابو عبد اللہ ، اہل خوزستان حلاج الاسرار ، اور اہل بغداد مصطلم لکھتے تھے ۔ اور اہل بصرہ ان کو سخبر کہتے تھے ۔

یہاں تک کہ پھر وہ ایک بار مکہ معظمہ میں رہے ، اور دو سال تک حرم محترم کی مجاورت اختیار کی اور واپس ہوئے ۔

احول میں تغیر:

کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ سے واپس آنے کے بعد منصور کے احوال میں تغیر پیدا ہوا اور ایک دوسری ہی کیفیت ان میں محسوس ہونے لگی ۔ وہ جو باتیں کرتے تھے ، لوگ ان کے سمجھنے سے قاصر رہتے تھے ، یہاں تک کہ لوگوں نے ان کی یہ عجیب و غریب باتیں سن کر انہیں شہر سے نکال دیا ۔ آخر میں ان کی عجیب و غریب باتوں نے لوگوں کو ان کے خلاف زبان درازی پر مجبور کر دیا اور ان کی باتیں خلیفہ وقت تک پہنچائیں انہوں نے خلیفہ سے کہا کہ منصور انا الحق کہتا ہے ۔

کارنامہ بزرگان ایران میں ہے کہ : حلاج دارالحفظ واسط میں علوم کے حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے اور بارہ سال کی عمر میں انہوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا ، اور سہل بن عبداللہ تستری کے مرید ہو گئے ، جنہوں نے ان سے چلمہ کھنچوایا ، پھر وہاں سے بصرہ گئے ، اور حضرت حسن بصری کے مدرسے میں شریک ہو گئے ، اور ابو عبداللہ عمرو بن عثمان مکی سے خرقہ تصوف حاصل کیا ، وہیں یعقوب اقطع بصری کی لڑکی سے شادی کی ، پھر وہ ۲۶ سال کی عمر میں ۵۲۰ھ میں پہلی بار حج کے لیے مکہ معظمہ گئے ، وہاں سے اپواز آئے ، یہیں ان کی صوفیان قشری سے مخالفت ہوئی ، یہیں انہوں نے صوفیانہ عبا و قبا کو آتار کر پھینک دیا اور کہا کہ یہ نمود و نمائش ہے ، وہاں سے خراسان آئے ، اور پانچ سال خراسان میں رہے پھر اپواز آئے اس کے بعد بغداد گئے ، پھر دوسری مرتبہ حج کے لیے مکہ معظمہ حاضر ہوئے ، اسی سفر میں ان پر شعبدہ باز ہونے کی تہمت لگائی گئی ۔

علماء کا فتویٰ :

علماء نے ان کے نعرہ انا الحق پر جو بظاہر شریعت کے خلاف تھا منصور کے قتل کا فتویٰ دیا ۔ خلیفہ نے کہا کہ جب تک کہ حضرت جنید کے اس فتوے پر دستخط نہ ہوں گے ، میں اس فتویٰ کو معتبر نہ مانوں گا چنانچہ حضرت جنید جبہ و دستار پہن کر مدرسے میں آئے اور فتویٰ پر لکھا نحن نبحکم بالظاہر (ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں) اور یہ ظاہر حال میں قابل کشتنی ہے ، اور فتویٰ ظاہر پر دیا جاتا ہے ، باطن کا حال خدا جانتا ہے ۔ اس طرح منصور کی وہ پیشگوئی پوری ہو گئی جو انہوں نے حضرت جنید کے

(۱) کارنامہ بزرگان ایران ، ص ۷۹

جواب میں کی تھی کہ میں جس دن دار کی لکڑیوں کو اپنے خون سے سرخ کروں گا اس دن آپ اپنی فتویٰ کا لباس پہنیں گے۔

قید و بند :

منصور کو قتل سے پہلے جیل میں رکھا گیا وہ قید میں ایک سال رہے جیل کے دروازے پر مخلوق کا ہجوم رہنے لگا جو ان سے مختلف مسائل پوچھتے تھے آخر ملنے والوں پر پابندی لگا دی گئی۔ پانچ مہینے تک ان کے پاس کوئی نہیں گیا سوائے عطا ور عبداللہ بن خفیف کے، عطا نے ان کو سمجھایا کہ اے شیخ اپنے اس قول سے معذرت کیجئے تا کہ آپ اس قید سے چھٹکارا پائیں منصور نے جواب دیا کہ جس نے کہا ہے اسی سے کہو کہ وہ معذرت کرے عطا، منصور کا یہ جواب سن کر رو دیے اور کہا ہم خود منصور کی سپاہ کے ایک لشکری ہیں۔

قتل :

آخر خلیفہ نے اس خیال سے کہ فتنہ پیدا نہ ہو ان کے قتل کا حکم دیا جس وقت ان کو دار پر چڑھانے کے لیے لے گئے، اس وقت ایک لاکھ آدمیوں کا ہجوم ساتھ تھا وہ حق حق ”انا الحق“ کے نعرے لگاتے جاتے تھے۔ اسی درمیان ایک درویش نے ان سے پوچھا کہ عشق کیا ہے؟ منصور نے جواب دیا کہ عشق کا جلوہ تم آج دیکھو گے، کل دیکھو گے اور برسوں دیکھو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا پہلے روز ان کو قتل کیا گیا، دوسرے روز ان کی لاش کو جلایا گیا، تیسرے روز ان کی خاک کو ہوا میں اڑایا گیا۔

(۱) منصور کے یہ تمام حالات تذکرۃ الاولیاء (تالیف شیخ فرید الدین عطار مطبوعہ لیدن ص ۱۴۵-۱۵۴ سے ماخوذ ہیں)

منصور ۲۴ ذیقعدہ ۵۳۰۹ (۹۲۲ع) کو بغداد مجلد^۱ باب الطاق میں دار پر چڑھائے گئے^۱ سفینۃ الاولیا میں آن کے قتل کی تاریخ ۲۵ ذی الحجہ^۱ ، نفحات الانس میں ۲۴ ذیقعدہ مذکور ہے خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ منصور نے ستانوے سال کی عمر وفات پائی^۲

صاحب کارنامہ^۱ بزرگان ایران نے حضرت منصور کے قتل کی تفصیلات دیتے ہوئے لکھا کہ : منصور سیاحت کی غرض سے ہندوستان اور ماوراء النہر گئے^۱ اور اس سیرو سیاحت کے بعد بغداد آئے^۱ اور تیسری مرتبہ حج کے لیے مکہ معظمہ گئے^۱ اور عرفات میں قیام کے وقت انہوں نے دعا کی کہ اے خدا مجھے رسوا کر تاکہ لوگ مجھے برا بھلا کہتے رہیں ۔

جب وہ مکے سے بغداد آئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ارشاد و تلقین میں ایسی باتیں کہنے لگے^۱ جن کا اظہار خلاف مصلحت تھا^۱ یہاں تک کہ بعض الفاظ ان کی زبان سے ایسے نکلے کہ جن کو سن کر لوگ کہنے لگے کہ انہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے^۱ جب یہ چرچا عام ہوا تو ایک دن جامع مسجد بغداد میں منصور نے لوگوں سے کہا کہ مجھے قتل کر دو تاکہ مجھے بھی آرام ملے اور تمہیں اس کا بدلہ ملے ۔

۵۲۹۶ میں بغداد کی شورش کے زمانے میں اسواڑ چلے آئے اور جھپ کر زندگی گزارنے لگے^۱ آخر وہ لوگوں کے ہاتھ آ گئے^۱ اور لوگ ان کو پکڑ کر بغداد لے گئے^۱ اور انہیں قید کر دیا گیا^۱

(۱) سفینۃ الاولیا ص ۱۳۲ طبع نولکشور و خزینۃ الاصفیا

(۲) فٹ نوٹ مقالات الشعرا مرتبہ سید حسام الدین راشدی ص ۳۳۲-

۳۳۳ بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ص ۱۲۷

نو سال وہ جیل خانے میں رہے ، آخر ابو عمر حمادی نے جو اس وقت بغداد کے قاضی تھے ، منصور کے قتل کا فتویٰ دیا ، اور اس فتویٰ کی بنا پر خلیفہ مقتدر کے وزیر ابو محمد حامد بن عباس نے خلیفہ سے سے ان کے قتل کا حکم حاصل کر لیا ، آخر ۲۲ یا ۲۳ ذی قعدہ ۳۰۹ھ کو انہیں دار پر جڑھایا گیا ، پھر سٹھا کیا گیا ، لاش کو جلا کر اس کی راکھ کو دریائے دجلہ میں بہا دیا گیا ۔^۱

آخری الفاظ :

منصور کی زبان پر آخری الفاظ یہ تھے حسب الواحد افراد الواحد پھر یہ آیت پڑھی : يستعجل بها الذين لا يؤمنون بها والذين آمنوا مشفقون منها و يعلمون ان الله الحق^۲

(۱) کارنامہ بزرگان ایران ، ص ۸۲ - ۸۳

(۲) تذکرۃ الایمان طبع لندن ص ۱۴۴

حضرت ابوسعید ابوالخیر

علامہ اقبال کی عقیدت

علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں جن پاک مردوں کا تذکرہ کیا ہے ان کے وہ اشعار ہم حضوت فضیل بن عیاض کے تذکرے میں نقل کر آئے ہیں اس لیے یہاں یہاں علامہ کے صرف ایک شعر پر اکتفا کیا جاتا ہے:

پاک مرداں چوں فضیل و ابوسعید
عارفان مثل جنید و بابا یزید

حالات:

شیخ ابوسعید بن فضل اللہ بن ابی الخیر بابا طاہر کے معاصر تھے،

(۱) بابا طاہر: عریاں ہمدانی: خیال کہ یہ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں پیدا ہوئے بابا طاہر صوفی اور اہل دل شاعر تھے، بابا طاہر نے ہمدان ہی میں وفات پائی، اور وہیں مدفون ہوئے، ان کی رباعیاں نہایت پُرسوز اور درد ناک ہوتی تھیں، تاریخ ادبیات ایران (شفق) ص ۱۱۳-۱۱۵)

یہ بروز یکشنبہ یکم ماہ محرم ۵۳۵۷ (۶۸-۹۲۷ ع) میں مہندہ شہر مشہور بہ ”مہینہ“ نواح خاوران خراسان میں پیدا ہوئے ، مرو میں ابو عبد اللہ حصری^۱ سے تحصیل فقہ کی اور شیخ ابو الفضل حسن سرخسی^۲ ، ابو العباس احمد قصاب اور حضرت ابوالحسن خرقانی سے اکتساب فیض کیا ، اور حضرت ابو عبد الرحمن سلمی (متوفی ۵۴۱۲) سے خرقہ خلافت حاصل کیا ۔

شاعری :

حضرت ابو سعید ابوالخیر فارسی زبان کے شعرا میں صفر اول کے شاعر شمار کیے جاتے ہیں ، وہ گیارہویں صدی عیسوی کے اکابر مشائخ میں ہیں ، شیخ ابو سعید نے رباعیوں میں اپنے صوفیانہ خیالات کی نشر و اشاعت کی انھوں نے فارسی رباعیات کا بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے ، شعرالعجم میں مولانا شبلی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ :

سب سے پہلے صوفیانہ خیالات حضرت سلطان ابو سعید ابوالخیر نے ادا کیے ، وہ شیخ ابو علی سینا کے معاصر تھے ، ان سے اور شیخ سے اکثر مراسلت رہتی تھی ، شیخ مشکل مسائل ان سے دریافت کرتا تھا اور وہ جواب دیتے تھے یہ مراسلات آج بھی موجود ہیں^۳

(۱) ابو عبد اللہ حصری : بصرہ کے رہنے والے تھے ، فتح موصلی کے شاگرد تھے (نفحات الانس (اردو ترجمہ) ص ۱۳۰

(۲) شیخ ابو الفضل بن حسن سرخسی : ابوالنصر سراج کے مرید اور شیخ ابو سعید ابوالخیر کے پیر ہیں نفحات (اردو ترجمہ)

ص ۳۱۴

(۳) شعر الحجیم

تصوف حضرت ابو سعید ابوالخیر کے ، اخلاق و گفتار و کردار میں جلوہ گر تھا ، نہایت منکسر المزاج تھے خوش زبان اور شیریں بیان تھے ، خدمت خاقان کا شعار تھا ، مال ، دولت مندوں سے لے کر درویشوں میں تقسیم کرتے تھے ، کینہ جوئی کو سخت ناپسند کرتے تھے شیخ فرید الدین عطار نے ان کی عظمت بزرگانہ کو ظاہر کرتے ہوئے لکھا کہ :

آن فانی مطلق ، آن باقی بر حق ، آن محبوب الہی ، آن
معشوق نامتناہی آن نازنین مملکت ، آن بستان معرفت
آن عرش فلک میر ، قطب عالم ابو سعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ
بادشاہ عہد بود بر جملہ اکابر و مشائخ

حضرت سلطان ابو سعید کے علم و فضل کے متعلق لکھا کہ

اوراد و انواع علوم بکمال بود ، وچنین گویند کہ در ابتداء
سی ہزار بیت عربی خواندہ بود ، و در علم تفسیر و حدیث
و فقہ و علم طریقت حظی وافز داشت ... و در فقر و فنا
و ذل و تحمل شانی عظیم داشت

تعلیم تصوف :

تصوف کے رسوم و نیکات کو نہایت دل آویز طریقے سے بیان کرتے ایک دفعہ لوگوں نے ان سے کہا کہ فلاں شخص پانی ہر چلتا ہے ، فرمایا یہ کوئی خاص بات تو نہیں مرغ اور مولا بھی تو پانی ہر چلتے ہیں ۔ پھر لوگوں نے کہا فلاں شخص ہٹوا

(۱) تذکرۃ الاولیا (عطار) ص ۳۲۳ (۲) ایضاً ص ۳۲۳

میں آڑتا ہے ، فرمایا یہ بھی کوئی خاص بات نہیں ، چیل اور مکھی بھی ہوا میں آڑتی ہے ، پھر لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص ایک لمحے میں ایک شہر سے دوسرے شہر چلا جاتا ہے ، شیطان بھی ایک دم میں مشرق سے مغرب چلا جاتا ہے ، تصوف میں ایسی باتوں کی زیادہ قدر نہیں ، مرد تو وہ ہے کہ لوگوں میں بیٹھے معاملات کرے شادی کرے اور معاشرے میں ملا جلا رہے اور ایک لمحے کے لیے بھی خدا سے غافل نہ ہوا

ایک دفعہ کسی نے پوچھا تصوف کی حقیقت کیا ہے ؟ فرمایا جو کچھ کہ تو سر میں رکھتا ہے ، اسے نکال دے ، اور جو کچھ ہاتھ میں ہو ، اسے ڈال دے ، اور جو کچھ تمہارے پاس آئے ، تو آپ سے باہر نہ ہو ، اللہ بس ، اور اس کے ماسوا ہوس ہے ، اور نفس منقطع ہے۔^۲

تصوف کا مسلک صلاح کل ہے ، حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمہ اللہ علیہ ہر ایک سے خواہ وہ کسی مذہب و مسلک سے تعلق رکھتا ہو ، نہایت خندہ پیشانی اور محبت سے پیش آتے تھے۔ اور آن کو نہایت شفقت و محبت سے اسلام کی خوبیاں سمجھاتے تھے ، چنانچہ ایک دفعہ آپ اپنے مریدوں کے ساتھ عیسائیوں کے ایک گرجا میں گئے ، عیسائیوں کو آپ کی آمد سے نہایت مسرت و حیرت ہوئی ، اور آپ کا یہ طریقہ کار اتحاد و آلف کا موجب بنا۔^۳

اس زمانے میں کہ شیخ ابوسعید نیشاپور میں تھے ، ایک روز حیرہ کے قبرستان میں اپنے مریدوں کے ساتھ تشریف لے گئے ، ایک شیخ کی قبر پر دیکھا لوگ شراب پی رہے ہیں ، اور دف بجارہے ہیں ، آپ کے

(۱) نفحات الانس (آردو ترجمہ) ص ۳۳۵ - (۲) ایضاً ، ص ۳۳۶

(۳) تاریخ ادبیات ایران (شوق) ص ۱۱۷

سربدوں کو سخت غصہ آیا ، اور آن کے مارنے کے لیے دوڑے ، لیکن شیخ نے اس سے آن کو روکا ، اور خود آن کے پاس گئے ، اور آن کے لیے دعائے خیر کی ، وہ لوگ آپ کے اس طرز عمل سے بے حد متاثر ہوئے ، اور دوڑ کر آپ کے گھوڑے کے قدموں میں گرے ، اور تائب ہو کر تمام شراب گرا دی ، دف توڑ دیے ، اور تمام لوگوں کی زندگی کا رخ بدل گیا ۔

شاعری کا نمونہ

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کی شاعری کا اصل مرکز و محور عشق حقیقی ہے ، انھوں نے عشق حقیقی کی آگ سے دلوں کو گرمایا ، ہم ان کی چند رباعیاں تبرکاً پیش کرتے ہیں ، فرماتے ہیں :

غازی برہ شہادت اندر تگ و پوست
غافل کہ شہید عشق فاضل ترازوست
در روز قیامت این بسداں کے ماند
کہیں کشتہ دشمن است و آن کشتہ دوست

دل جز رہ عشق تو نپوید ہرگز
جز الفت و درد تو نجوید ہرگز
صحرائے دلم عشق تو شورستان کرد
تا سہر کسے دگر نہ روید ہرگز

کارنامہ بزرگان ایران میں ہے کہ حضرت ابو سعید ابوالخیر

نے مقدمات علوم یعنی صرف ، نحو اور لغت کی تعلیم اپنے وطن میہند میں پائی ، پھر فقہ کی تعلیم کے لیے مرو گئے ، اور پانچ سال امام ابو عبد اللہ خضریٰ کے حلقہٴ درس میں شریک ہو کر فقہ کی تعلیم حاصل کی ، ان کی وفات کے بعد امام ابوبکر قفال مروزی سے مزید فقہ کی تعلیم حاصل کی ، پھر سرخس آئے ، اور امام ابو علی زائیر بن احمد سے تفسیر اور حدیث کی تعلیم حاصل کی ، وہیں ان کی ملاقات لقمان سرخسی مجذوب سے ہوئی ، وہ ان کو پیر ابوالفضل محمد بن حسن سرخسی کی خدمت میں لے گئے جنہوں نے حضرت ابو سعید ابوالخیر کو تصوف کی تعلیم سے بہرہ ور کیا پھر وہ ریاضتوں اور سجادوں کے بعد پیر ابوالفضل کے حکم سے نیشا پور تشریف لے گئے ، اور وہاں ابو عبدالرحمن محمد بن حسین بن محمد سلمیٰ نیشا پوری سے خرقہٴ خلافت حاصل کیا ، اور اپنے وطن میہند آئے ، اور وہاں خانقاہ قائم کر کے رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے ، پیر ابوالفضل کی وفات کے بعد انہوں نے آمل میں حضرت ابو العباس احمد بن محمد بن عبدالکریم قصاب سے خرقہٴ خلافت حاصل کیا ۔

وفات :

حضرت سلطان ابو سعید الخیر نے میہند میں ۴ شعبان ، شب جمعہ ۵۴۴۰ (۶۱۰۴۹) میں وفات پائی ، مرض الموت میں ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے جنازے کے سامنے قرآن مجید کی کون سی آیتیں پڑھیں ؟ فرمایا کہ قرآن مجید کی آیتیں اس سے بلند ہیں کہ

مجھ جیسے گنہگار پر پڑھی جائیں، میرے لیے تو یہ شعر ہی کافی ہوں گے

بہتر از این در جہاں ہمہ چہ بود کار
دوست بر دوست رفت، یار بیار
آن ہمہ اندوہ بود، و ابی ہمہ شادی
آن ہمہ گفتار بود، این ہمہ کردار!

حضرت داتا گنج بخش

بارگاہ حضرت داتا گنج بخش میں علامہ اقبال کا خراج عقیدت

برصغیر پاک و ہند کے سب سے پہلے اور سب سے جلیل القدر عالم و صوفی و درویش حضرت داتا گنج بخش ہیں، جو سلطان مسعود بن محمود غزنوی (۴۲۲-۵۴۳) کے آخری عہد حکومت میں لاہور تشریف لائے، اور اس شہر میں تشریف فرما ہو کر رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا انہوں نے اپنے مواعظ، ملفوظات، تصانیف اور فیضان ظاہری و باطنی سے اس برصغیر پاک و ہند میں اسلام کا نور دور دور تک پھیلا دیا، اسلامی تصوف کے سرچشمے جو عجمی خیالات و اثرات کی آمیزش سے گد لے ہو چکے تھے، آپ نے اس کو نتھارا اور خالص اسلامی تصوف کی طرف اہل عرفان کا رخ موڑا (۱۱ گیارہویں صدی عیسوی کی تصوف کی تاریخ میں حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ کو نہایت اہمیت حاصل ہے، انہوں نے ایک طرف تصوف کے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دور کیا، دوسری طرف اسلامی تصوف کی راہیں کھول دیں، حضرت داتا گنج بخش نے تصوف کو اسلامی شریعت سے قریب لانے کی انتھک کوشش کی، اور حقیقی تصوف کو عوام تک پہنچانے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔

علامہ اقبال حضرت داتا گنج بخش ہجویری سے بہت زیادہ

متاثر ہیں، وہ ان کی بارگاہ میں اپنے جذباتِ عقیدت کو پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مہند ہجویری نے خود اسم
مرقد او پیر سنجہ را حرم
بہند ہائے کہسار آسان گسیخت
در زمین ہند تخرم مسجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق از حرف او بلند آوازہ شد
پامیان عزت ام الکتاب
از نگاہش خاندہ باطل خراب
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عاشق و ہم قاصد طہیار عشق
از جبینش آشکار آزار عشق

حالات :

آپ کا اسم گرامی علی، ابوالحسن کنیت اور داتا گنج بخش لقب ہے آپ کے والد محترم کا نام ناسی سید عثمان ہے، آپ کا نسب حضرت امام حسنؑ سے جا ملتا ہے۔^۲

آپ کو ہجویری اور جلابی اس لیے کہتے ہیں کہ مدتوں غزنی کے نواحی محلوں یا گاؤں میں آپ کا قیام رہا۔

آپ کی ولادت باسعادت ۵۴۰ھ (۱۰۹۰-۱۰۹۱ء) میں ہوئی۔^۲

(۲) بزم صوفیہ، ص ۱

(۱) اسرار و رموز، ص ۵۷-۵۸

تعالیم و تربیت :

آپ کی ابتدائی زندگی اور تعلیم کے متعلق تفصیل تذکروں اور تاریخوں میں بہت کم ملتی ہے، لیکن کشف المحجوب میں آپ نے اپنے جن اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے، ان میں حضرت ابوالعباس بن محمد شقانی ہیں حضرت ہجویری ان کے فضائل و مناقب کو ان الفاظوں میں بیان فرماتے ہیں:

مرا با وے آنسے عظیم بود وے را بر من شفقتے صادق
و در بعضے علوم استاد بن بود ... شرع را بنزدیک
وے تعظیم بیشتر بود۔^۱

(ترجمہ)

مجھے ان سے بے حد آنسیت تھی اور وہ مجھ پر غیر
بعمولی شفقت فرماتے تھے اور بعض علوم میں میرے
استاد تھے ... شریعت کی بیحد تعظیم فرماتے تھے۔

کشف المحجوب میں ایک جگہ آپ نے اپنے دوسرے استاد
ابو جعفر بن مصباح صیدلانی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

وہ رؤمائے متصوف میں تھے تحقیق میں ان کی زبان
اچھی تھی حسین بن منصور سے بہت محبت رکھتے تھے
میں نے ان کی بعض تصانیف ان سے پڑھیں۔^۲

ان کے علاوہ آپ کے جن اساتذہ کا تذکرہ ہمیں کشف المحجوب
میں ملتا ہے ان میں شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی ہیں

(۱) بزم صوفیہ، ص ۳۱ (۲) کشف المحجوب

حضرت ہجویری^۵ نے ان کے متعلق لکھا کہ:

مرا باوے اسرار بسیار بود اگر باظہار آیات وے
مشغول کردم از مقصود بمانم^۱
(ترجمہ)

مجھے ان کے ساتھ بڑا راز و نیاز تھا اگر میں ان نشانیوں
کے ظاہر کرنے میں مشغول ہو جاؤں تو اصل مقصد فوت
ہو جائے گا۔^۲

بیعت :

حضرت داتا گنج بخش نے جن بزرگ سے روحانی تعلیم و تربیت
حاصل کی وہ حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی علیہ الرحمہ ہیں
یہ بزرگ سلسلہ جنید بہ میں منسلک تھے حضرت داتا گنج بخش
ہجویری نے ان کے حالات کو قلم بند کرتے ہوئے لکھا کہ:

وہ (شیخ ابوالفضل) اوتاد کی زینت اور عابدوں کے
شیخ تھے میں طریقت میں ان ہی کا پیرو ہوں وہ علم تفسیر
اور روایات کے عالم تھے اور تصوف میں حضرت
جنید رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک رکھتے تھے اور حضرت
حصری رحمۃ اللہ علیہ کے سرید اور راز دار تھے ابو عمر
قزوینی اور ابوالحسن سالیہ کے ہم عصر تھے ساٹھ سال
تک گمنامی کی حالت میں گوشہ گیر ہو کر خلقت سے
دور رہے ان کا قیام زیادہ تر کوہ لگام میں رہتا تھا
انہوں نے اچھی عمر پائی ان کی ولایت کی بہت سی

(۱) کشف المجہوب (۲) ایضاً

دلیلیں ہیں لیکن ظاہری لباس اور رسوم صوفیہ کی نہ رکھتے تھے میں نے ان سے زیادہ پُر رعب کسی کو نہ دیکھا فرمایا کرتے تھے الدنيا يوم ولنا فيها صوم^۱

مرشد کی وفات :

کشف المجہوب میں آپ نے اپنے شیخ حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کی وفات کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

جس روز آپ (حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی) کی وفات ہوئی آپ بیت الجن میں تھے یہ پہاڑی پر ایک گاؤں ہے جو دمشق اور مانیازر کے درمیان ہے اس وقت آپ کا سرمیری گود میں تھا اور میرے دل میں ایک دوست کی طرف سے کچھ رنج تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا اے بیٹے! اپنے اعتقاد کا مسئلہ تم کو بتاتا ہوں اگر تم اس کے مطابق اپنی اصلاح کرلو گے تو سب رنجوں سے نجات پا جاؤ گے وہ یہ ہے کہ خدا ہر جگہ اور ہر وقت اچھوں اور بُروں کو پیدا کرتا ہے اس لیے تمہیں ان کے کسی فعل پر رنجیدہ نہ ہونا چاہیے، اور نہ دل میں کسی تکلیف کو جگہ دینی چاہیے اس کے سوا کوئی وصیت نہیں فرمائی اور جاں بحق ہوئے۔^۲

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لاہور تشریف لانے کے بعد دوبارہ

(۱) کشف المجہوب ، ذکرائم متاخرین ، نفحات الانس (آردو ترجمہ)

ص ۳۴۶

(۲) کشف المجہوب - ذکرائم متاخرین و نفحات الانس (آردو ترجمہ)

ص ۳۴۶

آپ اپنے مرشد کی خدمت میں گئے تو اس وقت یہ واقعہ پیش آیا اور مرشد کے وصال کے بعد آپ پھر لاہور تشریف لے آئے۔

سیر و سیاحت :

قدیم صوفیہ کے دستور کے مطابق تزکیہ باطن اور روحانی کمال کے لیے آپ نے اسلامی ممالک شام - بغداد - عراق - ایران - آذربائیجان - طبرستان - خوزستان - کرمان - ماوراء النہر اور ترکستان وغیرہ کی خوب سیاحت کی، اور ہر مقام کے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔^۱

ریاضتیں اور مجاہدے:

راہ سلوک و معرفت میں جو ریاضتیں اور مجاہدے آپ نے کیے، ان کا تذکرہ جا بجا آپ نے کشف المحجوب میں فرمایا ہے، کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ راقم علی بن عثمان جلابی کسی مشکل میں گرفتار ہوا، اس سے نکلنے کے لیے میں نے مختلف ریاضتیں کیں... پھر میں حضرت بایزید بسطامی کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا۔ روز غسل کر کے بیٹھتا تھا مگر وہ مشکل حل نہ ہوتی تھی، لہذا میں نے خراسان جانے کی ٹھانی، ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں تصوف کے کچھ مدعیوں کی ایک جماعت نظر آئی، میں موٹا اور کھردرا لباس پہنے ہوئے تھا، ہاتھ میں عصا اور

(۱) حضرت داتا گنج بخش (پروفیسر شیخ عبدالرشید) ص ۲۲

پانی کا برتن تھا اس جماعت نے مجھے بنگاہِ تہتیر دیکھا اور ان میں سے کسی نے مجھے نہیں پہچانا میری ظاہری حالت دیکھ کر وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ شخص ہمارے گروہ کا نہیں اور واقعی میں ان میں سے نہ تھا لیکن وہاں رات گزارنا میرے لیے ضروری تھا ان لوگوں نے مجھے خانقاہ کے نچلے حصے میں ٹھہرایا اور وہ خود اوپر کی منزل میں ٹھہرے کھانے کے وقت ایک سوکھی روٹی مجھ کو دی ، ان کے لذیذ کھانوں کی خوش بو برابر میری ناک میں آتی رہی ، وہ چھت پر سے مسلسل طنز آمیز فقرے مجھ پر کستے رہے ، جب وہ کھانا کھاچکے تو خربوزے کھانے لگے ، اور ازراہ تمسخر چھلکے مجھ پر پھینکتے رہے ، اور طنز کی باتیں کرتے رہے ، مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا ، اس طرح ملامت مٹنے سے میری وہ مشکل حل ہو گئی ، اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں ، اور ان کی بے تمیزیاں کیوں گوارا کرتے ہیں ۔

مسلط طویل عرصے تک سفر میں رہنے کے باوجود ہمیشہ نماز باجماعت پڑھتے ، اور نماز جمعہ کے لیے بالالزام کسی شہر میں قیام فرماتے ۔ اپنے مرشد کی طرح صوفیوں کی ظاہری نمود و نمائش سے مستفرتھے اور ان ظاہری رسوم کو معصیت اور ریا سے تعبیر فرماتے تھے ۔

ازدواجی زندگی :

آپ کی ازدواجی زندگی کے متعلق ہمیں کوئی روایت نہیں ملتی ، کشف المجوب کے بعض اندراجات سے ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ آپ نے شادی نہیں کی ، کشف المحجوب میں ہے کہ

میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں ، حق تعالیٰ نے
گیارہ سال تک شادی کی۔ آفت سے محفوظ رکھا ، پھر
تقدیر سے آزمائش میں ڈالا گیا ، میرا ظاہر و باطن ایک
ہری صفت عورت کا اسیر ہوا بغیر اس کے کہ میں نے
اس کو دیکھا ہو ، ایک سال تک اس کے خیال میں
غرق رہا ، قریب تھا کہ میرا دین برباد ہو جائے کہ
حق تعالیٰ نے کمال لطف و فضل سے میرے بدبخت دل
کو بچالیا ، اور مجھے اس مصیبت سے نجات دی ۔

لاہور میں تشریف آوری :

حضرت داتا گنج بخش سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے
آخر دور حکومت میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ مختلف ممالک اسلامیہ
کی سیاحت کرتے ہوئے لاہور تشریف لائے ، یہ وہ زمانہ تھا کہ
ایک طرف سلاجقہ فرمانرواؤں نے اور دوسری طرف ہندو راجاؤں کی
مزاحمت نے غزنوی سلطنت کو پارہ پارہ کر رکھا تھا ۔

فوائد الفواد میں ہمیں آپ کی لاہور تشریف لانے کی تفصیلات
ملتی ہیں ، حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی فرماتے ہیں کہ :

شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں
ایک ہی پیر کے مرید تھے ، اور ان کے ہیں اپنے
عہد کے قطب تھے ، حسین زنجانی عرصے سے لاہور
(لاہور) میں مقیم تھے ، کچھ دنوں کے بعد ان کے
پیر نے خواجہ علی ہجویری سے کہا کہ لاہور میں
جا کر قیام کرو ، شیخ علی ہجویری نے کہا کہ

وہاں شیخ حسین زنجانی موجود ہیں ، لیکن ان کے پیر نے پھر فرمایا کہ تم لہاور جاؤ ، جب علی ہجویری اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل میں لہاور آئے ، تو رات تھی ، صبح کو شیخ حسین زنجانی کا جنازہ باہر لایا گیا ۔

لاہور آکر حضرت داتا گنج بخش نے اس جگہ قیام کیا ، جہاں آج آپ کا مزار پٹر انوار زیارت گاہ خاص و عام ہے ، یہاں آکر انہوں نے ایک مسجد بنوائی ، پھر کچھ دن تک درس دیتے رہے ، پھر تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے ۔

داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ : حضرت علی ہجویری لاہور میں دن کے وقت تعلیم دیتے ، اور رات کو طالبان حق کو ہدایت کیا کرتے ، ان کی رہبری سے ہزاروں جاہل عالم بن گئے ، کافروں نے اسلام قبول کیا ، گمراہوں نے ہدایت کی راہ پائی ، دیوانے پوش مند ہو گئے ، جن کا علم ناقص تھا ، کامل ہوئے ، فاسق و فاجر پارسا بن گئے ، ان دنوں لاہور ان علما کا مرکز تھا ، جنہوں نے حضرت علی ہجویری کی تعلیم سے فیض پایا تھا ۔

تبلیغ اسلام :

بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ، جن میں سے ایک رائے راجو جو سلطان مودود بن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب تھا ، اسلام لانے کے بعد آپ نے اس کا نام ”شیخ ہندی“ رکھا ، اسی کی اولاد سے آپ کے مزار کے خدام و مجاورین ہیں ۔

(۱) آب کوثر ، ص ۸۶

تصوف کی اصلاح :

یہی وہ زمانہ تھا کہ تصوف کے سرچشمے قرآن و حدیث سے ہٹ کر صوفیائے خام کے ہاتھوں گدلے پورے تھے، صوفیائے خام نے اسلامی تصوف کو مسخ کر کے اس کے اصلی خدو خال کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا، آپ نے اس قسم کے صوفیہ کے خلاف آواز اٹھائی اور تصوف کو خالص اسلامی صورت میں نکھار کر پیش کیا، آپ تصوف میں دینی اصولوں پر بڑی شدت سے عامل تھے، آپ نے حسین فارسی اور ابو سلمان حلوی کے فرقوں کو جنہوں نے تصوف میں بڑی بے راہ روی اختیار کی تھی، ملحد اور لعنتی کہا ہے، کشف المحجوب میں ”گروہ حلویہ“ کے ضمن میں ان دونوں فرقوں کے متعلق فرمایا کہ :

میں نہیں جانتا فارسی کون اور ابو سلمان کون ہے۔
اور انہوں نے کیا باتیں کہی ہیں۔ جو شخص
توحید کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو، اس کا دین اسلام
میں کوئی مقام نہیں، چونکہ اصل دین ہے، وہ
تصوف جو اس کا نتیجہ اور اس سے مشتق نہ ہو،
مستحکم نہیں ہو سکتا۔^۱

لاہور کی زندگی :

لاہور میں حضرت داتا گنج بخش نے زندگی گیسے گزاری، افسوس ہے کہ اس کی تفصیلات ہمیں تذکروں اور تاریخوں میں نہیں ملتیں، پروفیسر شیخ عبدالرشید نے اپنے رسالے ”حیات و تعلیمات“

(۱) تذکرہ صوفیائے پنجاب، تالیف اعجاز الحق قدوسی ص ۵۱،

بحوالہ ”کشف المحجوب“

حضرت داتا گنج بخشؒ میں آپ کی لاہور کی زندگی کے ضمن میں آپ کے حالات زندگی آپ کی کتاب کشف الاسرار سے نقل کیے ہیں کہ حضرت علی ہجویری لکھتے ہیں کہ : میں ایک بزرگ حسام الدین سے ملا ، اور ان کی پارسائی سے بے حد متاثر ہوا ؛ میں نے التجا کی کہ میری روحانی ترقی کے لیے کچھ ارشاد فرمائیے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہر دم لوگوں کی دل جوئی اور تسکین میں مصروف رہو ، تاکہ وہ اپنا غم بھول جائیں کسی کے جذبات کو ٹھیس نہ لگاؤ حاصل کیا ہوا علم ضائع نہ کرو ہر وقت اپنے مرشد سے لو لگائے رکھو ۔

کشف الاسرار میں ایک اور شخص کریم اللہ کا بھی ذکر ہے ، جو بہت مالدار آدمی تھا ، اور جس کا سب کچھ یعنی زن و فرزند اور دولت تباہ ہو گئی تھی ، آپ نے اس کا یہ واقعہ اپنے مریدوں کو سمجھانے کے لیے بیان کیا کہ وہ دنیاوی مازو سامال کو ناپائیدار سمجھیں ۔

علامہ اقبال کی ایک روایت :

علامہ اقبال نے مثنوی اسرار و رموز میں حضرت داتا گنج بخشؒ کا ایک واقعہ نظم کیا ہے کہ جب وہ لاہور میں مقیم تھے ، ہم اپنے الفاظ میں اس واقعے کو اختصار کے ساتھ یہاں درج کرتے ہیں ، فرماتے ہیں کہ :

ایک نوجوان کُرد سے حضرت داتا گنج بخشؒ کی خدمت میں لاہور حاضر ہوا ، اور اس نے عرض کیا کہ میں دشمنوں کی باغiar میں گھرا ہوا ہوں ، مجھے دشمنوں میں زندگی بسر کرنے کا کوئی

(۱) حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخشؒ - مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ ، لاہور

طریقہ بتائے؟ آپ نے فرمایا اے زندگی کے راز اور آغاز و انجام سے ناواقف! زندگی کا راز یہ ہے کہ دشمنوں کے اندیشہائے دور دراز سے بے نیاز ہو کر اپنی خوابیدہ قوتوں کو محسوس کرو، اس کو مثلاً یوں سمجھو کہ اگر پتھر اپنے آپ کو شیشہ سمجھنے لگے، تو وہ رفتہ رفتہ شیشہ ہو جائے گا، اور یقیناً گر کر ٹوٹے گا، اگر کوئی مسافر اپنے میں خود کمزوری محسوس کرنے لگے، تو وہ یقیناً رہزنوں کے ہاتھوں لٹے گا، تم کب تک اپنے آپ کو پانی اور مٹی سمجھتے رہو گے، اپنی مٹی سے شعلہ طور پیدا کرو، یاد رکھو جس نے مقام خودی کو پہچان لیا، فضل حق اس کے شامل حال ہوگا، خواہ اس کا دشمن کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو، اگر تم اپنے آپ کو خودی سے مزین کرلو گے تو ایک جہان کو شکست دے سکتے ہو، یاد رکھو فنا اس کا مقدر ہے، جو اپنی خودی کو فراموش کر دیتا، اور بقا اس کی تقدیر ہے، جو اپنے اندر خودی کو بیدار کرتا ہے، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ خود سے غفلت اور بیگانگی موت ہے، جس میں خودی کا جذبہ مژدہ ہو گیا تو وہ مر چکا، تمہیں کیا معلوم کہ موت و حیات میں کیا فرق ہے، خودی کے عرفان میں تمہیں حضرت یوسفؑ کی طرح ہونا چاہیے تاکہ ابتری سے شہنشاہی کے مرتبے کو پہنچو۔ اپنی خودی کو پہچانو، اور عاقبت اندیش انسان بنو، تاکہ تم بھی سردانِ حق اور حاصلِ اسرار لوگوں میں جگہ پاسکو۔^۱

ممکن ہے کہ یہ روایت تمثیلی ہو، لیکن چون کہ یہ روایت بہت سی بصیرتیں اپنے اندر رکھتی ہے، اس لیے ہم نے اس کو نقل کر دیا۔

تصانیف :

حضرت داتا گنج بخش متعدد کتابوں کے مصنف تھے ، ان میں سے کشف المحجوب آپ کی سب سے زیادہ مقبول اور مشہور تصنیف ہے ، کشف المحجوب میں آپ نے اپنی جن دوسری تصانیف کا تذکرہ کیا ہے ، ان میں (۱) متہاج الدین (۲) کتاب انصا والبقا (۳) اسرار الخرق و المثونات (۴) کتاب البیان لاہل العیان (۵) بجر القلوب (۶) الرعاية الحقوق اللہ (۷) رسالہ در شرح کلام حلاج اور رسالہ الایمان ہیں ۔ کشف المحجوب میں آپ نے اپنے ایک دیوان کا بھی تذکرہ کیا ہے ، جواب نایاب ہے ۔

کشف المحجوب کی پہلی فصل میں آپ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ آپ نے اس کتاب کے شروع میں اپنا نام کیوں لکھا ، واضح کیا ہے کہ کس طرح آپ کا مجموعہ اشعار رائیگاں ہوا ۔ فرماتے ہیں کہ :

کتاب کے اولین حصے میں جو میں نے اپنا نام لکھا ہے ، اس سے دو چیزیں مراد ہیں ، ایک نصیب خاص ، اور دوسری نصیب عام جو کچھ نصیب عام سے تعلق ہے ، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کم عام لوگ اس موضوع کی کوئی کتاب دیکھتے ہیں تو اس میں اصل مصنف کا کئی ایک جگہ نام نہیں پاتے ، تو اسے اپنی طرف منسوب کر کے کتاب کی مقصدیت کو فوت کر دیتے ہیں ، کیونکہ مصنف کا اپنے نام کی اشاعت سے بقائے دوام مقصود ہوتا ہے ، اور خواہش رکھتا ہے کہ اس کی کتاب سے مستفید ہونے والے اسے نیک دعاؤں

(۱) تذکرہ صوفیائے پنجاب ، ص ۵۱

سے یاد کریں۔ میرے ساتھ یہ واقعہ ہو چکا ہے، ایک دفعہ کسی نے میرے اشعار کا مجموعہ طلب کیا، میرے پاس اس کی نقل نہیں تھی، اس نے اسے واپس نہیں کیا، اور آغاز کتاب سے میرا نام محو کر کے میری تمام کاوشوں کو رائیگاں کر دیا، خدا اس پر رحم کرے۔ میں نے منہاج الدین کے نام سے ایک اور کتاب تالیف کی تھی، جو تصوف کے موضوع سے متعلق تھی، ایک پست احساس مدعی علم نے اس پر سے میرا نام مٹا کر خود سے منسوب کیا، اور لوگوں میں مشہور کیا کہ وہ اس کی تالیف ہے، عوام و خواص اس کی اس حرکت پر ہنستے رہے، تو اب یہاں تک پہنچی کہ خدا نے اسے مردود قرار دیا اور اس کا نام محو کر دیا گیا۔

کشف المحبوب

کشف المحبوب فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہے، جو پاکستان کے مشہور اور قدیم شہر لاہور میں حضرت داتا گنج بخش ہجویری نے لکھی، یہ کتاب ہر دور میں اپنی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے بے نظیر سمجھی گئی، کشف المحبوب پر سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

کشف المحبوب از تصنیف شیخ علی ہجویری است
قدس اللہ روحہ العزیز، اگر کسی را پیرے نباشد،
چوں این کتاب را مطالعہ کند پیدا شود، و من این
کتاب را تمام مطالعہ کردہ ام۔

ترجمہ: (کشف المحجوب حضرت شیخ علی ہجویری قدس اللہ روحہ العزیز کی تصنیف ہے، اگر کسی کا پیر نہ ہو تو جب اس کتاب کا مطالعہ کرے گا (تو یہ کتاب) اس کے پیر کا کام دے گی، میں نے اس تمام کتاب کا مطالعہ کیا ہے -)

مولانا جامی نے نفحات الانس میں کشف المحجوب کی غیر معمولی افادیت اور اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا:

علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الغزنوی قدس سرہ، کنیت وئے ابوالحسن است، عالم و عارف بودہ، مرید شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی است، و بصیبت بسیارے از مشائخ دیگر رسیدہ است۔ صاحب کتاب کشف المحجوب است کہ از کتب معتبرہ مشہورہ درین فن است، و لطائف و حقائق بسیار در آن کتاب جمع کردہ است۔

ترجمہ: (علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی غزنوی قدس سرہ کی کنیت ابوالحسن ہے، جو عالم و عارف تھے، اور شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی کے مرید ہیں، اور بہت سے دوسرے مشائخ کی صحبت میں بھی رہے ہیں۔ کتاب کشف المحجوب کے مصنف ہیں، جو اس فن کی معتبر کتابوں میں مشہور ہے، اور اس میں آپ نے بہت سے لطائف و حقائق جمع کیے ہیں -)

دار شکوہ نے کشف المحجوب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

حضرت علی ہجویری را تصنیف بسیار است، اما کشف المحجوب مشہور و معروف است، و پیچ کس را بر آن سخن نیست، و مرشدے است کامل، در کتب تصوف بخوبی آن در زبان فارسی کتابے تصنیف شدہ^۲۔

^۱ نفحات الانس بضمن تذکرہ حضرت ہجویری -

^۲ سفینہ الاولیاء، ص ۲۸۲

(ترجمہ) : حضرت علی ہجویری کی بہت سی تصانیف ہیں، لیکن کشف المحجوب مشہور و معروف ہے، کسی کو اس پر لب کشائی کا موقع نہیں، یہ کتاب رہروانِ طریقت کے لیے مرشدِ کامل ہے، تصوف کی کتابوں میں فارسی زبان میں اس خوبی کی کوئی دوسری کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔

پروفیسر نکسن نے کشف المحجوب کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ انہوں نے کشف المحجوب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ:

(یہ وہ کتاب ہے کہ جس سے پہلی مرتبہ یہ بزرِ صغیر پاک و ہند اسلامی تصوف سے متعارف ہوا۔)

یہ کتاب حضرت داتا گنج بخش نے اپنے ساتھی ابوسعید ہجویری کے ایک امتفسار پر جو آپ کے ساتھ غزنی سے لاہور آئے تھے تصنیف کی، آقائی عبدالحی حبیبی کا قیاس ہے کہ کشف المحجوب کی تالیف ۵۵۸۱ھ اور ۵۴۰۰ھ کے درمیان ہوئی۔ کشف المحجوب پچیس ابواب پر مشتمل ہے، ہر باب چند فصلوں میں منقسم ہے، دیباچے میں حقیقی تصوف اور اس کی اہمیت کا بیان ہے۔

وفات :

آپ کے اکثر تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ حضرت داتا گنج بخش نے ۵۴۶۵ھ میں وضال فرمایا۔ اور یہی تاریخ وفات لاہور میں آپ کے مقبرے پر بھی درج ہے۔ مشہور محقق آقائے عبدالحی حبیبی نے اپنے مدلل و مبسوط مقابلے میں جو اورنٹیل کالج میگزین جلد ۳۶ میں شائع ہوا ہے، کشف المحجوب کی داخلی شہادت کی بنا پر حضرت ہجویریؒ کی تاریخ وفات کا تعین ۵۴۸۱ھ (۸۹-۱۰۸۸ء) اور ۵۵۰۰ھ (۹۰-۱۱۰۶ء) کے درمیان کیا ہے۔

فضائل و مناقب :

حضرت داتا گنج بخش ہجویری کی جلالت شان اور علوئے مرتبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے آپ کے مزار مبارک پر چیلہ کھینچا تھا، چیلہ پورا کرنے کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا :

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
ناقصان را پیر کامل ، کاملان را رہنما

عام روایت ہے کہ اسی وقت سے آپ کا لقب داتا گنج بخش مشہور ہو گیا۔ پروفیسر شیخ عبدالرشید نے اپنے رسالے ”داتا گنج بخش“ میں بحوالہ کشف الاسرار لکھا کہ آپ اپنی زندگی میں ”گنج بخش“ کہلاتے تھے ، خود کشف الاسرار میں آپ یہ گناہ کرتے ہیں کہ لوگ مجھے ”گنج بخش“ کہتے ہیں ، حالانکہ میں نادار آدمی ہوں۔

حضرت داتا گنج بخش کا مزار لاہور میں بھاٹی گیٹ کے باہر واقع ہے ، آپ کا مزار سفید سنگ مرمر کے چبوترے پر ہے ، وسط میں حضرت داتا گنج بخشؒ کی قبر ہے ، اور پہلووں میں شیخ احمد سرخسی کی اور ابو سعید ہجویری کی قبریں ہیں ، یہ وہی ابو سعید ہجویری ہیں ، جن کی فریائش پر آپ نے کشف المحجوب لکھی تھی ۔ ۱

۱ یہ تمام تفصیل ”حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخش“ (پروفیسر شیخ عبدالرشید) ص ۲۶ تا ۲۸ سے ماخوذ ہے۔

بہارِ نبویؐ

حضرت اویس قرنیؓ کا شمار تابعین اور طبقہ اول کے صوفیہ میں ہوتا ہے۔
حضرت اویس قرنیؓ کا شمار اقبالؒ کے نزدیک بھی اہل بیتؑ میں ہوتا ہے۔
حضرت اویس قرنیؓ کا شمار اہل بیتؑ میں ہوتا ہے۔
حضرت اویس قرنیؓ کا شمار اہل بیتؑ میں ہوتا ہے۔
حضرت اویس قرنیؓ

تجھے نظارے کا مثلِ گلیم سودا تھا
اویس طاقت دیدار کو ترستا تھا

عشق کو عشق کی آشفتمری کو چھوڑا
رسمِ سلمان و اویس قرنیؓ کو چھوڑا

یہی شیخِ حرم ہے جو چڑا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ

علامہ اقبالؒ کے اردو مجموعہ کلام میں ہمیں حضرت اویس قرنیؓ کے متعلق جو اشعار ملتے ہیں، وہ علامہ کی حضرت اویس قرنیؓ سے غیر معمولی عقیدت کے مظہر ہیں۔

حضرت اویسؓ کا شمار تابعین اور طبقہ اول کے صوفیہ میں ہوتا

حضرت اویس قرنیؓ کے حالات، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد آنے چاہئیں تھے، ہم معذرت خواہ ہیں کہ یہ حالات سہواً اپنی جگہ درج نہ ہو سکے۔

ہے، وہ عاشق رسولؐ تھے، انہوں نے اپنے قول و عمل سے محبت الہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے قلوب کو گرمایا، ان کی پوری زندگی سے توبہ و استغفار کی کیفیت ظاہر ہوتی تھی۔

حالات :

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت اویسؓ کے متعلق فرمایا کہ اویس احسان و مہربانی کے اعتبار سے بہترین تابعین میں سے ہیں بعض مرتبہ آپ یمن کی جانب رخ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میں یمن کی جانب سے رحمت کی ہوا آتی ہوئی پاتا ہوں۔

ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ قرن میں اویس نامی ایک شخص ہے، قیامت کے دن وہ بقدر قبیلہ ربیعہ و مضر کی بھیڑوں کے میری امت کے لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم اس کو دیکھو گے، وہ ایک شخص ہے درمیانے قد اور بالوں والا، اس کے بائیں پہلو پر بمقدار درہم ایک سفید داغ ہے، مگر وہ برص کا داغ نہیں، اس کے ہاتھوں اور پتیلیوں پر بھی اس قسم کے نشانات ہیں، جب تم اس کو دیکھو تو میرا سلام پہنچانا، اور کہنا کہ میری امت کے حق میں دعا کرے۔ صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا کہ وہ کون شخص ہے، اور کہاں مقیم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کا ایک بندہ ہے، پھر صحابہؓ کے اصرار پر فرمایا کہ وہ اویس قرنیؓ ہے، جب صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپکے پیروں کا حق دار کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اویس قرنی۔

حضرت اویس قرنی اگرچہ عہد رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ

و مسلم میں موجود تھے ، لیکن آپ کے دیدار سے مشرف نہ ہو سکے ، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی والدہ مؤمنہ ، اور ضعیف و نابینا تھیں ، ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا ، اور اویس اونٹوں کو چرا کر ان کے لیے معاش حاصل کرتے تھے ، وہ اس مجبوری سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے وفات کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کے ارادے سے مکہ معظمہ پہنچے تو آپ نے خطبے میں ارشاد فرمایا : اے اہل نجد ! تم لوگ کھڑے ہو جاؤ ، چنانچہ وہ لوگ کھڑے ہو گئے ، پھر آپ نے پوچھا کہ تم میں سے کوئی قرن کا رہنے والا ہے ؟ انہوں نے کہا ہاں ، پھر انہوں نے چند لوگوں کو پیش کیا ، آپ نے ان سے حضرت اویس قرنیؓ کے متعلق دریافت کیا ، ایک نے ان میں سے کہا کہ میں ان سے پوری طرح تو واقف نہیں ، البتہ اویس نامی ایک دیوانہ ہے ، جو آبادیوں سے دور ایک وادی میں اونٹ چراتا ہے ، خشک روٹی اس کی غذا ہے ، وہ دنیاوی خوشی اور غم سے متاثر نہیں ہوتا ، جب لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے ، اور جب لوگ روتے ہیں تو وہ ہنستا ہے ۔

مراسم حج ادا کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں حضرت اویس قرنیؓ سے ملنے کے لیے قرن پہنچے ، جب وہ وہاں پہنچے تو حضرت اویس قرنیؓ نماز میں مشغول تھے ، نماز ختم کرنے کے بعد وہ ان سے ملے تو سلام کے بعد ان دونوں حضرات نے اپنا تعارف کرایا ، حضرت اویس قرنیؓ نے انہیں اپنے ہاتھ اور پہلو کے نشان دکھائے ، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا سلام پہنچا کر ان کو آپ کا پیغام پہنچایا تھوڑی دیر کے بعد حضرت اویس قرنیؓ نے ان سے کہا کہ اب تم واپس جاؤ ، قیامت قریب ہے ، اس دن پھر

تم سے ملاقات ہوگی ، میں اس دن کے لیے تیاری کر رہا ہوں ۔

اہل قرن کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو وہ حیران ہوئے ، اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرنے لگے ، لیکن کچھ دن کے بعد وہ وہاں سے کوفے کی طرف چلے گئے اور جنگِ صفین میں شہید ہوئے ۔

-عشقِ رسولؐ:-

اگرچہ حضرت اویس قرنیؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کبھی حاضر نہیں ہوئے ، لیکن ان کا قلب جذبہٴ عشقِ رسولؐ سے سرشار تھا ، ان کی محبتِ رسولؐ کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جب غزوہٴ احد میں آپؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے ، اور حضرت اویس قرنیؓ کو اس کی خبر ملی تو وہ نہایت غمگین ہوئے ، اور انہوں نے ایک ایک کر کے اپنے تمام دانت توڑ ڈالے ۔

حضرت اویس قرنیؓ کی زندگی کے بعض پہلو ایسے ہیں جن میں ہمیں عملی تصوف کے نمایاں پہلو ملتے ہیں ۔

ان کی زندگی دنیاوی جاہ و حشم سے پاک تھی وہ حصولِ معیشت کے لیے جد و جہد کرتے ، اور اپنی روزی اونٹ چرا کر حاصل کرتے تھے ۔ استغنا کا یہ عالم تھا کہ حضرت شیخ فریدالدین عطار نے اپنے تذکرے میں لکھا کہ جب حضرت عمر رض ان سے ملاقات کے لیے گئے تو انہوں نے آپؐ سے کہا کہ آپ کچھ دیر یہاں قیام فرمائیں میں آپ کے لیے کچھ لے کر آتا ہوں ، آپ نے ان کو اپنی جیب سے دو درہم نکال کر دکھائے اور کہا یہ میرے اونٹ چرانے کا معاوضہ

ہے یہ دو درم میرے لیے کافی ہیں - ۱

دریائے فرات کے کنارے ایک دن ہرم بن حبان حضرت اویس سے ملنے کے لیے آئے ، وہ اس وقت وضو کر رہے تھے ، ہرم نے سلام کیا تو آپ نے کہا وعلیکم السلام یا ابن حبان ، ابن حبان نے پوچھا آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟ حضرت اویس نے فرمایا سیری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا ، پھر ہرم نے آپ سے عرض کیا کہ مجھ سے آپ کوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی حدیث بیان فرمائیے؟ حضرت اویس قرنی رح نے جواب دیا میں نے آپ کو دیکھا نہیں ، لیکن دوسروں سے آپ کی حدیث سنی ہے ، میں محدث اور مفتی بننا نہیں چاہتا ، خود میرے اندر ایک شعلہ ہے ، اسی کو میں برداشت نہیں کر سکتا ، پھر حضرت اویس قرنی رح نے پوچھا اے ابن حبان تم یہاں کیسے آئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ سے انس و راحت حاصل کروں ، حضرت اویس قرنی نے فرمایا میں ہرگز نہیں جانتا کہ جس نے خدا کو پہچان لیا ہو ، وہ ماسوا سے انس و راحت حاصل کر سکتا ہے پھر ہرم بن حبان نے کہا کہ مجھے کچھ وصیت کیجیے ، فرمایا موتے میں موت کو اپنے سرہانے اور بیداری میں اپنے سامنے سمجھو ، گناہ کو حقیر مت خیال کرو ، اگر اس کو حقیر خیال کرو گے تو نعوذ باللہ خدائے تعالیٰ کی حقارت ہوگی

شیخ ربیع بن حیشم سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ اویس قرنیؓ کی تلاش میں نکلا جب میں ان کے پاس پہنچا تو وہ فجر کی نماز ادا فرما رہے تھے ، نماز سے فارغ ہو کر تسبیح پڑھنے شروع کی ، یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آگیا ، اسی طرح وہ دو نمازوں کے درمیان تسبیح پڑھتے ، اور نماز کا وقت آنے پر نماز ادا فرماتے اسی طرح پورے تین دن گزر گئے ، نہ انہوں نے کچھ کھایا اور نہ

وہ سوئے ، چوتھی رات کو ذرا سی دیر کے لیے وہ سوئے ، لیکن فوراً
بیدار ہو کر میناجات کرنے لگے خداوند! میں ایسی آنکھوں سے جو
زیادہ سوئیں اور ایسے پیٹ سے جو زیادہ کھائے پناہ مانگتا ہوں ۔

حضرت اویس قرنیؓ کی اس عارفانہ زندگی سے پتا چلتا ہے کہ
تصوف میں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے ، وہ حبِ الہی اور جذبہ
عشقِ رسولؐ سے سرشار تھے ، اور ہمیشہ ذکرِ خداوندی میں مصروف
رہتے تھے ۔^۱

— :۱۰: —

^۱ یہ تمام حالات اسلامی تصوف اور اقبال ، ص ۶۷ تا ۸۰ بحوالہ
کشف المحجوب اور تذکرۃ الاولیاء (خطار) اردو ترجمہ ص ۴۴ تا
۴۶ سے ماخوذ ہیں ۔

پیام غزالی کے متعلق علامہ اقبال کا تاثر :

علامہ اقبال نے جن صوفیائے کرام سے اپنی بے پایاں محبت اور
 حقیقت کا اظہار کیا ہے، ان میں مشہور صوفی و عالم امام غزالیؒ
 بھی ہیں، ان کی آہِ سحر گاہی کو وہ ایک نمونہ و مثال بنا کر
 پیش کرتے ہوئے یوں نغمہ زن ہیں :

عطار ہو ، روسی ہو ، رازی ہو ، غزالی ہو
✓ کچھ کام نہیں آتا۔ بے آہ سحر گاہی

ایک اور جگہ ارسغان حجاز میں امام غزالی کی عالمانہ عظمت،
 بر آن کے سراتب عالی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

دگر بمدرسہ پدائے حرم نمی بینم
دل حنید و نگاہ غزالی و رازی

حضرت امام غزالی کو اسلامی تصوف کی تاریخ میں جو عظمت حاصل ہے، وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ الغزالی میں علامہ

حضرت امام غزالی کی شان میں رقم طراز ہیں کہ :

حضرات صوفیہ اور فلاسفہ اسلام کے سرگروہ مولانا روم ،

1. The first thing I noticed when I stepped
 out of the car was the smell of the sea.
 It was a fresh, salty breeze that seemed to
 wash over me, clearing away the stale air of the
 city. I took a deep breath, feeling a sense of
 freedom I hadn't experienced in months.

شیخ الاشراق ابن رشد اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلی

کی تصنیفات در حقیقت و در اصل (امام غزالی) کے خیالات کا

آئینہ ہیں۔۔۔ نبوت، وحی، الہام، حالات بعد الموت، معاد

قضا و قدر، خیر و شر کی جو حقیقت امام رازی، شیخ الاشراق

ابن رشد، شاہ ولی اللہ نے بتائی ہے۔۔۔ امام غزالی ہی سے

سن کر کہا ہے۔^۱

امام غزالی ہی نے تصوف کو ایک باقاعدہ فن کی حیثیت دی،

ان سے قبل کے مشائخ مثلاً امام قشیری، ابو طالب مکتی وغیرہ

نے جو کچھ لکھا تھا، اس کو انہوں نے پورے طور پر اخذ کر کے

تصوف کے فلسفے کو نہایت جانکاہی سے مدون کیا، ان کے علم و

عمل اور قلم سے گلشن اخلاق میں نئی بہار آئی۔ اور وہ مدا بہار

پھول کھلے کہ جن کی خوشبو سے آج تک مشام جاں نغطر ہے۔

حالات :

امام ابو حامد محمد بن محمد بن احمد غزالی، ۴۵۰ھ (۵۹-۵۸۰ء)

میں طوس میں پیدا ہوئے، انہوں نے طوس اور نیشاپور میں

تعلیم و تربیت حاصل کی اور تصوف میں ان کی نسبت شیخ ابو علی

فارمدی سے ہے، یہ وہ زمانہ تھا جب ملک شاہ سلجوقی کی حکومت

تھی، تاریخوں میں ہے کہ ملک شاہ نہایت عدل پرور بادشاہ تھا

اور رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتا تھا، اس کی وفات کے بعد

اس کے تین بیٹے برکیارق، محمد اور سنجر سلطنت کے مدعی ہوئے،

اور ان میں خون ریزیوں کا ایسا ہولناک سلسلہ شروع ہوا کہ شہروں

پر تباہیاں آئیں اور دیہاتوں میں خاک اڑنے لگی، ملک سے امن

رخصت ہوا، فتنہ و فساد پھیلا، ادھر خلافت بغداد کے اقبال کا

^۱ الغزالی، ص ۲۶۱ - ۲۶۰ (مطبوعہ ناسی پریس کانپور)۔

آفتاب غروب ہو رہا تھا ، بغداد کی عظمتیں ختم ہو رہی تھیں ، اخلاقی انحطاط کا یہ عالم تھا کہ عوام ، آسرا ، وزرا سب اخلاقی گراوٹوں میں مبتلا تھے ، اس طرف اندلس میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار رخصت ہو رہا تھا ۔ یہ تھا وہ ماحول جس میں امام غزالی پیدا ہوئے ، پلے اور بڑھے جب کہ مسلمانوں کی اخلاقی حالت نہایت زبوں تھی ، اخلاقی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی ، اور سماجی نظام کا ڈھانچہ بگڑ چکا تھا ۔

حضرت امام غزالی نے نہایت بصیرت کے ساتھ اس بگاڑ کا جائزہ لیا جو پوری قوم میں رونما ہو چکا تھا ، ان کے نزدیک اس پستی اور نکبت کا سبب اخلاقی گراوٹ تھی ، وہ مسلمانوں کی سیاسی زندگی کے ہر گوشے سے واقف تھے ، بغداد میں وہ دربار خلافت میں بھی باریاب رہے تھے ، ملاحقہ کے درباروں کا رنگ انہوں نے دیکھا تھا اور اسلامی دنیا کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا ، وہ پوری خرابیاں ان کی نظر میں تھیں ، جس نے پوری قوم کے روحانی مزاج کے قوام کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا یہ تھا وہ ماحول جس میں انہوں نے رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا تھا ، ان کی زندگی کی جدوجہد کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ انسانوں کے رشتے کو خدا سے جوڑا جائے ، عشق رسول ^{۱۵} سے دلوں کو گرمایا جائے اسلامی عقائد و فکر کو جن پر اوہام اور اغراض و مفاد کے پردے ڈال دیئے گئے تھے ان کو آجاگر کیا جائے ، ہر طبقے کے اخلاق میں جو پستی پیدا ہو رہی تھی ان کی خرابیوں کو واضح کر کے ہر گروہ کو اخلاق محمدی ^{۱۶} کے جمال سے آراستہ کیا جائے ۔

امام غزالی تعلیم کی تکمیل کے بعد ابتدائے درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے ان کے درس میں تین سو مدرسین اور ایک سو آسرا اور رؤسا حاضر ہوتے تھے ، درس کے علاوہ وعظ بھی فرمایا کرتے

تھے امام غزالی کے وعظوں کو شیخ صاعد بن الفارس قلم بند کیا کرتے تھے ایک دن وعظ کہہ رہے تھے اتفاقاً اُن کے چھوٹے بھائی احمد غزالی جو ایک صاحبِ دل اور پاک باطن درویش تھے اُنکے اور امام غزالی کا وعظ من کر یہ شعر پڑھے

واصبحت تہدی و لا تہدی

و تسمع وعظاً و لا تسمع

فيا حجر الشجر حتی متی

تسن الحديد و لا تقطع

(ترجمہ) ”تم دوسروں کو ہدایت کرتے ہو، لیکن خود ہدایت نہیں پکڑتے، اور وعظ سناتے ہو، لیکن خود نہیں سنتے۔ اے سنگِ نسان! کب تک تو لوہے کو تیز کرتا رہے گا لیکن خود نہ کاٹے گا۔“

حضرت امام غزالی اپنے چھوٹے بھائی سے یہ اشعار من کر اس قدر متاثر ہوئے کہ مجاہدوں اور ریاضتوں میں مشغول ہو گئے، ایک زمانے تک پیابانوں میں پھرتے رہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مزار پر حاضری اور عہد:

یہاں تک کہ ۵۴۹۹ھ (۶۰۵-۱۱۰۷ء) میں وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور وہیں عہد کیا کہ آئندہ وہ کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جائیں گے، کسی بادشاہ کا عطیہ نہ لیں گے۔ کسی سے مناظرہ اور بحث نہ کریں گے۔^۱

^۱ یہ تمام تفصیل تاریخ مشائخ چشت (پروفیسر خلیق احمد نظامی) ص ۱۰۳-۱۰۴ سے ماخوذ ہے۔

ابن اثیر کے بیان کے مطابق اسٹی زمانے میں امام غزالی نے اپنی
 معرکہ آرا "کتاب احیاء العلوم" تصنیف کی۔

علامہ شبلی نے اپنی کتاب الغزالی میں احیاء العلوم پر تبصرہ
 کرتے ہوئے لکھا : احیاء العلوم کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے
 پڑھنے سے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے ہر فقرہ نشتر کی طرح دل میں
 چبھ جاتا ہے ہر بات جادو کی طرح تاثیر کرتی ہے۔ اس کا بڑا سبب
 یہ ہے کہ یہ کتاب جس زمانے میں لکھی گئی خود امام صاحب
 تاثیر کے نشے میں سرشار تھے بغداد میں ان کو تحقیق کا شوق پیدا
 ہوا، تمام مذاہب کو چھاننا کسی سے تمنا نہیں ہوئی تصوف کی
 طرف رخ کیا لیکن وہ قال کی عجیز نہ تھی بلکہ سرتاپا حال کا کام تھا
 آخر سب چھوڑ چھاڑ ایک کملی پہن بغداد سے نکلے اور دشت پیمائی
 شروع کی سخت مجاہدات اور ریاضات کے بعد بزم راز تک رسائی پائی
 یہاں پہنچ کر ممکن تھا کہ اپنی حالت میں مست ہو کر تمام
 عالم سے بے خبر بن جاتے لیکن... افادہ عام پر نظر پڑی دیکھا تو
 اوسے کا آوا بگڑا ہوا ہے اسیر و غریب عام و خواص عالم و جاہل
 رند و زاہد سب کے اخلاق تباہ ہو چکے ہیں اور ہوتے ہوئے جاتے ہیں
 علماء جو دلیل راہ بن سکتے تھے طلب جاہ میں مصروف ہیں یہ دیکھ
 کر ضبط نہ کر سکے اور اسی حالت میں یہ کتاب لکھی۔

خود امام غزالی نے اس کتاب کی وجہ تصنیف پر روشنی ڈالتے
 ہوئے احیاء العلوم کے دیباچے میں لکھا کہ :

میں نے دیکھا کہ مرض نے تمام عالم کو چھا لیا ہے، اور
 سعادت اخروی کی راہیں بند ہو گئی ہیں، علماء جو دلیل راہ

تھے ، زمانہ ان سے خالی ہوتا جا رہا ہے ، جو رہ گئے وہ نام کے عالم ہیں ، جن کو ذاتی اغراض نے اپنا گرویدہ بنالیا ہے ، اور جنہوں نے تمام عالم کو یقین دلایا ہے ۔ کہ علم صرف تین چیزوں کا نام ہے ، مناظرہ (جو فقر و نمود کا ذریعہ ہے) وعظ و پند (جس میں عوام کی دل فریبی کے لیے رنگین اور مسجح فقرے استعمال کیے جاتیں) فتویٰ دینا ، جو مقدمات کے فیصلہ کرنے کا ذریعہ ہے ۔ باقی آخرت کا علم تو تمام عالم سے ناپید ہو گیا ہے ، اور لوگ اس کو بٹھلا چکے ہیں ۔^۱

حضرت امام غزالی نے یہ کتاب ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۹ء) کے شروع میں مکمل کی ۔ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں اس امر پر وضاحت سے روشنی ڈالی ہے کہ امام غزالی نے تصوف کی اصطلاحات کا مفہوم متعین کیا ، اور ان کی وضاحت کی ۔ وہ لکھتے ہیں کہ :

امام غزالی نے احیاء میں دونوں طریقوں کو جمع کیا ہے ، چنانچہ ورع اور اقتدار کے احکام لکھنے کے ساتھ ارباب حال کے آداب اور طریقے بتائے ، اور ان کی مصطلحات کی شرح کی ، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تصوف بھی ایک باقاعدہ علم بن گیا ، حالاں کہ پہلے اس کا طریقہ صرف عبادت کرنا تھا ۔

مختصر یہ ہے کہ ان کی تصنیف احیاء العلوم حکمت و موعظت کا وہ گنجینہ ہے کہ جس نے عام و خاص عارف و جاہل غرض کہ سب میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی ، انہوں نے ہر طبقے کی مطلوبہ بھلائیوں اور ناپسندیدہ برائیوں کو صاف صاف نمایاں کرتے ہوئے ، اس پر زور دیا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں اخلاقی اصواو

^۱ تاریخ شائع چشت ، ص ۵۰ ، بحوالہ دیباچہ احیاء العلوم ۔

کی پابندی کی جائے۔ تاکہ خدا اپنی زمین پر اپنے بندوں کی زندگی میں جو پاکیزگی، جو حسن، جو خیر و صلاح اور جو ترقی و فلاح دیکھنا چاہتا ہے، وہ رونما ہو، اور بگاڑ کی ان تمام صورتوں کا خاتمہ ہو، جو اس زمین کو ویران کرنے والی ہیں۔ مثلاً انہوں نے بادشاہوں کے کردار پر کھل کر تنقید کی ہے، اور ان کی گمراہیوں کے ایک ایک سرچشمے کی نشان دہی کی ہے، ان کی اس بے لاگی تنقید نے ایک طرف عوام میں جرات و ہمت کا شعور پیدا کیا کہ وہ ہر خوف سے بے نیاز ہو کر بادشاہوں کے کردار پر بے لاگی تنقید کریں، دوسری طرف اسامہ بوصوفہ کی تنقید نے بادشاہوں کو خواب غفلت سے چونکایا، اور ان میں حسن اخلاق اور حسن عمل کی صلاحیتوں کو آجاگر کیا۔

چنانچہ وہ ”احیاء“ میں سلاطین کے دربار میں نہ جانے پر شرعی نقطہ نظر سے تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: انسان کو سلاطین کے دربار میں ہر قدم پر گناہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ پہلا مرحلہ تو یہ ہے کہ شاہی مکانات بالکل مغصوب ہوتے ہیں، اور زمین منصوبہ پر قدم رکھنا گناہ ہے۔ پھر دربار میں جا کر مڑ جھکانا اور ہاتھ کو بوسہ دینا ہوتا ہے، اور ظالم کی تعظیم کرنا گناہ ہے، دربار میں ہر طرف جو چیزیں نظر آتی ہیں یعنی پردہ ہائے زریں، زیشمین لباس، زریں ظروف یہ سب حرام ہیں، ان کو دیکھ کر چپ رہنا معصیت ہے، آخر میں بادشاہ کی جان و مال کی سلامتی کی دعا مانگنی پڑتی ہے، اور یہ گناہ ہے۔

سلاطین کی ملازمت اور ان کے تحائف کے قبول نہ کرنے کا موجب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

ہمارے زمانے میں سلاطین کی آمدنی یا ٹوکل کی کل حرام ہے یا اس کا اکثر حصہ حرام ہے، اور حرام کیوں نہ ہو۔ حلال

آمدنی زکوٰۃ ، خمس ، فے سال غنیمت ہے ، مہمان چیزوں کا :
اس زمانے میں وجود ہی نہیں ، صرف جزیہ رہ گیا ہے ، وہ
ایسے ظالمانہ طریقوں سے وصول کیا جاتا ہے کہ جائز اور
حلال نہیں رہتا ۔

نصیحت الملوک

حضرت امام غزالی نے محمد بن ملک شاہ کو جو سنجر کا بڑا
بھائی تھا ، جو ہندو سوغت لکھ کر بھیجے ، اُن کا یہ ہدایت نامہ
”نصیحت الملوک“ کے نام سے مشہور ہے ، اس ہدایت نامے میں
انہوں نے اس پر عقائد دینی کو واضح کرنے کے بعد اسے حکومت
کے فرائض سے آگاہ کیا ہے ، اس نصیحت نامے میں انہوں نے اس کو
لکھا کہ : قیامت میں سب سے زیادہ عذاب جس کو دیا جائے گا وہ
ظالم بادشاہ ہوں گے ، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک
خارشتی بکری کی خبر گیری سچھ سے رہ گئی ، تو قیامت میں سچھ
سے باز پرس ہوگی ۔

پھر اسے لکھا کہ اے بادشاہ دیکھ حضرت عمرؓ کو باوجود
اس کے کہ وہ عدل و انصاف میں نہایت احتیاط برتتے تھے ، خدا کے
ہاں مواخذے کا کس قدر ڈر تھا ، اور تہرا یہ عالم ہے کہ تجھ
کو اپنی رعایا کی کچھ پروا نہیں ، اور تجھے کچھ پتا نہیں کہ
اہل ملک کا کیا حال ہے ۔ تجھے صرف اس کو اپنے لیے کافی نہ
سمجھنا چاہیے کہ تو لوگوں پر ظلم نہیں کرتا ، بلکہ تیری ذمہ داری
یہ بھی ہے کہ تیرے ملازم ، عہدہ دار ، حاکم کسی پر ظلم
نہ کریں ۔

اے بادشاہ ! اگر تو دنیا کی لذت کی غرض سے لوگوں پر ظلم

کرتا ہے، تو تجھے غور کرنا چاہیے کہ دنیاوی لذات کیا ہیں؟ اگر تو کھانے کا زیادہ حریص ہے تو تو جانور ہے، اگر لباس میں حریر و دیا کا خواہش مند ہے تو تو مرد نما عورت ہے، اور اگر اپنے غیض و غضب کا محکوم ہے تو آدمی کی صورت میں درندہ ہے۔

اسی طرح انہوں نے اپنے دور کے آراء و وزراء کو بھی خطوط لکھے تھے، جن میں انہوں نے ان کو عدل و انصاف کی طرف توجہ دلائی تھی۔

اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد:

اسپین کی حکومت کے زوال کے درد ناک حالات سے امام غزالی بے حد متاثر تھے، چنانچہ موحدین کی سلطنت امام غزالی ہی کی تحریک پر وجود میں آئی، جب محمد بن عبداللہ تومرت بانی سلطنت موحدین امام غزالی کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام صاحب نے اس سے خواہش ظاہر کی کہ کوئی اسلامی سلطنت وجود میں آنی چاہیے، وہ آپ کے اس خیال سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنے وطن واپس آکر ایک اسلامی سلطنت قائم کرنے کا ارادہ کیا، مقدمہ ابن خلدون میں ہے کہ: جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ (محمد بن عبداللہ تومرت) ابو حامد غزالی سے ملا، اور ان سے اپنے دلی خیالات میں مشورہ کیا، امام صاحب نے اس کی تائید کی، کیونکہ اس زمانے میں اسلام تمام دنیا میں ضعیف ہو رہا تھا، اور کوئی ایسا سلطان موجود نہ تھا، جو تمام آنت کو فراہم کر سکے، اور دین اسلام کو قائم رکھے، لیکن پہلے امام صاحب نے اس سے پوچھ لیا کہ تمہارے پاس اتنا سر و سامان اور جمعیت ہے یا نہیں، جس سے قوت اور حفاظت ہو سکے۔

یہ تمام تفصیل تاریخ مشائخ چشت ص ۱۱۷ سے ماخوذ ہے۔

کیمیائے سعادت :

یوں تو حجتہ الاسلام امام غزالی کی اور کئی تصانیف جواسراققرآن ، تفسیر یاقوت التاویل ، مشکوٰۃ الانوار ، المنقذ من الضلال وغیرہ ہیں ، لیکن احیاءالعلوم کے بعد ان کی جس کتاب نے غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل کی ، وہ ”کیمیائے سعادت“ ہے ، یہ کتاب اخلاقی اور دینی مضامین پر مشتمل ہے ، اور آن کی مشہور کتاب ”احیاءالعلوم“ کا عطر و خلاصہ ہے ، جو اپنی افادیت کے اعتبار سے نہایت اہم ہے ، ”کیمیائے سعادت“ کو امام صاحب نے فارسی میں پانچویں صدی ہجری کے آخر میں لکھا ۔

وفات :

حضرت امام غزالی نے ۵۵۰ھ (۱۲-۱۱۱۱ء) میں طوس میں وفات پائی ۔

تاریخ دعوت و عزیمت میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے حضرت امام غزالی کے حالات تحریر کرتے ہوئے لکھا کہ : امام غزالی کا نام محمد ، کنیت ابو حامد اور والد کا نام بھی محمد تھا ، وہ طوس کے ضلع طاہران میں ۵۴۵ھ میں پیدا ہوئے ، امام غزالی نے اپنے وطن میں شیخ احمد الراذکانی سے فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی ، پھر جرجان میں امام ابوالنصر اسماعیلی سے تعلیم حاصل کی ، اس کے بعد نیشاپور میں امام الحرمین کے حلقہٴ درس میں شریک ہو گئے ، ان کی جودت و طباعی اور علمی فضیلت کو دیکھ کر آن کے استاد امام الحرمین آن کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ : غزالی علم کا بحر ذخار ہیں ۔

حضرت امام غزالی کے یہ حالات نفحات الانس (اردو ترجمہ) ص ۴۰۰ - سفینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۲۱۲ اور تاریخ مشائخ چشت و تاریخ ادبیات ایران (شفق) سے ماخوذ ہیں ۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد امام غزالی نظام الملک کے دربار میں پہنچے ، نظام الملک ان کے ساتھ نہایت اعزاز و اکرام سے پیش آیا ، اور ان کو مدرسہ نظامیہ کا صدر مدرس مقرر کیا ، جو اس وقت کا سب سے بڑا اعزاز تھا ۔ ۵۴۸۴ھ (۹۲-۱۰۹۱ء) میں انہوں نے مدرسہ نظامیہ میں درس شروع کیا ، یہاں تک کہ ان کی درسگاہ مرجع خلائق بن گئی ان کی علمی عظمت و شکوہ کی انتہا یہ تھی کہ آراء و وزراء تو کیا خود بارگاہ خلافت کی شان و شوکت مانند پڑ گئی ۔

اس عروج کی انتہا پر پہنچنے کے بعد وہ چاہتے تو اس شان و شکوہ کی منزل کو اپنا کر اسی کے پورے رہتے ۔ لیکن انہوں نے دیکھا کہ پورا مسلم معاشرہ زوال پزیر ہے ، ہر طرف گمراہیاں بڑھ رہی ہیں ، یونانی فلسفے نے عقل کو بے لگام بنادیا ہے ، مذہب کے بنیادی اصولوں کو یونانی فلسفے سے قریب تر لانے کے لیے ایسی دوزخ کار اور لایعنی تاویلیں کی جارہی ہیں ، جو شارع علیہ السلام کے منشاء کے بالکل خلاف ہیں ۔ اخلاقی قدریں گر رہی ہیں ، علماء اپنے فرائض منصبی کو بھلا کر طلب جاہ و ہوس اقتدار میں گم ہیں ، شخصی حکومتیں اور ان کے آراء عوام کو اپنے مظالم کی چکی میں پس رہے ہیں ، عوام کے حقوق کی پامانی ، حکام کی مردم آزاری اہل کاران دولت کی رشوت ستانی نے عوام کے خون کو چوس لیا ہے اور انہیں ایک چلتی بھرتی لاش بنادیا ہے ، اسی کے ساتھ انہوں نے عوام کی معاشرتی زندگی پر نظر ڈالی ، اور انہیں اپنی معاشرتی زندگی میں طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا پایا ۔

یہ تھے وہ عالم اسلامی کے زبوں حالات جنہوں نے امام غزالی کو بے حاد متاثر کیا ، انہوں نے خود بھی اپنی ذات کا جائزہ لیا ، وہ بخود ”المنقذ من الضلال“ میں لکھتے ہیں کہ : ”میں نے اپنی قدرتی کمزوریوں کو دیکھا تو وہ بے خالص راجحہ اللہ نہ تھی بلکہ آمن کا

باعث و متحرک بھی تھیں طلباء جاہ و حصولِ شہرت تھا، تب منجھے یقین ہو گیا کہ مبین ہلاکت کے غار کے کنارے کھڑا ہوں، اگر میں نے اصلاحِ حال کی کوشش نہ کی تو میرے لئے سخت خطرہ ہے۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد امام غزالی نے اس شان و شکوہ کی زندگی کو چھوڑ کر بغداد کو بخیرباد کہا، پھر وہ شام آئے اور تزکیہٴ نفس، اخلاق کی درستی اور ذکرِ اللہ کے لئے اپنے قلب کو مصیفا بنانے میں مشغول رہے، پھر مدت تک جامع مسجد دمشق میں معتکف رہے، اس کے بعد امام غزالی دمشق سے بیت المقدس آئے، اور یہاں بھی عبادتوں اور ریاضتوں میں مشغول رہے، اس کے بعد حجاز آئے، اور کئی سال تک انہوں نے خلوت و عزلت میں گزارے، لیکن عالم امتلاسی کے ان بگڑے ہوئے حالات کو دیکھ کر ان کی طبیعت میں ایک نیا جذبہ اور ولولہ پیدا ہوا کہ تبلیغِ دین اور بگڑے ہوئے انسانوں کی اصلاح، وقت کا اہم تقاضا ہے، اس احساس نے ان کو اپنا صحیح فرض یاد دلایا پھر وہ نئے عزم، پاک ارادوں اور نئی لگن کے ساتھ خلوت سے انجمن میں آئے۔

اوائل پانچویں صدی ہجری سے ان کے تجدیدی کارناموں کا آغاز ہوا وہ ۵۴۹ھ (۱۱۵۶ء) میں دوبارہ بغداد آئے، اور نئے عزم و ولولوں کے ساتھ مدرسہ نظامیہ کی سند درس کو زیت بخشی، المتقدمین الضلال میں وہ دوبارہ اس منصب کے قبول کرنے کے فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

میری اس پہلی اور اس دوسری حالت میں زمین آسمان کا فرق ہے میں پہلے اس علم کی اشاعت کرتا تھا، جو حصولِ جاہ کا ذریعہ ہے، اور میں اپنے قول و عمل سے اس کی دعوت دیتا تھا، اور یہی میرا مقصود اور نیت تھی، لیکن اب میں اس علم کی دعوت دیتا ہوں، جس سے جاہ سے دست بردار ہونا

پڑتا ہے ، اب میں اپنی اور دوسرے کی اصلاح چاہتا ہوں ، مجھے نہیں معلوم کہ میں اپنے مقصود تک پہنچوں گا یا اس سے پہلے میرا کام تمام ہوجائے گا ۔

امام غزالی نے جن بگڑے ہوئے سیاسی اور سماجی حالات میں اپنے کام کی ابتدا کی ، خود ان کے قلم سے ان کا تذکرہ ہم پہلے صفحات میں نقل کر آئے ہیں ۔

امام غزالی کے مجددانہ کارنامہ :

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا کہ حضرت امام غزالی کے مجددانہ کارناموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ۔

۱۔ فلاسفہ کے ملحدانہ خیالات کی تردید ۔

۲۔ زندگی و معاشرت کا اسلامی و اخلاقی جائزہ ، اور ان کی تنقید و اصلاح ۔

امام غزالی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے شخص ہیں ، جنہوں نے یونانی فلسفے کے مفروضات پر جرح کرنے اور اس پر علمی تنقید کرنے کی جرات کی ، فلسفہ یونانی کے رواج نے اعتقاد کی بنیادیں ہلا دی تھیں ، اور اس کی اشاعت سے ملت کی ذہنی زندگی میں جو انتشار پیدا ہوجکا تھا ، انہوں نے فلسفے کی پیدا کردہ ایک ایک الجھن کو اسلامی نقطہ نظر سے سمجھایا ، انہوں نے اس حقیقت کو سمجھایا کہ وہ مادی ترقی جو انسان کو معبود حقیقی سے دور لے جائے ، ترقی نہیں زوال ہے ان کی دو کتابیں ”مقاصد الفلاسفہ“ اور ”تہافتہ الفلاسفہ“ ان کے اسی نقطہ نظر کی آئینہ دار ہیں ۔

ان کا دوسرا اصلاحی کارنامہ، جس نے عالم اسلامی میں آن کے نام کو روشن کر دیا، اور جس کا شمار اسلام کی اعلیٰ ترین تصنیفات میں ہوتا ہے، وہ آن کی معرکہ آرا کتاب احیاء العلوم ہے، انہوں نے یہ اپنی عظیم تصنیف بارہویں صدی عیسوی کے بالکل ابتدا میں مکمل کی۔ عبدالغافر فارسی جو امام غزالی کے ہمعصر اور امام الحرمین کے شاگرد ہیں، کہتے ہیں کہ احیاء العلوم کے مثل کوئی کتاب اس سے پہلے تصنیف نہیں ہوئی۔

امام غزالی نے یہ کتاب خاص حالات و کیفیات اور خاص جذبے کے ساتھ لکھی، جو آن کے قلبی تاثرات، علمی تجربات، اصلاحی خیالات اور وجدانی کیفیات کا آئینہ ہے۔

انہوں نے اس کتاب میں آن تمام خرابیوں، اور کمزوریوں کی نشان دہی کی ہے، جو مسلم معاشرے میں پھیلی ہوئی تھیں، نیز اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ نفس و شیطان نے کس طرح مختلف طبقوں کو فریب دے رکھا ہے۔

انہوں نے اس کتاب میں اس دینی اور اخلاقی بگاڑ کا ذمہ دار علماء کو ٹھہرایا ہے ان کو شکایت کہ علماء امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دیتے وہ خود دنیا طلبی اور جاہ طلبی کا شکار ہو گئے ہیں، اصلاح نفس، تہذیب اخلاق اور معادت اخروی سے ان کی توجہ ہٹ گئی ہے۔

دوسرا طبقہ جس کو وہ اس دینی تنزل کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں، وہ اہل حکومت، ملاطین اور امرا کا طبقہ تھا، امام غزالی نے ایسے زمانے میں آنکھ کھولی تھی جب کہ جمہوریت، شخصی حکومت کے چنگل میں تھی، بادشاہ کی ذات پر قانون اور ضابطے سے بالاتر تھی، عوام کا ان حکومتوں میں کوئی دخل نہ تھا، ناانصافی عام

تھی، عوام کے حقوق پامال ہو رہے تھے، مردم آزاری، رشوت ستانی عام تھی، اپنے فرائض کی ادائیگی سے پہلے عہدہ دار جی چراتا تھا، انہوں نے ایسے بادشاہوں، ان کے امرا اور وزراء پر بے لاگ تنقید کی، اور بڑی جرأت و بے خوفی کے ساتھ انہیں حکومت کی بد تنظیموں، عوام کے حقوق کی پامالی، اپنے فرائض کی ذمہ داری سے غفلت کی طرف اپنی تحریروں سے توجہ دلائی۔

بادشاہوں سے اگر ملاقات ہوجاتی تو نہایت جرأت سے ان کے میاستے کا حق بلند کرتے۔

ایک ملاقات کے موقع پر ملک شاہ سلجوقی کے بیٹے سلطان منجر سے جو اس وقت سارے خراسان کا بادشاہ تھا فرمایا:

میں افسوس کہ مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جاتی ہیں، اور تیرے گھوڑوں کی گردنیں طوقہائے زرین سے مزین نہیں۔

ان کی نظر بڑی گہری اور ان کا مشاہدہ بہت وسیع ہے، انہوں نے اپنی اس کتاب میں عام زندگی کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے، اور ان برائیوں کو واضح کیا ہے، جو عام زندگی میں رونما ہو کر بحراہی کا باعث بن رہی ہیں۔

مختصر یہ کہ امام غزالی ایک بلند پایہ فقیہ، صاحب اجتہاد متکلم، صاحب بدل صوفی، اعلامی فلسفہ و اخلاق کے ایک نامور مصنف ہیں، جن کے مجددانہ کارناموں نے مسلمانوں کو حیات نو بخشی۔

○

ان کا یہ ساری تفصیل تاریخ دعوت و عزیمت، جلد اول، ص ۱۰۱ تا ۱۰۵ سے لے کر ۱۰۶ تک ہے۔

حکیم سنائیؒ

حکیم سنائیؒ کی عظمت علامہ اقبالؒ کی نظر میں:

حکیم سنائیؒ کی جلالت و عظمت کا اعتراف علامہ اقبالؒ کے مرشد معنوی مولاناؒ روم نے اپنے ایک شعر میں اس طرح کیا ہے:

عطار روح بود، سنائی دو چشم او
ما از پس سنائی و عطار آمدیم

ایک اور جگہ مثنوی میں وہ حکیم سنائیؒ کو اس طرح یاد کرتے ہیں:

ترک جوشی کردہ ام من نیم خام
از حکیم غزنوی بشتو تمام

علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے مجموعہ ہائے کلام میں جا بجا حکیم سنائیؒ کی بارگاہ میں اپنے گلمہائے عقیدت پیش کیے ہیں، ارغوان حجاز میں وہ صدق و اخلاص سنائیؒ کی تمنا کرتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے ہیں:

عطا کن شور رومی، سوز خسرو
عطا کن صدق و اخلاص سنائی

چنناں پا بندگی در سا ختم من
نہ گیرم گر مرا بخشی خدائی

علامہ اقبال^{7۵} جب شاہ افغانستان کی دعوت پر ۱۹۳۳ء میں افغانستان گئے ، اور غزنی میں حکیم سنائی کے مزار پر حاضر ہوئے ، اس موقع پر علامہ نے اپنی مثنوی ”پس چہ باید کرد“ میں حکیم سنائی متعلق کے جن جذبات کا اظہار کیا ہے ، ان کی وہ نظم حکیم سنائی سے بے پناہ عقیدت کی مظہر ہے ۔ فرماتے ہیں :

از نواز شہنائے سلطان شہید
صبح و شام صبح و شام روزِ عید
نکتہ منج خاوراں ہندی فقیر
میہمان خسرواں کیواں سریر
تاز شہر خسروی کردم سفر
شد سفر بر من سبک تر از حضر
سینہ بکشادم باں بادے کہ پار
لالہ رست از فیض او در کوہسار
آہ غزنی آن حریم علم و فن
من غزاور استیز مردان کہ من
دولت محمود را از زبان غروس
از چنناں زندان او دانائے ظوس
خفتہ در خاکش حکیم غزنوی
از نوائے او دل مردان قوی
آن حکیم غیب ، آن صاحب مقام
تُرک جوش روسی از ذکرش تمام

من ز پیدا، او ز پنہاں در سرور
 ہر دو را سرمایہ از ذوق حضور
 ہر دو را از حکمت قرآن سبق
 او ز حق گوید، من از مردان حق
 در فضائے مرقد او سوختم
 تا متاع نالہ اندوختم
 گفتم اے بینندہ اسرار جان
 بر تو روشن این جہاں و آن جہاں
 اے حکیم غیب! امام عارفان
 پختہ از فیض تو خام عارفان
 آنچہ اندر بردہ غیب است گوی
 بو کہ آب رفتہ باز آید بجوا

حکیم سنائی سے علامہ کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ مولانا
 سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ: حکیم سنائی کی جلالت شان سے
 کون واقف نہیں ہم سب اس منظر سے متاثر تھے، مگر ہم میں سب
 سے زیادہ اثر ڈاکٹر اقبال پر تھا، وہ حکیم ممدوح کے سرہانے کھڑے
 ہو کر بے اختیار ہو گئے، اور دیر تک زور زور سے روتے رہے^۱۔

حضرت سلطان ابو سعید ابوالخیر کے بعد جس نے اپنی شاعری
 سے گلشن تصوف کی آبیاری کی وہ چکیم سنائی ہیں۔

حالات:

ابوالمجد مجدود بن آدم سنائی پانچویں صدی ہجری کے وسط
 میں پیدا ہوئے، وہ جوانی ہی سے دربار غزنوی میں منسلک ہو گئے،
 اور اس خاندان کے افراد مثلاً بہرام شاہ کی مدح میں اشعار کہے۔

^۱ شہنوی مسافر، ص ۱۸

^۲ سیر افغانستان ص ۳۳

حکیم سنائی سلاطین و امرا، اور اپنے عہد کے فضلاء و شعراء سے ربط رکھتے تھے، مسعود سعد سے ان کے خاص تعلقات تھے، اور پہلی مرتبہ انہوں نے مسعود سعد کے اشعار کو جمع کیا تھا۔

نعمات الانس میں ہے کہ سلطان سبکتگین موسم سرما میں، کفار کے بعض ملک لینے کے لیے، غزنی سے واپس نکلا، حکیم سنائی نے

مسعود سعد: دور غزنوی و سلجوقی کا شاعر تھا، اگرچہ اس کا اصل وطن ہمدان تھا، مگر یہ ۳۹۹ھ میں لاہور میں پیدا ہوا، اور سلاطین غزنوی کی ملازمت میں منسلک ہو گیا، جب محمود ملقب بہ سیف الدولہ ۴۰۹ھ میں ہندوستان پر متعین ہوا تو یہ بھی اس کی ملازمت میں ہندوستان آیا اور طمارت و ریاست کی زندگی بسر کرنے لگا، لیکن جب سیف الدولہ زوال میں آیا تو بعد سلمان بھی سات سال تک ”قلعہ دہشک دیو“ اور تین سال تک ”قلعہ نابی“ میں محبوس رکھا گیا۔ سلطان ابراہیم نے عمید الملک کی سفارش پر قید سے آزاد کیا، اور یہ اپنے وطن واپس لوٹ کر آیا، جب سلطان مسعود نے ہندوستان کی حکومت اپنے فرزند عضد الدولہ شیر زاد کے سپرد کی، اس کا پیشکار سپہ سالار ابن امیر نظام الدین بو نصر پارسی تھا، وہ مسعود سعد کا دوست تھا، اس کی سفارش پر مسعود سعد کو نواح لاہور جالندھر کی حکومت ملی، لیکن زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ بو نصر پارسی معتوب ہوا، اور مسعود سعد سلطان مسعود کے حکم سے دوبارہ گرفتار کیا گیا اور ”قلعہ مرنج“ میں قید کیا گیا، اس نے اپنی عمر کے مزید ستترہ سال قید میں گزاریے، جب وہ اس دوسری قید سے چھوٹا تو بہت بوڑھا ہو گیا تھا، ملازمت سے کنارہ کش ہو کر گوشہ گیر ہو گیا۔ مسعود سعد نے ۵۱۵ھ (۱۱۲۱ء) میں وفات پائی، وفات کے وقت اس کی عمر پچھتر سال تھی تاریخ ادبیات ایران (شفق) ص ۱۵۵ تا ۱۶۸ -

اس کی تعریف نہیں قصیدہ کہا وہ آسے لے کر مہکتگیں کرے پاس
 جارہے تھے تاکہ آسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں جب وہ
 ایک شراب خانے کے دروازے کے پاس سے گزرے تو ایک مجذوب
 جس کا نام لاخدار تھا، اور ہمیشہ وہی شراب پیتا تھا، اس کی
 آواز سنی، وہ اپنے ساقی سے کہہ رہا تھا کہ محمود مہکتگیں کی قبر
 کے لیے پیالہ بھرو، تاکہ میں پیوں، ساقی نے کہا کہ محمود تو
 مسلمان بادشاہ ہے، اور مرد غازی ہے، مجذوب نے کہا وہ
 نہایت مردک ہے کہ جو ملک آس کے قبضے میں ہے، اس کا
 انتظام اس سے ہوتا نہیں دوسرے ملک حاصل کرنے کی ہوس اس
 پر غالب ہے، یہ کہہ کر شراب کا ایک جام چڑھالیا۔ پھر اس
 مجذوب نے اپنے ساقی سے کہا کہ ایک اور جام بھرو سنائی شاعر
 کی قبر کے لیے، ساقی نے کہا سنائی تو بڑا پُر گو شاعر ہے،
 مجذوب نے کہا اگر وہ لطیف الطبع شاعر ہوتا تو کسی مقصد کے
 تحت اپنے آپ کو مصروف کرتا، اس نے تو چند بیہودہ شعر ایک
 کاغذ پر لکھے ہیں، جو اس کے کسی کام کے نہیں، وہ نہیں جانتا
 کہ وہ کس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ مجذوب کی ان باتوں
 نے سنائی کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا، درباروں کی حاضری
 اور قصیدہ گوئی کو ترک کر کے سلوک کی راہ اختیار کی، اور
 اپنی شاعری کے رخ کو عرفان و تصوف کے مسائل کی طرف موڑا
 بہرام شاہ نے اپنی بہن کو آپ کے عقد نکاح میں دینا چاہا تو آسے
 لکھ بھیجا:

سن نہ مرد زن و زر و جاہم
 بخدا گر کنم و گر خواہم
 گر تو تا جم دیہی راجساہم
 بہ سر تو کہ تاج نہستانم^۲

^۱ نفحات الانس (اردو ترجمہ) ص ۶۳۲

^۲ تاریخ مشائخ چشت، ص ۱۲۳

اس کے بعد تو استغنا کی یہ کیفیت تھی کہ ایک رئیس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا تو اسے لکھا کہ :

ان الملوک اذا دخلو قریۃ افسدواھا - گوشہ دل این گوشہ گرفتہ بہ تفقد ستائش خود خراب نکند - جسم حقیر این بندہ نہ سزائے حشم خداوندی است

شاعری :

سنائی کے دیوان کے اشعار کی تعداد تیس ہزار بتائی جاتی ہے ، یہ دیوان قصائد و غزلیات اور رباعیات پر مشتمل ہے ، ان کے اشعار بلند پایہ اور شاعری کا ایک مکمل نمونہ ہیں ، لیکن ان کی آمشادی ، بلاغت اور کمال کا رنگ ان کی مثنویوں میں خصوصاً حدیقہ میں نظر آتا ہے ، انہوں نے اپنی شاعری میں تصوف کے اسرار و معارف کو بیان کر کے فارسی شاعری کو ایک نیا رنگ و آہنگ بخشا ہے ، خود اپنی شاعری کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

کس نگفت این چنین سخن جہاں
ور کسے گفت ، گو پیار و بخوان
این نمط ہر چہ در جہاں سخن است
گیر یکے در ہزار آن من است

مولانا شبلی کا خیال ہے کہ اخلاقی شاعری کی بنیاد حکیم سنائی نے رکھی ، اور اخلاقی شاعری کے ابتدائی اصول و آئین حکیم سنائی نے قائم کیے تھے -

حکیم سنائی نے تصوف میں مستقل دو کتابیں ”حدیقہ“ اور ”سیرالعباد“ تصنیف کی تھیں ، اس کے علاوہ ان کی مثنوی کنزالرموز ،

تاریخ مشائخ چشت ، ص ۲۳ بحوالہ تذکرہ دولت شاہ سمرقندی

عشق نامہ ، عقل نامہ ، غریب نامہ ، بھی ہیں ، لیکن ان کی مثنویوں میں سب سے زیادہ مشہور حدیقا ہے ، جو انہوں نے ۵۲۵ھ (۳۱-۳۰/۱۱ء) میں مکمل کی ، ان کی یہ مثنوی دس ابواب پر مشتمل ہے ، اور اس مثنوی میں دس ہزار اشعار ہیں^۱۔

وفات :

حکیم سنائی نے طویل عمر پائی ، اور غزنی ہی میں جان جان اقریں کے سپرد کی ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے ، تقی کاشی نے اپنے تذکرے میں ان کا سنہ وفات ۵۴۵ھ (۵۱-۵۰/۱۱ء) تحریر کیا ہے ، اور یہی زیادہ صحیح ہے ۔

نفعات الانس میں ہے کہ خواجہ حکیم سنائی ہر جب نزع کی حالت طاری تھی تو یہ شعر ان کی زبان پر تھا :

باز گشتم ، زانچہ گفتم ، زان کہ ہست
در سخن معنی و در معنی سخن

ایک عزیز نے سنا تو کہا عجیب بات ہے کہ شعر سے توبہ کے وقت شعر ہی میں مشغول ہوئے^۲۔

”کارنامہ بزرگان ایران“ میں ہمیں حکیم سنائی کے متعلق کچھ اور تفصیلات ملتی ہیں ، ”کارنامہ بزرگان ایران“ میں ہے کہ : ابوالمجد مجدود بن آدم سنائی عہد غزنوی کے عارف ، بزرگ اور نامور شاعر ہیں ، وہ ۵۲۳ھ (۸۱-۸۰/۱۱ء) میں غزنی میں پیدا ہوئے ، ابتداً وہ غزنوی فرمانرواؤں کے دربار سے منسلک رہے ، خصوصاً بہرام شاہ سے ان کا ربط زیادہ رہا ، اور ان کی مدح و ثنا میں قصیدے کہتے رہے ، لیکن اچانک ان کی طبیعت میں ایک

^۱ تاریخ ادبیات ایران (شفق) ص ۱۲۵

^۲ نفعات الانس (آردو ترجمہ) ص ۶۳۲ -

تغیر رونما ہوا ، اور وہ سلوک و تصوف کی طرف مائل ہو گئے ، ان کا یہ تغیر ان کی شاعری پر بھی اثر انداز ہوا ، اور انہوں نے شاعری کا موضوع تصوف کو بنایا کر تصوف کے رموز و اسرار کو اپنی شاعری کے سانچے میں ڈھالا یہاں تک کہ وہ قدیم صوفی شعرا کی صف اول میں شمار ہوتے ہیں۔

حکیم سنائی جب حج کے لیے گئے تو انہوں نے اثناء سفر میں خراسان کے شہروں میں وہاں کے مختلف صوفیائے کرام سے ملاقات کی ، اور ان سے روحانی استفادہ کیا ، ان ملاقاتوں نے ان کی صوفیانہ شاعری کو نیا آب و رنگ بخشا۔ سنائی نے ۵۴۵ھ (۱۱۵۰ء تا ۱۱۵۱ء) میں وفات پائی۔

حکیم سنائی کی جن مثنویوں کا پتا چل سکا ان کے نام یہ ہیں :
(۱) حقیقۃ الحقیقہ : یہ مثنوی دس ہزار اشعار پر مشتمل ہے ، جسے انہوں نے ۵۲۴ھ (۱۱۲۹ء-۱۱۳۰ء) میں لکھنا شروع کیا ، اور ۵۲۵ھ (۱۱۳۰ء-۱۱۳۱ء) میں مکمل کیا۔

(۲) طریق التحقیق : یہ مثنوی ایک ہزار اشعار پر مشتمل ہے ، جسے انہوں نے ۵۲۸ھ (۱۱۳۳ء-۱۱۳۴ء) میں نظم کیا۔

(۳) سیر العباد الی المعاد : ان کی یہ مثنوی پانچ سو اشعار پر مشتمل ہے۔

(۴) دیوان قصائد و غزلیات : یہ دیوان ایسے ہزار اشعار پر مشتمل ہے جسے انہوں نے ۵۲۸ھ (۱۱۳۳ء-۱۱۳۴ء) میں نظم کیا۔

اس کے علاوہ ان کی طرف جو دو مثنویاں منسوب ہیں ، ان کے نام یہ ہیں ، عقل نامہ ، عشق نامہ ، کارنامہ ، عفوانامہ۔

یہ تمام تفصیل کارنامہ بزرگان ایران ، ص ۱۷۱-۱۷۲ سے ماخوذ ہے۔

۵۰۱ (۱۱۰۵ء) سال کی تاریخ (۱۱۰۵ء)

۵۰۲ (۱۱۰۶ء) سال کی تاریخ (۱۱۰۶ء)

شیخ فرید الدین عطارؒ

— : ۰ : —

پارگہ عطار میں علامہ اقبال کی نذر عقیدات

بارہویں صدی عیسوی اسلامی تصرف کی تاریخ میں نہایت بار آور صدی ہے اس صدی کے صوفیائے کرام میں حضرت امام غزالی حکیم سنائی شیخ اکبر، شیخ شہاب الدین سہروردی اور خواجہ فرید الدین عطار خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اسی صدی میں تصرف بحیثیت فلسفے کے انتہائی عروج پر پہنچا اسی صدی میں حضرت امام غزالی نے اپنی عظیم الشان تصنیف احیاء العلوم مکمل کی، جس سے تعلیمات تصرف کے سمجھنے میں بڑی مدد ملی، دنیائے اسلام میں حضرت امام غزالی کی اس کتاب کی جو عظمت و مقبولیت حاصل ہوئی، وہ اسلامی تاریخ تصرف کا ایک روشن باب ہے۔ شیخ اکبر اور شیخ شہاب الدین سہروردی نے، تصوف کے فلسفے، اصطلاحات اور بنیادی مسائل کی وضاحت کی۔

حکیم سنائی اور شیخ فرید الدین عطار نے اپنی شاعری سے بے راہ و عقل کے اندھیروں میں عشق کا چراغ روشن کیا، اور اپنے شاعرانہ توانائیوں اور کمال کو عشق الہی کے سوز سے دلوں کے گرمائے کے لیے وقف کیا، اور اس طرح صوفیانہ شاعری کے دائرے کو وسیع سے وسیع تر کر دیا

حکیم سنائی اور شیخ فرید الدین کی صوفیانہ عظمت اور
شاعرانہ کمال کو اکابر صوفیہ نے تسلیم کیا، مولانا روم فرماتے ہیں :

عطار روح بود، سنائی دوچشم او
ما از پئے سنائی و عطار آمدیم

ایک اور جگہ فرماتے ہیں

ہفت شہر عشق را عطار گشت
ما پیمان اندر خم یک کوچہ ایم

ایک اور جگہ عارف رومی اپنی بے پناہ عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے
سخن گوئی میں اپنے آپ کو عطار کا غلام بتاتے ہیں فرماتے ہیں :

من آن بٹالے رومی ام کہ از نظم شکر ریزد
ولیکن در سخن گفتن غلام شیخ عطارم

علاء الدولہ رٹمنائی جو اٹھویں صدی ہجری کے اکابر صوفیہ اور
اہل دل میں شمار ہوتے ہیں حضرت شیخ فرید الدین عطار کی بارگاہ
میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں :

سرے کہ درون دل مرا پیدا شد
از گفتہ عطار وز مولانا شد

علامہ اقبال نے بھی حضرت شیخ فرید الدین عطار سے اپنی عقیدت
و محبت کا اظہار کیا ہے زبور عجم میں اپنی شاعری اور دوسرے
شعرا کی شاعری میں فرق کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں

کشودم از رخ معنی نقابے
یدست ذرہ کدادم آفتابے

نہ بینی خیرازاں مرد فرو دست
 کہ بر من تہمتِ شعر و سخن بست
 بکوئے دلبران کارے ندارم
 دل زارے، غم یارے ندارم
 بجبریل امیں ہم دامستانم
 رقیب و قاصد و دریاں ندانم
 مرا با فقر سا بیان کلیم است
 فر شایہ نشہی زیر کلیم است
 دے در خویشتن خلوت گزیدم
 جہانے لا زوالے آفریدم
 مرا زیں شاعری خود عار ناید
 کہ در صد قرن یک عطار ناید

علامہ اقبال اُس آہ سحرگاہی کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ
 جسے عشق سکھاتا ہے اور جسے عطار، روسی، رازی و غزالی سب اپنا
 شعار بنائے ہوئے تھے۔ فرماتے ہیں

عطار ہو، روسی ہو، رازی ہو غزالی
 کچھ کام نہیں آتا ہے آہ سحرگاہی^۲

✓ علامہ ”ضرب کلیم“ میں عطار کے مقام بلند کو بیان کرتے
 ہوئے کہتے ہیں

^۱ زبور عجم، ص، ۲۰۴-۲۰۵ کہ ”در صد قرن یک عطار ناید“
 یہ شعر محمود شبتری کا ہے، جو ایک صاحبِ دل بزرگ تھے، علامہ
 نے اپنی اس نظم میں اس شعر کو بطور دلیل استعمال کیا ہے
 تاریخ ادبیات ایران (شفق، ص ۱۲۹-۱۳۰)
^۲ بال جبریل، ص-۸۳

مقام ذکر کمالات رومی و عطار
مقام فکر مقالات بو علی سینا

حالات :

شیخ فرید الدین محمد مشہور بہ عطار جو خود اکابر صوفیہ میں اور اہل عرفان کے پیشواؤں میں ہیں ، نیشاپور میں پیدا ہوئے ، ان کی ولادت کی تاریخ یقینی طور پر معلوم نہیں ، لیکن قراین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ چھٹی صدی ہجری کے وسط میں پیدا ہوئے ، یہ سلاہقتہ کا دور حکومت تھا ، انہوں نے سو سال یا اس سے بھی کچھ زائد عمر پائی ، انہوں نے اپنے دیوان میں اپنی عمر کے متعلق ساٹھ اور ستر سال کی عمر کی طرف اشارہ کیا ہے ، فرماتے ہیں

مدت سی سال سودہ پختہ ایم
مدت سی سال دیگر سو ختم

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :

چوں ز مقصود خود ندیدم بوی
سوئے عمرے رہم زیاں آمد
دین ہفتاد سالہ داد بیاد
مردی میخانہ مغاں آمد

انہیں ان کی عمر کے سلسلے میں ان کے دیوان سے یہ شعر بھی نقل کیا گیا ہے :

سرگ در آوردہ پیش وادی صد سالہ راہ
عمر تو افگندہ شب بر سر ہفتاد ماند

حضرت شیخ فرید الدین عطار نے اپنی جوانی کا بڑا حصہ اکتسابِ علوم، تہذیبِ نفس، اور شیوخ کی خدمت میں گزارا اور بعض اطلاعات سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے مصر، دمشق، مکہ، ہندوستان اور ترکستان کی سیاحت کی تھی۔

حضرت شیخ کا لقب عطار اس وجہ سے تھا کہ وہ دوا فروشی کرتے تھے، اور بیماروں کا علاج کرتے تھے، خسرو نامہ میں فرماتے ہیں کہ:

بدا رو خانہ پانصد شخص بودند
کہ در ہر روز تبضیم می نمودند

رشد و ہدایت :

حضرت عطار جسمانی شفا سے فرصت پاتے تو عوام کی روحانی شفاء کی طرف متوجہ ہو جاتے، ان ہی فرصت کے اوقات میں شعر کہتے۔

تذکروں اور خود ان کے آثارِ نظم و نثر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف عارفانِ حق کی صحبت میں رہے، بلکہ خود انہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ تصوف اور سلوک کی منازل طے کرنے میں صرف کیا یہاں تک کہ مقامِ ارشاد پر فائز ہوئے، اور کعبہ اہل دل بن گئے

نفحات الانس میں ہے کہ شیخ فرید الدین عطار کے مرشد شیخ مجد الدین بغدادی تھے، بعضوں کا بیان ہے کہ وہ اویسی تھے مولانا رومی فرماتے ہیں کہ: منصور کا نور ڈیرہ سو سال بعد عطار کی روح میں چمکا، اور وہ آن کے سرہئی ہوئے۔^۲

۱ یہ تمام تفصیل تاریخ ادبیات ایران (شفق) ص ۱۲۷ سے ماخوذ ہے۔
۲ نفحات الانس (آردو ترجمہ) ص ۶۳۵ -

شاعری :

رشد و ہدایت میں شیخ فرید الدین عطار کا سب سے بڑا ذریعہ ابلاغ، شاعری ہے انہوں نے تصوف کی تعلیم کے لیے، اور اپنے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے شعر کو پردہ بنایا، اور اس طرح تصوف کی دولت کو عام کر دیا، ان کے فکر و رائے تصوف کے نہایت باریک نکات کو اپنے اشعار میں سمو کر انتہائی حسن اور دلکشی کے ساتھ پیش کیا سوز و گداز، علوئے فکر، نفاست و سلاست و روانی ان کے کلام کے وہ جوہر ہیں، جو ان کو دوسروں سے بالکل ممتاز بناتے ہیں، نظم و نثر میں حضرت عطار کو وہ مرتبہ حاصل ہے کہ ان کے اتباع کو بعد میں آنے والے عارفوں اور سخنوروں نے اپنایا، مثنوی میں مقصود کو حکایات کے روپ میں بیان کرنا، اور اس طرح مقصد کی دل نشینی اور کلام کے اثر کئی گونہ بڑھا دینا خواجہ عطار کی خصوصیت ہے، خواجہ عطار کے اس طرز شاعری نے ان کے بعد کے شاعروں میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی، یہاں تک کہ ان کا پرتو مولانا روم، سعدی اور حافظ شیرازی کے کلام میں نظر آتا ہے، اضافی شاعری میں حضرت شیخ فرید الدین عطار نے ہر صنف شاعری کی طرف توجہ کی، ان کے کلام میں قصائد، مثنوی، غزل، ہر ایک کے نمونے ملتے ہیں، لیکن عطار کی شاعری خالص عرفانی شاعری ہے، ان کے قصائد سرا کی مدح سرائیوں سے پاک، اور شاید حقیقی کی جلوہ آرائیوں سے مملوء نظر آتے ہیں، ان کی مثنویوں میں ہمیں مجازی حسن و عشق کی ترجمانی نہیں ملتی، بلکہ انہوں نے اپنی مثنویوں میں حکایات کے ضمن میں عرفان و تصوف کے رموز و نکات کو نہایت لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے، ان کی غزلیں اثر و تاثیر، سوز و گداز، عرفان و تصوف کا وہ خزانہ ہیں جن کو اہل دل پڑھتے ہیں، اور سر دہنتے ہیں، بلا شبہ سنائی کی غزلیں تصوف کے مضامین عالیہ پر مشتمل ہیں، لیکن

جو درد و سوز و گداز اور گرمی ہمیں عطش کی غزلوں میں ملتی ہے ،
 اُس میں کوئی ان کا خریف نہیں ، اُن کی غزلوں کی آتش انگیزی
 بے پناہ ہے ، ہر لفظ جو اُن کی زبان سے نکلتا ہے ، اثر و تاثیر میں
 ڈوبا ہوا ہوا ہے ، ان کی غزلوں کو دیکھ کر بے اختیار میر کا یہ
 شعر زبان پر آجاتا ہے :

نہیں ملتا سخن اپنا کسو سے
 ہماری گفتگو کا ڈھب جدا ہے

رضا زادہ شفق نے اپنی تالیف ”ادبیات ایران“ میں حضرت عطار
 کے کچھ منتخب اشعار دیے ہیں ، ہم اُن میں سے چند شعر تبرکاً
 بطور نمونہ کلام ذیل میں نقل کرتے ہیں :

بعمرِ خویش مدحِ کس نگفتم
 درے از بہرِ دنیا من نسفتم

شعر مدح و ہزل گفتن پیچ نیست
 شعر حکمت بہر کہ دروے پیچ نیست

شیخ عطار وحدت الوجود کے قائل ہیں ، اُن کی شاعری کا
 موضوع خاص ”وحدت الوجود“ ہے ، بارہویں صدی عیسوی میں الہوں
 نے اس نظریے کی اشاعت میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا ۔ اُن کے
 کلام میں ہمیں جا بجا وحدت الوجود کی جھلکیاں ملتی ہیں ۔
 فرماتے ہیں :

ہر کہ را ذرہ ای وجود بود
 ہر ذرہ ای سجود بود

نہ ہمد بست زر و سیم بود
 کہ بست پرواں وجود بود
 در حقیقت چو جملہ یک بودہ ست
 پس ہمد بود ہما نبود بود
 نقطہ آتش در باطن
 دود دیدن ازو چہ سود بود

در عشق ، تو من توام تو من باش
 یک پیر من ست گو دو تن باش
 چوں جملہ یکے ست در حقیقت
 گو در یک تن دو پیر من باش
 جانان ہمد غاں تو شدم من
 من آن تو ام ، تو آن من باش

مقام توحید کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں -

چو یکی باشد ہمی نہ بود دوئی
 ہم منی بر خیزد ایں جا ہم توئی

اُن کی شاعری میں ہمیں معرفت ، استغنا ، حیرت ، مقام فنا ،
 اور تصوف و سلوک کے وہ دوسرے مقامات ملتے ہیں ، جن سے ایک
 سالک کو گزرنا پڑتا ہے ، انہوں نے اپنی تعلیمات میں مقام عشق
 پر سب سے زیادہ زور دیا ہے ، اپنی مثنوی ”منطق الطیر“ میں
 مقام عشق کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”مرد وہ ہے کہ
 جس کو اپنے مقصد سے اس قدر دل بستگی ہو کہ وہ بے دھڑک
 راہ وصال پر گامزن ہو ، اور راہ عشق میں جانے سے نہ ڈرے ،
 اس راہ میں شک و یقین ، نیک و بد کی پروا نہ کرے ، اور

اپنے مقصد اور معبود کی جستجو سے لگن رکھے، اور اس منزل میں تامل اور عاقبت اندیشی کو روا نہ رکھے۔ فرماتے ہیں :

بعد از آن وادی عشق آمد پدید
غرق آتش شد کسی کانبجا رسید
کس دریں وادی بجز آتش مباد
و آنکہ آتش نیست عیشش خوش مباد
عاشق آن باشد کہ چون آتش بود
گرم رو، سوزندہ و سرکش بود
عاقبت اندیش نبود یک زمان
غرق در آتش چو آن برق جہاں

عشق الہی کے بعد وہ اتباع رسول اور پیروی شریعت پر
سب سے زور دیتے ہیں، فرماتے ہیں :

جاوید در متابعت مصطفیٰ گزین
تا نور شرع او شود بر تو مقتدا

حضرت عطار کی غزلیں سادگی و پُرکاری کا ایک مکمل
نمونہ اور پیچیدگی و اغلاق سے بالکل پاک ہیں، ان کی غزلوں
کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

عاشقانے کز نسیم دوست جاں می پرورند
جملہ اندر سوختن چوں عود اندر مجمراند
ہر کہ در عالم دوئی می بیند آن از احوالیت
زانکہ ایشان در دو عالم جزیکے را ننگرند
جملہ غواضد در دریائے وحدت لا جرم
گرچہ بسیارند، لیکن در صفت یک گوہراند

الا ای زاپندان دین دل بیدار بنمائید
ہمہ ہستید در مستی یکے ہشیار بنمائید
من این زندان مفلس را ہمہ عاشق ہمی بینم
شما یک عاشق صادق چنین بیدار بنمائید

ندارد درد ما درمان دریغا
ہمماندم بے سرو سامان دریغا
عزیزان جہاں را بین کہ یک راہ
شدہ با خاک رہ یکساں دریغا
بیا تا در وفائے دوستداران
فرو یاریم صد طوفان دریغا
ہمہ یاران بزیں خاک رفتند
تو خواہی رفت چون ایشان دریغا

دست در دامن جان خواہم زد
پائے بر فرق جہاں خواہم زد
چون مرا نام و نشان نیست پدید
دم ز بے نام و نشان خواہم زد
از دلم مشغلہ ای خواہم ساخت
نفس شعلہ فشان خواہم زد

غزلوں میں آن کی عارفانہ شاعری کے یہ چند نمونے ہم نے
پیش کیے ، لیکن ان کی بعض غزلوں میں تشبیہات ، ضائع شعری
اور شاعرانہ نکتہ پردازی کا مکمل پرتو بھی ہمیں ملتا ہے ، مگر
اس قسم کی غزلیں حضرت عطار کے ہاں بہت کم ہیں ، دو چار
شعر اس نوعیت کے بھی درج کیے جاتے ہیں :

بادِ شمال می رسد ، جلوہٗ نسترنِ نگر
 وقتِ سحر ز عشقِ گلِ بلبلِ نعرہ زنِ نگر
 سبزہٗ تازہ روئے را ، نو خطِ جوہار ہیں
 لالہٗ سرخ روئے را سوختہٗ دل چو منِ نگر
 یاسمنِ لطیف را ہم چو عروسِ بکر ہیں
 بادِ مشاطہٗ فعلِ را جلوہ گرِ سمنِ نگر
 نرگسِ نیم مست را عاشقِ زرد روئے ہیں
 مومنِ شیرہ خوارہ را آمدہ در سخنِ نگر
 تا گل ، بادشاہِ وٹس ، تختِ نہاد در چمن
 لشکریانِ باغِ را خیمہٗ نسترنِ نگر

مختصر یہ کہ حضرت شیخ فرید الدین عطار نے عارفانہ
 شاعری کے دائرے کو وسیع سے وسیع تر کر دیا ، انہوں نے رباعی ،
 غزل ، قصیدہٗ تمام اضافِ سخن میں تصوف کو سمو کر فارسی
 شاعری کو نئی چاشنی عطا کی ۔

تصانیف :

حضرت شیخ فرید الدین عطار کی تصانیف کثیر ہیں ، بعض
 تذکروں میں ان کی تصانیف کی تعداد قرآن مجید کی سورتوں کے
 برابر بتائی گئی ہے ، چنانچہ مجالس المؤمنین میں ہے :

ہماں خریطہٗ کشِ داروی فنا عطار
 کہ نظمِ اوست شفا بخشِ عاشقانِ حزیں
 مقابلِ عددِ سورہٗ کامِ نوشت
 سفینہائی عزیز و کتابہائی گزیں

لیکن ان کی تصانیف جن کے نام اب تک معلوم ہو سکے ،
 وہ یہ ہیں :

(۱) مصیبت نامہ (۲) الہی نامہ (۳) خسرو نامہ (۴) پند نامہ
(۵) اسرار نامہ (۶) شرح القلب (۷) مختار نامہ (۸) جواہر نامہ
(۹) دیوان قصائد و غزلیات (جو تقریباً دس ہزار اشعار پر مشتمل
ہے) (۱۰) منطق الطیر (۱۱) تذکرۃ الاولیاء (جس میں ۹۶ صوفیائے
کرام کے حالات و مناقب، اخلاق و فرمودات کو جمع کیا گیا ہے)

وفات :

حضرت فرید الدین عطار مغنوں کی یلغار کے زمانے میں مغلوں
کے ہاتھوں ۵۶۳ھ (۱۱۶۹-۱۱۷۰ء) میں شہید ہوئے، ان کا مزار
شادیباغ جنوب نیشاپور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔^۱

کارنامہ بزرگان ایران میں ہے کہ: شیخ فرید الدین محمد عطار
نیشاپوری، جن کا شمار اکابر صوفیائے کرام میں ہوتا ہے ۵۳۶ھ
(۱۱۴۱-۱۱۴۲ء) میں نیشاپور کے ایک قصبے کدکن نامی میں
پیدا ہوئے، ان کا پیشہ دوا فروشی اور عطاری تھا، اسی لیے وہ
عطار کے لقب سے مشہور ہوئے، وہ دکان میں بیماروں کے علاج و
معالجے میں مشغول رہتے، اور باقی جو وقت ملتا، وہ تحصیل علم اور
صوفیائے کرام کی صحبت میں گزارتے یہاں تک کہ وہ سرخیل صوفیہ
میں شمار ہونے لگے، ان کے علوئے مرتبت کا اندازہ اس سے
کیجیے کہ مولانا جلال الدین محمد رومی نے ان کی عظمت صوفیانہ
کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ہفت شہر عشق را عطار گشت
ماہنوز اندر خم یک کوچہ ایم^۲

^۱ حضرت شیخ فرید الدین عطار کے یہ تمام اشعار اور ان کی کتابوں
کے نام تاریخ ادبیات ایران (شفق) ص ۱۲-۱۳۶ سے ماخوذ ہیں۔
^۲ ایضاً ص ۱۳۶ - "کارنامہ بزرگان ایران، ص ۲۳۱-۲۳۲"۔

حضرت سید احمد رفاعی علیہ الرحمہ

علامہ اقبال کا حضرت سید احمد رفاعی کے متعلق تاثر:

علامہ اقبال حضرت سید احمد رفاعی کے متعلق آن کی عظمت اور اپنے جذبات عقیدت کو اپنے نغموں میں سمو کر آن کی جلالت شان کو اسرار و رموز میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

شیخ احمد سید گردون جناب

کاتب نور از ضمیرش آفتاب

گل کہ می پوشد مزار پاک او

لا اله الا هو یاں دہد از خاک او

با مریدے گفت اے چان پدر

از خیالات عجم باید جذر

زانکہ فکرش گرچہ از گردون گزشت

از حد دین نبی بیرون گزشت

اے برادر! این نصیحت گوش کن

پند آن آقائے ملت گوش کن

قلب را زین حرف حق گردان قوی

با عرب در ساز تا مسلم شوی

(۱) کلیات اقبال فارسی (غلام علی اینڈ سنز) اسرار و رموز ص ۱۲۹

حالات:

حضرت سید احمد کبیر علیہ الرحمہ سلسلہ رفاعیہ کے بانی ہیں، اس بر صغیر میں سلسلہ رفاعیہ کے عقیدت مند و مریدین کم ہیں، لیکن یہ سلسلہ عراق، عرب، مصر اور شام وغیرہ میں پھلا پھولا۔

حضرت سید احمد کبیر نے چھٹی صدی ہجری میں اپنے رشد و ہدایت کے چراغ کو روشن کیا، ان کی خانقاہ اصلاح و تربیت کا وہ گہوارہ رہی ہے کہ جن سے ہزاروں انسان سلوک و معرفت کی تعلیم حاصل کر کے نکلے، اور مختلف ممالک کے گوشے گوشے میں پھیل کر عالم انسانیت کو سر بلند کیا، اور بگڑے ہوئے انسانوں کو صلاح و تقویٰ سے آراستہ کر کے معرفت الہی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نئی لگن ان میں پیدا کی۔

حضرت سید احمد کبیر رفاعی کی ولادت با سعادت ۱۵ رجب ۵۱۲ (۱۱۱۸ء) قریہ حسن میں ہوئی، یہ قریہ واسط اور بصرے کے درمیان واقع ہے، آپ کی کنیت ابوالعباس اور لقب محی الدین تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

سید احمد کبیر، بن سید علی، بن سید حسن رفاعہ الهاشمی
المکی مقیم اشبیلی، بن سید احمد کبیر صالح، بن سید موسیٰ
ثانی، بن سید ابراہیم مرتضیٰ، بن امام موسیٰ کاظمؑ، بن
امام محمد باقرؑ، بن امام زین العابدینؑ، بن امام حسینؑ،
بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

آپ کی رفاعی کی نسبت سے شہرت کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے اجداد میں سید حسن کا لقب رفاعہ تھا، جس کے معنی بلند آواز کے ہیں۔ اسی نسبت سے آپ رفاعی مشہور ہوئے۔

حضرت سید احمد کبیر کی پیشانی سے بچپن ہی سے آثار ولایت نمایاں تھے، آپ نے شیخ عبدالسمیع حربونی سے قرآن مجید حفظ کیا، ۵۱۹ھ (۱۱۲۵ء) میں آپ کے والد نے بغداد میں وفات پائی، ان کے بعد آپ کے ماموں شیخ منصور بطاعی نے حضرت سید احمد کبیر کی تربیت اور سرپرستی فرمائی، اور آپ کو تعلیم کے لیے ابوالفضل شیخ علی قاری واسطی کے پاس واسط بھیجا۔

بیس سال کی عمر میں آپ علوم سروجہ کی تعلیم سے فارغ ہو گئے، جن اساتذہ نے آپ کے جوہر قابل کو نکھارا اور سنوارا ان میں شیخ ابوبکر واسطی اور شیخ عبدالملک الحربونی مشہور ہیں۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، پھر آپ علم باطن کی طرف متوجہ ہوئے، اور اپنے ماموں شیخ باز الاشہب منصور کے دستِ حق پرست پیر ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، اور خانقاہ ام عبید میں رشد و ہدایت کے چراغ کو روشن کیا۔ تشنگانِ علم معرفت پروانہ وار اس شمع معرفت کے گرد جمع ہونے لگے، وہ اپنے سریدوں میں صحیح جذبات پیدا کرتے، اور ان کی صلاحیتوں کو صحیح طور پر برسر کار لانے کے لیے ہمیشہ نفاعی رہتے تھے، آپ کی نگاہ دور رس زندگی کے ہر شعبے میں پہنچتی اور آپ کا اصلاحی ہاتھ زندگی کے ہر پہلو میں محسوس کیا جاتا تھا وہ اپنی تعلیمات میں اتباع شریعت و سنت پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔

حضرت سید احمد رفاعی کے اُئینہ اخلاق میں تواضع، انکسار، اتباع سنت کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ: میں سلوک و معرفت کے تمام طریقے
دیکھا کرتا اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تواضع اور انکسار سے بہتر
کوئی طریقہ نہیں، اس لیے میں اسی کو پسند کرتا ہوں۔

اتباعِ سنت کے آپ خود بھی پابند تھے، اور اپنے سریدوں کو
بھی اس کی تاکید فرماتے، علماءِ سیو اور صوفیائے خام نے جو
من گھڑت باتیں شریعت اور تصوف میں داخل کی تھیں، آپ ہمیشہ ان
کی تردید فرماتے، اور بدعات کو مٹانے کی کوشش فرماتے۔

حضرت شیخ سید احمد رفاعی نے تالیف و تصنیف کو کبھی اپنا
موضوع خاص نہیں بنایا بلکہ وہ وعظ و تذکیر کے ذریعے
اعلاءِ کلمۃ الحق کرتے رہے، جن کو آپ کے خدام اور سریدین
تحریری طور پر محفوظ کر لیتے تھے، آپ کے سواعظ و ارشادات میں
ایسی دل کشی تھی کہ ان میں ”از دل خیزد بر دل ریزد“ کی
کیفیت سامعین کو محسوس ہوتی تھی، سریدوں اور آپ کے خدام
نے ان سواعظ و ملفوظات کو کتابوں کی صورت دی اس نوعیت
کے چند رسالے اور کتابیں جن کا اب تک پتا چل سکا ہے، ان کے
نام یہ ہیں، (۱) مجالس الاحمدیہ (۲) کتاب الحکم (۳) آثار النافعہ
(۴) الحکم الساطعہ (۵) البرہان الموید وغیرہ ہیں۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے البرہان الموید کا
بنیان المشید کے نام سے اردو ترجمہ کر کے آمن کے فیوض و برکات
کو عام کر دیا ہے۔

کتاب الحکم کا ترجمہ فارسی سے اردو میں مولانا عبدالحمید
شرر مرحوم نے کیا تھا، جو سنہ ۱۹۱۶ء میں دلگداز پریس لکھنؤ سے
چھپا تھا، جو مدتوں سے نایاب تھا، علامہ عبادت علی محمد عبداللہ قریشی

کا مقدر تھی کہ انہوں نے اس کتاب کو ایک فاضلانہ اور مبسوط مقدمہ لکھ کر ”ادارہ آئینہ ادب لاہور“ سے شایع کیا، اور میخانہ معرفت کے متوالوں کے لیے نیا سامان بہم پہنچایا ہم نے بھی علامہ قریشی کے اس مقدمے سے اپنے اس مضمون میں استفادہ کیا ہے، اور ہم قریشی صاحب کے شکر گزار ہیں۔

”کتاب الحکم کا یہ ترجمہ ہندو سرعظت کا ایک گنج گراں مایہ ہے، اور تصوف کے رموز و نکات کا ایک سدا بہار گل دستہ“ ہے، جس کی خوشبو اہل نظر کے مشام جاں کو ہمیشہ معطر کرتی رہے گی۔

یہ نصائح اگرچہ انہوں نے اپنے ایک مرید شیخ عبدالسمیع کے لیے لکھی ہیں، لیکن ان کی افادیت عام ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے اشعار میں حضرت سید احمد رفاعی کے جس مرید کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ مرید یہی شیخ عبدالسمیع ہیں۔

عوام اور اہل علم کو عجم کے خیالات سے متاثر ہوتے ہوئے دیکھ کر یونانی فلسفے کی گرم بازاری اور عقلیت کے طوفان سے دین کے سرچشموں کو گدلا ہوتے ہوئے دیکھ کر حضرت سید احمد رفاعی بے چین ہو کر شیخ عبدالسمیع کو لکھتے ہیں۔

خبردار اہل عجم کی زیادتیوں سے دھوکا نہ کھانا اس لیے کہہ اُن میں بعض حد سے گزر گئے ہیں، اور حبیب خدا حضرت رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو منع فرمایا ہے۔

ہاتھ لگا کر، لہجہ رکیز انہوں نے بتوضیح رکوتے ہوئے لکھا کہ: منہ سے
 والی وہ ہے جو دل و جان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن
 چمکے، اور خدا سے راضی ہو، جو شخص خدا کے پاس پناہ
 لیتا ہے، اس کی عزت بڑھتی ہے، اور جو شخص خدا کے سوا
 کسی اور پر بھروسہ کرتا ہے، دلیل ہوتا ہے، جو شخص

دوسروں کے بھروسے پر ہے، ہوا بتا ہے حقیر ہوتا ہے، اور جو
 شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے سوا کوئی
 اور طریقہ اختیار کرتا ہے، گمراہ ہوتا ہے۔
 پھر اسی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے شیخ عبدالستیع لکھا

لکھا کہ: منہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
 صوفی وہ ہے جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
 سوا کسی اور کے طریقے پر نہ ہو اور اس کے سوا اور کسی
 چیز کو اپنے حرکات و سکنات کی بنیاد قرار نہ دے۔

پھر ان کو نصیحت کی:
 کسی شخص کو تو اس کے اقوال و افعال کو شرع کے ترازو میں نہ
 تول لے، اس کا اعتبار نہ کر۔

شیخ سید احمد رفاعی کی تعلیمات کا اہم موضوع یہ ہے کہ وہ
 عربیہ رکوز اخلاصت و بنائے ہوئے حضوں ایکو صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے
 ہوئے بدینہ حنیف کی طرف توجہ دلاتے ہیں، اور عجم سے آنے کی مراد
 وہ تمام تہذیبیں اور مذاہب ہیں جو بظاہر بڑی چمک دیکھ کر کہتے
 ہیں، لیکن ان کی حقیقت سراب سے زیادہ کچھ نہیں، اور اسلام کی

(۱) حکمت رفاعی، ص ۵۵۔ (۲) ایضاً ص ۶۵۔ (۳) ایضاً ص ۶۵۔

ہند کے از گرمی صحرا بخور
بادہ دیرینہ از خرما بخور

پھر ملتِ اسلامیہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے عظیم الشان احسان کو بیان کرتے ہوئے یوں نغمہ سرا ہیں:

دینِ فطرت از نبی آموختیم
در وہ حق مشعلے افروختیم

ابنِ کبر از بحرِ بے پایانِ اوست
ما کہ یک جانیم از احسانِ اوست

پس خدا پر ما شریعت ختم کرد
پر رسولؐ ما رسالت ختم کرد

رونق از ما محفلِ ایامِ را
او رسل را ختم و ما اقوام را

خدمتِ ساقی گری با ما گزاشت
داد ما را آخرین جامے کہ داشت^۲

حضرت شیخ احمد کبیر زفاعی نے ۲۲ جمادی الاول ۱۲۵۸ھ

(۲۳ ستمبر ۱۸۸۲ء) کو وفات پائی، اور آم عیدہ کی خانقاہ میں

مدفون ہوئے، آپ کی وفات کے بعد آپ کی بہن کے صاحبزادے

علی بن عثمان نے آپ کی مسندِ مجادگی کو زینت بخشی،

(۱) کلیات اقبال فارسی، ص ۳۸-۳۹

(۲) رموزِ خودی (شیخ غلام علی ایڈیشن) ص ۱۰۲

حضرت سید احمد کبیر رفاعی کے مریدوں کی تعداد اسی ہزار ایک سو بتائی جاتی ہے۔^۱

داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں حضرت سید احمد کبیر رفاعی کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ: وہ امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد سے ہیں، اُن کا سلسلہ طریقت پانچ واسطوں سے حضرت شیخ شبلی تک منتهی ہوتا ہے، انہوں نے حضرت غوث اعظمؑ کو دیکھا تھا، اور وہ اُن کے بے حد معتقد تھے، ایک مرتبہ اپنے مریدوں سے فرمایا کہ کس میں طاقت ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مناقب بیان کر سکے، اور اُن کے مرتبے کو پہنچ سکے، اُن کی ہستی ایسی ہے کہ ایک طرف ہم اور ایک طرف دریائے شریعت، ایک طرف ہم اور دوسری طرف دریائے حقیقت، فرمایا کرتے تھے، وہ بڑا بد قسمت شخص ہے، جس نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی زیارت نہ کی، سفینۃ الاولیاء میں اُن کی تاریخ وفات ۱۲ جمادی الاول ۵۷۸ھ (۱۱۸۳ء) مرقوم ہے۔^۲

مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنے تذکرے خزینۃ الاصفیاء میں حضرت سید احمد رفاعی کے حالات کے ضمن میں لکھا کہ حضرت سید احمد رفاعی آخر میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور طریقت میں اُن سے فائدے حاصل کیے،

(۱) یہ تمام حالات حکمت رفاعی کے مقدمے، تصنیف علامہ عبداللہ قریشی سے ماخوذ ہیں۔

(۲) ماخوذ از سفینۃ الاولیاء (ترجمہ اردو۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی)، ص ۲۱۹-۲۲۰۔

برائے انہیں رہا عالمۃ ریح (دوسری) ہے۔ ریحانی بیگم صاحبہ شریفہ
حضرت سید احمد رفاعی سے انتہائی محبت کی وجہ سے حضرت شیخ
عبدالقادر جیلانیؒ ان کی والدہ کو اپنی بہن کہتے تھے۔

ریحانی خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ کلمہ الحزینۃ سیدہ الجلیلہ رفاعی نے
جہیزات کے دن لہا ہوجھادی الاول اہل کلمہ وہ میری وفات پائی کلمہ ہے
شریفہ سے صاحبہاں چنانچہ شریفہ کلمہ لا نا دیکھو سے کلمہ ریح
ہے کلمہ شریفہ شریفہ کے ساتھ لہا ہوجھادی ریحانی ریحانی ریحانی
ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی
ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی
ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی
ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی
ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی
ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی
ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی

خانیہ کا شریفہ شریفہ کے ساتھ لہا ہوجھادی ریحانی ریحانی ریحانی
ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی
ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی
ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی

ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی
ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی

ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی ریحانی

(۱) ماخوذ از خزینۃ الاصفیاء، جلد ۱، ص ۱۰۳ تا ۱۰۴
مطبوعہ نول کشور۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری

بزرگ اصغیر پاک و ہند میں سلسلہٴ چشمیدہ کے مؤسس ابو بانی
حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے متعلق یہ ہیں اہل اقبال کے
مجموعہ ہائے کلام میں کوئی مستقل نظم نہیں ملتی، لیکن ان کے
بعض اشعار اور مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت خواجہ
اجمیریؒ سے غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتے تھے، مثلاً ہزار و رستوں
میں اجبوت ایک طویل نظم انہوں نے حضرت داتا گنج بخش
ہجویریؒ کے متعلق کہی ہے، اس کے پہلے شعر تین حضرت خواجہ
بزرگ اجمیریؒ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

مرقد او پير منجر را حرم

ہر ایک کے لئے ایک ایک جگہ پر منبر سے اپنی عقیدت کا اظہار
کے لئے کرتے ہیں۔ یہی وہ ہے جو دنیا کے ہر ایک کے لئے ہے۔

(۱) اسرار و رموز، ص ۵۸

1) 20 21 22 23

(7) $\text{H}_2\text{O}^{\text{L}}$ (water) $\rightarrow \text{H}_2\text{O}^{\text{V}}$ (vapor) $\rightarrow \text{H}_2\text{O}^{\text{G}}$ (gas)

دل بے تاب جا پہنچا دیارِ پیر منجر میں ✓
میسر ہے جہاں درمانِ درد نا شکیبائی

اسی طرح اپنے ایک خط ۲۹ مارچ ۱۹۰۰ء میں جو سہارا جا
سرکشن پرشاد کے نام ہے، لکھتے ہیں:

دہلی تو گیا تھا، اور دو دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین کی
درگاہ پر بھی حاضر ہوا تھا، مگر افسوس ہے کہ پیر منجر کے
دربار میں حاضر نہ ہو سکا، انشا اللہ پھر جاؤں گا، اور اس
آستانے کی زیارت سے شرف اندوز ہو کر واپس آؤں گا۔^۲

سید عبدالواحد صاحب معینی، نائب صدر، اقبال اکیڈمی نے
مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے اپنے سابق وطن اجمیر شریف میں لوگوں
سے سنا تھا کہ علامہ اقبال حضرت خواجہ بزرگ کی درگاہ میں
بھی حاضر ہوئے تھے۔

بزر صغیر پاک و ہند میں حضرت داتا گنج بخش ہجویری کے
بعد جو عظمت، مقبولیت اور شہرت حضرت خواجہ معین الدین اجمیری
کو حاصل ہے، وہ دوسروں کو میسر نہ ہو سکی۔

وہ ہماری تمدنی اور ثقافتی تاریخ میں ایک سنگ میل کی
حیثیت رکھتے ہیں، روحانی تربیت اور تزکیہ نفس کے جلیل القدر
معلم ہونے کے ساتھ، آپ نے اس بزر صغیر میں اسلامی معاشرے کی
تعمیر و تشکیل میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔

(۱) بانگ درا، ص ۱۶۷

(۲) اقبال نامہ، ج ۲، ص ۱۹۴ - ۱۹۵

غیر منقسمہ ہندوستان کی اسلامی دور کی تاریخ پر اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے کہ مسلم فرمانرواؤں نے غیر مسلموں کے ساتھ اپنی رواداری کی پالیسی کو کچھ اس طور پر مرتب کیا تھا کہ وہ خود بتدریج اشاعتِ اسلام اور تبلیغ سے کنارہ کش ہوتے گئے۔

مسلم فرمانرواؤں کے اس رویے نے یہ ذمہ داری علماء اور صوفیائے کرام پر ڈال دی، علماء اور صوفیہ نے اپنی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کیا، علماء نے ترویجِ شریعت اور دینی علوم کی درس و تدریس کا کام اپنے ذمے لیا، اور صوفیائے کرام نے تزکیہٴ نفس، اصلاحِ اخلاق، اور روحانی تربیت کا مرکز اپنی خانقاہوں کو بنایا، ہر دور میں ان دونوں گروہوں نے اسلامی معاشرے کو مستحکم اور مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کی انتھک کوششیں کیں۔

صوفیہ اپنی تعلیمات میں پابندیِ اخلاق پر زور دیتے تھے، اور خدمتِ خلق کو اس کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ٹھہراتے تھے، صوفیہ کے مسلک میں خدمتِ خلق کو نہایت اہمیت حاصل تھی، یہاں تک کہ وہ دل جو بنی نوع انسان کے جذبہٴ محبت و خدمت سے خالی ہو، اس کے ایمان کو بھی ناقص بتاتے تھے۔

صوفیائے کرام شریعت و طریقت کو ہم آہنگ کر کے شرافت، امن، سالمیت اور احترامِ انسانیت کا درس دیتے تھے، انہوں نے تصوف کو عوامی تحریک بنا کر عوام سے گہرا ربط پیدا کر کے عوام کے داخلی اور خارجی مسائل، اندازِ فکر اور رویوں کو سمجھ کر ان کے معاملات اور مسائل کو سلجھانے کی

کوشش کی، ان کو مساواتِ اسلامی کی نئی راہ دکھا کر روحانی انداز میں ان کے الجھے ہوئے مسائل کا اتنا عمدہ حل پیش کیا کہ عوام نے ان کی تعلیمات میں ایک دل آویز کشش محسوس کی، اور وہ ان میں اس طرح جذب ہوئے کہ عوام کی حمایت اور طاقت نے ان کو ناقابلِ تسخیر قوت بنا دیا، یہاں تک کہ فرمانرواؤں کا اقتدار اور شوکت ان کے فقیرانہ انکسار کے سامنے پیچ ہو کر رہ گئی۔

حضرت عبداللہ بن مبارک⁷ جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور صوفی تھے، ایک مرتبہ رقبہ تشریف لائے، اتفاق سے اُس زمانے میں مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید بھی رقبہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کی تشریف آوری کی خبر سن کر شہر کی ماری آبادی ان کے استقبال کے لیے نکل پڑی، ہارون کی ایک کنیز بھی بالا خانے سے یہ منظر دیکھ رہی تھی، ہارون نے اس کنیز سے پوچھا کیا بات ہے کہ لوگ بے تحاشا دوڑے ہوئے جوق در جوق چلے جا رہے ہیں؟ کنیز نے جواب دیا کہ خراسان کے مشہور عالم اور صوفی عبداللہ بن مبارک اس شہر میں تشریف لائے ہیں، ان کے استقبال کے لیے دنیا ٹوٹ رہی ہے، یہ ہارون کی بادشاہت نہیں کہ بغیر ڈنڈے اور پولیس کے لوگ جمع ہی نہیں ہوتے۔

اس چھوٹے سے واقعہ سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صوفیائے کرام کس طرح اپنی تعلیمات سے عوام کے قلوب کو فتح کر کے فاتحِ زمانہ فرمانرواؤں پر سبقت لے گئے تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری⁷ بھی ان عظیم المرتبت بزرگوں میں سے ہیں کہ جنہوں نے انسانیت کی بکھری ہوئی گالوں

کو سنوارا، اور دین و دنیا، مادیت اور روحانیت میں ایک عظیم توازن پیدا کیا، اور معاشرے میں حسن اخلاق، تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کی شمع روشن کر کے احترام انسانیت کا درس دیا۔ آپ نے رشد و ہدایت کی جو جلیل القدر خدمات انجام دیں، وہ ہماری تاریخ کا ایک جلی عنوان ہیں۔

یہ امتیاز بھی سلسلہ چشتیہ کو حاصل ہے کہ بڑے صغیر پاک و ہند میں تصوف کا یہ سلسلہ تمام سلاسل سے پہلے آیا۔

حالات:

اس بڑے صغیر میں سلسلہ چشتیہ کے مؤسس و بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتی سجزی ۵۳۴ھ (۱۱۳۹ء) میں سجستان میں پیدا ہوئے۔ اسی بنا پر آپ کو سجزی کہا جاتا ہے، بزم صوفیہ کے مؤلف جناب سید صباح الدین عبدالرحمان نے لکھا ہے کہ: (آپ کے نام کے ساتھ) سنجری کتابت کی غلطی ہے، عرب جغرافیہ نویس سیستان یا سجستان کو سجز بھی کہتے ہیں، جس کی نسبت سجزی ہے (نہ کہ سنجری) آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والدین کے زیر سایہ سجستان ہی میں ہوئی۔ ۵۴۴ھ (۱۱۳۹ء - ۴۰) میں آپ کو مدرسہ نیشاپور میں داخل کیا گیا، یہ مدرسہ نظامیہ بغداد کے بعد سب سے بڑا مدرسہ تھا، پندرہ سال کی عمر میں آپ کے والد سید غیاث الدین حسن نے بغداد میں وفات پائی، اپنے والد کی وراثت میں جو آپ کو ملا وہ ایک پنچکی اور باغ تھا۔ ۵۵۲ھ (۵۸ - ۱۱۵۷ء) میں جب کہ آپ کی عمر اٹھارہ سال کے قریب تھی ایک متجذوب ابراہیم قندوزی نامی آپ کے باغ میں تشریف لائے، خواجہ بزرگ نے ان کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کیے لیکن انہوں نے انگور نہیں کھائے،

پھر خود انہوں نے کھلی کا ایک ٹکڑا اپنے دانتوں سے کاٹ کر حضرت خواجہ بزرگ کے منہ میں رکھ دیا، ٹکڑے کا منہ میں رکھنا ہی تھا کہ حضرت خواجہ بزرگ کا دل دنیا سے مستفر ہو کر زہد و اتقا کی طرف مائل ہو گیا۔ آپ علائق دنیا سے منہ موڑ کر علم و عمل کی طرف رجوع ہوئے، بخارا پہنچ کر شیخ حسام الدین جیسے یگانہ روزگار عالم سے تعلیم حاصل کی، پھر سمرقند تشریف لائے، یہاں مولانا شرف الدین سے علوم دینی و عقلی کی تکمیل کی۔

بیعت :

علوم ظاہریہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ علم باطن کی طرف متوجہ ہوئے اور قصبہ ہرّون میں حاضر ہو کر جو کہ نیشا پور کے حدود میں واقع تھا حضرت عثمان ہارونیؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد آپ کے مرشد نے آپ کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔

اخبار الاخیار، مونس الارواح اور سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ آپ بیس سال تک اپنے مرشد کے ساتھ رہے، اس مدت میں دس سال تک اپنے پیرو مرشد کے ساتھ سیاحت کی، اپنے مرشد کی خدمت کا یہ عالم تھا کہ اثنائے سفر میں مرشد کا بستر اور دوسرا سامان سفر اپنے سر پر رکھ کر چلتے۔

بزرگوں سے ملاقاتیں :

اپنے مرشد کے ساتھ سفر میں آپ کی جن بزرگوں سے ملاقاتیں ہوئیں، ان میں شیخ صدرالدین محمد احمد سیوستانی، حضرت شیخ اوحید الدین کرمانی، خواجہ بہاء الدین اوشی کا خاص طور پر آپ نے ذکر فرمایا ہے۔

حج و زیارت حرمین :

اپنے مرشد ہی کے ساتھ آپ نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کی، آپ کے پیرو مرشد نے آپ کے حق میں دونوں جگہ دعا کی، غیب سے ندا آئی :

معین الدین دوست ما امت، اورا | معین الدین ہمارا دوست ہے، قبول کردم و بر گزیدم - | میں نے اس کو قبول کیا اور | برگزیدہ کیا -

پاک و ہند میں تشریف آوری :

سیرۃ الاقطاب اور سیر العارفین میں ہے کہ : پارگاہ رسالتؐ سے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کو بر صغیر پاک و ہند میں جانے کی بشارت ملی، سیرۃ الاقطاب میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

معین الدین تو عین دین مائی، و لیکن ترا بہ ہندوستان باید رفت و در آن جا مقامے است اجمیر نام..... بہ یمن قدومت در آنجا املام آشکار خواہد شد، و کافران مقہور گردند -

حضرت خواجہ بزرگ کے ملفوظات دلیل العارفین میں ہے کہ : ایک روز آپ نے اپنی مجلس میں اشکبار ہو کر فرمایا کہ میں اب اس مقام پر سفر کر رہا ہوں جہاں میرا مدفن ہے پھر ہر شخص سے رخصت ہوئے، اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو اپنے ہمراہ چلنے کا حکم دیا -

تذکروں میں ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ جب اس
بر صغیر پاک و ہند میں لاہور پہنچے تو یہاں آپ نے
حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چلے کھینچا،
اسی واقعہ کی طرف علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں اشارہ
کیا ہے :

سید پنجویر مخدوم اسم
مرقد او پیر منجر را حرم

پھر لاہور سے ملتان تشریف لائے، اور یہاں پانچ سال رہ کر
ہندوؤں کی زبان سیکھی اور اس طرح آپ نے اس بر صغیر میں سب
سے پہلے لسانی عصبیت پر ضرب کاری لگائی، اور اپنے طرز عمل
سے اس حقیقت کو واضح کیا کہ ہر زبان ابلاغ کا ذریعہ ہے،
کسی زبان سے تعصب برتنا یا علاقائی عصبیت پر اس کا نہ سیکھنا
ابلاغ کے ایک بڑے ذریعہ سے محرومی ہے، آپ نے اپنے عمل سے
اس حقیقت کو بھی واضح کیا کہ لسانی عصبیت، محبت، یگانگت
اور احترام انسانیت کے گلشن کو سر سبز نہیں ہونے دیتی، اور
معاشرے میں ایک ایسا بگاڑ رونما کرتی ہے کہ جو قومی وحدت
اور سالمیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اس کے بعد آپ دہلی
تشریف لائے، اور ۱۰ محرم ۵۶۱ھ (۱۱۶۵ء) کو اجمیر پہنچے،
اور آخر وقت تک اجمیر ہی میں مقیم رہے۔

لیکن وحید احمد مسعود صاحب نے اپنی تالیف
”سوانح خواجہ سعید الدین چشتی“ میں خواجہ بزرگوار کے اجمیر میں
تشریف آوری کے سنہ ۵۶۱ھ کو جو صاحب تاریخ فرشتہ نے درج کیا
ہے، غلط قرار دیتے ہوئے اکبر نامہ، توڑک جہانگیری، سیر الاولیاء

کے حوالے سے آپ کی تشریف آوری اجمیر کا سنہ ۵۸۷ھ (۹۲-۱۱۹۱ء) قرار دیا ہے، اور اُس وقت آپ کی عمر ۵۴ سال لکھی ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ آپ اجمیر میں اپنے چالیس رفقاء کے ساتھ تشریف لائے تھے، اُن کا خیال ہے کہ آپ اجمیر اُس وقت تشریف لائے جب کہ محمد غوری نے قلعہ بھٹنڈہ فتح کر لیا تھا، اور تراوڑی کی دونوں لڑائیوں کے وقت حضرت خواجہ بزرگ، اجمیر میں موجود تھے۔

اجمیر میں رشد و ہدایت :

آپ نے اجمیر میں رشد و ہدایت کا چراغ روشن کر کے اس بر صغیر کو اسلام کی روشنی سے منور کر دیا، اور آپ کے تشریف لانے سے قبل ہندوستان میں عقائد و فکر کی گمراہیاں پھیلی ہوئی تھیں، لوگ صحیح فکر اور صحیح عقیدے سے محروم تھے، طبقاتی تفاوت اور ذات پات نے تمدنی زندگی کو بالکل تباہ کر کے رکھ دیا تھا، غریبوں کے لیے زندگی ایک بوجھ تھی، آپ نے اس عالم میں اُن کے سامنے اسلام کا نظریہ پیش کر کے انہیں بتایا کہ اسلام ہی ایک ایسا لائحہ عمل ہے کہ جس کے اختیار کر لینے کے بعد اونچ نیچ، ذات پات کی تفریق ختم ہو کر سب کے لیے مساوات اور امن و خوشحالی کے دروازے کھلتے ہیں۔

صاحب سیر الاولیاء نے اس دور کی تاریکیوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے، اور حضرت خواجہ بزرگ کی تبلیغی کوششوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ :

(۱) سوانح خواجہ معین الدین چشتی، مرتبہ وحید احمد مسعود،

ص ۱۳۹-۱۴۷۔

و گرامت دیگر اُنکے مملکت | اور دوسری گرامت آپ کی یہ
ہندوستان تا حد بر آمدن آفتاب | ہے کہ آپ کی تشریف آوری
ہمہ دیار کفر و کافری و بت | سے قبل سارے ہندوستان میں
پرستی بود - و متمردانِ ہند پر | کفر و بت پرستی کا رواج تھا،
یکے دعویٰ انار بکم الاعلیٰ می | اور ہندوستان کا پھر سرکشی
کردند، و خدائے را جل و علی | انار بکم الاعلیٰ کا دعویٰ کرتا
شریک می ساختند و سنگ و | تھا، وہ اپنے آپ کو خدائے
کلوخ و داب و درخت و ستور گاؤ | عز و جل کا شریک ٹھہراتے
و سرگین ایشان را سجدہ می | تھے، اور وہ سب پتھر، ڈھیلے،
کردند، و بہ ظلمت کفر قفل | درخت، چوپائے، گائے اور ان
دل ایشان مظلوم و محکم بود، | کے گوہر کو سجدہ کرتے تھے
..... بوصول قدم مبارک حق | اور کفر کی تاریکی سے ان کے
آفتاب اہل یقین کہ بحقیقت | دلوں کے قفل اور بھی تاریک
معین الدین بود، ظلمت ایں | اور مضبوط ہو رہے تھے، اس
دیار بنور اسلام روشن و منور | آفتاب اہل یقین کے تشریف
گشت - لانے پر جو حقیقت میں | معین الدین تھے، اس ملک کی
تاریکی نور اسلام سے منور ہوئی۔

سیرالعارفین میں ہے کہ :

بیشتر کفار نامدار از آن دیار | اس ملک کے بہت سے مشہور
برکت آثار - آن زبدۃ الأبرار | کفار حضرت خواجہ بزرگ کی
بتشریف ایمان مشرف شدہ، و | برکت سے مشرف بہ ایمان ہوئے
بیشترے کہ ایمان نیا وردند | اور جو ایمان نہ لائے (آن کی
نذر و فتوح نے حد وعدہ حضرت | بھی عقیدت کا یہ عالم تھا) کہ

(۱) سیر الاولیاء، ص ۴۷ -

ایشان ہی فرستادند کہ ہنوز | وہ کثرت سے نذرانہ اور تحائف
 اُن کفارِ بدانِ نمطِ معتقد اند، | آپ کی خدمت میں بھیجتے تھے،
 ہر سالے می آئند و سر بہ خاک | اور آج بھی وہ کفار آپ کے
 اُن استانہ عظیمِ القدر و اُن | اس طریقے پر معتقد ہیں کہ ہر
 بدو سیرِ شیخت می نہند، و مبلغائے | سال آپ کے مزارِ مبارک پر
 کلی بمجاورانِ روضہ مطہرہ | حاضر ہوتے ہیں، اور آپ کے
 ایشان سیر مانند و خدمتے بجائے | آستانے کی خاک کو اپنے سر پر
 می آرند۔ | رکھتے ہیں، اور آپ کے روضہ
 مطہرہ کے مجاورں کو (بطور
 نذر) کچھ نقد پیش کرتے ہیں،
 اور خدمت بجا لاتے ہیں۔

”تاریخ مشائخ چشت“ میں ہے کہ اس عظیم مرتبے پر فائز
 ہونے کے باوجود حضرت خواجہ بزرگی شان و شکوہ سے بے نیاز،
 انکسار اور سادگی کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے۔ ایک چھوٹی سی
 جھونپڑی میں ایک پھٹی ہوئی دو تہی اوڑھے ہوئے بیٹھے رہتے،
 فقر و فاقے کا یہ حال تھا کہ افطار میں پانچ مشقال سے زیادہ
 ”جو“ کی روٹی کبھی میسر نہیں آئی۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے آپ کی
 نظرِ کیمیا اثر کو یہ تاثیر بخشی تھی کہ جس پر آپ کی نظر
 پڑ جاتی، وہ گناہوں سے تائب ہو کر نیکی اور پرہیز گاری کو
 اپنا شعار بناتا۔ رسالہ احوال پیران چشت میں ہے کہ :

نظر شیخ بعین الدین بر ہر فاسقے | شیخ معین الدینؒ کی نظر جس
 کہ افتادے در زمان تائب | فاسق پر پڑ جاتی، وہ اسی وقت

شدائے باز گرد معصیت | توبہ کر لیتا، پھر کبھی گناہ
نگشتے۔ | کے قریب نہ پھٹتا تھا۔

محمد غوری اور قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد اجمیر کی
میامی حیثیت اور اہمیت کم ہو گئی تھی، لیکن آپ اجمیر کو
تبلیغ کا مرکز بنائے ہوئے ہیں مقیم رہے، اور آپ کی تعلیم سے
پرتھوی راج کے ملازمین بھی اسلام میں داخل ہوئے، صدیوں سے
کچلی ہوئی اداس اور محزون زندگیاں اسلام کے پیغام کو سن کر
ایک نیا کیف محسوس کرنے لگیں۔

عوام کی خدمت، آن کی درد مندی، عوام کی تکالیف کو محسوس
کرنا، اور خود تکلیف اٹھ کر آن کے درد کو دور کرنا،
انسانی قلوب کو ایک رشتہ الفت میں پرونا، تصوف کی تعلیم کا
اصل مقصد اور منشاء ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی زندگی میں ہمیں یہ
کردار نمایاں نظر آتا ہے، ایک مرتبہ سرکاری کارندوں نے ایک
کسان کے کھیت ضبط کر لیے، اس نے آکر آپ سے عرض کیا کہ
دہلی کے حاکم نے میرے کھیت ضبط کر لیے ہیں، اب وہ کہتا
ہے کہ شاہ التمش کے فرمان کے بغیر یہ کھیت تم کو واپس
نہیں مل سکتی، اگر آپ شاہ التمش سے میرے کھیتوں کی بحالی
کی سفارش فرمائیں تو میری اراضی مجھے واپس مل سکتی ہے، ارشاد
فرمایا کہ میں تمہارے اس کام کے لیے خود تمہارے ساتھ دہلی

(۱) سوانح خواجہ معین الدین چشتی، تالیف وحید احمد مسعود،

ص ۳۷، اخبار الاخیار، ص ۳۳، خواجہ معین الدین چشتی تالیف

مولانا عبدالحلیم شرر، ص ۳۹۔

جاؤں گا، چنانچہ آپ اس مظلوم کسان کے ساتھ دہلی تشریف لائے، سلطان التمش کو خبر پہنچی تو وہ خود حاضر خدمت ہوا، اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے بعد تشریف آوری کی وجہ دریافت کی، آپ نے اس کسان کا سارا واقعہ بیان کر کے اس کی سفارش فرمائی۔ سلطان شمس الدین التمش نے عرض کیا کہ آپ نے اس کام کے لیے ناحق زحمت فرمائی، اگر آپ اپنے کسی ادنیٰ خادم سے کہہ لیں بھیجتے تو مجھے تعمیل میں کیا عذر ہو سکتا تھا؟ فرمایا مظلوموں کی اسداد بھی عبادت میں داخل ہے، اس لیے میں خود ہی اس کام کو انجام دینے کے لیے چلا آیا۔

مریدوں کی تربیت :

صوفیائے کرام کے نظام تعلیم و تربیت میں کسب حلال اور محنت سے اپنی روزی حاصل کرنے کو بڑی اہمیت حاصل ہے، حضرت خواجہ اجمیری نے اپنے خلفاء اور مریدوں کی تربیت اسی نہج پر کی تھی، کیونکہ انسانی کردار کے نشو و نما میں اس بات کا کہ وہ اپنی روزی کے حاصل کرنے میں سوائے خدا کے کسی دوسرے کا محتاج ہے، بڑا سہلک اثر پڑتا ہے۔

خواجہ اجمیری کے خلفاء میں شیخ حمید الدین صوفی سوالی ناگوری ہیں، یہ ناگور کے قریب موضع سوالی میں مقیم ہو گئے تھے، ان کے پاس ایک بیگھا زمین تھی، جس کو وہ کاشت کر کے اپنی روزی حاصل کرتے تھے، ہمیشہ ایک چادر کمر سے بندھی رہتی، دوسری جسم پر پڑی رہتی، بیوی کا یہ حال تھا کہ سر پر دوپٹا تک نہ تھا، پیراہن کا دامن سر پر ڈال لیتی تھیں، مگر خواجہ اجمیری کی تعلیم و تربیت نے شیخ حمید الدین کو استغنا کی دولت بخش کر عالم سے بے نیاز بنا دیا تھا۔

ایک دفعہ ناگور کے والی نے بادشاہ وقت کی جانب سے، کچھ زمین اور کچھ نقد روپیہ پیش کیا، اور عرض کیا کہ بادشاہ کی جانب سے آپ یہ نذر قبول فرمائیں، فرمایا ہمارا طریقہ امارت نہیں محبت ہے، میرے خواجگان میں کسی نے ایسی چیزیں قبول نہیں کیں، ایک بیگھا زمین میرے لیے کافی ہے۔
 میں اس حقیقت کو بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ وسائل معیشت میں اکثر صوفیاء زمین کی کاشت کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔

وفات :

روز دوشنبہ، ۶ رجب ۶۳۲ ھ (۳۵-۱۲۳۴ ع) کو آپ اجمیر میں واصل الی اللہ ہوئے^۱، اور اسی حجرے میں مدفون ہوئے جہاں آپ عبادت کیا کرتے تھے، مولانا عبد الحلیم شرر نے آپ کا سن وفات ۶ رجب ۶۳۳ ھ (۱۲۳۶ ع) قرار دیا ہے صاحب سیر الاقطاب، صاحب اخبار الاخبار، اور صاحب خزینۃ الصوفیاء اور وحید احمد مسعود مؤلف سوانح خواجہ معین الدین چشتی نے بھی آپ کا سنہ وفات ۶۳۳ ھ (۱۲۳۶ ع) قرار دیا ہے۔^۲

اولاد :

حضرت خواجہ بزرگ نے قیام اجمیر کے زمانے میں دو شادیاں کی تھیں، ایک ۵۹۰ ھ میں، ان بی بی کا اسلاسی نام امہ اللہ رکھا

(۱) سیر الاولیاء، ص ۱۵۷-۱۵۸ و اخبار الاخبار، ص ۲۹-۳۰۔

(۲) ریزم صوفیہ، ص ۴۵۔

(۳) سوانح خواجہ معین الدین چشتی، تالیف وحید احمد مسعود،

ص ۴۷، اخبار الاخبار، ص ۲۳۔ خواجہ معین الدین چشتی

تالیف مولانا عبد الحلیم شرر، ص ۳۹۔

گیا تھا، ان کے بطن سے خواجہ فخر الدین^۱، خواجہ حسام الدین^۲ اور بی بی حافظہ جمال^۳ پیدا ہوئیں۔

دوسری شادی سید وجیہ الدین شہیدی داروغہ اجمیر کی صاحبزادی سے کی تھی، ان کے بطن سے خواجہ ضیاء الدین ابو سعید^۴ تھے۔ ۵

(۱) خواجہ فخر الدین : ولادت : ۵۹۱ھ : قیام : موضع مانڈل
عمر : ۷۰ سال - وفات : ۶۶۱ھ : مدفن : قصبہ سرادر (سوانح
خواجہ معین الدین چشتی - تالیف وحید احمد مسعود) ص ۱۷۰ -

(۲) خواجہ حسام الدین : عمر : ۴۵ سال : مزار لب جہالہ (سوانح
خواجہ معین الدین چشتی تالیف وحید احمد مسعود) ص ۱۷۰ -

(۳) بی بی حافظہ جمال : حافظہ قرآن تھیں، سلطان التارکین
صوفی حمید الدین ناگوری کے صاحبزادے شیخ رضی الدین
عرف عبداللہ سے بیابھی تھیں، ایک اندازے کے مطابق ۶۰۲ھ
میں پیدا ہوئی ہوں گی، بی بی حافظہ جمال کا مزار خواجہ بزرگ
کی بائیں جنوبی دیوار کے قریب زیارت گاہ خلائق ہے (سوانح
خواجہ معین الدین چشتی) ص ۱۷۰-۱۷۱ -

(۴) خواجہ ضیاء الدین ابو سعید : سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے،
پچاس سال کی عمر میں وفات پائی، مزار شریف لب جہالہ
اجاظہ درگاہ میں ہے (سوانح خواجہ معین الدین چشتی)
ص ۱۷۱ -

(۵) یہ تمام تفصیل سوانح خواجہ معین الدین چشتی - تالیف
وحید احمد مسعود، ص ۱۶۸-۱۶۹ سے ماخوذ ہے -

خلفاء:

خواجہ بزرگ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے، یہ خلفاء مختلف مقامات پر نامور تھے۔ وہ رشد و ہدایت سے ہندوستان کے ظلمت کدے کو نور اسلام سے منور کریں، حقیقت یہ ہے کہ ان ہی بزرگوں نے اپنی تبلیغی جدوجہد سے ہندوستان میں اسلامی عظمت و شوکت قائم کی۔ لیکن خواجہ اجمیری کے خلفائے کبار میں سے دو بزرگی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ایک صوفی حمید الدین ناگوری^۱، دوسرے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی^۲ آپ کے ان دونوں خلفاء نے اس شمع معرفت کو جیسے آپ نے

(۱) صوفی حمید الدین ناگوری: شیخ حمید الدین صوفی سواہی کا لقب سلطان التارکین ہے، یہ حضرت خواجہ اجمیری کے خلفائے کبار میں ہیں، ناگور کے قریب ایک موضع سواہی کے رہنے والے تھے، آپ متعدد کتابوں کے مصنف تھے، آپ کی مشہور تصنیف ”اصول الطریقہ“ ہے، آپ کے ملفوظات ”سرور الصدر“ کے نام سے آپ کے پوتے اور خلیفہ شیخ فرید الدین نے جمع کیے تھے، تعلیم حدیث میں غیر معمولی شغف رکھتے تھے، شیخ حمید الدین ناگوری نے ۹ ربیع الثانی ۶۷۳ھ (۱۲۷۴ء) میں وفات پائی۔ (شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات - تالیف اعجاز الحق قدوسی)، ص ۶۸-۷۱۔

(۲) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی: آپ کے والد کا نام سید کمال الدین تھا، خواجہ بختیار کاکی ترکستان کے ایک قصبے اوش ماوراء النہر میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مولانا ابو حفص سے حاصل کی، خرقہ خلافت حضرت خواجہ معین الدین اجمیری^۳ سے حاصل کیا، اور آپ کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے، خواجہ بزرگ (بقید حاشیہ نمبر (۲) صفحہ ۱۳۵ پر)

اجمیر میں روشن کیا تھا، روشن رکھنے اور سلسلہٴ چشتیہ کو ہندوستان میں وسیع کرنے کی انتہائی جدوجہد کی۔

(بقیہ حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۱۳۴)

نے ان کو دہلی میں رشد و ہدایت کے لیے مقرر کیا، اور یہ دہلی میں منتقل ہو گئے، آپ ہی کی وجہ سے سلسلہٴ چشتیہ کا دوسرا مرکز دہلی میں قائم ہوا، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ء) کو وفات پائی (اخبار الاخیار، ص ۳۶ - شیخ عبد القدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات، ص ۷۲ تا ۸۱) -

۱۴

حضرت شمس تبریزؑ

حضرت شمس تبریز کے متعلق علامہ اقبال کا تاثر :

حضرت شمس تبریز علامہ اقبال کے مرشد معنوی مولانا روم کے پیر ہیں، ایک مرید کو اپنے پیر کے پیر سے جو عقیدت و محبت ہو سکتی ہے، وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔ خود علامہ اقبال زبور عجم میں اپنے آپ کو مولانا روم اور حضرت شمس تبریز کا رمز شناس بتاتے ہیں۔

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادہٗ رمز آشنائے روم و تبریزست

ایک اور جگہ علامہ اقبال حضرت شمس تبریز سے اپنے جذبہٗ عقیدت کو شعر کا جامہ پہناتے ہوئے فرماتے ہیں :

نہ آٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایراں وہی تبریز ہے ساقی

ایک اور جگہ اسرار خودی میں فرماتے ہیں :

شمع خود را ہمچو رومی بر فروز
روم را در آتش تبریز سوز

علامہ اقبال بتوسط مولانا روم خود حضرت شمس تبریز کے تصوف کے خوشہ چیں ہیں اور بالواسطہ ان سے اکتساب فیض کیے ہوئے ہیں اس لیے ہمیں علامہ کی حضرت شمس تبریز سے عقیدت پر مزید کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں۔

حالات :

حضرت شمس الدین بن علی بن ملک داؤد تبریزی، بعض انہیں شیخ ابو بکر زنبیل باف کا مرید بتاتے ہیں، بعضوں کا بیان ہے کہ شیخ رکن الدین سنجاسی کے مرید ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے بابا کمال جندی سے بیعت کی تھی، ہماری رائے میں آخری روایت زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اسرار خودی میں علامہ نے بھی اس روایت کو ترجیح دی ہے، فرماتے ہیں :

پھر تبریزی ز ارشاد کمال

جست راہ مکتب ملا جلال

نفحات الانس میں ہے کہ مولانا شمس الدین ۶۴۲ھ (۱۲۴۴-۴۵ء) میں قونیہ پہنچے، وہ مولانا روم کی تلاش میں قونیہ آئے تھے، مولانا روم کی پیشانی میں عشق و معرفت کے آثار ہویدا دیکھ کر ان کو اپنا شیفتہ بنایا، یہاں تک کہ ان کے مرشد روحانی بنے۔

مولانا ابوالحسن سید علی ندوی نے تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول میں حضرت شمس تبریز کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ :

محمد بن علی بن ملک داد (معروف بہ شمس تبریز) بچپن ہی سے

(۱) یہ تمام تفصیل نفحات الانس (اردو ترجمہ)، ص ۴۹۴ سے ماخوذ ہے۔

اعلیٰ استعداد اور جذبہ عشق کے حامل تھے، ابھی آپ سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عشق میں تیس تیس چالیس چالیس روز تک آپ کو غذا کی خواہش نہیں ہوتی تھی، علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد آپ شیخ ابو بکر سلہ باف کے مرید ہوئے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شیخ زین الدین سنجاسی کے مرید تھے، بعض روایتوں میں دوسرے نام لیے گئے ہیں ممکن ہے کہ آپ نے مختلف بزرگوں سے استفادہ کیا ہو۔

اس کے باوجود حصول علم معرفت کے لیے متعدد سفر کیے، سفر کا طریقہ کار یہ تھا کہ اس طرح سفر کرتے کہ لوگ آپ کے ولایت و کمال سے آگاہ نہیں ہوتے تھے، نمد سیاہ پہنتے اور جہان جاتے سرائے میں قیام کرتے، حجرے کے دروازے میں قیمتی قفل ڈلاتے تاکہ لوگ سمجھیں کہ کوئی تاجر ہے مگر اندر سوائے بوریے کے کچھ نہ ہوتا سفر کی کثرت کی وجہ سے لوگ آپ کو شمس پرنده کہنے لگے تھے، آپ نے تبریز، بغداد، اردن، الروم اور قیصریہ کے سفر کیے۔

ذریعہ معاش :

حضرت شمس تبریز نے سریدوں کی نذر و نیاز کو گبھی اپنے لیے ذریعہ معیشت نہیں بنایا بلکہ وہ عوام کی طرح اپنی معیشت حاصل کرنے کے لیے ازار بند بنتے، باور اٹھیں کہ فروخت کر کے اپنی روزی حاصل کرتے۔ غذا کی یہ کیفیت تھی کہ دمشق میں ایک سال رہے، ہفتے میں ایک پیالہ سری کا شوربہ اور وہ بھی

یہ روغن پی لیا کرتے، تمہا پسند تھے، اکثر دعا فرمایا کرتے کہ
خدا یا! کوئی رفیق ایسا عطا کر جو میری صحبت کا مستحکم ہو۔^۱

حضرت شمس تبریز کے روم تشریف لائے، اور عارف روسی کے
آن سے بیعت ہوئے کا واقعہ اور حضرت شمس تبریز کے غیبت کے
حالات، چوں کہ آئندہ صفحات میں مولانا جلال الدین روسی کے
حالات میں آرہے ہیں، اس لیے ہم یہاں طوالت و تکرار کی وجہ سے،
مولانا، شمس تبریز کے ان ہی حالات پر اکتفا کرتے ہیں۔

قاضی تلمذ حسین مرحوم نے ”صاحب مشنوی“ میں
حضرت شمس تبریز کے مزید حالات کی تفصیل دیتے ہوئے آپ کے
نام کے سلسلے میں لکھا ہے کہ: صاحب مجمع الفصحاء نے آپ کا
نام شمس الدین محمد بن علی بن ملک داد تبریزی لکھا ہے، اور
نفحات الانس میں آپ کا نام شمس الدین علی بن ملک داد تبریزی
مذکور ہے مناقب العارفين کے ایک قلمی نسخے میں، آپ کا نام
شمس الدین محمد بن علی بن ملک داد تحریر ہے، قاضی تلمذ حسین نے
مجمع الفصحاء کی روایت کو زیادہ صحیح قرار دیتے ہوئے لکھا ہے
کہ آپ کا نام محمد تھا، مناقب العارفين سے بھی اسی کو تائید
ہوتی ہے پھر اسی طرح آپ کے وطن میں بھی اختلاف ہے، بعض
آپ کو تبریزی بتاتے ہیں، اور بعض آپ کی اصل خراسان سے بتاتے
ہیں، اور کہتے ہیں کہ آپ کے والد بسلسلہ تجارت تبریز آئے
تھے، اور حضرت شمس تبریز وہیں پیدا ہوئے۔

”صاحب مشنوی“ میں قاضی تلمذ حسین نے بحوالہ افلا کی قونیہ
میں حضرت شمس تبریزی کی پہلی آمد کی تاریخ ۲۶ جمادی الآخر
۵۶۴۲ (دسمبر ۱۲۴۳ء) لکھی ہے۔

(۱) تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول، ص ۳۱۴-۳۱۵۔

افلاکی نے لکھا ہے کہ حضرت شمس تبریز کی ملاقات کے بعد سے مولانا نے درس و تذکیر بالکل ترک کر دیا تھا، پھر کبھی وعظ نہیں کیا، صرف ایک مرتبہ شیخ صلاح الدین کے اشارے سے وعظ فرمایا، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ :

و تذکیر آخر ہمد بود، و دیگر بر بالائے منبر نرفت ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شمس تبریز کی ملاقات سے پہلے مولانا سماع کے منکر تھے، لیکن حضرت شمس تبریز کے سماع کی طرف رغبت دلانے پر وہ سماع کی طرف مائل ہوئے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ بغیر سماع کے مولانا کو چین نہ آتا تھا، حضرت شمس تبریز ہی کی صحبت نے مولانا میں شاعری کا شعور بیدار کیا ۔

لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ مولانا حضرت شمس تبریز سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں تو یہ مریدوں اور دوسرے لوگوں پر شاق گزرا، اور رات دن اس فکر میں رہنے لگے کہ کسی طرح حضرت شمس تبریز کو وہاں سے نکالیں، جب حضرت شمس تبریز نے پانی سر سے اونچا ہوتا ہوا دیکھا تو وہ ایک دن نہایت خموشی سے قونیہ سے نکل گئے، افلاکی نے آپ کے پہلی مرتبہ غائب ہونے کی تاریخ روز پنجشنبہ یکم شوال ۶۴۳ھ (۱۲۴۵ء) دی ہے، پھر عارف رومی کے صاحبزادے سلطان ولد اپنے والد کے ارشاد پر دمشق گئے، اور حضرت شمس تبریز کو ساتھ لے کر آئے ۔

چند دن کے بعد لوگوں میں پھر حضرت شمس تبریز کی مخالفت شروع ہو گئی، اور آپ آزدہ خاطر ہو کر ۱۱ شعبان ۶۴۴ھ

(۱۲۳۶ء) کو دوبارہ غائب ہو گئے۔ ہم نے آئندہ اوراق میں مولانا روم کے حالات میں حضرت شمس تبریز کے دوبارہ غائب کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں، اس لیے یہاں ان کے اعادے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

”صاحب مثنوی“ میں ہے کہ: مولانا جب حضرت شمس تبریز کے غائب ہونے کے بعد صبح کو مدرسے میں تشریف لائے اور حضرت شمس تبریز کو گھر میں نہ دیکھا تو چیخ اٹھے، اور سلطان ولد کے خلوت خانے پر جا کر آواز دی: ”بہاء الدین چہ خفتہ ای، پر خیز و طلب شیخت کن کہ باز مشام جاں را از فوائح لطف او خالی می یا بیم“۔ دو تین روز جستجو کرتے رہے، مگر کہیں ان کا پتا نہ چلا، مولانا کو ان کے فراق میں چین نہ آتا تھا، مدرسے کے صحن میں ٹہلتے ہوئے یہ رباعی پڑھا کرتے تھے:

از عشق تو ہر طرف شب خیزے
شب گشتہ ز زلفین تو عنبر یزے
نقاش ازل نقش کند ہر طرفے
از بہر قرار دل من تبریزے

سماع کی طرف تو آپ پہلے ہی راغب ہو چکے تھے، اب یہ حالت ہوئی کہ ایک گھڑی بھی بغیر سماع کے نہیں گزرتی تھی، قتوال عاجز ہو گئے، مگر مولانا کو سماع سے میری نہیں ہنوتی تھی، اسی زمانے میں مولانا نے حضرت شمس تبریز کے فراق میں نہایت دل دوز غزلیں کہیں۔

لباس کی وہ خاص وضع جو مولانا کی جانب منسوب اور خرقہ بولویہ کا شعار ہے، یہ لباس مولانا نے اسی زمانے میں اختیار کیا، افلاکی نے لکھا ہے کہ حضرت شمس تبریز کے غائب ہونے کے

چالیس دن بعد مولانا نے دستار خانی سر پر باندھ لی، پھر گہلی
منفید دستار نہیں باندھی، اور بردیمنی و ہندی سے فرجی بتائی،
آخر وقت تک مولانا کا لباس یہی رہا۔

ایک روز فقر نبویؑ کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ اب
خواہش یہ ہے کہ چوقائے سبک پہنوں، فرجی نہ پہنوں، اور
حضرت عمرؓ کی طرح پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنوں، اور ہر طرح
فارغ ہو جاؤں۔

عارف روسی کے حضرت شمس تبریز سے عشق و محبت کا اندازہ
اس سے کیجئے کہ اگر کوئی جھوٹوں کو بھی کہہ دیتا کہ
میں نے حضرت شمس تبریز کو فلاں جگہ دیکھا ہے تو مولانا لباس
تک اتار کر اس کی نذر کر دیتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے
آ کر کہا کہ میں نے حضرت شمس تبریز کو دمشق میں دیکھا ہے،
مولانا یہ سن کر اس درجہ مسرور ہوئے کہ بخو گچھ پہنے ہوئے
تھے سب اسے بخش دیا، موزے تک اتار کر دے دیے، بعد میں
کسی نے کہا یہ خبر غلط ہے، مولانا نے فرمایا اگر خبر صحیح
ہوتی تو لباس کے بجائے جان کیوں نہ دیتا، اور اس پر فدا کیوں
نہ ہو جاتا۔

دوسری مرتبہ غائب ہونے کے بعد حضرت شمس تبریز کی تلاش
میں مولانا نے دمشق کا سفر کیا، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے
ہیں:

خبر رسید بہ شام است شمس تبریزی

چہ صبحہا کہ نماید اگر بہ شام بود

عشق نے تسکین کی نئی راہ نکالی، اور اوہ خود اپنے وجود میں
حضرت شمس تبریز کو محسوس کرنے لگے اور اپنی ذات میں اپنے

محبوب کو جلوہ گر دیکھنے لگے، خود مولانا نے بعض اشعار میں اس طرف اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں

دست بکشا دامن خود را بگیر
مرحم این ریش جز این ریش نیست

شمس تبریز خود بہانہ ایست
سائیم بلطف و حسن سائیم

حضرت شمس تبریز کی مولانا سے محبت :

حضرت شمس تبریز بھی مولانا سے غیر معمولی محبت رکھتے تھے، اور ان کی بڑی قدر و منزلت فرماتے تھے، ایک روز فرمایا کہ غواص دریا ئے معانی مولانا ہیں، اور میں تاجر ہوں، پس ہوتی ہمیں دونوں کے درمیان ہے۔

ایک موقع پر فرمایا اگر چاہتے ہو العلماء ورثہ الانبیاء کے معنی معلوم ہوں تو مولانا کو دیکھ لو۔

وفات :

تمام تذکرہ نویسوں نے حضرت شمس تبریز کا من وفات ۶۴۵ھ (۱۲۴۷-۴۸ء) قرار دیا ہے صرف اسپر نگر نے لکھا ہے کہ بعض مصنفین آپ کا سال وفات ۶۶۰ھ قرار دیتے ہیں، دولت شاہ نے اپنے تذکرے، تذکرۃ الشعراء میں لکھا ہے کہ : شاہ شمس الدین کی قبر قونینہ میں ہے، اور حضرت شمس تبریز کی وفات مولانا کی وفات کے بعد ہوئی۔

تصانیف :

مثنوی مرغوب القلوب، حضرت شمس تبریز کے نام سے منسوب ہے لیکن محققین اس مثنوی کو حضرت شمس تبریز سے منسوب کرنا غلط قرار دیتے ہیں، البتہ آپ کے بعض اقوال ملتے ہیں، جو رشد و ہدایت کا ایک گنجینہ ہیں۔

ایک دفعہ کچھ لوگ قدمِ عالم پر بحث کر رہے تھے، آپ نے فرمایا قدمِ عالم سے تمہیں کیا غرض، تم یہ معلوم کرو کہ تم قدیم ہو یا حادث، جو کچھ تھوڑی بہت عمر ہے، اسے اپنی جستجو میں خرچ کرو قدمِ عالم کے چکر میں نہ پڑو۔

سوت کے اس درجہ شائق تھے کہ ایک روز ایک جنازہ مناسنے سے گزرا تو فرمایا کہ اسے کہاں لے جا رہے ہیں، میں سانبھا سال سے اس فکر و حسرت میں خون جگر کھا رہا ہوں، لیکن یہ مراد حاصل نہیں ہوتی۔

جب کسی سے رنجیدہ ہوتے تو دعا کرتے کہ خداوند! اس کی عمر دراز کر، اور اسے مال زیادہ دے۔

یہ مثنوی حضرت شمس تبریز کے شاگردوں نے جمع کی ہے۔

۱۴۴

یہ مثنوی حضرت شمس تبریز کے شاگردوں نے جمع کی ہے۔

(۱) یہ تمام واقعات ”صاحب المثنوی“ تالیف قاضی تلمذ حسین مرحوم،

ص ۱۲۷ تا ص ۱۲۸ سے ماخوذ ہیں۔

مولانا جلال الدین رومیؒ

معروف بہ

(مولانا روم)

علامہ اقبال کا مولانا روم کی بارگاہ میں
نذرانہ عقیدت :

حضرت مولاناؒ روم کی عظمت و جلالتِ شان کا اندازہ اس
سے ہوتا ہے کہ آج بھی ان کے تذکرے سے عرب و عجم کی
محفلیں گونجتی ہیں، ان کے نام اور ان کے کلام کو آج بھی
اپنی نظر و صاحبانِ باطن سرمایہ تسکینِ دل و جان بناتے ہوئے
ہیں ان کی ذات پر تاریخ اسلام کو ناز ہے۔

علامہ اقبال ان کو اپنے مرشد معنوی سے تعبیر کرتے ہیں،
ان کا کوئی مجموعہ کلام ایسا نہیں کہ جس میں علامہ موصوف
نے مختلف رنگ میں اپنی عقیدت کے پھول مولانا روم کی بارگاہ
میں پیش نہ کیے ہوں ”زبور عجم“ میں وہ اپنے آپ کو ان کا
رمز شناس و ادا شناس بتاتے ہوئے فرماتے ہیں :

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
بر پیمں زادہ رمز آشنائی روم و تبریز است

”بال جبریل“ میں فرماتے ہیں :

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم مر بجیب، ایک کلیم سر بکف

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گلِ ایڑاں، وہی تبریز ہے ساقی

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہِ سحر گاہی

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :

مرشدِ رومی حکیمِ پاک زاد
سیرِ ہر گ و زندگی بر ما کشاد
وہ اپنی اسے سخن کو پیر روم کی مخم کی شراب بتاتے ہوئے
کہتے ہیں :

بیا کہ من زخمِ پیر روم آورد
مئے سخن کہ جوان تر ز بادہٴ عنبی است
ایک اور جگہ اپنی شاعری میں مولانا روم کے روپ میں منت
ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں :
آمیزشے کجا، کہرِ پاک او گجا
از تاکِ بادہٴ گیرم و در ساغر افکنم

(۱) کلیات اقبال فارسی (شیخ غلام علی ایڈیشن) ص ۳۳۶ -

(۲) ایضاً، ص ۳۳۸ -

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :

مقام ذکر کمالاتِ روسی و عطار
مقام فکر مقالاتِ بو علی سینا

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :

ز چشمِ مستِ روسی و امِ کردم
سرورے بازارِ مقامِ کبریائی

ارمغانِ حجاز میں علامہ نہایت نیاز مند اندہ طور پر اس کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے جو کچھ فیض ہے، وہ مولانا روم ہی کا ہے، انہوں نے مجھ کو عشق و مستی سے آشنا کیا ہے :

گرہ از کارِ این ناکارہ وا کرد
غبارِ وہ گزر را کیچیا کرد
نئے ان نے نوازے پاک بازے
مرا با عشق و مستی آشنا کرد

(وہ ہر جگہ اس کے معترف نظر آتے ہیں کہ مولانا روم آن کے مرشد معنوی ہیں، اور انہوں نے مولانا ہی سے روحانی فیض حاصل کیا ہے، فرماتے ہیں :

باز پر خوانم ز فیضِ تہیں روم
دفترِ سر بستہ اسرارِ علوم
جانِ او از شعلہ ہوا سرمایہ دار
من فروغِ یک نفس مثلِ شرار
پیرِ روسی خاک را کشیز کرد
از غبارم جلوہ ہوا تعمیر کرد

موجم و در بحر او منزل کنم
تا در تابندہ حاصل کنم
من کہ مستی بہا ز صہبایش کنم
زندگانی از نفس ہبایش کنم

ان اشعار میں واضح طور پر علامہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جو کیف و مستی ان کے بادہ اشعار میں نظر آتی ہے، وہ مولانا روم کی عطا کردہ ہے، وہ اپنے خیالات و افکار کے شائستہ، سہذب اور مرتب کرنے میں ان ہی کے رہین منت ہیں، پھر اسی مثنوی میں اپنا ایک خواب بیان کرتے ہیں، جب کہ عرفان و آگہی کی طلب نے ان کو بیقار کر رکھا تھا، وہ اسی عالم میں سو جاتے ہیں، خواب میں پیر رومی کو دیکھتے ہیں، جو ان کو تسکین دیتے ہوئے، حقیقت کو ان پر منکشف فرماتے ہیں، خودی کے اسرار کو ان پر آشکار کرتے ہیں، چنانچہ علامہ ارشاد فرماتے ہیں کہ عارف رومی کی اس تلقین کے بعد میں نے راز خودی کو فاش کیا ہے، فرماتے ہیں :

شب دل من مائل فریاد بود
خامشی از یاربم آباد بود
شکوہ آشوب غم دوران بدم
از تہی پیمائی نالان بدم
روئے خود بنمود پیر حق سرشت
کو بحرف پہلوی قرآن نوشت
گفت اے دیوانہ ارباب عشق
جرعہ گیر از شراب ناب عشق
بر جگر سنگمہ محشر بزن
شیشہ بر سر دیدہ بر نشتر بزن

خندہ را سرمایہ صد نالہ ساز
 اشکِ خونیں را جگر پر کالہ ساز
 تابکے چوں غنچہ می باشی خموش
 نکمہتِ خود را چوں گل ارزاں فروش
 آتش استی بزمِ عالم بر فروز
 دیگران را ہم ز سوزِ خود بسوز
 فاش گو اسرارِ پیر سے فروش
 موجِ می شو کسوتِ مینا بیوش
 سنگِ شو آئینہ اندیشہ را
 بر سر بازار بشکن شیشہ را
 از نیستان ہمچو کنے پیغام ده
 قیس را از قوم حے پیغام ده
 نالہ را انداز نو ایجاد کن
 بزم را از پائے و ہو آباد کن
 خیز جانِ نو بدہ ہر زندہ را
 از قم خود زندہ تر کن زندہ را
 زیں سخنِ آتش بہ پیراہن شدم
 مثلِ نے ہنگامہ آبستن شدم
 چوں نوا از تار خود برخاستم
 جنتے از بہرِ گوش آراستم
 بر گرفتم پردہ از رازِ خودی
 و نمودم سترِ اعجازِ خودی (

✓ جاوید نامے میں وہ مولانا روم کے اوصاف و خصائل کی مدح سرائی کرتے ہوئے یوں رطب اللسان ہیں :

روحِ رومی و پردہ ہمارا پر درید
از پس کٹی پارہ آمد پدید
طلعتش رخسندہ مثل آفتاب
شیب او فرخندہ، چوں عہد شباب
پیکرے روشن ز نور سمریدی
در سراپایش سوز سمریدی
ہر لب اور سر پنهان وجود
ہند ہائے حرف و صوت از خود کشود
حرف او آئینہ آویختہ
علم با سوز درون آمیختہ

اسی جاوید نامے میں علامہ اقبال نے پیر رومی کی رہبری میں عالم افلاک کی پیروی کی ہے، اسی روحانی سیر میں پیر رومی نے آن پر زندگی کے مختلف اسرار و رموز کی عقدہ کشائی کی ہے۔ اور علامہ کے مختلف مہالات کے جواب دیے ہیں، جاوید نامے میں علامہ پر مولانا روم کے روحانی فیوض و برکات کا اثر سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، اسی میں پیر رومی ان سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں :

ہنوز کجا رومی بود، آنجا برو
یک دو دم از غیر او بیگانہ شو

حالات : مولانا جلال الدین محمد بن سلطان العلماء بہاء الدین محمد بن حسین الخطیبی ایران کے متصوف شعراء میں جلیل القدر شاعر ہیں، وہ بلخ میں ۶۰۴ھ (۸۰۷-۸۰۸ء) میں پیدا ہوئے، ان کے والد محترم محمد بن حسین ملقب بہ بہاء الدین اس دور کے اکابر علماء و مشائخ میں شمار ہوتے تھے، شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلفاء میں تھے اور سلطان علاء الدین خوارزم شاہ کے مزاج سے بڑا اثر و رسوخ رکھتے تھے، پند و موعظت کی وجہ سے جہاں ان کو غیر معمولی مقبولیت و شہرت حاصل ہوئی، وہیں ان کے مخالف بھی پیدا ہوئے انہوں نے بلخ کے لوگوں سے تکلیف اٹھا کر بلخ سے ہجرت کی، اور بغداد کے راستے اپنے صاحبزادے مولانا جلال الدین رومی کے ساتھ حج کے ارادے سے روانہ ہوئے، غالباً یہ سفر انہوں نے ۶۱۷ھ (۷۱۸-۷۱۹ء) میں اختیار کیا۔ اس وقت مولانا جلال الدین رومی کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔

راہ میں جہاں کہیں گزر ہوتا، وہاں کے معززین، امیر و غریب سب آپ کی زیارت کو آتے، جب آپ نیشاپور پہنچے، تو حضرت خواجہ فرید الدین عطار آپ سے ملنے کے لیے آئے، مولانا جلال الدین رومی کو دیکھا تو اپنے سینے سے لگا لیا، اور ان کے والد سے کہا کہ میں جو ہر قابل سے غافل تھا ہونا، پھر اپنی ہستی ”اسرار نامہ“ مولانا روم کو دی، پھر آپ بغداد گئے، اور حج و زیارت سے فارغ ہو کر ملاطیہ پہنچے، اور اس شہر میں چار سال مقیم رہے، اس کے بعد لارندہ تشریف لائے، لارندہ سلجوقیوں

(۱) شیخ نجم الدین کبریٰ : شہادت : ۸/۱۸۵ (۲۲۲-۲۲۳) (۴۱۱)

نقحات الانس اردو ترجمہ ص ۴۵۳ -

(۲) تاریخ ادبیات ایران (شفق) ص ۲۹۲ -

کا دارالحکومت تھا، اس شہر میں آپ نے سات سال قیام کیا۔ پھر سلطان علاء الدین کیقباد (۶۱۷-۶۳۴ھ) کی دعوت پر آپ اس کے دارالحکومت قونیہ تشریف لے گئے، اور وہاں سلطان العلماء بہاء الدین جو علوم ظاہری و باطنی میں بلند مقام رکھتے تھے، درس و تدریس، ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے، علاء الدین کیقباد آپ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا۔ شیخ بہاء الدین نے جمعہ کے روز ۱۸ ربیع الثانی ۶۲۸ھ (۱۲۳۱ء) کو وفات پائی۔

تعلیم و تربیت :

مولانا جلال الدین رومی نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد سے حاصل کی، ان کی وفات کے بعد اپنے والد کے مرید سید برہان الدین محقق ترمذی^۲ جو اس زمانے میں قونیہ آئے ہوئے تھے اور اکابر اولیاء اور اہل طریقت میں تھے، ان کے حلقہٴ درس میں شریک ہو کر اکتساب فیض کیا، اور پورے نو سال اس مرد حق آگاہ سے تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے، اور اکثر علوم و فنون ان سے حاصل کیے۔ بعضوں کا بیان ہے کہ اسی زمانے میں مولانا روم ان کے مرید ہو گئے تھے۔

مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ اس کے بعد مولانا روم نے حلب کا قصد کیا، جو اس زمانے میں دمشق کی طرح مدینۃ العلم بن چکا

(۱) یہ تمام تفصیل تاریخ ادبیات ایران (شفق)، ص ۲۹۲-۲۹۳ سے ماخوذ ہے۔

(۲) سید برہان الدین محقق : ترمذ کے رہنے والے تھے، ان کا مزار دارالفتح قیصریہ میں ہے، (نفعات الانس اردو ترجمہ)، ص ۳۸۸-۳۸۹۔

تھا، حلب پہنچ کر مدرسہٴ خلاویہ کے دارالاقامہ میں قیام کیا مولانا نے مدرسہٴ خلاویہ کے سوا حلب کے اور مدرسوں میں بھی تعلیم حاصل کی ۱۔

مناقب العارفین میں ہے کہ حلب کے بعد مولانا دمشق تشریف لائے، وہاں کے علماء اور اکابر نے آپ کا شاندار استقبال کیا، اور مدرسہٴ مقدمہ میں لے کر آئے، مولانا دمشق میں تقریباً سات سال علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول رہے، اس وقت آپ کی عمر چالیس سال کی تھی ۲۔

بیعت :

دمشق سے مولانا پھر قونیہ تشریف لائے، اس وقت مولانا پر ظاہری علوم کا رنگ غالب تھا، درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، وعظ کہتے تھے فتویٰ لکھتے تھے، سماع وغیرہ سے احتراز کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت شمس تبریز آپ کی زندگی میں داخل ہوئے، انہوں نے آپ کی زندگی کے رنگ ہی کو بدل دیا۔ علامہ شبلی نے حضرت شمس تبریز کی ابتدائی ملاقات کے واقعات کو مختلف تذکروں سے یک جا جمع کر دیا ہے، ہم اس سلسلے میں علامہ شبلی کی سوانح مولانا روم سے یہ مختلف روایتیں یک جا نقل کیے دیتے ہیں۔

خواہر مضییہ میں ہے کہ ایک دن مولانا روم گھر میں تشریف رکھتے تھے، آپ کے شاگرد ازد گرد بیٹھے ہوئے تھے، چاروں طرف کتابوں کے انبار لگے ہوئے تھے، اتفاقاً حضرت شمس تبریز

(۱) سوانح مولانا روم (شبلی نعمانی)، ص ۱۸۔

(۲) مناقب العارفین، مطبوعہ ستارہ ہند - آگرہ ص ۵۵-۵۶۔

کسی طرف سے آنکلی، اور سلام کر کے بیٹھ گئے، اور مولانا سے کتابوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کیا ہے؟ مولانا نے فرمایا یہ وہ چیز ہے، جس کو تم نہیں جانتے، یہ کہنا تھا کہ تمام کتابوں کو آگ لگ گئی، مولانا روم نے کہا یہ کیا ہے، حضرت شمس تبریز نے جواب دیا، یہ وہ ہے جسے تم نہیں جانتے یہ کہہ کر حضرت شمس تبریز اچل دیے، اور مولانا کا یہ عالم ہوا کہ گھر بار، مال، اولاد سب چھوڑ چھاڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور ملک بہ ملک حضرت شمس تبریز کو ڈھونڈتے پھرتے، لیکن حضرت شمس تبریز کا کہیں پتا نہ لگا۔

(زین العابدین شروانی نے مثنوی کے دیباچے میں لکھا ہے کہ حضرت شمس تبریز کو آن کے پیر بابا کمال جندی نے حکم دیا تھا کہ روم جاؤ، وہاں ایک دل سوختہ ہے، اس کو گرم کر آؤ، حضرت شمس تبریز قونیہ پہنچے، شکر فروشوں کی کارواں سرائے میں آترے، ایک روز مولانا روم کی سواری بڑے تزک و احتشام سے نکلی، حضرت شمس تبریز نے سزاہ ان کو روک کر پوچھا کہ مجاہد و ریاضت سے کیا مقصد ہے؟ مولانا نے کہا ”اتباع شریعت“ شمس تبریز نے کہا یہ تو سب جانتے ہیں، مولانا نے کہا اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے، حضرت شمس تبریز نے فرمایا کہ علم کے معنی یہ ہیں کہ تم کو منزل تک پہنچائے، پھر حکیم سینائی کا یہ شعر پڑھا :

(۱) یا با کمال جندی : نے علوم باطنی کی تکمیل شیخ نجم الدین کبری سے کی تھی، آن کے ارشاد کی بناء پر تر کستان میں مولانا شمس الدین مفتی کے صاحبزادے جن کا نام احمد تھا ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے شیخ کا خرقہ انھیں پہنچایا، اور اپنے مرشد کے حکم کے مطابق آن سے تربیت حاصل کی (نقحات الانس (اردو ترجمہ)، ص ۳۶۲-۳۶۳)۔

علم کز تو ترا نہ بستاند
جہل زان علم بہ بود بسیار

مولانا ہر حضرت شمس تبریز کی اس گفتگو کا بڑا اثر ہوا، اور اسی
وقت حضرت شمس تبریز کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔

علامہ اقبال نے بھی اسرار و رموز میں اس واقعہ کو نظم
کیا ہے فرماتے ہیں :

پیر تبریزی ز ارشادِ کمال
جست راہِ مکتبِ ملا جلال
گفت این غوغائے قیل و قال چیست
این قیاس و وہم و استدلال چیست
مولوی فرمود نادان لب بہ بند
بر مقالاتِ خرد مندان مخند
پائے خویش از مکتبِ بیرون گزار
قیل و قال ست این ترا باوے چہ کار
قال یا از فہم تو بالا تر است
شیشہٴ ادراک را روشن گر است
سوزِ شمس از کفشدہٴ ملا فزود
آتشے از جانِ تبریزی کشود
بر زمیں برقِ نگاہ او افتاد
خاک از سوزِ دمِ او شعلہٴ زاد
مولوی بیگانہ از اعجازِ عشق
ناشناس نغمہائے سازِ عشق
گفت این آتش چساں آفروختی
دفترِ اربابِ حکمت سوختی

گفت شیخ اے مسلم زتار دار
 ذوق و حال است این ترا باوے چہ کار
 حال ما از فکر تو بالا تر است
 شعله ما کیمیائے احمر است
 ساختی از برف حکمت ساز و برگ
 از سیلاب فکر تو بارد تگرگ
 آتشے افروز از خس و خاشاک خویش
 شعله تعمیر کن از خاک خویش
 علم مسلم کامل از سوز دل است
 معنی اسلام ترکِ اقل است
 چوں ز بندِ اقل ابراہیم رست
 در بیان شعله ہما نیکو نشست

ایک اور روایت ہے کہ مولانا حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے، سامنے کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں، حضرت شمس تبریز نے پوچھا کہ یہ کیا ہیں؟ مولانا نے کہا یہ قیل و قال ہے، تمہیں اس سے کیا غرض، حضرت شمس تبریز نے یہ تمام کتابیں اٹھا کر حوض میں ڈال دیں، مولانا کو نہایت رنج ہوا، اور کہا اے درویش! تم نے ایسی چیزیں ضائع کر دیں، جن کا ملنا اب ممکن نہیں، حضرت شمس تبریز نے حوض میں ہاتھ ڈالا اور تمام کتابیں نکال کر کنارے پر رکھ دیں، ساری کتابیں خشک تھیں، اور کسی کتاب پر ذرا بھی نمی نہیں آئی تھی، مولانا سخت متحیر ہوئے، حضرت شمس تبریز نے کہا کہ یہ حبل کی باتیں ہیں، تم ان کو کیا جانو، اس کے بعد مولانا ان کے ارادتمندوں میں داخل ہو گئے۔

یہ اور اس قسم کی متعدد روایتیں ہمیں تاریخ اور تذکروں میں ملتی ہیں ، ان روایتوں کی آبیاری عقیدت کی بارش نے کی ہے ، لیکن حقیقت سے ان کا تعلق بہت کم ہے ۔

مولانا شبلی نے اس سلسلے میں مولانا روم کے شاگرد سپہ سالار کی روایت کو ترجیح دی ہے ، جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت شمس تبریز نے دعا کی کہ الہمی ! مجھے کوئی ایسا بندہ ملے جو میری صحبت کا مستحل ہو سکے ، عالم غیب سے اشارہ ہوا کہ روم جاؤ ، وہ اسی وقت چل کھڑے ہوئے ، قونیہ پہنچے تو رات کا وقت تھا ، برنج فروشوں کی سرائے میں آترے ، سرائے کے دروازے پر ایک چبوترہ تھا ، اکثر آسرا اور عمائدین شہر اس چبوترے پر آکر بیٹھتے ، حضرت شمس بھی اس چبوترے پر بیٹھا کھڑے ، مولانا روم کو جب آپ کی آمد کی خبر معلوم ہوئی تو حضرت شمس تبریز کی ملاقات کے لئے آئے ، حضرت شمس تبریز نے آپ کو دیکھتے ہی ایک نظر میں سمجھ لیا کہ یہ وہی شخص ہے ، جس کے متعلق بشارت ہوئی ہے ، دونوں بزرگوں کی آنکھیں چار ہوئیں ، اور دیر تک زبان حال میں باتیں ہوتی رہیں ۔ سپہ سالار کا بیان ہے کہ چھ مہینے تک برابر دونوں بزرگ صلاح الدین زرکوب

(۱) صلاح الدین زرکوب : شیخ صلاح الدین فریدوں قونیوی معروف بہ زرکوب ابتداءً سید برہان الدین محقق کے مرید تھے ۔ ایک دفعہ مولانا روم زرکوبوں کے محلے سے گزر رہے تھے ، ان کی ضرب کی آواز سے مولانا ہر حال کی کیفیت طاری ہو گئی ، صلاح الدین زرکوب یہ دیکھ کر دکان سے باہر کود پڑے ، اور مولانا کے قدموں پر سر رکھ دیا ، مولانا نے ان کو آغوش میں لے لیا ، شیخ زرکوب نے فرمایا دکان لوٹ لو ، اور دونوں جہان سے آزاد ہو گئے اور (باقی حاشیہ بر صفحہ ۱۵۸)

کے حجرے میں چلے کش رہے ، کسی کو اس حجرے میں آمد و رفت کی مجال نہ تھی ، حضرت شمس تبریز کی صحبتوں سے مولانا روم میں ایک تغیر عظیم پیدا ہوا ، اب تک سماع سے محترز رہتے تھے ، لیکن اب سماع کے بغیر چین نہیں آتا تھا ، درس و تدریس و عطا و پند کے اشغال دفعۃً چھوڑ دیے ، حضرت شمس تبریز کی خدمت سے دم بھر کو جدا نہ ہوتے تھے ، مولانا کی طبیعت میں اس انقلاب کو دیکھ کر حضرت شمس تبریز کے خلاف لوگوں میں شورش پیدا ہوئی ، اور آپس میں چم سیگوئیاں ہوتے لگیں کہ ایک دیوانے نے مولانا پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ مولانا کسی کام کے نہیں رہے ، حضرت شمس تبریز نے بھی اس شورش کو بھانپ لیا ، اور چپکے سے قونیہ سے نکل کر دمشق چلے گئے ۔ مولانا کو ان کے فراق سے ایسا صدمہ ہوا کہ سب سے قطع غم غم کر کے گوشہٴ عزلت اختیار کیا ، مدت کے بعد حضرت شمس تبریز نے دمشق سے مولانا کو خط لکھا ، خط کے بعد رائے ہوئی کہ سب مل کر دمشق جائیں اور حضرت شمس تبریز کو ساتھ لے کر آئیں ، سلطان ولد اس قافلے کے سپہ سالار بنے ، اور ایک خط مولانا کا لے کر گئے ، اور ساتھ میں تحائف بھی لے کر گئے ، دمشق پہنچ کر یہ خط اور تحائف آپ کی خدمت میں پیش کیے ، حضرت شمس تبریز مسکرائے ، اور فرمایا

بہ دام و دانا نگیرند مرغ دانا را - غ

(بقید حاشیہ صفحہ ۱۵۷) -

دس سال تک مولانا کی خدمت میں رہے ، جب سلطان ولد بالغ ہوئے تو مولانا نے ان کی شادی حضرت صلاح الدین زرکوب کی صاحبزادی سے کی ، اور چلی عارف اس دختر کے بطن سے پیدا ہوئے ، شیخ صلاح الدین زرکوب نے یکم محرم ۶۵۷ھ کو وفات پائی ۔ تفحات الانس (آردو ترجمہ) ص ۴۹۷ -

پھر فرمایا کہ ان خنزف ریزوں کی ضرورت نہیں، مولانا کا پیام کافی ہے۔ اس کے بعد اس کارواں کے ساتھ حضرت شمس تبریز قونیہ واپس آئے، خود مولانا نے قونیہ سے نکل کر ان کا استقبال کیا۔ مدت تک بڑے ذوق و شوق کی صحبتیں رہیں۔

چند روز کے بعد حضرت شمس تبریز نے مولانا کی ایک پروردہ کے ساتھ جس کا نام کیمیا تھا شادی کر لی۔ مولانا نے ان کے لیے مکان کے سامنے ایک خیمہ نصب کرادیا تھا کہ حضرت شمس تبریز اس میں قیام فرمائیں، مولانا کے ایک صاحبزادے جن کا نام علاء الدین چلی تھا، وہ جب مولانا سے ملنے آئے تو حضرت شمس تبریز کے خیمے میں سے ہو کر جاتے، حضرت شمس تبریز کو یہ بات ناگوار تھی، انہوں نے چند بار منع کیا، لیکن وہ نہ مانے۔ علاء الدین نے لوگوں سے شکایت شروع کی، حاسدوں کو موقع ملا، اور انہوں نے کہنا شروع کیا کہ کیا غضب ہے کہ بیگانہ بیگانہ کو گھر میں نہیں آنے دیتا، یہ خرچہ عام ہوا، یہاں تک حضرت شمس تبریز نے عزم کر لیا کہ وہ اس مرتبہ جا کر پھر کبھی نہ آئیں گے، چنانچہ وہ دفعۃً غائب ہو گئے، مولانا نے پھر چند تلاش کیا، مگر ان کا پتا نہ چلا۔ یہ واقعہ شعبان ۷۳۵ھ (۱۲۷۲ء) میں پیش آیا۔ نفحات الانس اور دوسرے تذکروں میں ہے کہ مولانا روم کے بغض مریدوں نے حسد کی وجہ سے، جن میں ان کے صاحبزادے علاء الدین بھی شریک تھے، حضرت شمس تبریز کو شہید کر دیا۔ ہماری رائے میں پہلی روایت کہ وہ دوبارہ غائب ہو گئے، زیادہ صحیح ہے۔

(۱) یہ تمام روایتیں سوانح مولانا روم (شبلی نعمانی)، ص ۲۰-۳۰ سے ماخوذ ہیں۔

(۲) نفحات الانس (اردو ترجمہ) ص ۴۹۶۔

ڈاکٹر رضا زادہ شفق کا بیان :

تاریخ ادبیات ایران میں ڈاکٹر رضا زادہ شفق نے مولانا روم اور حضرت شمس تبریز کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اسے ہم یہاں اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ 'تاریخ ادبیات ایران' میں ہے

کہ :

حلب اور دمشق سے تحصیل علوم کر کے مولانا روم قونیہ آئے، اور یہاں آ کر اپنے والد کی طرح تعلیم و تدریس اور علوم شریعہ کے پھیلانے میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ ایک شخص نے ہاجر سے آ کر ان کی زندگی میں ایک عجیب انقلاب پیدا کیا، یہ بزرگ شمس الدین بن علی بن ملک داؤد تبریزی تھے۔ جو پیران صوفیہ میں تھے، آف کے نفس گرم میں ایک عجیب تاثیر تھی، وہ ایک عظیم جذبہ اور اپنی گفتگو میں ایک عجیب تاثیر رکھتے تھے۔ مختلف شہروں میں گھومنا، اور اہل راز کے ساتھ ریاضت، اور درویشوں اور عارفوں کے ساتھ انس و محبت ان کا خاص شعار تھا، یہاں تک ۶۴۲ھ (۱۲۴۴ء) میں یہ مولانا روم کی تلاش میں قونیہ آئے، اور مولانا کے چہرے میں عشق و حقیقت کی تجلیات کو محسوس کر کے ان کو اپنا شیفتہ معنوی بنا لیا، اور ان کے روحانی مرشد اور قائد بنے، مولانا کو جو عقیدت اور بے پایاں محبت حضرت شمس تبریز سے تھی، اس کا اندازہ مولانا کے اشعار اور اقوال سے ہوتا ہے، چنانچہ مثنوی دفتر اول کے ذیل کے اشعار ہمارے اس خیال کی تصدیق کرتے ہیں :

شمس تبریزی کہ نور مطلق ست

آفتاب ست و ز انوار حق ست

این نفس جان دامنم بر تافتست

ہوئے پیرا ہاں یوسف یافت ست

کیز پیرائے حق صحبت سالہا
 باز گو رمزے از آن خوش حالہا
 من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست
 شرح آن یارے کہ آن را یار نیست
 شرح این ہجران و این خون جگر
 این زمان بگزار تا وقت دیگر
 گفتہ من پوشیدہ، خوش تر مژدہ یار
 خود تو در ضمن حکایت گوش دار
 خوش تر آن باشد کہ مژدہ دلبران
 گفتہ آید در حدیث دیگران

ان اشعار سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مولانا روم نے
 مثنوی کی حکایات میں اور تصوف کے رموز و اسرار بیان کرنے میں
 ✓ حضرت شمس تبریز کے تصوف کو برابر پیش نظر رکھا ہے۔ اگرچہ
 ان کا نام نہیں لیا ہے، لیکن ان کے اسرار و عرفان و راز ایمان کو
 حدیث دیگران کے انداز میں ذکر کیا ہے، مولانا مدت دراز تک
 عارف تبریزی کی خدمت میں رہے، اور حضرت شمس تبریز نے ان کی
 زندگی میں ایک نئی شمع عشق روشن کی۔

کہتے ہیں کہ حضرت شمس تبریز پر وجد و شوق کا غلبہ
 تھا، اور وہ غلبہ حال کی وجہ سے اندرونی مضمرات کے چھپانے پر
 قادر نہ تھے، اور اسرار کو فاش کرتے تھے، جس کی وجہ سے لوگ
 ان کے زیادہ مخالف ہو گئے، اور ۶۳۵ھ (۱۲۳۷-۳۸ء) میں
 قونیہ کے عوام نے ان پر حملہ کر کے ان کو شہید کر دیا، اور
 اس حادثے میں مولانا کے صاحبزادے علاء الدین بھی شدید زخمی
 ہوئے۔ لیکن مولانا کی غزلیات سے جو اندازہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ

حضرت شمس تبریز ایک روز غائب ہو گئے، مولانا دو سال شب و روز
اُن کو تلاش کرتے رہے، لیکن کہیں اُن کا پتا نہ چلا۔

سلسلہ :

مولانا کے سلسلہ باطنی کا نام جلالیہ یا مولویہ ہے۔

وفات :

مولانا کے مرض الموت کے متعلق کچھ تفصیلات نہیں ملتیں،
اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کتنے دن علیل رہے، صرف
اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ جب مزاج نامساں ہوا تو اس دور کے سابر
اطببا اکمل الدین اور حکیم غضنفر نے علاج کیا، لیکن کوئی افاقہ
نہیں ہوا، بیماری کی خبر جب عام ہوئی تو عیادت کے لیے تمام
شہر ٹوٹ پڑا، حضرت شیخ صدرالین قونیوی بھی عیادت کے لیے آئے،
اور دعا کی کہ خدائے تعالیٰ جاد آپ کو شفا دے، مولانا نے فرمایا
شفا آپ کو مبارک ہو، عاشق و معشوق میں ایک پیر ہن کا پردہ
باقی رہ گیا ہے، کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہ بھی اُٹھ جائے، اور
نور نور میں مل جائے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی پمنشین دارم

رخ زرین من منگر کہ پائے آہنیں دارم

اُسی عالم میں ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کا جانشین کون
ہوگا، آپ نے مولانا حسام الدین چلیی کا نام لیا، دو بار سہ بار
پوچھا، پھر بھی یہی جواب دیا۔ چوتھی مرتبہ کسی نے آپ کے
صاحبزادے سلطان ولد کا نام لے کر کہا کہ اُن کے حق میں آپ
کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا وہ پہلوان ہے، اُسے کسی وصیت کی حاجت
نہیں۔ حضرت چلیی حسام الدین نے پوچھا کہ آپ کے جنازے کی
نماز کون پڑھائے گا، فرمایا مولانا صدر الدین۔

(۱) یہ تمام تفصیل تاریخ ادبیات ایران (شفق) ص، ۲۹۳-۲۹۴

سے ماخوذ ہے۔

آخری لمحات میں اپنے اصحاب و مریدوں سے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ سرّاً و علانیۃً خدا سے ڈرتے رہو، کھانے سونے اور گفتگو میں کمی کرو، گناہوں سے دور رہو، روزے برابر رکھو، قیام شب کی مداومت کرو، شہوتوں کو ہمیشہ ترک کرتے رہو، ہر طرح کے لوگوں کی جفا برداشت کرو، عامیوں کی ہمنشینی چھوڑ دو، نیکوں اور بزرگوں سے صحبت رکھو، بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے، اور بہترین کام وہ ہے جو قتل و کدّال ہو۔^۱

آخر ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ (۱۲۷۳ء) بروز یکشنبہ غروب آفتاب کے وقت آپ واصل الی اللہ ہوئے۔ مولانا استیاز الدین نے غسل دیا، شیخ صدر الدین نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے، مگر فوط غم سے چیخیں مار کر بے ہوش ہو گئے، آخر قاضی سراج الدین نے نماز جنازہ پڑھائی، قونینہ میں مولانا کا مزار مبارک آج تک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔^۲

✓ وفات سے کچھ پہلے فرمایا طشت پانی سے بھر کر لاؤ، پانی پیشانی پر ملتے تھے، اور یہ شعر پڑھتے تھے :

گر مومنی و شیریں ہم مومن است مرگ
ور کافری و تلخی ہم کافر است مردن

پھر فرمایا میرے احباب ادھر کھینچتے ہیں، اور مولانا شمس الدین ادھر بلا رہے ہیں، اللہ کی طرف بلانے والے کو مانو اور اس پر یقین لاؤ۔

- (۱) صاحب المثنوی، ص ۲۵۲۔
(۲) یہ تمام تفصیل سوانح مولانا روم (شبلی نعمانی)، ص ۳۸-۴۱ سے ماخوذ ہے۔

اخلاق :

عارف روسی اپنے اخلاق و کردار میں اتباع رسول اور اور حسن اخلاق کا پیکر مجسم تھے آپ کے آئینہ اخلاق میں عبادت و ریاضت، خشیتِ الہی، زہد و قناعت، فیاضی و ایثار، استغنا و بے نفسی، اور کسبِ حلال کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔

مولانا شبلی نے موانح مولانا روم میں مولانا روم کے اخلاق و عادات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

مولانا جب تک تصوف کے دائرے میں نہیں آئے، آپ کی زندگی عالمانہ جاہ و جلال کی ایک شان رکھتی تھی، ان کی سواری جب نکلتی تھی تو علماء اور طلبہ کا ایک بڑا گروہ ان کی رکاب میں ہوتا تھا، ملاطین و امراء کے دربار سے بھی ان کا تعلق تھا، لیکن سلوک میں داخل ہونے کے ساتھ ہی یہ حالت بدل گئی، درس و تدریس، افتاء و افادے کا سلسلہ اب بھی جاری تھا، لیکن وہ پچھلی زندگی کی ایک محض یادگار تھی، وزنہ زیادہ تر محبت و معرفت کے نشے میں سرشار رہتے تھے۔

ریاضت و عبادت :

ریاضتوں اور مجاہدوں کی یہ کیفیت تھی کہ سپہ سالار جو برسوں آپ کے ساتھ رہے ان کا بیان ہے کہ میں نے کبھی آپ کو شبِ خوابی کے لباس میں نہیں دیکھا، بچھونا اور تکیہ بالکل نہیں ہوتا تھا، قعداً لیٹتے نہیں تھے، نیند غالب ہوتی تو بیٹھے بیٹھے سو جاتے، ایک شعر میں فرماتے ہیں :

چہ آساید بہر پہلو کہ بخسید
کسیے گر خار دارد او نہالین

مجمع کی مجلسوں میں سریدوں پر جب نیند غالب ہوتی تو
 ان کے خیال سے دیوار سے ٹیک لگا کر زانو پر سر رکھ لیتے، تاکہ
 وہ لوگ بے تکلف ہو کر سو جائیں، وہ سو جاتے تو خود آٹھ بیٹھتے
 اور ذکر و شغل میں مصروف ہو جاتے، ایک غزل میں اسی کی طرف
 اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

ہمدا خفتند و من دل شدہ را خواب نبرد
 ہمدا شب دیدہ من بر فلک استارہ شمرد
 خوابم از دیدہ چشمان رفت کہ ہرگز ناید
 خواب من زہر فراق تو بنوشیہ و بمرد

روزے اکثر رکھتے تھے اور مسلسل کئی کئی روز تک نہ
 کھاتے تھے۔

نماز میں خشوع و خضوع :

نماز کا وقت آتا تو فوراً قبلے کی طرف مڑ جاتے، اور چہرے کا
 رنگ بدل جاتا، آپ پر نماز میں نہایت استغراق ہوتا تھا، سپہ سالار
 کا بیان ہے کہ : میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اول عشاء
 کے وقت سے نیت باندھتی اور دو رکعتوں میں صبح ہو کئی، ایک
 غزل میں اپنی نماز کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے
 ہیں :

چو نمازِ شام ہر کس بنہا چراغ و خوانے
 سہم و خیال یارے غم و نوحہ و فغانے
 چو وضو بہ اشک سازم، بود آتشیں نمازم
 در سجدم یسوزد چو در و رمدا اذانے
 عجبا نمازِ نستان، تو بگو درست ہست آن
 کہ نداند او زمانے، نہ شناسد او مکانے

عجباً دورِ رکعت مت این، عجباً چہارم مت این
 عجباً چہ سورہ خواندم چو نداشتم زمانے
 در حق چہ گونہ کوہم؟ کہ نہ دست ماند ونے دل
 دل دوست چون تو بردی بدہ اے خدا امانے
 بخدا خبر نہ دارم، چو نماز می گزارم
 کہ تمام شد رکوعے کہ امام شد فلانے

ایک دفعہ جاڑوں کے دن تھے، مولانا نماز میں اس قدر روئے
 کہ تمام چہرہ اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، شدید سردی کے
 موسم کی وجہ سے آنسو جم کر یخ ہو گئے، لیکن اب نماز میں
 اسی طرح مشغول رہے۔

زہد و قناعت :

زہد و قناعت کی انتہا یہ تھی کہ سلاطین و امرا کی جانب
 سے مختلف قسم کے تحائف آتے تھے، لیکن مولانا اپنے پاس کچھ نہ
 رکھتے تھے، جو چیز آتی اسے صلاح الدین زرکوب یا چلیبی حسام الدین
 کے پاس بھجوا دیتے، کبھی کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ گھر میں
 نہایت تنگی ہوتی اور مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد اسرار کرتے
 تو کچھ رکھ لیتے، جس دن گھر میں کھانے کا سامان نہ ہوتا تو
 بہت خوش ہوتے اور فرماتے کہ آج ہمارے گھر میں درویشی کی
 بو آتی ہے۔

فیاضی و ایثار :

فیاضی و ایثار کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی سائل سوال کرتا
 تو عبا یا کُرتا جو کچھ بدن پر ہوتا آثار کر سائل کو دے دیتے۔

(۱) تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول، ص ۳۲۸ تا ۳۲۹ -

اسی اعتبار سے کُرتا عبا کی طرح سامنے سے کھلا ہوتا تھا کہ
آٹارنے میں زحمت نہ ہو۔

بے نفسی اور فنائیت :-

بے نفسی اور فنائیت کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دفعہ
مریدوں کے ساتھ جارہے تھے کہ ایک تنگ گلی میں ایک کتا
سورہا تھا، جس سے راستہ رک گیا تھا، مولانا وہیں رک گئے،
اور دیر تک کھڑے رہے، ادھر سے ایک شخص آرہا تھا، اُس نے
کتے کو ہٹا دیا، مولانا نہایت آزرده ہوئے، اور فرمایا میناں !
اس کو ناحق تکلیف دی۔

ایک دفعہ راستے میں دو آدمی لڑ رہے تھے، ان میں سے
ایک نے کہا اولعین ! اگر ایک کہے گا تو دس سنے گا، اتفاق
سے مولانا کا ادھر سے گزر ہوا، آپ نے اس شخص سے فرمایا بھائی
جو کچھ کہنا ہے مجھ سے کہو اگر تم ہزار کہو گے تو ایک
بھی نہ سنو گے، دونوں مولانا کے پاؤں پر گر پڑے اور آپس میں
صلح کر لی۔

استغنا و بے نیازی :-

مولانا بالطبع سلاطین اور امرا سے گریز کرتے تھے،
صرف اخلاقاً اُن سے مل لیتے۔ ایک دفعہ ایک امیر نے ملاقات میں
تاخیر کی وجہ بیان کرتے ہوئے معذرت کی کہ میں بہت مشغول رہتا
ہوں، اس لیے کم حاضر ہوتا ہوں، فرمایا :-

معذرت کی ضرورت نہیں، میں تم لوگوں کے آنے

کی یہ نسبت نہ آنے سے زیادہ ممنون ہوتا ہوں۔

معیشت : مولانا نے اپنی معیشت کا طریقہ کار یہ تھا کہ انہیں اوقاف کے

مد سے پندرہ دینار ماسوار وظیفہ ملتا تھا ، وہ مفت خوری کو ناپسند فرماتے تھے لہذا اس کے معاوضے میں فتوے لکھا کرتے تھے ، مریدوں کو تاکید فرماتے اگر کوئی فتویٰ لے کر آئے تو لوگو! میں کسی حالت میں ہوں بچھے خبر کر دو ، تاکہ یہ آمدنی مجھ پر حلال ہو۔

ایک دفعہ کسی نے کہا شیخ صدر الدین کو ہزاروں روپے کا وظیفہ ہے اور آپ کو کُل پندرہ دینار ماسوار ملتے ہیں ، مولانا نے فرمایا ! شیخ کے اخراجات بھی بہت ہیں ، اور حق یہ ہے کہ یہ پندرہ دینار بھی مان ہی کو ملنے چاہیں ۔

تصانیف : مولانا نے اپنی تصانیف میں

(۱) فیہ مافیہ : یہ مولانا کے ملفوظات کا مجموعہ ہے ، مولانا کے صاحبزادے سلطان بہا ولد نے ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ء) اس کا مسودہ صاف کیا تھا اصل کتاب اور اس کا اردو ترجمہ دونوں شائع ہو چکے ہیں ۔

(۲) دیوان شمس تبریز :

یہ مولانا روم کا مجموعہ غزلیات ہے ، اس مجموعے کا نام مولانا نے اس والہانہ عشق و محبت کی بنا پر جو انہیں حضرت شمس تبریز سے تھی ، ”دیوان شمس تبریز“ رکھا ، اس مطبوعہ دیوان میں تقریباً پچاس ہزار اشعار ہیں ۔

(۱) یہ تمام واقعات تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول ص ۳۲۹ سے ماخوذ ہیں ۔

مولانا کی غزلیں سوز و گداز غلوٹے معانی ، نفاست و سلامت کی آئینہ دار ہیں ، ان کی غزلوں کا ہر شعر اثر و تاثیر میں ڈوبا ہوا ہے ۔ ہجر و عشق کی کیفیات کو جہاں انہوں نے شعر میں سمویا ہے شعر کو ایک نیا کیف اور تاثیر عطا کی ہے ۔ ان کی غزلوں کے اشعار میں ان کیفیات کا مظہر آن کے مرشد حضرت شمس تبریز ہیں ، حضرت شمس تبریز کے ہجر و فراق نے ان کی غزلوں کو عجب گرمی اور تاثیر بخشی ہے۔ عشق نے مولانا کی شاعری میں وہ درد و سوز عطا کیا ہے کہ جو ان اشعار کو پڑھتا ہے ، سر دھستا ہے ، ان کی شاعری کا موضوع خاص شاید حقیقی ہے ، انہوں نے غزلوں میں بھی تصوف کے نکات و رموز کو نہایت حین اور دلکشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ہم مولانا کی غزلوں کے چند شعر یہاں تبرکاً درج کرتے ہیں :

ہزار بار پیادہ طوافِ کعبہ کنی
قبولِ حق نشود گر دے بیازاری
ز عرش و کرمی و لوح و قلم فزون باشد
دلِ خراب کہ او را بھیج نشماري

مولانا کا مسلک وحدت الوجود ہے ، انہوں نے اس مسلک کی اشاعت میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا ہے ۔ ذیل کے دو اشعار میں مسلک وحدت الوجود کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

انہا کہ طلب گار خدائید خدائید
بیروں ز شما نیست شمائید شمائید
چیزے کہ نگردد پد گم از بہر چہ جوئید
کس غیر شمانیست کجائید کجائید

ز عشق روئے تو من رو بقبلہ آوردم
و گر نہ من ز نماز و ز قبلہ بیزارم

اشارتے کہ نمودی بہ شمس تبریزی
نظر بجانب ماکن غفور غفارم

ند شبم، نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

ما دل اندر راہ مردان باختیم
غلغلے اندر بچہاں انداختیم

فرقہ د سجادہ تسبیح را
در خرابات بتغاں انداختیم

مانند از قرآن براگزیدہ مغرور را
ہومت را پیش خسان انداختیم

بہر عشق شمس تبریزی لقب

غافلے در آسمان انداختیم

حاصل عمرم سد سخن پیش نیست

خام بدم، پختہ شدم، سوختم

بنمائی رخ کہ باغ گلستانم آرزوست

بکشائی لب کہ قند فراوانم آرزوست

یک دست جام بادہ و یک دست زلف یار

رقص چنین میانہ میدانم آرزوست

(۳) مثنوی مولانا روم :

شاعری اور تصوف کی شے دو آتشہ کو جس نے سب سے پہلے
ہم آہنگ کیا، وہ حضرت سلطان ابومعید ابوالخیر ہیں، جنہوں نے

(۱) مولانا کے یہ تمام اشعار تاریخ ادبیات ایران (شفق) ۳۰۶-۳۰۹
سے ماخوذ ہیں۔

رباعی کو اپنا موضوعِ سخن بنا کر تصوف کے اسرار و نکات کو بڑے دلکش انداز میں پیش کیا، انہوں نے فارسی رباعیات کا بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے، جو ان کے جذباتِ عشق کی آئینہ دار ہیں۔

۱۷۱۔ ان کے بعد حکیم سنائی نے مثنوی کو موضوعِ سخن بنا کر تصوف کو عوام تک پہنچانے میں بڑی زبردست خدمت انجام دی ہے۔

ان کے بعد ایک اور آتش نوا صاحبِ دل شاعر نے اپنی شاعرانہ نواؤں سے قلوب کو گرما دیا، یہ حضرت شیخ فرید الدین عطار تھے انہوں نے اپنی شاعری سے تصوف کی دولت کو عام کیا، اور اپنے تخیل کی رفعتوں سے شاعری کی تمام اصنافِ سخن کو مالا مال کر دیا۔

لیکن آخر میں جس نے ساری فضا کو صوفیانہ جذبات سے معمور کر دیا وہ مولانا روم تھے، (عارفِ رومی کی مثنوی نے دلوں کو ایمان و ایقان کی ایک نئی حرارت بخشی، مولانا کی مثنوی نے مولانا کے نام کو ثبت دوام بخشا، مولانا نے مثنوی میں حکایات و قصص کے رنگ میں عرفان و حکمت کے وہ گوہر گراں مایہ جمع کیے ہیں جس کی مثال فارسی ادب میں نہیں ملتی)، مولانا نے عام طبائع کے افہام و تفہیم لیے مثنوی میں استدلالِ تمثیلی سے کام لیا ہے، اور مثالوں اور تشبیہوں سے یہ کتاب بھری ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ مولانا نے حکایتوں کے ذریعہ اخلاقیات کی تعلیم دی ہے، اس کے ماسوا اخلاق و سلوک کے مسائل کو جن میں اہل نظر میں اختلاف ہے، ان مسائل کو مولانا نے فرضی مناظروں کے ذیل میں سمجھانے کی کوشش کی ہے، مختصر یہ کہ مثنوی کا اصل مقصد شریعت کے اسرار اور طریقت و حقیقت کے مسائل کو بیان

کرنا ہے ، اور مثنوی میں مولانا نے اس مقصد کو باحسن الوجوہ پورا کیا ہے ۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ حکیم سنائی اور شیخ فرید الدین عطار کی روشن کی ہوئی شمع کی روشنی میں وہ آگے بڑھے ہیں ، جس کا خود مولانا نے بھی اعتراف کیا ہے ۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مثنوی، مولانا کے فکر و نظر اور تصوف کے اسرار و رموز کا بہترین شاہکار ہے ۔ جو مقبولیت مولانا کی مثنوی کو حاصل ہوئی ، وہ دوسروں کا حصہ نہ بن سکی ۔ بقول صاحب مجمع الفصحاء کے کہ ایران میں جتنی چار کتابیں مقبول ہوئیں ، کوئی نہیں ہوئی ، شاہ ناصب ، گلستان ، مثنوی مولانا روم ، دیوان حافظ ، ان چاروں کتابوں موازنہ کیا جائے تو مقبولیت کے لحاظ سے مثنوی کو ترجیح ہوگی ۔

تذکروں میں ہے کہ مولانا کے مرید خاص حسام الدین چلبی نے آپ سے درخواست کی کہ ”منطق الطیر“ کے طرز پر ایک مثنوی لکھی جائے ، مولانا نے فرمایا کہ رات مجھ کو بھی اس کا خیال آیا تھا ، اور اسی وقت یہ چند شعر لکھے تھے :-

بشنوئے از چوں حکایت می کند — الخ

از صدائِ شکایت می کنند

مولانا کی مثنوی چھ دفتروں پر مشتمل جس میں چھبیس ہزار اشعار بحر رمل میں ہیں ، مثنوی دفتر اول کی ابتدا مولانا نے کب کی ، اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ، خیال ہے کہ دفتر اول ۶۵۷ھ اور ۶۶۰ھ کے درمیان لکھا گیا ، کیونکہ حسام الدین چلبی کو مولانا نے ۶۵۷ھ (۵۹-۶۵۸ھ) میں اپنا خلیفہ منتخب کیا تھا ۔

مثنوی کے چھ دفتر میں ، دفتر اول کے سوا باقی پانچ دفتر حسام الدین چلبی کے نام سے مزین ہیں ۔ دفتر دوم میں فرماتے ہیں :

مدتی این مثنوی تاخیر شد
 مهلتی بایست تا خون شیر شد
 چو ضیاء الحق حسام الدین عتار
 باز گردانید ز اوج آسمان
 چون بمعراج حقائق رفته بود
 بے بهارش غنچه پا نشگفته بود
 چون ز دریا سوزی ساحل باز گشت
 چنگ شعر مثنوی با ساز گشت
 مطلع تاریخ این سودا و سود
 سال اندر ششصد و شصت و دو بود

دفتر سوم میں فرماتے ہیں :

اے ضیاء الحق حسام الدین بیار
 این سوم دفتر کہ سنت شد صد بار

چوتھے دفتر میں ارشاد فرماتے ہیں :

اے ضیاء الحق حسام الدین توئی
 کہ گزشت از صد بنورت مثنوی

گردن این مثنوی را بسته ای
 می کشی آن سو کہ تو دانسته ای

قصدم از الفاظ او راز تو مت
 قصدم از انشاش ، آواز تو مت

ہانچویں دفتر میں تحریر فرماتے ہیں :

شہرہ حسام الدین کہ نور انجم ست
طالب آغاز سفر ہنجم ست

اے ضیاء الحق حسام الدین زاد
اوستادان ضفا را اوستاد

گر نبودے خلق محجوب و کشف
وز نہ بودے خلقہا تنگ و ضعیف
در مدیحت داد معنی داد
غیر ازین منطق لیے نکشاد میر

چھٹے دفتر میں ارشاد فرماتے ہیں :

اے حیات دل حسام الدین ہمسے
میل سی جو شد بقسم سادے

پھر اسی دفتر میں لکھا ہے :

اے ضیاء الحق حسام الدین فرید
دولت پایندہ فقرت پر مزید

چونکہ از چرخ ششم کردی گزر
بر فراز چرخ ہفتم کن سفر
بعد اعداد است ہفت اے خوش نفس
زانکہ تکمیل عدد ہفت است ویس

(۱) یہ تمام تفصیل تاریخ ایران (شفق) ، ص ۲۹۶ - ۲۹۷ اور

سوانح مولانا روم (شبلی) ، ص ۸۰ - ۸۱ سے ماخوذ ہے ۔

مثنوی کی خصوصیات :

✓ مثنوی مولانا نے روم گنجینہ معارف ہے ، مولانا نے قصہ و حکایات کے رنگ میں تصوف کے نظامینِ عالیہ کو بڑے دل نشین انداز میں پیش کیا ہے ، اور ان روایتوں اور حکایتوں سے بڑے اہم نتائج نکالے ہیں وہ ان روایات و حکایات میں اپنے استدلال کو قیاس تمثیلی سے مزین کرتے ہیں ، اور انہوں نے مثنوی میں بہت زیادہ تشبیہ و تمثیل سے کام لیا ہے ، اور اس کے ذریعہ سے مسائل کو فہم سے قریب تر کر دیا ہے ۔

زبان کا مسئلہ اور مثنوی :

مثلاً زبان کے مسئلے پر آج جو ہنگامے برپا ہیں ، مولانا نے آج سے سات سو برس پہلے اس انسانی عصبیت کے مرض کو جو مسلم معاشرے کی سالمیت اور وحدت کو پارہ پارہ کر دینے والا ہے محسوس کر لیا تھا ، زبانوں کے بارے میں عارف رومی کا مسلک یہ تھا کہ ہر زبان خدا کی نعمت ہے اس لیے کسی زبان سے عصبیت رکھنا اور اس کی مخالفت کرنا کسی طرح جائز نہیں ، وہ ایک حکایت کے ذریعہ سے تمثیلی رنگ میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ انسانوں کو زیادہ سے زیادہ زبانوں کا علم حاصل کرنا چاہیے اور زبانوں کو نزاع اور باہمی مخالفت کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے ، مثنوی میں ایک حکایت بیان کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ : ایک آدمی نے چار آدمیوں کو جو مختلف زبانوں کے بولنے والے تھے ، جن میں ایک فارسی ، دوسرا ترکی ، تیسرا رومی ، اور چوتھا عرب تھا ، ایک درم دیا ، فارسی نے کہا کہ میں اس درہم سے انگور خریدوں گا ، عرب نے کہا ہرگز نہیں میں تو اس سے عنب خریدوں گا ، ترک نے کہا یہ نہیں ہو سکتا میں تو ازم خریدوں گا رومی نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا میں تو استافیل

خریدوں گا ، یہ چاروں آپس میں جھگڑنے لگے ، حالانکہ چاروں اپنی اپنی زبان میں انگور کا نام لے رہے تھے ، اس کے بعد مولانا اس حکایت سے نتیجہ نکالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر اس موقع پر کوئی شخص ایسا ہوتا کہ جو ان چاروں زبانوں کا جاننے والا ہوتا ، اور انگور ان کے سامنے لا کر رکھ دیتا تو ان کا ساوا اختلاف جاتا رہتا۔!

پھر مولانا ہمزبانی کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ہمزباں نہ ہو تو آدمی بے نوا ہو جاتا ہے ، ہمزبانی ہی دراصل خویشی و پیوندی ہے ، فرماتے ہیں :

ہم کہ او از ہم زبانے شد جدا

بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

ہم زبانی خویشی و پیوندی است

مرد با نا محرمات چو بندی است^۱

اے ہما ہندو و ترک ہم زبان

اے ہما دو ترک جو بیگانگان

لیکن وہ ہمزبانی پر فکر و عقائد کے رشتے کیو مستحکم اور قابل ترجیح قرار دیتے ہیں ، اور اسے ہمہ ملی بنے تعبیر کرتے ہیں :

پس زبان محرمی خود دیگر مت

ہم دلی از ہم زبانی بہتر مت

غیر نطقی و غیر ایمان و سچل

صد ہزاراں ترجمان خیزد ز دل^۲

(۱) مثنوی مولانا روم ، دفتر دوم ، ص ۱۸۳ - ۱۸۴

(۲) مثنوی مولانا روم دفتر اول ، ص ۱۳۱ - ۱۳۲

(۳) مثنوی مولانا روم دفتر اول ، ص ۳۳ - ۳۴

وہ اسی کے ساتھ تمام زبانوں کو خدا کا عطیہ بتاتے ہیں ،
 اُن کے نزدیک کسی زبان کو اچھا اور کسی کو برا کہنا درست
 نہیں ہے ۔

پھر کسیے را سیرتے بشہادہ ایم
 پھر کسیے را اصطلاحے دادہ ایم
 ماہری از پاک و ناپاک ہمد
 از گران جانی و چالاکی ہمد
 ہندیان را اصطلاح ہند مدح
 ہندیان را اصطلاح ہند مدح

مولانا کی تصوف میں بنیادی تعلیمات :

مولانا کی مشنوی یوں تو افکارِ عالیہ اور تصوف کے رسوم و نکات
 کا ایک گنجینہ ہے ، جس کی شرح و بیان اس مختصر سی کتاب میں
 ممکن نہیں ، لیکن ہم اختصار کے ساتھ تصوف کے ان بنیادی مسائل
 کا ذکر کریں گے ، جن پر مولانا نے بہت زیادہ زور دیا ہے ، اور
 جن سے علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں مرشدِ معنوی سے اکتسابِ فیض
 کیا ہے ۔

✓ عشق و عقل :-

سب سے پہلے عباسیوں کے دور میں مسلمان ، یونانی فلسفے اور
 علومِ عقلیہ سے آشنا ہوئے ، اس نئے علم میں معاشرے کے لیے بڑی کشش
 تھی ، مذہبی عقائد کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا ، عقل
 بے لگام کے اس پیدا کردہ فلسفے نے ، عقائد میں تذبذب ، ایمان میں
 خلل اور ذہنوں میں ایک خلفشار پیدا کر دیا ، کچھ لوگوں نے

(۱) مشنوی مولانا روم دفتر دوم ، ص ۱۴۱ ۔

خواس خمسہ کو علم اور یقین کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھا
 اُن کا خیال تھا ، جس چیز کا خواہ خمسہ سے ادراک نہ ہو اسے
 کھوٹا سکہ سمجھنا چاہیے ، یونانی فلسفے نے اسلامی عقائد و فکر کو
 بہت نقصان پہنچایا ، اسلام نے اگرچہ اشیاء کی حقیقت پر غور کرنے
 کی انسانوں کو دعوت دی ہے ، وہ اپنی تعلیمات میں تعقل و تفکر کی
 بار بار دعوت دیتا ہے ، لیکن وہ عقل کو بے لگام نہیں چھوڑتا ،
 کیونکہ وہ عقل جو دینی وجدان سے محروم ہے ، وہ اسرت نہیں بلکہ
 زہر پھلا ہل ہے ۔

صوفیہ نے عقلیت کے اس طوفان کو عشق کی تعلیم سے روکنے
 کی کوشش کی ، انہوں نے عقلیت کے مقابلے میں عشق الہی پر
 زور دیا اور اس حقیقت کو واضح کیا کہ عشق ہی سے منزل مقصود
 کا پتا چل سکتا ہے ، وہ صوفیہ جنہوں نے عشق الہی کی تعلیم دی
 اُن میں حضرت بایزید بسطامی ، حضرت معروف کبرخی ،
 حضرت مسری سقطی ، حضرت ذوالنون مصری ، شیخ محی الدین ابن عربی
 اور حضرت امام غزالی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ، ان
 صوفیائے کرام نے اپنی تعلیمات اور عمل سے انسانوں پر اس حقیقت
 کو منکشف کیا کہ :

بگزر از عقل و بیاویز بہ موجِ ہم عشق
 کہ دریں جوئے تنک مایہ گہر پیدا نیست

اس دور کے صوفی شعرا نے بھی عشق الہی کو اپنی شاعری
 کا موضوع بنا کر عشق و محبت الہی کے پیغام کو عام کیا ، انہوں
 نے اپنے نغموں سے عشق الہی کی گرمی سے قلوب کو گرمایا ،
 ریب و تذبذب اور انکار کے بھٹکے ہوئے راہیوں کو یقین اور ایمان کی
 راہ دکھائی ، ان اہل دل شعراء میں سلطان ابو سعید ابوالخیر ،

شیخ فرید الدین عطار، حضرت عبداللہ انصاری، حکیم سنائی اور مولانا جلال الدین روسی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا روسی پر جب فلاسفہ و متکلمین اور اہل استدلال کی بے بضاعتی اور حقیقت ناشناسی کی حقیقت منکشف ہو گئی تو مولانا نے مثنوی میں حواس پرستوں اور ان کے وکیلوں پر سخت تنقید کی، انہوں نے بتایا کہ حواس ظاہری کے علاوہ انسان کے حواس باطنی بھی ہیں، جو حواس ظاہری کے مقابلے میں نہایت وسیع اور وسیع ہیں، پھر انہوں نے عقل پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ معارف کے بارے میں عقل کوتاہ و نارسا ہے، اگر محض عقل دینی حقائق و معارف کے لیے کافی ہوتی تو اہل منطق و استدلال اور ائمہ کلام سب سے بڑے عارف اور دین کے محرم اسرار ہوتے، وہ اس عقل ایمانی کے قائل ہیں، جو خود عقل کے لیے رہنما اور اس کے لیے خواہ راہ ہے، ایسی عقل ایمانی، دین کے شہر کے پاسپانی کا حکم رکھتی ہے، وہ حکمت یونانی سے حکمت ایمانی کی طرف دعوت دیتے ہوئے، فرماتے ہیں :

چند چند از حکمت یونانیان

حکمت ایمانیان را ہم بخوان

اس کے بعد مولانا نے بے لگام عقل کے مقابلے میں عشق کا آواز بلند کیا، اور عالم اسلاسی میں ایک نئے شعور کو بیدار کیا، اور عشق کی کرشمہ سازیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا :

از محبت تلخہا شیریں شود

وز محبت مسہا زریں شود

از محبت سجن گلشن می شود

بے محبت روضہ گلخن می شود

ایک اور جگہ عشق کی حیرت انگیزیوں کو بیان کرتے ہوئے
فرماتے ہیں کہ یہ وہ بیماری ہے کہ جس کا بیمار کبھی شفاء
نہیں چاہتا :

جملہ رنجوراں شفا جویند واین۔

رنج افزوں جویند و درد و چین ایں۔

خوب تر زین سم نذیدم شربتے

زین مرض خوشتر نہ باشد صحتے

پھر وہ جس عشق کی دعوت دے رہے ہیں، اس کا تعلق

اس عالم آب و گل سے نہیں، وہ حی و قیوم کا عشق ہے، وہ

عشق حقیقی ہے، جس کی تازگی اور آبیاری، سدا بہار پھولوں کی

طرح ہے :

عشق بر مرده نباشد پائیدار

عشق بر حسی جان افزائے دار

عشق زندہ در رواں و در بصر

ہر دمے باشد ز غنچہ تازہ تر

عشق آن زندہ گزین کو باقی ست

وز شراب جان فرایت ساقی ست

عشق آن بگزین کہ جملہ انبیا

یافتند از عشق او کار و کیا

وہ عشق کو روحانی امراض کا شافی بتاتے ہوئے اسے افلاطون و

جالینوس قرار دیتے ہیں :

شاد باش اے عشق خوش نمودائے ما

اے طبیب جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نسخوت و ناسوس ما
اے تو افلاطون و جالنیوس ما

✓ وہ عشق حقیقی کو آب حیات سے تعبیر کرتے ہیں جو دل کو
زندگی اور روح کو نشاط بخشتا ہے ، اور اس سے ہر دور زندگی میں
توانائی اور رعنائی محسوس ہوتی ہے فرماتے ہیں :

دل بچو تا دائما باشی جوان
از تجلی چہرہ ات چوں ارغوان
طالب دل شو کہ تا باشی چو مئل
تا شوی شاداں و خنداں ہمچو گل

انسانیت :

✓ تصوف اسلامی میں انسانیت کا بلند مقام ہے ، شخصی سلطنتوں
کے اثرات ، طبقاتی تفاوت اور پیہم مظلالم نے ساری انسانیت کو
دکھی بنا دیا تھا عام انسان زندگی سے بیزاری اور احساس کمتری
کا شکار تھا ، لوگوں میں عام طور پر بے اعتمادی ، ناامیدی ، افسردگی
اور شکستہ دلی پائی جاتی تھی ، مولانا نے اپنی شاعری سے لوگوں
کو انسان کی عظمت اور اس کے مقام کا عرفان بخشا ، اور بتایا کہ
قرآن مجید میں جا بجا انسان کو احسن التقویم کے خطاب سے سرفراز
فرمایا گیا ہے ، انسان ایک گراں مایہ گوہر ہے ، اسی کے سوا ہر
کرامت کا تاج رکھا گیا ہے ، انسان خلاصہ کائنات اور
مجموعہ اوصاف عالم ہے ، انسان وہ کوزہ ہے جس میں دریا بہند
ہے ، اس کے مختصر سے وجود میں عالم پنہاں ہے ، اسی سے عالم
کا رنگ و بو اور زندگی کی آبرو ہے ، یہی نہیں بلکہ وہ
✓ مظہر صفات الہی ہے ، اور ایک ایسا آئینہ ہے جس میں تعجلیات و
آیات کا عکس نظر آتا ہے ، مولانا نے مقام انسانیت کو بیان

✓
 کر کے انسانوں کی عزت نفس کے شعور کو بیدار کیا ہے ، جس کو
 علامہ اقبال خودی سے تعبیر کرتے ہیں ۔

مختصر یہ کہ مشنوی مولانا روم میں ہمیں اسلام کے بنیادی
 عقائد ، مثلاً وجود باری ، بعثت انبیاء ، معاد ، جبر و اختیار
 علت و معلول اور تصوف اسلامی کے تمام مسائل بڑے دلکش انداز
 میں ملتے ہیں ، مشنوی میں چونکہ تمام قرآنی تعلیمات کا عکس جمیل
 ہے ۔ اور رسوخ تصوف اسلامی کا گنجینہ ہے ، اسی لیے کسی شاعر نے
 مبالغے سے کہا ہے

مشنوی مولوی معنوی

پست قرآن در زبان پہلوی

اقبال کے کلام میں مولانا کا پرتو :

(یوں تو مولانا کی مشنوی نے مسلمانوں کے افکار ، ادب اور
 شاعری پر گہرا اثر ڈالا ، اور دماغ کو نئی تازگی اور قلوب کو نئی
 حرارت بخشی اور اہل سلوک و معرفت کو عارفانہ مضامین کا ایک
 خزانہ ملا ، اس لیے پیر دور کے اہل دل نے مشنوی کو شمع محفل
 اور ترجمان دل بنایا لیکن چھ سو برس گزرنے کے بعد پاکستان کے
 ایک مفکر شاعر علامہ اقبال نے مولانا روم کے افکار کا بنظر غائر
 مطالعہ کیا ، مشنوی نے ان کو نئی روح اور نیا جذبہ عطا کیا ،
 غارف رومی کی معارف پرور شاعری نے ان کو اس حقیقت سے روشناس
 کرایا کہ گل و بلبل ، شاہد و سئل کا زمانہ گزر چکا ، عشق کی
 ہوشناکیوں کی نبداحی کا زمانہ ختم ہو چکا ، اب شاعری کو نئے فکر
 اور اسلامی عقائد سے ہرگز نہ کرنے کی ضرورت ہے ، مشنوی کے
 عمیق مطالعے نے عقیدت کے دریچے کو وا کیا ، انہوں نے اپنا
 مرشد معنوی مولانا روم کو تسلیم کیا ، چنانچہ فرماتے ہیں :

باز بر خوانم ز فیضِ پیرِ روم
دفترِ سر بستہ اسرارِ علوم (

علامہ کی پیر رومی سے بے پایاں عقیدت و محبت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ وہ جاوید نامے میں مولانا کے حسن ظاہری اور اوصاف باطنی کی اپنے اشعار میں تصویر کھینچتے ہوئے کہتے ہیں :

طلعتش رخسندہ مثلِ آفتاب
شیبِ او فرخندہ چون عہدِ شباب
پیکرِ روشن ز نورِ سرمدی
در سراپایش سرورِ سرمدی
بر لبِ او سرِ پنهانِ وجود
بندہائے حرف و صوت از خود کشود
حرفِ او آئینہ آویختہ
علم با سوزِ درون آویختہ

(وہ اسرار و رموز کی عقدہ کشائی میں اپنے آپ کو رومی کے وہیں منت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں :

رازِ معنیٰ مرشدِ روشنی کشود
فکرِ من بر آستانش در سجود

مرشد معنوی کی روح نے اُن پر از سر نو شعر و حکمت کے دروازے کھولے ، اور اُن کی شاعری کے لیے نئی راہیں متعین کرتے ہوئے بقول حضرت علامہ اقبال فرمایا :

از نیستان ہمچو نئے پیغامِ دہ
قیس را از قومِ حے پیغامِ دہ

نالمہ را انداز نو ایجاد کن
ہزم را از ہما و ہوا آباد کن

روح نو می جوید اجسام کہن

کم تر از قم نیست اعجاز سخن

خیز جان نو بدہ ہر زندہ را

از قم خود زندہ تر کن زندہ را

خیز و ریا برجادہ دیگر بندہ

جوش سودائے کہن از سر بندہ

✓ پیر روسی کی اس ہدایت کے بعد علامہ اقبال نے ان کے متعین کیے ہوئے اصولوں پر شاعری کی نئی شمع روشن کی ، انہوں نے نہ صرف مولانا کے افکار کو عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق شاعری کے سانچوں میں ڈھالا ، بلکہ بہت سے اسلامی افکار و خیالات اپنی قوت متخیلہ کے قالب میں ڈھال کر عالم اسلامی کے لیے ایک نیا ارمغان پیش کیا ، جو دنیا کے مسلمانوں کے لیے بصیرت افروز ہے ، انہوں نے محب سے پہلے اپنے تمام نظریات کی بنیاد قرآن حکیم کو قرار دیا ، فرماتے ہیں :

گر تو می خواہی مسلمان زیستن

نیست ممکن جز بقرآن زیستن

انہوں نے اپنے افکار کی بنیاد قرآن حکیم پر رکھی ، اور مولانا کی تعلیمات کو نئے اسلوب ، نئے انداز نگارش کے ساتھ عالم اسلامی کے سامنے پیش کیا علامہ نے بادہ کہن کو نئے شیشوں میں ڈھال کر اہل نظر کو اپنی شاعری میں جذب کر لیا ، اس دہائے راز کے نغمے نہ صرف پاکستان و ہندوستان میں گونجے ، بلکہ مغربی دنیا نے بھی ان کو نہایت ذوق سے پڑھا اور مطالعہ کیا ۔

(۱) (اسرار خودی ، ص ۱۰۰)

ہم سابقہ اوراق میں نظریہ عقل و عشق کا تذکرہ کر آئے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ مولانا عقل بے لگام پر عشق کو ترجیح دیتے تھے ، علامہ اقبال بھی اس موضوع میں اپنے مرشد معنوی کے ہم خیال نظر آتے ہیں ، انہوں نے اس نظریے کو عہد حاضر کے تقاضوں سے آراستہ کر کے نئی آب و تاب بخشی ہے ، وہ عشق کے تفوق کو عقل پر بیان کرتے ہوئے اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں :

عقل سفاک است او سفاک تر
پاک تر ، چالاک تر ، پیچاک تر
عقل در پیچاک اسباب و علل
عشق چوگان باز میدانِ عمل
عشق صید از زور بازو افگند
عقل سکار است و دایے می زند
عقل را سرمایہ از بیم و شک است
عشق را عزم و یقین لا ینفک است
آن کند تعمیر تا ویران کند
ایں کند ویران کہ آبادان کند
عقل چون باد است ارزاں در جہاں
عشق کیماں و بہائے او گراں

وہ عشق کو علم پر بھی فضیلت دیتے ہوئے کہتے ہیں :

علم پر بیم و رجا دارد ایساں
عاشقان را نے امید و نے ہراس

علم ترسان از جلال کائنات
عشق غرق اندر جمال کائنات
علم را پیر رفته و حاضر نظر
عشق گوید آن چہ نمی آید نگر
لیکن وہ مطلقاً عقل کے مخالف نہیں ، وہ اس عقل کے مخالف
ہیں ، جو عشق سے بغاوت کرتی ہے ، وہ اس دین آمیز عقل کے
مداح و معترف ہیں ، جو ایمان و یقین کی طرف راہ دکھاتی ہے ،
وہ اس عقل کو سراہتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے عشق سے
ہم آہنگ ہو کر عرفان و حق شناسی کی رہنمائی کرتی ہے ۔
فرماتے ہیں :

غزیاں را زیر کی ساز حیات
شرقیان را عشق راز کائنات
زیر کی از عشق گردد حق شناس
کار عشق از زیر کی محکم اساس
عشق چوں با زیر کی ہمبہر بود
نقش بند عالم دیگر شود
خیز و نقش عالم دیگر بند
عشق را با زیر کی آمیز دہ

وہ عقل و عشق کی ہم آہنگی کی دعا کرتے ہوئے کہتے
ہیں :

عقل دادی ہم جنون دہ مرا
وہ بجزب اندرونی دادہ مرا

علم تا از عشق برخوردار نیست
جز تماشا خانہ افکار نیست

(وہ جس عشق کے طالب ہیں، اس کا تعلق اس عالم آب و گل سے نہیں، وہ اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں :

عشق را از تیغ و خنجر پاک نیست
اصل عشق از آب و باد و خاک نیست

وہ اس عشق کی دعوت دیتے ہیں، جس کو قرآن حکیم حسب سے تعبیر کرتا ہے، وہ یسوع کے قلب میں عشق الہی اور محبت رسولؐ کے چراغ کو روشن کرنا چاہتے ہیں، وہ عشق الہی کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :

از نگاہ عشق خارا شق شود
عشق حق آخر سراپا حق بود

وہ ہر مسلمان کو قرآن حکیم کے مطابق صبغۃ اللہی رنگ میں رنگے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں، فرماتے ہیں :

قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ
عشق را ناموس و نام و ننگ دہ
طبع مسلم از محبت قاهر است
مسلم از عاشق نباشد کافر است

وہ عشق الہی کے ساتھ محبت اور اتباع رسولؐ کو لازمی قرار دیتے ہیں، وہ عظمت رسولؐ کی نعمہ برائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است
آبروئے نامِ نامِ مصطفیٰؐ است

خاکِ یثرب از دو عالم خوش تر است
اے خنک شہرے کہ! آنجا دلبر مت

پیام مشرق میں عشقِ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی کامرانیوں اور سعادتوں کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :

ہر کہ عشقِ مصطفیٰؐ سامانِ آومت
بحر و بر درِ نگوشہٗ دامنِ آومت
سوزِ صدیقِ و علیؑ از حق طلب
ذرہٗ عشقِ نبیؐ از حق طلب
ز آنکہ ملت را حیات از عشقِ آومت
برگ و مارِ کائنات از عشقِ آومت

وہ عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نئے پہلو کو
پیش کرتے ہوئے دعوتِ غور و فکر دیتے ہیں :

معنیِ حرفم کئی تحقیق اگر
ہنگری بادیدہٗ صدیقِ اگر
قوتِ قلب و جگر گردہٗ نبیؐ
ت از خدا محبوب تر گردہٗ نبیؐ

علامہ نے مولانا کی طرح انسان کی عظمت اور اس کے عرفان
کو نئے انداز اور نئے اسلوب سے پیش کیا ہے، وہ اس نظریے کو
نہایت آب و تاب سے مختلف دل آویز طریقوں پر پیش کرتے ہوئے
فرماتے ہیں :

نصیب او ہنوز آن ہما و ہو نیست

اکما او در انتظار آدمی ہست

وہ آں آدمی کے انتظار میں ہیں ، جو دین آمیز عقل اور
پاک باز عشق کے امتزاج سے مزین ہو ، جو اس فرش خاکی کو
ہمدوش کر دے۔ وہ تمنا کرتے ہیں :

زمین ہنگامہ دہ این جہاں را

دگر گوں کن زمین و آسمان را

ز خاک ما دگر آدم بر انگیز

بکش این بندہ سود و زیاں را

مردمی اندر جہاں افسانہ شد

آدمی از آدمی بیگانہ شد

کہن گشتند این خاکی نہادان

دگر آدم بنا کن از گل ما

مولانا کے نظریہٴ انسانی کے ضمن میں ہم ان کا نظریہٴ وطن
بیان کر آئے ہیں ، مولانا وطن کی محبت کے منکر نہیں ، لیکن وہ
ملت کی بنیاد وطن پر نہیں رکھتے بلکہ وہ دنیائے اسلام کی قومیت
کی بنیاد کلمہ لالہ پر رکھتے ہیں ، جو تمام دنیا کے مسلمانوں کو
ایک رشتے میں جوڑتا ہے ، علامہ نے بھی اس اخوت اسلامی کے نظریے
کو اپنی دل آویز شاعری سے مسلمانوں کے قلوب میں مستحکم کیا ،
ہے۔ انہوں نے اسلام کے رشتے کے علاوہ تمام رشتوں کو خواہ ان کی
بنیاد حسب و نسب پر ہو ، یا رنگ و نسل ، قوم و وطن پر ،
ان تمام رشتوں کو اسلامی اخوت کے سامنے ہیچ بتایا ہے۔

علامہ کی نظریہٴ وطنیت کے متعلق وہی اساس ہے ، جس کو
مرشدِ ربوبی نے قرآن حکیم سے اخذ کر کے پیش کیا ہے ، لیکن

انہوں نے اس فکر کو اپنے انداز میں پیش کر کے ایک نیا آب و رنگ عطا کیا ہے ، اور انسانوں پر اس حقیقت کو منکشف کیا ہے کہ حسبِ وطن جس حد تک اسلام اُس کی اجازت دیتا ہے ، صحیح ہے ، لیکن ملتِ اسلامیہ میں اخوت کا اصل رشتہ صرف اسلام ہے ، جو تمام عالمِ اسلامی کو متحد کرتا ہے ، فرماتے ہیں :

جو پدر ما یا مقابع بستمہ نیست

یادہ تندش بجای بستمہ نیست

ہندی و چینی سفال جام ما ست

رومی و شامی گل اندام ما ست

قلب ما از ہند و روم و شام نیست

مرز بوم او بجز اسلام نیست

عقدہ قومیت مسلم کشود

از وطن آقائے ما ہجرت نمود

حکمتش یک ملتے گیتی تورد

بہر اساس گامد تعمیر کردہ

تاز بخششہائے آن سلطان دین

مسجد ما شد ہمہ روئے زمین

صورت ماہی بہ بحر آباد شود

یعنی از قید مقام آزاد شود

وہ مغرب کے ان لوگوں کو جنہوں نے وطن بہر ملت کی بنیاد

رکھی ہے ، ان کے اس نظریے کی خرابیوں کو بیان کرتے ہوئے

کہتے ہیں کہ اس غلط نظریے کے پرستاروں نے انسانیت کو وطنیت ،

قبائل ، اور نسل و رنگ میں تقسیم کر دیا ہے ، یہاں تک کہ

انسان کو انسان سے بیگانہ بنا دیا ہے ، فرماتے ہیں :

آن چنان قطع اخوت کرده اند
 بر وطن تعمیر ملت کرده اند
 تا وطن را شمع محفل ساختند
 نوع انسان را قبائل ساختند
 این شجر جنت ز عالم برده است
 قلخی بیکار بار آورده است
 مردمی اندر جهان افسانہ شد
 آدمی از آدمی بیگانہ شد
 روح از تن رفت و بہت اندام ماند
 آدمیت گم شد و اقوام ماند
 تا سیاست بسند مذہب گرفت
 این شجر در گلشن مغرب گرفت

(۱) مولانا روم نے مثنوی میں پیر کی اہمیت، امن کی محبت اور
 عقیدت پر بہت زور دیا ہے، فرماتے ہیں :

سایہ یزدان بود بندہ خدا
 بردہ این عالم و زندہ خدا
 دامن او گیر زو تر بے گماں
 تا رہی از آفت آخر زمان^۲

پھر فرماتے ہیں :

پیر را بگزین کہ بے پیر این سفر
 بہت بس پُر آفت و خوف و خطر

(۱) کلیات انبال فارسی (رسوز بیخودی) ص ۱۱۵ - ۱۱۶ -

(۲) مثنوی مولانا روم دفتر اول، ص ۱۱ -

ہر کہ او پیے مرشدیے در راہ شد
 اور غولان گمرہ و در چاہ شد
 گر نبار شد سایہ پیر، اے فضول
 پس ترا سرگشتہ دارد بانگ غول

✓ علامہ اقبال بھی اپنے مرشد رومی کی طرح پیو کی اہمیت اور عقیدت پر بہت زور دیتے ہیں، فرماتے ہیں :

☆ کیمیا پیدا کن از مشتی گلے
 بوسہ زن بمر آستان کاملے (۲)

خود انہوں نے مولانا کو اپنا مرشد معنوی تسلیم کر کے مولانا سے جس محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے ان کے اشعار ان کی عقیدت و محبت کے گواہ ہیں۔ تصوف میں خودی کے فلسفے کا اضافہ اگرچہ علامہ کی طرف منسوب ہے اور کہا جاتا ہے کہ ان کا یہ فلسفہ نشتر سے ماخوذ ہے لیکن درحقیقت اس کا سرچشمہ بھی مولانا کی تعلیمات اور ان کی مثنوی ہے، انہوں نے اس تخیل کو مولانا روم سے اخذ کیا ہے، لیکن علامہ نے اس فلسفے کو ایک مستقل حیثیت دی، اور فلسفہ خودی کے تمام بنیادی مضامین قرآن حکیم سے اخذ کر کے ان کو شاعرانہ آب و تاب کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

علامہ اقبال نے ان کے علاوہ تصوف کے متعدد مسائل کو قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی روشنی میں اپنے اشعار میں نئے اور دل کش انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ اس تصوف کے قائل ہیں جس کی بنیاد قرآن حکیم اور سنت رسول پر ہے، وہ ان صوفیائے خام کے مخالف ہیں جنہوں نے دین کے سرچشموں کو اپنی بدعات اور اختراعات سے گدلا کر دیا ہے۔

(۱) مثنوی مولانا روم، دفتر اول، ص ۵۹۔

(۲) اسرار و رموز، ص ۷۰۔

حضرت شیخ حسام الحق ضیاء الدینؒ

علامہ اقبال علیہ الرحمہ اسلامی فکر و روایات سے بے حد متاثر تھے، وہ عجمی تہذیب و روایات کو، اور اس فکر و نظر کو جو شعر و ادب میں ہمیں عجم نے بخشا ہے سبخت نا پسند کرتے تھے، انہوں نے جا بجا اپنے کلام میں اس بزرگوار پاک و پسند کے نوجوان شعرا اور ادیبوں کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ زندگی کی صحیح حقیقتوں کو سمجھ کر ایسا تعمیری ادب تخلیق کریں، جس کا اکتساب انہوں نے آفتابِ نبوتؐ سے کیا ہو، وہ اپنے ادب سے ایسے نور کو پھیلائیں جو بصر کے ساتھ بصیرت کو بڑھائے، اور قلب و روح کو گرمائے، وہ اسرار و رموز میں حقیقی شاعر کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں :

سینہ شاعر تجلی زارِ حسن
خیزد از سینائے او انوارِ حسن
از نگاہش خوب گردِ خوب تر
فطرت از افسونِ او محبوب تر
از دمش بلبل نوا آموخت است
غازہ اش رخسارِ گل آفروخت است
سوز او اندر دل پروانہ ہوا
عشق را رنگیں از او افسانہ ہوا

بحر و بر پوشیدہ در آب و گلش

صد جہان تازہ مضمر در دلش

فکر او با ماہ و انجم ہم نشین

زشت را نا آشنا ، خوب آفریں

خضر و در ظلمات او آب حیات

زندہ تر از آب چشمش کائنات^۱

وہ شاعر پر فطرت اور اس کے بلند مقام کو منکشف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فطرت شاعر سراپا جستجو ست

خالق و پروردگار آرزو ست

شاعر اندر سینہ ملت چو دل

ملتے ہے شاعر نے انبار گل

سوز و مستی نقشبند عالمے است

شاعری ہے سوز و مستی ماتمے است

شعر را مقصود اگر آدم گری ست

شاعری ہم وارث پیغمبری ست^۲

وہ حقیقی شاعر اس کو سمجھتے ہیں کہ جس کا سینہ

تجلی زار حسن ہو ، اور جس کی شاعری سے انوار حسن کے چشمے

پھوٹیں ، جو اپنے فکر و تخیل سے خوب کو خوب تر کر کے

دکھائے ، اور جس کی شاعری انسانوں کو فطرت سے آشنا کرے ،

جس کے فکر کی بلندیان چاند اور ستاروں کو چھوتی ہوں ، جو

سرائیوں اور خویوں کا رمز شناس ہو ، جس کے خمیر میں بحر و بر

پوشیدہ ہوں ، جس کے قلب میں سینکڑوں نئے آنے والے جہانوں کی کرن

(۱) کلیات اقبال فارسی (اسرار و رموز) ص ۳۵ -

(۲) دو (جاوید نامہ) ص ۶۳۲ -

پھوٹ رہی ہو، جس کے نغمے انسانوں کی مضمحل اور آداس زندگی کو نئی توانائیاں بخشیں، جس کے آنسو کائنات کے لیے باعثِ حیات ہوں۔ وہ عہدِ حاضر کے شعرا کی فکری تخیل پر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وائے قوسے کز اجل گیزد برات
شاعرش وا بومد از ذوق حیات
خوش نماید رشت را آئینہ اش
در جگر صد نشتر از نوشینہ اش
بومد او تازگی از گل برد
ذوق پرواز از دل بتسل برد
سست اعصاب تو از افیون او
زندگانی قیمت از مضمون او
می رباید ذوق رعنائی ز سرو
جگرہ شاپیں از دم سردش تدرو
واید ہستی ز جان تو برد
لعل عنابی ز کان تو برد
خستہ ما از کلامش خستہ تر
انجمن از دور جامش خستہ تر
قلب مسموم از سرود بلبش
خفتہ مارے زیر انبار گلش
از خم و سینا و جامش الجذر
از مئے آئینہ فامش الجذرا

وہ ایک اور نظم میں ان شعرا پر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے جو اپنے فکر شعری کو اس عالمِ بزمِ آب و گل سے آگے نہیں بڑھاتے،

(۱) کلیات اقبال فارسی (امرار و رموز) ص ۳۶ - ۳۷ - ۳۸

اور جن کی شاعری قوم کے لیے افیون سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، فرماتے ہیں :

اے بسا شاعر کہ از سحر ہنر
رہزنِ قلب است و ابلیسِ نظر
شاعر ہندی! خدایش یار باد
جان او بے لذت گفتار باد
عشق را خنید گری آموختہ
بسا خلیلان آزری آموختہ
حرف او چاویدہ و بے سوز و درد
مرد خوانند اہل دل او را نہ سرد
ز آن نوائے خوش کہ شناسد مقام
خوش تر آن حرفے کہ گوئی در منام^۱

وہ آن قارئین کو جو ان اشعار سے متاثر ہوتے ہیں، متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

اے ز پا افتادہ از صہبائے او
صبح تو از مشرق سینائے او
اے دلت از نغمہ ہدایتش سرد جوش
ز ہر قاتل خوردہ از راہِ گوش
شیونش از جام تو سرمایہ برد
لطف خواب از دیدہ ہمسایہ برد
وائے بر عشقے کہ ناری او فسرد
در حرم زائید و در بت خانہ سرد^۲

(۱) کلیات اقبال فارسی (جاوید ناسد) ص ۶۳۲ -

(۲) ایضاً - (اسرار و رموز) ص ۳۷ - ۳۸ -

رختِ ہستی از عرب بر چیدہ ای
 در خمستان عجم خوابیدہ ای
 شل ز بوقاب عجم اعضائے او
 مرد تر از اشک او صہبائے او

آخر میں وہ عہد حاضر کے شعرا کو جو خد و خال، لب و رخسار، گل و بلبل کی شاعری میں پھنسے ہوئے ہیں فکر مستقبل کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ شعر و ادب میں فکر صالح اور تعمیری ادب و شاعری کی طرف متوجہ ہوں، اور عجمی خیالات و روایات سے رخ پھیر کر، سلمائے عرب سے دل لگائیں، اور ان روایات و خیالات کو اپنا موضوع سخن بنائیں جن کا نور فاران کی چوٹیوں سے پھیلا ہے۔

فکر روشن بین عمل را رہبر است
 چون درخش برق پیش از تندر است
 فکر صالح در ادب می بایدت
 رجعتی سوئے عرب می بایدت
 دل بہ سلمائے عرب باید سپرد
 تا دمد صبح حجاز از شام کُرد
 از چمن زار عجم گل چیدہ
 نو بہار پسند و ایران دیدہ
 اند کے از گرمی صحرا بخور
 بادہ دیرینہ از خرمایا بخور

وہ اپنے اشعار میں مسلم معاشرے کے تنزل و زوال کا سبب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شعار کو چھوڑ دینے کو قرار دیتے ہوئے نہایت دردناک طریقے پر فرماتے ہیں :

(۱) کلیات اقبال فارسی (امرار و رموز) ص ۱۶۷ -

(۲) ایضاً ص ۳۸ - ۳۹ -

پھر وہ گزشتہ مسلمانوں کی عظمت کو یاد دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ
کس طرح عجمی افکار و روایات کے قبول کرنے نے اس عظمت کو
کھٹا دیا ہے۔

آن نہال سر بلند و آمتوار
مسلم صحرائی آشتیر سوار
پائے تادر وادی بطحا گرفت
تریت از گرسی صحرا گرفت
آن چنار کاہید از باد عجم
ہم بچو نے گردید از باد عجم

علامہ نے ایک مثنوی ، اسرار و رموز میں بعنوان ”عرض حال
بہ حضور رحمۃ اللعالمین“^{۱۵} لکھی ہے ۔ وہ اس مثنوی میں مسلم معاشرے
کے حال زار کو بیان کرتے ہوئے بارگاہ رسالت مآب^{۱۶} میں عرض کرتے
ہیں :

مسلم از این سیر نبی^ص بیگانه شد
 باز این بیت الحرم بت خواند و شد
 از منات و لات و عسری و اسیریل

۱۔ اے ایسا بدکار! یہ تو بڑا بڑا آدمی ہے۔
 ۲۔ اے ایسا بدکار! یہ تو بڑا بڑا آدمی ہے۔
 ۳۔ اے ایسا بدکار! یہ تو بڑا بڑا آدمی ہے۔
 ۴۔ اے ایسا بدکار! یہ تو بڑا بڑا آدمی ہے۔
 ۵۔ اے ایسا بدکار! یہ تو بڑا بڑا آدمی ہے۔
 ۶۔ اے ایسا بدکار! یہ تو بڑا بڑا آدمی ہے۔
 ۷۔ اے ایسا بدکار! یہ تو بڑا بڑا آدمی ہے۔
 ۸۔ اے ایسا بدکار! یہ تو بڑا بڑا آدمی ہے۔
 ۹۔ اے ایسا بدکار! یہ تو بڑا بڑا آدمی ہے۔
 ۱۰۔ اے ایسا بدکار! یہ تو بڑا بڑا آدمی ہے۔

- (۱) کلیات اقبال فارسی (اسرار و رموز) ص ۱۴۸ - ۱۵۰ - ۱۵۱
 (۲) ایضاً ، ص ۱۳۸ - (۳) ایضاً ، ص ۱۶۷ - ۱۶۹

رخسارِ بہشتی از عرب بر آچیدہ
در خمستان عجم خوابیدہ

شہ ز برفاب عجم اعضائے او
مرد تر از اشک او صہبائے او
ذوقِ حق دہ این خطا اندیش را
این کہ نشناسد متاعِ خویش را

وہ ایک اور قطعے میں بارگاہ رب العزت میں دعا کرتے ہوئے
کہتے ہیں :

بچشمش وار نمودم زندگی را

کشودم نکتہ فردا و دی را

توان اسرارِ جان را فاش تر گفت

بدہ نطقِ عرب این اعجمی را

علامہ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان اپنے اخلاق و مذہب و
معاشرت میں اسلام کے پابند رہیں ، اور اپنی فکر و روایات تہذیب
و ثقافت میں براہِ راست فیضان ، نبوت محمدیؐ سے حاصل کریں ،
انہوں نے کہیں وضاحت کے ساتھ اور کہیں تلمیحات و اشارات میں
معاشرے کو عرب کی صحرائیت اور بدویت کے سادہ اخلاق اور
سادہ زندگی کی طرف دعوت دی ہے ، وہ برملا کہتے ہیں :

دگر بدشتِ عرب خیمہ زن کہ بزمِ عجم

مے گزشتہ و جامِ شکستی دارد

آن کا خیال تھا کہ عرب کی سادہ اور صحرائی زندگی ہی ان کو
بلند مقام پر پہنچا سکتی ہے اور عجمی اثرات نے ان کو تعیش و
تکلف کی طرف مائل کر کے ان کے اخلاق و کردار پر نہایت برا

(۱) کلیات اقبال فارسی (اسرار و رموز) ص ۱۶۷ -

(۲) ” (پیام مشرق) ص ۳۳۳ -

اثر ڈالا ہے ، علامہ اقبال کے اس مخلصانہ جذبے کو محدود وطنیت اور قومیت سے تعبیر کرنا کسی طرح صحیح نہیں ۔

وہ اس لیے بھی صحرائی زندگی کی تلقین کرتے ہیں کہ صحرائی زندگی بالکل قدرتی اور فطری ہوتی ہے ، اس میں اخلاق ، مذہب اور معاشرت سب اپنی اصلی صورت میں قائم رہتے ہیں ، لیکن تہذیب و تمدن کی رنگینیاں انسانی ترقی کو روک دیتی ہیں ۔

علامہ نے اپنے اس شعر کے دوسرے مصرعے میں جسے ہم گزشتہ صفحات میں بھی نقل کر آئے ہیں :

دل بہ سلوائے عرب باید سپرد
تا دید صبح حجاز از شام کُردا

شیخ حسام الحق ضیاء الدین کے اس مقولے ”امسیت کُرد یا اصبتحت عربیاً“ (ترجمہ : میں شام کو کُردی سویا اور صبح کو عربی اٹھا) کی طرف اشارہ کیا ہے ۔
حالات :

حضرت شیخ ضیاء الدین کے حالات افسوس ہے کہ باوجود تلاش و جستجو کے ہمیں صوفیہ کے تذکروں میں نہیں ملے ، البتہ اسرار و رموز کے شارحین و مترجمین نے اس شعر کے ضمن میں حضرت حسام الحق کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ہم الگ الگ یہاں نقل کرتے ہیں ۔

نکسن :

نکسن نے اپنے انگریزی ترجمے اسرار خودی میں اس شعر کے ضمن میں جو کچھ لکھا ہے ، ہم اس کا ترجمہ ذیل میں پیش کرتے ہیں ۔

(۱) کلیات اقبال فارسی (اسرار و رموز) ص ۳۹

(ترجمہ)

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک غیر پڑھا لکھا کُرد کچھ طالب علموں کے پاس گیا، اس نے ان طالب علموں سے درخواست کی کہ وہ تصوف کے اسرار و رموز کی تعلیم اس کو دیں، ان طالب علموں نے اس کُرد کی سادگی کو دیکھ کر از راہ مزاح اس کُرد سے کہا کہ تم اپنے گھر کی چھت میں ایک رسی باندھو اور اس کا دوسرا سرا اپنے پاؤں میں باندھ کر لٹک جاؤ، اور جب تک ممکن ہو اسی حالت میں لٹکے رہو، اور وہ کلمات جو ہم نے تمہیں بتائے ہیں، ان کا ورد کرتے رہو، وہ غریب کُرد یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، وہ جا کر ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہوا، اور تمام رات لٹک کر ان کلمات کا ورد کرتا رہا، اللہ تعالیٰ نے اس کی اس محنت شاقہ کا بدلہ اس کے خلوص نیت کے مطابق دیا، اور اسے وہ روشنی حاصل ہو گئی جسے تصوف کہتے ہیں۔ چنانچہ یہ شخص ولایت کے مرتبے پر فائز ہو گیا، اور خدائے تعالیٰ نے اسے یہ صلاحیت عطا فرمائی کہ وہ عالمانہ طریقے پر تصوف کے عمیق مسائل پر گفتگو کر سکے، اس کے بعد وہ بار بار کہتا تھا "اسیت" کر دیا اصبحت عربیاً۔

نکلسن نے ان کی شخصیت پر اس سے زیادہ کوئی روشنی نہیں ڈالی۔

مولانا غلام رسول مہر :

اسرار و رموز کے شارح مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے اپنی

(۱) ترجمہ انگریزی اسرار خودی (نکلسن)، صفحہ ۶۹، فٹ نوٹ نمبر ۲ ایڈیشن ششم - طابع محمد اشرف - لاہور۔

”مطالب اسرار و رموز“ میں اس مصرعے ”تا دمدم صبح حجاز از
شام کُرد“ کے مفہیم و مطالب کو واضح کرتے ہوئے لکھا کہ :

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک سادہ لوح کُرد بعض عالموں
یا عارفوں کے پاس پہنچا ، اور عرض کیا کہ تصوف کے
بارے میں رہنمائی فرمائیے ، انہوں نے کُرد کی سادہ لوحی
کو دیکھ کر اصل سوال کو مذاق سمجھا ، اور کہا
کہ اپنے پاؤں سے باندھ کر الٹا لٹک جانا اور فلاں
ورد پڑھتے رہنا ، تصوف کے تمام حقائق روشن ہو جائیں
گے ، کُرد نے گھر پہنچتے ہی اس تدبیر پر عمل کیا ،
خدا نے خلوص کی برکت سے اسے ایک ہی رات میں ولایت
کے درجے پر پہنچا دیا ، اس نے اپنی کیفیت تمام سے
رکھتے ہوئے کہا تھا : ”مسیح کُرد یا صبحت غریبا“
(میں شام کو کُرد تھا ، صبح اٹھا تو عرب بن گیا)
یعنی جو قلب شام کو دین کے معارف سے خالی تھا وہ
صبح کے وقت ان سے لبریز ہو گیا۔

غالباً مولانا مہر کا ماخذ بھی نکلسن کا ترجمہ ہے ، سوائے
اس کے کہ کچھ انداز بیان بدلا ہوا ہے لیکن آن کا بیان بھی
شیخ حسام الحق کی شخصیت کے متعلق ہماری معلومات میں کچھ
اضافہ نہیں کرتا۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی :

شرح اسرار خودی کے ایک اور شارح پروفیسر یوسف سلیم چشتی
صاحب ہیں ، جنہوں نے اسرار خودی کی شرح ، ”شرح اسرار خودی“
کے نام سے لکھی ہے ، انہوں نے اس شعر کی وضاحت کے ضمن میں
لکھا کہ : ”تا دمدم صبح حجاز از شام کُرد“ اس مصرعے میں

(۱) مطالب اسرار و رموز (مولانا غلام رسول مہر) ناشر : شیخ

غلام علی اینڈ سنز ، لاہور۔ ص ۸۲ - ۸۳

شیخ ضیاء الحق حسام الدین کے اس مقولے کی طرف اشارہ ہے اسیت کُردیاً اصبحت عربیاً یعنی گزشتہ شب تک میں کُردی تھا ، لیکن جب صبح ہوئی تو عرب ہو گیا ۔ روایت ہے کہ ایک جاہل کُردی چند طلبہ کے پاس آیا ، اور اُن سے درخواست کی کہ مجھے تصوف کے اسرار سے آگاہ کرو ، انہوں نے نزاجاً اس سے کہا کہ ہم تمہیں کچھ الفاظ تلقین کیے دیتے ہیں ، تم رات کو آٹھے لٹک کر اُن کا ورد کرو ، تم عارف ہو جاؤ گے ، چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا ، اللہ کو اس کا خلوص پسند آگیا ، وہ شخص درحقیقت عارف ہو گیا تو اُس نے کہا کہ شام تک میں کُرد تھا ، لیکن اللہ نے مجھے اپنی مہربانی سے دوسرے دن عرب بنا دیا ۔

شیخ ضیاء الحق حسام الدین ، مولانا روم کے خاص الخاص دوستوں اور مریدوں میں سے ہیں ۔ مولانا نے اپنی شہرہ آفاق مثنوی ان ہی کی فرمائش پر لکھی تھی ، چنانچہ ہر دفتر کے آغاز میں اُن کا تذکرہ کیا ہے ، مثلاً دفتر چہارم کے آغاز میں لکھتے ہیں :

اے ضیاء الحق حسام الدین توئی
کہ گزشت از مد بنورت مثنوی
کردن این مثنوی را بستہ ای
میکشی اُن سو کہ تو دانستہ ای“^۱

پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب نے ہمارے علم میں اس قدر اضافہ کیا کہ ان بزرگ کا نام متعین کر دیا ، اور یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ وہ حسام الدین چلیپی ہیں ، جو مولانا روم کے مرید و خلیفہ تھے ، اور جن کی فرمائش پر مولانا نے مثنوی لکھی تھی ، لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اس کے تعین میں اُن

(۱) شرح اسرار خودی (پروفیسر یوسف سلیم چشتی) مطبوعہ عشرت پبلشنگ ہاؤس - لاہور - ص ۳۷۳ تا ۳۷۵ ۔

کا مآخذ کیا ہے ، اور انہوں نے کس بنا پر ان کی شخصیت کو متعین کیا ہے پھر کلیات اقبال فارسی (غلام علی ایڈیشن) کے حواشی میں ان کا نام شیخ حسام الحق ضیاء الدین لکھا ہوا ہے اور مولانا روم کے مرید و خلیفہ کا نام شیخ ضیاء الحق حسام الدین ہے ، اس بنا پر ہمیں نکلسن کا بیان زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایسے بزرگ تھے جن کی غیر معمولی شہرت نہیں ہوئی ، اگر یہ وہی حسام الحق ہوتے جو مولانا روم کے مرید تھے تو نکلسن ان کا حوالہ ضرور دیتا لیکن بہر حال اگر یہ وہی بزرگ ہیں ، جو مولانا روم کے مرید و خلیفہ تھے تو اختصار کے ساتھ ہم ان کے حالات لکھتے ہیں ۔

مولانا حسام الدین چلبی :

مولانا حسام الدین چلبی ان اخی اصلاً ترک اور وطناً ارسوی تھے ، اور روم کے مشہور خاندان اخی سے تعلق رکھتے تھے ، جب وہ مولانا روم کی خدمت میں آئے تو انہوں نے اپنا کل مملوکہ مولانا کی خدمت میں صرف کر دیا ، مولانا کا بے حد ادب کرتے تھے ۔ پاس ادب اس قدر تھا کہ مولانا کے وضو خانے میں کبھی وضو نہ کرتے ، سخت سردی میں بھی جب برف پڑتی ہوتی گھر جا کر وضو کر کے آتے تھے ، مولانا بھی ان پر بے حد شفقت فرماتے تھے ، رفتہ رفتہ ان کو مولانا کی خدمت میں یہ قریب حاصل ہوا کہ جو کچھ فتوح مولانا کو حاصل ہوتیں ، سب آپ کے پاس بھیج دیتے ، اور وہ یہ سب شریعوں پر خرچ کر دیتے ، حضرت شمس الدین تبریزی اور شیخ صلاح الدین سے بھی حضرت حسام الدین کو ارادت تھی ، اور ان بزرگوں کے فیض سے بھی متمتع ہوئے تھے ، حضرت چلبی حسام الدین مذہباً شافعی تھے ، ایک روز مولانا سے انہوں نے کہا کہ میں امام ابو حنفیہؒ کی اقتدا کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ آپ بھی حنفی ہیں ، فرمایا نہیں تم شافعی مذہب پر رہو لیکن میرے طریقے ہر چلو ، اور لوگوں کو میرے جادہٗ عشق پر چلاؤ ۔

شیخ صلاح الدین کی وفات کے بعد مولانا روم نے شیخ حسام الدین چلبی کو اپنا خلیفہ بنایا ، مولانا چلبی نے دس برس تک مولانا کی زندگی میں خلافت کے فرائض انجام دیے۔ مولانا نے ۶۷۲ھ (۷۷۳-۷۷۴) میں وفات پائی ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے ان کو اپنا مستقل خلیفہ ۶۶۳ھ (۶۶۴-۶۶۵) میں بنایا ۔

خلافت کے وقت مولانا روم نے اپنے تمام مریدوں کو حکم دیا کہ وہ تمام وکمال ان کی اطاعت کریں ۔

مثنوی :

علامہ شبلی نے سوانح مولانا روم میں لکھا ہے کہ حسام الدین چلبی کی فرمائش پر مولانا نے مثنوی لکھی تھی ، اور دفتر اول کے سوا ہر دفتر کو ان کے نام سے مزین کیا ہے : دفتر دوم میں فرماتے ہیں :

مدتے این مثنوی تاخیر شد
مہلتے بایست تاخوں شیر شد
چون ضیاء الحق حسام الدین عناں
باز گر دانید ز اوج آسماں
چون بمعراج حقائق رفتہ بود
بے بہارش غنچہا نشگفتہ بود

تیسرے دفتر میں فرماتے ہیں :

اے ضیاء الحق حسام الدین بیار
این سوم دفتر کہ سنت سہ بیار

چوتھے دفتر میں مولانا نے نہایت خلوص و محبت سے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا :

(۱) یہ تمام تفصیل صاحب المثنوی ، ص ۲۳۳ تا ۲۳۴ مطبوعہ اعظم گڑھ سے ماخوذ ہے۔

اے ضیاء الحق حسام الدین توئی
کہ گزشت از مد بنورت مشنوی

زان ضیا گفتم حسام الدین ترا
کہ تو خورشیدی و این دو وصفها

ہم چنان مقصود من زین مشنوی
اے ضیاء الحق حسام الدین توئی

قصدم از الفاظ این راز تو است
قصدم از انشاش آواز تو است

پیش من آواز آواز خد است
عاشق از معشوق حاشا کے جدا ہوت

پانچویں دفتر میں لکھا کہ :

شد حسام الدین کہ نور انجم است
طالب آغاز سفر پنجم است

چھٹے دفتر میں تحریر فرمایا :

اے جہاں دل حسام الدین بسے
میل می جو شد بہ قسم ساد سے

پیشکش می آرمے اے مشنوی
قسم سادس در تمام مشنوی

حضرت حسام الدین چلیبی نے ۲۲ شعبان بروز چہار شنبہ ۵۶۸۳ یا
۶۸۳ میں وفات پائی۔^۲

(۱) سوانح مولانا روم (شبلی نعمانی) مطبوعہ مجلس ترقی ادب،

ص ۸۰ تا ۸۴۔

(۲) صاحب المثنوی، ص ۲۶۸ - ۲۶۹۔

حضرت شیخ فخرالدین عراقی⁷⁰

علامہ کا عراقی کی بارگاہ میں خراج عقیدت :

حضرت جامی اور عراقی دونوں شاعرانہ عظمت کے ساتھ تصوف میں بلند مقام رکھتے ہیں، دونوں بحر معرفت کے شناور ہیں، دونوں کے کلام میں تصوف و عرفان کی چاشنی بدرجہ اتم موجود ہے، علامہ اقبال نے ارمغان حجاز کے ایک قطعے میں دونوں کا ذکر یک جا نہایت عقیدت سے کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

کہے شعر عراقی را بخوانم
کہے جامی زند آتش بجانم
ندانم گرچہ آہنگ عرب را
شریک نغمہائے ساربانم

حالات :

حضرت عراقی کا پورا نام شیخ فخرالدین ابراہیم اور تخلص عراقی ہے۔ تاریخ گزیدہ میں ان کے والد کا نام بزر چمہراور مراۃالخیال، سیرالعارفین، محزن الغرائب میں ان کا نام شہریار مندرج ہے۔

(۱) ارمغان حجاز۔

میرالعارفین کے مؤلف شیخ جمالی نے ان کو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا بھانجا لکھا ہے، لیکن بعض تذکرہ نگار ان کو شیخ شہاب الدین عمر سہروردی^۱ کا بھانجا لکھتے ہیں۔ یہ ہمدان کے ایک قصبے کمیجان یا (کونجان۔ کمیجان) میں پیدا ہوئے۔

ہمدان کے مدرسے میں علوم ظاہری کی تکمیل کی، روحانی تعلیم کے لیے ہمدان سے بغداد آئے، اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی^۱ سے عبادت و ریاضت کی منزلیں طے کیں، شیخ شہاب الدین سہروردی نے ان کا تخلص عراقی قرار دیا، اور حکم دیا کہ وہ ہندوستان نہ جائیں۔

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد وہ ہمدان کے مدرسے میں مدرس مقرر ہوئے، ایک روز وہ درس دے رہے تھے کہ قلندروں کی ایک جماعت آئی، اور ان کے سامنے یہ غزل پڑھنے لگی۔

مارخت ز مسجد بخرابات کشیدیم
نخط پرورق زہد و کرامات کشیدیم
در کوئے مغان در صف عشا نشستیم
جام از کف رنداں خرابات کشیدیم

از زہد و مقامات گزشتیم کہ بسیار
بکاس تعب از زہد مقامات کشیدیم^۲

(۱) شیخ شہاب الدین سہروردی : ولادت : رجب ۵۳۹ھ -

وفات : یکم محرم ۶۲۲ھ (میخانہ عبدالنبی، نحاشید نمبر ۱)۔

(۲) میخانہ عبدالنبی، ص ۳۰۔

ان اشعار کو سن کر حضرت عراقی پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہو گئی ، پھر قلندروں کے ساتھ ہمدان سے روانہ ہو گئے ، ان کے ساتھ برصغیر پاک و ہند میں آئے ، جب قلندر سلطان پہنچے تو یہ بھی ان کے ساتھ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی خانقاہ میں ٹھہرے ، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے ان کو دیکھا تو عماد الدین سے فرمایا :

در این جوان استعداد تمام یافتہ ، او را این جامی باید بودن -^۱
(میں اس جوان میں غیر معمولی صلاحیت پاتا ہوں ، اسے یہیں رہنا چاہیے) -

حضرت عراقی نے بھی حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی ذات میں ایک جذب و کشش محسوس کی اور قلندروں سے کہا :

بر مثالِ مقناطیس کہہ آہن را کشد ، شیخ مرا جذب می کند ،
ازیں جا زود تر می باید رفت -^۲

(شیخ مجھ کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتے ہیں ، اس جگہ سے جلد روانہ ہونا چاہیے) -

چنانچہ اس کے بعد حضرت عراقی سلطان سے دہلی آئے ، دہلی سے سومنات جا رہے تھے کہ راستے میں سخت اندھیاؤ آیا اس طوفانِ باد میں آپ قلندروں سے جدا ہو گئے ، اپنے ساتھیوں سے جدا ہو کر پریشانی کے عالم میں دوبارہ سلطان پہنچے - حضرت شیخ بہاء الدین

(۱) میخانہ عبدالنبی ، ص ۳۱

(۲) ایضاً ، ص ۳۱

زکریا ملتانی نے آپ کو دیکھا تو فرمایا : عراقی ! از ما بگریختی ،
عراقی ! تم ہم سے بھاگی رہے ہو ، حضرت عراقی نے فی البدیہہ یہ
شعر پڑھے :

از تو نگریزد دل سن الیک زباں زباں علیہ السلام
کالبد را کے بود از جاں گریز
دایہ لطف مرا در بر گرفت

داد بیش از مادم صد گونہ شیواں و رنجاں

ریاضتیں : - (۱) ریاضتیں

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے ان کو خلوت میں
بٹھایا ، جب چلنے کے دس روز گزرے تو ان پر ایک عجیب وجد
کی کیفیت طاری ہوئی ، اسی عالم کیف و مستی میں ایک غول
کبھی ، جسے وہ رو رو کر پڑھتے تھے :

نہختیں بادہ اندر جام کردند

ز چشم بست ساقی وام کردند

چو بے خود مباحثہ اہل طرب

شراب بے خودی در جام کردند

برائے صید مرغ جان عاشق

ز زلف فتنہ جویان دام کردند

زیناں زینہ عالم پر کچا رنج

ولایلاں بود مالہ

بہم بردند عشق نام کردند

(۱) میخانہ عبدالنبی ، ص ۳۲

(۲) ۱۳۱۰ھ (۱۹۰۰ء) (۳)

چو بخود کردند رازِ خویشتن فاش
”عراقی“ را چرا بدنام کردند!

حضرت کے مریدوں نے اُن کی یہ کیفیت دیکھی کہ وہ جھوم جھوم کر یہ غزل گا رہے ہیں تو یہ بات آداب خانقاہ کے خلاف تھی، انہوں نے اس کی اطلاع حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کو دی، آپ نے فرمایا:

شما ازین چیزها منع است، اور منع نیست

(تم کو یہ چیزیں منع ہیں، ان کو منع نہیں۔)

سرمستی کی یہ کیفیت بہت دن تک حضرت عراقی پر طاری رہی، شیخ عماد الدین ایک دن شراب خانے کی طرف سے گزر رہے تھے دیکھا کہ شراب خانے میں کچھ رند چنگ و چغانہ پر یہ غزل گا رہے ہیں، انہوں نے یہ واقعہ آکر اپنے مرشد کو سنایا، یہ سن کر حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے فرمایا: کار او تمام شد (ان کا کام پورا ہو گیا)۔ پھر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی حضرت عراقی کے پاس خلوت میں گئے، اور فرمایا: عراقی! مناجات در خرابات میکنی بیرون آئی۔ (عراقی اب تم مناجات خرابات میں کرتے ہو باہر آؤ)۔ حضرت عراقی حضرت شیخ کے ارشاد پر خلوت سے باہر آئے، اور اپنا سر آپ کے قدسوں پر رکھ کر زار زار رونے لگے، آپ نے ان کو اٹھا کر مینے سے لگایا، اور اپنے جسم سے خرقہ اتار کر ان کو پہنایا، حضرت عراقی نے اسی وقت ایک غزل کہی، جس کا مطلع یہ ہے:

(۱) میخانہ عبدالنبی، ص ۴۳۔ یہ تمام تفصیل نفحات الانس:

ص ۵۴۲ - ۵۴۳، مطبوعہ نواکشور سے ماخوذ ہے۔

در کوئے خرابات کسے را کہ نیاز است
ہشیاری و مستیش ہمد عین نماز است^۱

پھر حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے اپنی صاحبزادی کی شادی حضرت عراقی سے کردی۔ پچیس سال تک عراقی اپنے مرشد اور خسر کی خدمت میں رہے، یہیں ان کے صاحبزادے شیخ کبیر الدین پیدا ہوئے۔^۲

خلافت :

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے اپنی وفات کے وقت حضرت عراقی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا۔ چونکہ حضرت عراقی کو شاعری سے غیر معمولی شغف تھا، اور اس حلقے کے مرید شاعری کو اپنے مسلک کے خلاف سمجھتے تھے، حضرت عراقی نے ان کی مخالفت کو محسوس کر لیا، اور عدن کی طرف چلے گئے۔ اور وہاں سے خانہ کعبہ کی حج و زیارت کا عزم فرمایا، عراقی جب مکہ معظمہ پہنچے تو ایک طویل قصیدہ کہا، جس کا مطلع یہ ہے :

اے جلالت فرش عزت جاوداں انداختہ
گوئے در میدان وحدت کامراں انداختہ

جب مدینہ منورہ پہنچے تو عشق رسولؐ میں سرشار ہو کر پانچ قصیدے کہے، میخانہ عبدالنبی میں پانچوں قصیدے تفصیل سے موجود ہیں۔^۳

(۱) بزم، صوفیہ، ص ۱۵۷۔

(۲) ایضاً، ص ۱۵۷۔

(۳) میخانہ عبدالنبی، ص ۳۶ - ۳۷۔

مدینہ طیبہ کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد روم تشریف لائے ، اور قونیہ پہنچ کر شیخ صدر الدین قوینی^۱ کی خدمت میں رہ کر آن سے روحانی تربیت حاصل کی ، ان کی زبان سے فصوص کے درس کو سنا ، اور فتوحات مکی ان سے پڑھی ، یہیں معین الدین پروانہ امیر روم ان کا مرید ہوا ، اور ان کے لیے خاتقاہ تعمیر کرائی۔^۲

لمعات :

یہیں آپ نے اپنی مشہور کتاب ”لمعات“ نثر میں تصنیف کی ، شیخ صدر الدین قوینی نے ان کی اس معرکہ آراء تصنیف کو دیکھا تو نہایت پسند فرمایا اور فرمایا کہ اے فخر الدین عراقی ! تم نے مردان حق آگاہ کے مغز سخن کو آشکارا کر دیا ۔ ارباب تصوف کے حلقے میں یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ مولانا جاسی نے ”اشعتہ اللمعات“ کے نام سے اور مولانا صائیں الدین علی ترکہ اصفہانی نے ”ضوء اللمعات“ کے نام سے اس کی شرحیں لکھیں ، صاحب میرالعارفین نے اس تصنیف پر حضرت عراقی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ :

ارباب بصیرت پر مخفی نہیں کہ ”لمعات“ ایک قطرہ
سحاب فیض کا ہے ، جو دریائے معرفت سے
شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ العزیز کے مرید
فخر الدین کی زبان پر ٹپکا۔^۳

-
- (۱) بزم صوفیہ بحوالہ میرالعارفین ، اردو ترجمہ ، ج ۱ : ص ۲۴ -
(۲) شیخ صدر الدین محمد ، بن مجد الدین اسحاق ، بن علی ،
بن یوسف الملاطی ثم القونوی ، شیخ محی الدین ابن عربی کے
مرید و خلیفہ تھے (میخانہ عبدالنبی ، حاشیہ نمبر ۲ -
(۳) بزرگان ایران ، ص ۳۱۲ -

میخانہ عبدالنبی کے مؤلف نے اس کو فصوص کا مغز بتایا ہے ۔

نفحات الانس میں ہے کہ امیر معین الدین پروانہ نے آن کے لیے توقات میں خانقاہ تعمیر کرائی ، جس میں وہ رہتے تھے ، لیکن جب امیر معین الدین سیاست کا شکار ہوا ، اور یہ سیاست حضرت عراقی پر بھی اثر انداز ہوئی تو وہ شرب ہوتے ہوئے مصر پہنچے ، وہاں جذب و سرمستی نے آن کو ٹھہرنے نہ دیا ، اور وہ دمشق آئے ۔ دمشق میں چھ ماہ کے بعد آن کے صاحبزادے شیخ اکبر الدین برصغیر پاک و ہند سے آن کے ملنے کے لیے آئے اگرچہ وہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے یہاں تھے ، لیکن ہر روز اپنے والد کے متعلق پوچھتے تھے ، لوگ ان کو جانے سے روکتے تھے ، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے ایک رات خواب میں دیکھا حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی فرماتے ہیں ، انہیں جانے دو ، ان کا یہاں کا رزق ختم ہو چکا ہے ، چنانچہ لوگوں نے انہیں رخصت کر دیا صاحبزادے کے آنے کے کچھ دن بعد آپ بیمار ہوئے ، یہی بیماری آپ کا مرض الموت ثابت ہوئی ، وفات کے دن صاحبزادے اور اپنے مریدین کو بلایا ، اور وصیتیں کر کے رخصت کیا اور یہ آیت پڑھی یوم یفر المرء بن اخیه و اسد و ایبه و صاحبته و بنیه لکل امرئ منہم یومئذ شانؑ ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

در سابقہ چوں قرار عالم دادند
مانا کہ نہ بر مراد آدم دادند
ز آل قاعدہ و قرار کان روز افتاد
نہ پیش بکس دہند و نہ کم دادند

(۱) میخانہ عبدالنبی ، ص ۴۸ -

وفات :

پھر کلمہ شہادت پڑھا ، اور واصل الی اللہ ہوئے^۱

شیخ عراقی نے اٹھاسی سال کی عمر میں ذیقعدہ ۶۸۸ھ (۱۲۸۹ء) میں وفات پائی^۲ ان کا مزار مبارک دمشق میں جبل صالحیہ پر حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کے مزار مبارک کے عقب میں واقع ہے۔

سیخانہ عبدالنبی میں ہے کہ بیماری کے چھٹے دن ۸ ذیقعدہ ۶۸۰ھ کو اسٹی سال کی عمر میں وفات پائی^۳ ان کے صاحبزادے نے بھی وہیں وفات پائی ، اور اپنے والد کے پہلو میں مدفون ہوئے^۴

حضرت عراقی کی شاعرانہ عظمت پر دور میں مسلم رہی ہے ، انہوں نے فارسی شاعری میں تصوف کی روایات کو نکھارا اور سنوارا ، اور تصوف کے مضامین کو اپنے اشعار میں اس دلکشی سے سمویا ہے کہ آج بھی اہل نظر ان کے کلام کو حرزِ جان بنائے ہوئے ہیں ، عراقی کی تصانیف میں لمعات کے علاوہ ایک مثنوی اور ایک دیوان ہے ۔ ان کے کل اشعار کی تعداد پانچ ہزار آٹھ سو بہتر ہے ہم ان کے دیوان میں سے چند اشعار اور کچھ رباعیاں تبرکاً یہاں نقل کرتے ہیں :

گہے از درد بے درمان بنالم
گہے از زخم بے مرہم بگریم
نشد جان محرم اسرار جاناں
بر آن محروم نا محرم بگریم

(۱) سیخانہ عبدالنبی ، ص ۳۸ -

(۲) قصر عارفان ، ص ۷۷ -

(۳) سیخانہ عبدالنبی ، ص ۳۸ -

(۴) بزرگانِ ایران ، ص ۳۱۲ -

چه کرده ام که دلم از فراق خون کردی
 چه افتاد که درد دلم فزون کردی
 سیاه روئی دو عالم شدم که در خم فقر
 گلیم بخت عراقی سیاه گون کردی

در میکده می کشم سبوئی
 باشد که پیابم از تو بوئی

بزنم چو سجده کردم ز زمین ندا برآمد
 که مرا خراب کردی تو بهما سجده ریائی
 چو براه کعبه رفتم به حرم رهم ندادند
 که بروی در چه کردی که درون خانه آئی

شیخ محمود شبستریؒ

(مصنف گلشن راز)

حضرت شیخ محمود شبستری کی تصنیف ”گلشن راز“ نے مشرق و مغرب کے اہل نظر اور دانشوروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے، اور ارباب علم نے نہ صرف اس کے متن کو شائع کیا ہے، بلکہ نہایت کاوش و تحقیق سے اس کی شرحیں لکھیں ہیں، پروفیسر براؤن نے ”تاریخ ادبیات عجم“ میں ”گلشن راز“ کو تصوف کے مقالوں میں بہترین مقالہ لکھا ہے، علامہ شبلی نے بھی ان کی کتاب گلشن راز کو بے حد سراہا ہے۔ مولانا جاسی نے لکھا ہے کہ کم و بیش اٹھائیس شرحیں گلشن راز کی سیری نظر سے گزری ہیں، سب سے مشہور شرح محمد یحیٰ بن علی لاہجی کی ہے۔

یورپ کے مستشرقین نے بھی اس کتاب میں بڑی دلچسپی لی ہے، سب سے پہلے اس کتاب کو یورپ سے جس نے متعارف کرایا، وہ ٹولک ہے، یورپ کی متعدد زبانوں میں اس کے متعدد ترجمے ہوئے ہیں، ان میں ہاسر پرگس ٹال کا جرمنی ترجمہ اور وین فیلڈ کا انگریزی ترجمہ مشہور ہے۔

✓ علامہ اقبال بھی حضرت شیخ محمود شبستری سے بے حد متاثر ہیں، ان کی عقیدت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے ”گلشن راز“

سے متاثر ہو کر ”گلشن راز جدید“ اسی طرز پر لکھی۔
ڈاکٹر اکبر حسین قریشی کا خیال ہے کہ جاوید ناسہ میں جو
اشعار ہمیں ملتے ہیں وہ انہیں کے متعلق کہے گئے ہیں۔

پیر مردے ریش او مانند برف
سالہا در علم و حکمت کردہ صرف
تیز ہیں مانند دانایانِ غرب
کسوتش چون پیر ترسایانِ غرب

دیر سال و قامتش بالا چو سرو
طلعتش تا بندہ چون ترکانِ مرو
آشنائی رسم و راہ ہر طریق
آشکار از چشم او فکرِ عمیق
آدمی را دید و چون گل بر شگفت
در زبان طوسی و خیام گفت
نطق و ادراکش رواں چو آبجو
محور حیرت بودم از گفتار او

حالات : ۲

صاحب گلشن راز کا نام شیخ محمود، آن کے والد کا نام
عبدالکریم بن یحییٰ اور لقب سعد الدین نجم الدین تھا، وہ تبریز

(۱) کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ)، ص ۱۰۳، د۔

(۲) شیخ محمود شبستری کے یہ تمام حالات مضمون
ڈاکٹر اکبر حسین قریشی بعنوان اقبال اور فارسی شعراء، مطبوعہ
رسالہ برہان، شماره ۱، جلد ۵، جنوری سنہ ۱۹۶۳ء سے
ماخوذ ہیں۔

ہے اٹھ فرسنگ کے فاصلے پر شبستر ناسی ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، اور اسی اعتبار سے شبستری کہلائے، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، جوانی میں تبریز آئے، اور اس دور کے مشہور بزرگ شیخ امین الدولہ سے علوم ظاہری کی تحصیل کی، پھر آن ہی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر سلوک و معرفت کی تکمیل کی۔

آغا باقر سلمانی کا بیان ہے کہ شیخ محمود شبستری کی ولادت ہلاکو خان کے عہد میں ہوئی، اُن کا سال ولادت ۱۲۵۰ء بتایا جاتا ہے، وہ آلِ چنگیز کے آخری فرمانروا سلطان ابو سعید کے زمانے میں زندہ تھے۔

شیخ محمود شبستری نے ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ء) میں وفات پائی۔

تصانیف :

شیخ محمود شبستری کی جن تصانیف کا پتا اب تک چل سکا، اُن کے نام یہ ہیں۔

- (۱) گلشن راز (۲) حق الیقین فی معرفتہ رب العالمین
- (۳) سعادت نامہ (۴) رسالہ شاہد۔

گلشن راز کی تصنیف کا واقعہ :

کہا جاتا ہے کہ رکن الدین حسین بن ابی الحسن الحسینی غوری ہراتی، ملقب بہ فیخر السادات و مشہور بہ سید حسینی نے اپنے ایک قاصد کے ذریعے پندرہ سوال منظوم آپ کی خدمت میں بھجوائے تھے، شیخ نے اسی وقت ان کے مختصر جوابات نظم کر کے

فوراً بھجوا دیے، بعد میں آن جوابات میں اضافہ کر کے ”گلشن راز“ کی تکمیل کی۔

پروفیسر براؤن نے گلشن راز کا سنہ تصنیف ۱۷۵۰ (۱۱۳۱ھ) لکھا ہے لیکن ہندوستان، ایران اور یورپ کے مطبوعہ نسخوں، اور بمبئی کے قلمی نسخے میں یہ تصریح ضاف لکھا ہوا ہے۔
ع ”گزشتہ ہفت و دہ از ہفت صد سال“

حضرت شیخ بوعلی قلندر پانی پتیؒ

علامہ اقبال کا خراج عقیدت :

با تو مگویم حدیثِ بوعلی
در سوادِ ہند نامِ او جلی
اں نوا پیرای گزار کہن
گفت با ما از گلِ رعنا سخن
خطہٴ این جنت آتش نژاد
از ہوای دامنش سینو سواد

مندرجہ بالا اشعار علامہ اقبال نے حضرت بوعلی قلندر پانی پتی کے ایک واقعہ سے متاثر ہو کر کہے ہیں ، اس واقعے کی تفصیل ہم آئندہ اوراق میں پیش کریں گے ۔

حالات :

(حضرت شیخ کا اسم گرامی شرف الدین ، لقب بوعلی قلندر تھا ، آپ امام اعظم^۲ امام ابو حنیفہ کی اولاد سے تھے ۔)

(۱) اسرار و رموز ، ص ۲۷۔

(۲) امام اعظم : کا اسم گرامی نعمان بن ثابت ، کنیت ابو حنیفہ ، لقب امام اعظم ہے ، آپ ۸۰ھ (۷۰۰-۶۹۹ء) میں پیدا ہوئے ،
(باقی حاشیہ بر صفحہ ۲۲۲)

میرالاقطاب میں حضرت بو علی قلندر کا سلسلہ نسب اس طرح مذکور ہے :

شیخ شرف الدین بو علی قلندر ، بن سالار فخرالدین ،
بن سالار حسن ، بن سالار عزیز بن ابوبکر غازی ،
بن فارس ، بن عبدالرحمان بن عبدالرحیم بن محمد بن دانگ ،
بن امام اعظم ابو حنیفہ کوفی ۔

حضرت بو علی قلندر کے والد محترم ، ۵۶۰ھ (۱۲۰۳ء) میں عراق سے ہندوستان تشریف لائے ، جو علم و فضل کے بلند مرتبے پر فائز تھے ، انہوں نے یہاں تشریف لائے کے بعد پہلی شادی حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی صاحبزادی سے کی ، لیکن اُن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ، پھر دوسری شادی مولانا سید نعمت اللہ ہمدانی کرمانی کی ہمشیرہ بی بی حافظہ جمال سے کی ، ان ہی کے بطن سے حضرت بو علی قلندر کی ولادت با سعادت ۵۶۰ھ (۱۲۰۸ء) میں پانی پت ضلع کرنال (ہندوستان) ہوئی ۔

(خود اپنی تصنیفات میں شیخ بو علی قلندر نے لکھا کہ میرا اصل وطن ولایت عراق ہے ، اور شمس تبریز اور مولانا روم کے ساتھ میری صحبت رہی ہے ۔^(۱))

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۱)

آپ فقہ حنفی کے مؤسس و بانی ہیں ، حضرت امام ابو حنیفہ نے بغداد میں رجب ۱۵۰ھ (۷۶۷ء) میں وفات پائی ، اور اپنی وصیت کے مطابق خیزران کے مقبرے میں مشرقی جانب مدفون ہوئے (میرۃ النعمان، ص ۱۹-۶۵-۶۶) ۔

(۱) بزم صوفیہ ، ص ۲۳۵۔

(۲) اخبار الاخیار، ص ۱۲۱۔

تعلیم :

حضرت بو علی قلندر نے کم عمری ہی میں علوم ظاہری کی تکمیل کی ، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وہ بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے قریب درس و تدریس میں مشغول رہے ، اس دور کے جلیل القدر علماء مثلاً مولانا قطب الدین ، مولانا وجیہ الدین پاٹلی ، قاضی ظہور الدین بجواری ، قاضی حمید الدین صدر شریعت ، مولانا فخر الدین پاٹلی وغیرہ ان کے غیر معمولی علم و فضل کے معترف تھے ۔

بیعت :

اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت بو علی قلندر نے کس سے بیعت کی تھی ، صاحب اخبار الاخبار ، مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا کہ : بعض کہتے ہیں کہ وہ شیخ نظام الدین محبوب اللہی کے مرید تھے اور بعضوں کا خیال ہے کہ انہوں نے خواجہ بختیار کاکی سے بیعت کی تھی ، لیکن ان دونوں روایتوں میں سے کوئی بھی روایت صحت کے درجے کو نہیں پہنچتی ۔^۱

جذب و سکر :

مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ جب انہوں نے تزکیہ باطن کے لیے تصوف کی وادی میں قدم رکھا ، اور سجادوں اور ریاضتوں میں مشغول ہوئے تو ان پر جذب و سکر کی کیفیت طاری ہو گئی ۔ اسی عالم جذب و سرمستی میں انہوں نے اپنی تمام کتابوں کو دریا میں غرق کر دیا ، اور پانی پت کو چھوڑ کر کرنال کے

(۱) مفتاح التواریخ ، باب ہشتم ، ص ۱۲۰-۱۲۱ -

قرب و جوار کے ایک گاؤں بڑھا کھیڑہ میں مقیم ہو گئے ، جہاں وہ آخر وقت تک سکونت پزیر رہے ۔^۱

اخبار الاخبار میں ہے کہ ایک دفعہ اسی عالم جذب و مرستی میں ، آپ کی مونچھیں حدود شرعی سے بڑھ گئیں ، کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ ان کو کاٹ دے ، آخر مولانا ضیاء الدین منامی^۲ نے جو شریعت کے بہت پابند تھے ، آپ کی داڑھی کو پکڑ کر مونچھوں کو شریعت کی حدود میں کاٹ دیا ، کہتے ہیں اس کے بعد سے شیخ ابو علی قلندر ہمیشہ اپنی داڑھی کو چوم کر کہتے تھے

(۱) خزینۃ الاصفیاء ، جلد ۱ : ص ۳۲۶

(۲) مولانا ضیاء الدین منامی : کا شمار عہد سلطان علاء الدین کے مشہور واعظوں اور مذکوروں میں ہوتا ہے ، یہ مفسر بھی تھے اور فقیہ بھی ، ان کی ساری عمر عہد علانی میں وعظ کہنے اور تفسیر بیان کرنے میں گزری ، صاحب تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی نے ان کو حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کے آستانے کا مخالف لکھا ، واللہ اعلم بالصواب (ترجمہ تاریخ فیروز شاہی (برنی) از ڈاکٹر سید معین الحق ، ص ۵۱۷-۵۱۸) -

اخبار الاخبار میں ہے کہ : مولانا ضیاء الدین منامی دیانت و تقویٰ میں اپنے وقت کے مقتدا تھے ، اور اتباع شریعت میں نہایت راسخ تھے ، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے معاصر اور ہمیشہ حضرت محبوب الہی کو سماع پر ٹوکتے رہتے تھے ، لیکن ہمیشہ حضرت اس کے جواب میں معذرت اور انقیاد سے کام لیتے تھے ، اور مولانا کی نہایت تعظیم کرتے ۔ (اخبار الاخبار ، ص ۱۰۹)

کہ یہ داڑھی بھی کتنی مبارک داڑھی ہے کہ جو شریعت محمدی کی راہ میں پکڑی گئی ۔

حضرت شمس الدین ترک اور بوعلی قلندر کی باہمی محبت :

حضرت بوعلی قلندر کے زمانے ہی میں سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی اپنے شیخ حضرت خواجہ علاء الدین صابر کے ارشاد کی بنا پر پانی پت میں سکونت پزیر ہوئے ، دونوں بزرگوں میں نہایت اخلاص و محبت تھا ۔ اور دونوں ایک دوسرے سے نہایت محبت سے پیش آتے تھے ۔

کبیر الالیاء حضرت شیخ جلال الدین محمود پانی پتی ، جو بعد میں حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کے مرید ہوئے ، وہ حضرت بوعلی قلندر ہی کے ارشاد پر ان کے مرید ہوئے تھے ، سیرالاقطاب میں ہے کہ کمسنی میں ایک دفعہ شیخ جلال پانی پتی گھوڑے پر سوار حضرت بوعلی قلندر کے سامنے سے گزرے ، ان کو دیکھ کر حضرت بوعلی قلندر نے فرمایا :

ع زہے اسپ و زہے سوار

یعنی کتنا اچھا گھوڑا اور کتنا اچھا سوار ہے ، یہ سنتے ہی شیخ جلال الدین پر غیر معمولی کیفیت طاری ہو گئی ، اور گھوڑے سے اتر کر جنگل کی راہ لی اور کئی سال کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد وہ حضرت بوعلی قلندر کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اور حضرت بوعلی قلندر سے بیعت ہونے کے لیے اصرار کیا ، آپ نے فرمایا :

اے فرزند عزیز کشائش تو سوقوف بر مرد دیگر است

(۱) اخبار الاخیار ، ص ۱۲۱ -

یعنی تیری یہ مشکل ایک دوسرے شیخ سے آسان ہوگی، چنانچہ جب خواجہ شمس الدین ترک پانی پت تشریف لائے تو آپ نے شیخ جلال سے فرمایا کہ وہ آن سے جا کر مرید ہوں، شیخ جلال حضرت بو علی قلندر کے ارشاد پر آن سے بیعت ہوئے۔

شاہانِ وقت کی عقیدت : (جلال الدین خلجی) ۲

اس دور کے عوام و خواص کی محبت و عقیدت کا یہ عالم تھا کہ شاہانِ وقت حضرت شیخ بو علی قلندر کی عقیدت و محبت کو اپنے لیے سرمایہٴ نازش و افتخار سمجھتے تھے، چنانچہ سلطان جلال الدین خلجی آپ سے غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتا تھا،

(۱) خواجہ شمس الدین ترکہ : حضرت شیخ صابر کلیری کے مرید و خلیفہ تھے، خواجہ احمد یسوی کی اولاد میں تھے، یہ مرشد کی تلاش میں ترکستان چھوڑ کر ہندوستان آئے، اور حضرت علاء الدین صابر کلیری کے مرید ہو گئے، یہ کچھ دن غیاث الدین بلبن کی فوج میں بھی رہے تھے، حضرت علاء الدین صابر کلیری نے ان کو پانی پت میں قیام کرنے کی ہدایت فرمائی، چنانچہ یہ اپنے مرشد کے ارشاد کے مطابق آخر عمر تک پانی پت میں مقیم رہ کر ارشاد و تلقین میں مصروف رہے، خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی نے ۷۱۸ھ میں وفات فرمائی۔ (گزار ابرار (غوثی ماندوی) ص ۵۸۶)

(۲) جلال الدین خلجی : سلطان معز الدین کی وفات کے بعد کیلو کھری کے محل میں ۶۸۹ھ (۹۱ - ۷۱۲۹۰ھ) میں تخت نشین ہوا، اور ۱۷ رمضان ۶۹۵ھ (۹۷ - ۷۱۲۹۶ھ) میں علاء الدین کی سازش سے جو اس کا بھتیجا اور داماد بھی تھا قتل کیا گیا۔ (تاریخ فیروز شاہی (برنی) اردو ترجمہ (ڈاکٹر معین الحق) ص ۲۷۸ - ۳۳۰ -)

اور آپ کے حلقہٴ ارادت میں شامل ہو گیا تھا۔ اس پر ان ہی بزرگوں کی توجہ اور فیض نظر کا یہ اثر تھا کہ اس کا شمار نہایت ہی حلیم اور خدا ترس بادشاہوں میں ہوتا ہے، برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں اس کی سیرت و کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ :

این چہیں بادشاہ حلیم و کریم و این چہیں فرمان روایاں
و کار گزاران سہربان و خدا ترس بر بندگان خدا نتواند

علاء الدین خلجی :

خزینتہ الاصفیا میں ہے کہ سلطان علاء الدین خلجی بھی آپ سے غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتا تھا، صاحبِ خزینتہ الاصفیا کی اصل عبارت یہ ہے :

جلال الدین و علاء الدین بادشاہان دہلی ہم
حلقہٴ ارادت آنحضرت بگردن خود داشتند۔

حضرت بو علی قلندر اور امیر خسرو :

سلطان علاء الدین خلجی کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ اس نے شیخ بو علی قلندر کی خدمت میں نذر بھیجنا چاہی، اس کے امرا و مصاحبین نے مشورہ دیا کہ شیخ نذر قبول نہیں کرتے، اگر یہ نذر نخواستہ نظام الدین محبوب الہی کے توسط سے بھیجوائی جائے تو امید ہے کہ وہ قبول فرمائیں گے، چنانچہ سلطان علاء الدین

(۱) سلطان علاء الدین خلجی : تخت نشینی : ۶۹۵ھ (۷۹۶ء)

وفات : ۶ شوال ۷۱۶ھ (۸۱۷ء)

(ترجمہ تاریخ فیروز شاہی (برنی) ۳۳۰ - ۵۳۵ - ۵۵۱) -

نے اس غرض کے لیے حضرت امیر خسرو کو حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الشہی کے پاس بھیجا ، حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الشہی پہلے تو متامل ہوئے ، لیکن بعد میں امیر خسرو کو نذرانے جانے کی اجازت دی ، ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ جو کچھ قلندر عاشق اللہ کہیں ، اسے خاموشی سے سنا ، اور کسی قسم کا اعتراض نہ کرنا ، حضرت امیر خسرو دہلی سے پانی پت پہنچے ، جب وہ حضرت شیخ بوعلی قلندر کے دروازے پر پہنچے تو کہلایا کہ حضرت خواجہ نظام الدین کا فرستادہ خسرو آپ کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہتا ہے ، حضرت بوعلی قلندر نے ان کو بلا لیا ، جب وہ آپ کے سامنے جا کر بیٹھے تو فرمایا کہ کچھ سناؤ ، امیر خسرو نے آپ کے ارشاد پر یہ غزل سنائی :

اے کہ گوئی ہیچ سختی چون فراق یار نیست

گر امید وصل باشد آن چنان دشوار نیست

عاشقان را در جہاں یکساں نباشد روزگار

ز آنکہ این انگشتہا بردست من ہموار نیست

خلق را بیدار باید بود از آب چشم من

این عجب کاں وقت میگیریم کہ کس بیدار نیست

یک قدم بر نقش خود نہ و آں در گر در کوئی دوست

ہر چہ بینی دوست ہیں با این و آنت کار نیست

چند میگوئی برو زنتار بندائے بت ہرست !

ہر تن ”خسرو“ کدائی رگ کہ آن زنتار نیست

امیر خسرو کی یہ غزل سن کر حضرت بوعلی قلندر بہت خوش ہوئے ،

اور فرمایا کہ خسرو ! خوش رہو گے ، اور خوش جاؤ گے ، پھر آپ

نے خود یہ غزل پڑھی :

دیہیم خسروان بر نعل اشتر است
 خسرو گئے کہ حلقہ تجرید بر سر است
 گفتم بعلم و عقل بملکِ دگر شدم
 ملکم ز عقل و دین چو دیدم فزون تر است
 میمرغ وار روئے نہفتم بقافِ عشق
 کو عارفی کہ منظر او عرش اکبر است
 عقل کل است علم لدنی بعارفان
 این عقل و علم جسم و رسم مختصر است
 درس شرف نبود ز الواح ابجدی
 لوح جمال دوست مرا در برابر است

حضرت امیر خسرو نے جب حضرت بو علی قلندر کی یہ غزل
 سنی تو بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ، حضرت
 بو علی قلندر نے انہیں روتا دیکھ کر پوچھا کہ کچھ سمجھے بھی ؟
 مفتاح التواریخ میں ہے کہ حضرت بو علی قلندر نے ، امیر خسرو سے
 ہندی میں فرمایا : روہدا نہ کچھ بچھندا ۔ یعنی میں ہند کہ میں
 گری چیزے فہم کنی ۔ حضرت بو علی قلندر کا شمار اردو کے ان
 محسنین میں ہوتا ہے کہ جنہوں نے اردو کے ابتدائی دور میں اپنی
 شاعری سے اردو کے دامن کو مرصع و زرنگار بنایا ، ان کا ایک
 مشہور دوہا یہی ملتا ہے ، جسے ہم تبرکاً یہاں نقل کرتے ہیں ۔

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روے
 بدینا ایسی رین کو بھور کدھی نہ ہوے

(۱) مفتاح التواریخ : باب ہشتم ، ص ۱۲۰ - ۱۲۱ - مطبوعہ ۱۸۴۹ء

(۲) خسرو شیریں بیاں ، ص ۱۳۵ -

حضرت امیر خسرو نے جواب دیا رونا تو اسی بات کا ہے گا کچھ نہیں سمجھا، یہ جواب سن کر شیخ بو علی قلندر بہت خوش ہوئے، اور سلطان علاء الدین کی بھیجی ہوئی نذر قبول کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر خواجہ نظام الدین کا واسطہ درمیاں میں نہ ہوتا تو میں ہرگز یہ نذر قبول نہ کرتا، پھر اپنے خادموں سے ارشاد فرمایا کہ امیر خسرو کو نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ خاتقاہ میں ٹھہراؤ، تین دن کے بعد حضرت امیر خسرو نے واپسی کی اجازت طلب کی، امیر خسرو کو رخصت کرتے وقت آپ نے ایک خط حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کے نام دیا، اور ایک خط سلطان علاء الدین خلجی کے نام ان کے حوالے کیا، جس میں لکھا کہ:

علاء الدین فوطہ دار دہلی مقرر داند کہ بایندگان خدا

نیکو کند۔

(ترجمہ) علاء الدین فوطہ دار دہلی تاکید کے ساتھ جانے کہ ایسے بندگان خدائے تعالیٰ کے ساتھ نیکی کرنی چاہیے۔

جب یہ خط سلطان علاء الدین کے پاس پہنچا تو اس کے امیروں اور مصاحبوں نے بادشاہ سے کہا کہ اس طرح سے آپ کو خطر لکھنا نہایت بے ادبی ہے، سلطان علاء الدین نے اپنے امیروں اور مصاحبوں کو جواب دیا کہ غنیمت ہے کہ اس مرتبہ تو آپ نے فوطہ دار دہلی لکھا ہے، اس سے قبل ایک مرتبہ تو آپ نے مجھے شہنہ تحریر فرمایا تھا۔

(۱) مرآة الکونین، ص ۳۸-۳۳۷ و تذکرۃ اولیائے ہند (مؤلفہ)

میرزا محمد اختر، ص ۱۲۲ - - - - - (۲)

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کا وہ واقعہ جس نے علامہ اقبال کو متاثر کیا :

یہ غالباً اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے ، جسے علامہ اقبال نے متاثر ہو کر اسرار و رموز میں نظم کیا ہے ، ایک مرتبہ ملک نائب نے جو ایک خواجہ سرا تھا ، اور سلطان علاء الدین کا نہایت منہ چڑھا تھا اس نے حضرت بو علی قلندر کے ایک درویش کو ایذا پہنچائی ، حضرت بو علی قلندر کو معلوم ہوا تو آپ نے سلطان علاء الدین کو ایک خط ملک نائب کے ظلم کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے لکھا کہ :

علاء الدین شجندہ را اعلام آنکہ خواجہ سرائے . . . یکرے
از درویشان را رنجانید ، و عرش الرحمن را بلرزہ آورد ،
اگر او را بسزا رسانیدی بہتر ، والا بجائے تو شجندہ
دیگر بہ دہلی نشایندہ خواہد شد ! -

(ترجمہ)

علاء الدین شجندہ دہلی کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے ایک خواجہ سرا . . . نے ہمارے ایک درویش کو ایذا پہنچائی ہے ، اور اس طرح رحمان کے عرش کو لرزے میں لایا ہے ، اگر اس جرم کے بدلے میں تو نے اس کو سزا دی تو اچھا ہے ، ورنہ دہلی کا دوسرا شجندہ مقرر کیا جائے گا ۔

(۱) مرآة الکونین ، مطبوعہ نولکشور پریس ، ص ۳۳۷ - ۳۳۸ -

(۲) ملک نائب : یہ ایک خواجہ سرا تھا جو سلطان علاء الدین کے نہایت منہ چڑھا تھا ، سلطان علاء الدین کی وفات کے بعد (باقی حاشیہ پر صفحہ ۲۳۲)

اسی واقعے کو نظم کرتے ہوئے علامہ اقبال نے لکھا ہے کہ :

جب خودی محبت سے محکم ہوتی ہے ، تو اس کی قوت ، فرماندہ عالم
بن جاتی ہے ، اس کا پنجد ، حق کا پنجد ہوتا ہے ، اور اس کی انگلی
سے چاند شق ہو جاتا ہے ، اس تمہید کے بعد علامہ اقبال مثال کے
طور پر حضرت بو علی کے اس واقعے کو پیش کرتے ہیں ۔ اور اس
حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ خودی عشق و محبت سے مستحکم
ہونے کے بعد کس طرح دنیا کے معاملات میں حکم بن جاتی ہے ،
اور کس طرح بڑے فرمانروا اس کے تابع ہوتے ہیں ۔ فرماتے ہیں :

با تو می گویم حدیث بو علی
در سواد پسند نام او جلی
آن نوا پیرایے گلزار کہن
گفت با عیا از گل رعنا سخن

(باقی خاشیہ صفحہ ۲۳۱)

اسی نے اس کے چھوٹے بیٹے ملک شہاب الدین کو جو اس وقت
پانچ سال کا تھا تخت پر بٹھایا ، اور خود اس کے پردے میں
حکمران بن بیٹھا ، نہایت چھچھورا اور نادان انسان تھا ، وزیروں
کے رخصت ہونے کے بعد خواجہ سراؤں کے ساتھ کورٹیاں کھیلنے
بیٹھا جاتا ۔ اس نے خاندان علائی کو بے حد نقصان پہنچایا
آخر چند غلاموں نے مشورہ کر کے سلطان علاء الدین کی وفات
کے پینتیس روز بعد قصر ہزار ستون میں اس کو قتل کر دیا ۔
اور سلطان قطب الدین کو جو اس زمانے میں مبارک خان
کہلاتا تھا ، ملک شہاب الدین کا نائب مقرر کیا ۔ (ترجمہ

اردو تاریخ فیروز شاہی (پرنی) ، ص ۵۳۳ - ۵۳۸ -)

(۱) علامہ اقبال کا حضرت بو علی قلندر کے اس شعر کی طرف اشارہ

مرجبا سے بلبلی باغ کہن

(۲) از گل رعنا بگو با ما سخن

خطبه این جنت آتش نژاد
 از پوائی دامنش میشود مواد
 کوچک ابدالش سوئی بازار رفت
 از شراب بو علی ملوشار رفت
 عامل آن شهر می آمد سیوار
 همراکب او غلام و چوبدار
 پیشرو زد بانگ اے نا پوشمند
 بر جلوه داران عامل ره مبتدا
 رفت آن درویش سر افکنده پیش
 غوطه زن اندر یم افکار خویش
 چوبدار از جام استکیار سیت
 بر سر درویش چوب خود شکست
 از ره عامل فقیر آرزوده رفت
 دل گران و ناخوش و افسرده رفت
 در حضور بو علی فریاد کرد
 اشک از زندان چشم آزاد کرد
 ضحرت برقی که بر کھسار ریخت
 شیخ سیل آتش از گفتار ریخت
 از رگ جان آتش دیگر کشود
 یا دبیر خویش ارشادے نمود
 خامه را بر گیر و فرمانے نویس
 از فقیرے سوئی سلطانے نویس
 بنده ام را عاملت بر سر زده امت
 بر متاع جان خود انگر زده امت

باز گیر این عامل بد گوہرے
 وزندہ بخشم ملک تو با دیگرے
 نامہ آن بندہ حق دستگاہ
 لوزہ ہا انداخت در اندام شاہ
 پیکرش اسرماید آلام گشت
 زرد مثل آفتاب شام گشت
 بہر عامل حلقہ زنجیر جست
 از قلندر عفو این تقطیر جست
 خسرو شیریں زبان رنگیں بیان
 نغمہ پایش از زمین رکن فکان
 فطرتش روشن شمال بہشتاب
 گشت از بہر سفارت انتخاب
 چنگ را پیش قلندر چون نواخت
 از نوائے شیشہ جانش گداخت
 شوکتے کو پختہ چوں کہسار بود
 قیمت یک نغمہ دُر گفتار بود
 نیشن بر قلب درویشان سوزن
 خویش را در آتش سوزان سوزن

یہ نغمہ پایش از زمین رکن فکان
 فطرتش روشن شمال بہشتاب

تبلیغ :

تذکروں اور تاریخوں سے حضرت ابو علی قلندر کی ان کوششوں
 کا بھی پتا چلتا ہے، جو انہوں نے تبلیغ اسلام کے لیے فرمائی تھیں،
 پانی پت اور اس کے نواحی علاقے میں جو راجپوت مسلمان نظر آتے

(۱) کلیات اقبال فارسی (اسرار و رموز) ص ۲۵ تا ۲۷

ہیں ، اُن کے آباواجداد نے حضرت بو علی قلندر پی کی کوششوں سے اسلام قبول کیا تھا ، اس دور کا ایک بڑا راجپوت امیر سنگھ بھی آپ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوا تھا ۔

وفات :

حضرت شاہ بو علی قلندر ۱۳ رمضان ۵۷۲ھ (۱۳۲۴ء) کو واصل الی اللہ ہوئے ۔ ”شرف الدین ابدال“ سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے ، مفتاح التواریخ میں ہے کہ وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً ایک سو سال تھی ۔^۱

سیرالاقطاب میں ہے کہ آپ کرنال میں مدفون ہوئے ، لیکن آپ کے بعض رشتے داروں نے ایک رات پوشیدہ طور پر جسد مبارک کو نکال کر پانی پت لے جا کر دفن کر دیا ، چنانچہ کرنال ، بوڈھا کھیڑا ، پانی پت اور باگھوٹی میں آج بھی آپ کے معتقدین کا ہجوم رہتا ہے ۔^۲

تصانیف :

حضرت بو علی قلندر کے مکتوبات پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا کہ :

اور از مکتوب اعت بزیان عشق و محبت مشتمل بر معارف و حقائق توحید و ترک دنیا و طلب آخرت و محبت مولیٰ جملہ آن بنام اختیار الدین

(۱) مفتاح التواریخ ، باب ہشتم ص ۱۲۰ - ۱۲۱ - مطبوعہ ۱۸۴۹ء

(۲) سیرالاقطاب ، ص ۱۹۱ -

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ: -
مکتوبات وی کہ بنام اختیار الدین مرید خود تحریر کردہ
است کتابے است جامع علوم توحید -

ہم ایک دو مکتوب کا ترجمہ تبرکاً یہاں نقل کرتے ہیں، جو
کمال انشا پردازی، معنویت اور اسرار و رموز تصوف کے شایکار
ہیں۔ ایک خط میں اختیار الدین کو لکھتے ہیں:

اے برادر! جب تم پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی عنایت
شروع ہو جائے، تم میں جذبہ پیدا ہونے لگے، اور تم کو
تم سے دور کیا جائے تو گویا تم میں عشق کا آغاز اور
تم پر حسن کا جلوہ ظہور ہو گیا، اور جب تم پر حسن
کا مشاہدہ ہو جائے تو معشوق کو پہچانو اور عاشق
بن کر معشوق ہو جاؤ، جب عاشق بن کر معشوق
ہو گئے تو اسی طرح کام کرو معشوق کی منت اور عاشق
کے فریضے کو قائم رکھو، اس وقت معشوق کو عاشق
کے ذریعے سے پہچان لو گے۔

اے برادر! معشوق کو تمہاری یہی صورت میں
تمہارے درمیان بھیجا گیا، تاکہ براہ راست وہ تم کو
دعوت دے۔ اے برادر! خدائے عز و جل نے بہشت
اور دوزخ پیدا کیے، اور اس کا حکم ہے کہ دونوں
پر کیے جائیں گے، معشوق کو عاشقوں کے ساتھ بہشت
میں جگہ دی جائے گی، اور شیطان اپنے پیاتھیوں کے
ساتھ دوزخ کو پُر کرے گا، بہشت و دوزخ میں
عاشقوں کے سوا کوئی نہیں ہوگا، دونوں عاشق بننے کے
حسن سے پیدا ہوئے ہیں، اور دونوں مقام غیر نیچوں

گے ، بہشت دوستوں سے وصال کا مقام ہے ، دوزخ دشمنوں کے لیے جائے فراق ہے ، یہ فراق کافروں اور منافقوں کو حاصل ہوگا ۔ اے برادر ! چشم دل کھولو ، اور اچھی طرح سے دیکھو اور یہ جانو کہ عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے لیے کیا کیا چیزیں اور کیا کیا تماشے پیدا کیے ہیں ، اپنا حسن ایک درخت میں منتقل کر دیا ہے ، اور گونا گوں میوے پیدا کیے ، ہر میوے میں علیحدہ مزہ رکھا اور اس درخت کو نہ اپنی ذات کی اور نہ اپنے پھول کی خبر اور نہ اپنے میوے کی خبر ہے ، گنا تمہارے لیے پیدا کیا ، اور اس کو شکر کی خبر نہیں ، مشک ہون کی نافرمانی رکھا ، جو تمہارے لیے ہے ، ہرن کو مشک کی کوئی خبر نہیں ، گائے سے غنیر کو تمہارے لیے پیدا کیا ، اور گائے کو غنیر کی خبر نہیں ، زباد کو بلی سے تمہارے لیے پیدا کیا اور بلی کو زباد کی خبر نہیں ، کافور کو تمہارے لیے درخت سے پیدا کیا ، اور درخت کو کافور کی خبر نہیں ، صندل کو تمہارے لیے پیدا کیا اور صندل کو اپنی خبر نہیں ۔ اے برادر ! عاشق ہو جاؤ ، اور دونوں عالم کو معشوق کا حسن جانو ، اور اپنے آپ کو معشوق کا حسن کہو ، عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے وجود کا ملک بنایا ، تاکہ اپنے حسن و جمال کو تمہارے آئینے میں دیکھے ، اور تم کو محرم اسرار جانے اور انسان مٹری (انسان میرا بھید ہے) تمہاری شان میں آیا ہے ، عاشق ہو جاؤ ، تاکہ حسن کو ہمیشہ دیکھو ، اور دنیا و عقبی کو پہچانو ، عقبی محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ملک ہے ، اور دنیا شیطان

کی ملکیت ہے ، دونوں میں معلوم کرو کہ تمہارے
 لیے کس کو پیدا کیا ہے ۔ اے برادر! نفس کو اچھی
 طرح پہچانو جب تم نفس کو پہچان لو گے تو دنیا کو
 بھی پہچان سکو گے ، اگر روح کو پہچان لو گے تو
 عقبی کو بھی پہچان لو گے ۔ اے برادر! کفر میں
 جو حسن رکھا گیا ہے ، عاشق جانتے ہیں کہ اس نے
 (یعنی حسن نے) کفر کو عاشقوں کے سامنے کس قدر
 آراستہ کر دیا ہے ، جو دنیا کا عاشق ہے ، اس کا معشوق
 کفر کا حسن ہے ۔ اے برادر! تم جانتے ہو کہ حسن
 کا جو غمزہ کفر میں رکھا گیا ہے ، اس نے کس قدر
 پُر لطف تیر دنیا پر مارا ہے ، اور ان کو اپنا عاشق
 بنا لیا ہے ۔ اے برادر! اپنی جستجو میں رہو ، اور
 اپنے کو پہچانو ، جب تم اپنے نفس کو پہچان لو گے
 تو عشق کو بھی جان سکو گے ، اور جب عشق کو
 اپنے حسن پر دیکھو گے تو توکل اللسان کی کیفیت اپنے
 میں پاؤ گے ، عاشق ہو جاؤ اور معشوق کو اپنی گود
 میں دیکھو ، اور حسن کو اپنے دل کے آئینے میں
 معائنہ کرو :

آن شاید معنی کہ ہمہ طالب اویند
 ہم اوست کہ از چادر تو ساختہ سرپوش
 در بادید سحر چرا بند بمانیم
 در عین وصالیم نگار است در آغوش

اے برادر! قند کا ایک گولا لاؤ ، اور اس سے سو
 گولے بنالو ، اور ہر گولے سے ایک صورت بناؤ ، اور
 ہر صورت کا نام رکھو ، بعض کو گھوڑا ، بعض کو

ہاتھی کہو، تو قند کا نام جاتا رہے گا، اور صرف وہ صورت باقی رہے گی، چپ کل صورتوں کو توڑ کر پھر قند کا گولہ بنالو تو قند کا نام ظاہر ہو جائے گا۔^۱

ان کے ماسوا حضرت بو علی قلندر کی جن تصانیف کا اب تک پتا چل سکا ان میں سے ایک حکم نامہ شرف الدین بھی ان سے منسوب ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں ”حکم نامہ شرف الدین“ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

و رسالہ دیگر در عوام الناس شہرت دارد، او را حکم نامہ شرف الدین می گویند، ظاہر آنست کہ ان از مخترعات عوام است۔^۲

ان کے علاوہ حضرت شیخ بو علی قلندر کے نام سے دو مثنویاں کنزالاسرار اور رسالہ عشقید منسوب ہیں۔

اس کے ماسوا ایک اور منظوم رسالہ ۸۹۱ء میں مطبع نامی لکھنؤ سے مثنوی شاہ بو علی قلندر کے نام سے شائع ہوا ہے، خیال ہے کہ یہی مثنوی ان کا رسالہ عشقید ہے کیوں کہ اس میں عشق پر کثرت سے اشعار ملتے ہیں، مثلاً

عشق کو بے بال و پر طیراں کند
عشق کو در لا مکان جولان کند
عشق کو تا تاج سلطانی نہد
عشق کو ملک سلیمانی دہد

(۱) یہ مکتوب اخبار الاخیار، ص ۱۲۱ و ۱۲۲ سے لیا گیا ہے۔

(۲) اخبار الاخیار، ص ۱۲۱۔

عشق کو تا چشم دل بینا کند

عشق کو تا سینه پر سودا کند

عشق کو تا عقل را زائل کند

عشق کو تا عقل را حاصل کند

عشق کو تا جام مد پویشی دید

عشق باید تا فراموشی دید

عشق ده تا بے خبر سازد مرا

باده کو بے پا و سر سازد مرا

عشق باید تا دید جام شراب

عشق سازد ساغر مے آفتاب

پیچ میدانی که اصل عشق چیست

عشق را از حسین جانان زندگی است

عشق چون اجبریل در معراج حسن

بر سر عاشقی نهد صد تاج حسن

عاشق و معشوق گردند هر دو یک

هم توئی معشوق و عاشق نیست شیک

ای که گشتی واقف اسرار عشق

نه قدم مردانه اندر کار عشق

هر بر آور زیر پائے عشق نه

بعد از آن سر در پوائے عشق نه

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی

علامہ اقبال کی عقیدت :

علامہ اقبال اوائل جوانی ہی سے جس بزرگ کے والا و شیدائی ہیں ، وہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی ہیں ، وہ آپ کے مزار مبارک کی زیارت کو دل کی زندگی بتاتے ہیں ، اور آپ کی محبت میں رنگ محبوبی کو نہاں فرماتے ہیں ، وہ حصولِ علم کے لیے یورپ جاتے ہوئے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر بصدِ خلوص و نیاز حاضر ہوتے ہیں اور آپ کے آستانے پر دعا کے طالب ہوتے ہیں کہ دعا کیجیے کہ مجھے وہ مقام بلند عطا ہو کہ میں اپنے ہمسفروں کا منزل مقصود بنوں ، میرے قلم کو وہ تاثیر عطا ہو کہ میرا فکر میں اور حرف دل نشیں ہو ، دکھی انسانیت کا مداوا ہو ، میری زبانِ قلم سے کسی کی دل آزاری نہ ہو ، میری نوا کو وہ سوز عطا کر جو دلوں میں آتر جائے ، ان تمام تاثرات سے وہ نظم جو بانگ درا میں ہمیں التجائے مسافر کے عنوان سے ملتی ہے سملوے نظر آتی ہے ، ہم اس نظم کے کچھ اشعار یہاں نقل کرتے ہیں ۔ فرماتے ہیں :

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری ، فیضِ عام ہے تیرا

دیکھو شہرِ حجاز میں ۲۰۲۰ء میں ۲۰۲۰ء میں ۲۰۲۰ء میں ۲۰۲۰ء میں ۲۰۲۰ء میں

ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم

نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی

مسیح و مخضر سے اونچا مقام ہے تیرا

نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی

بڑی ہے شان ، بڑا احترام ہے تیرا

اگر میاں دلم داغ لالہ زار تو ام

وگر کشادہ جبینم ، گل بہار تو ام

چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل

ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے

شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو

فلک نشین صفت مہر ہوں زمانے میں

تیری دعا سے عطا ہو وہ نردیاں مجھ کو

مقام ہمسفروں سے ہو اس قدر آگے

کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو

مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے

کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ کو

دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر

تری جناب سے ایسی ملے فغاں مجھ کو

شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے

یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

علامہ کی ایک اور نظم جو حضرت سلطان المشائخ سے ان کی دلی عقیدت کی ترجمان ہے، یہ نظم انہوں نے اس وقت لکھ کر درگاہ حضرت نظام الدین دہلی بھجوائی تھی جب کہ ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کسی مصیبت میں گرفتار تھے، اور علامہ ان کی وجہ سے سخت پریشان تھے، یہ نظم ان کے مجموعہء کلام میں شامل نہیں، بلکہ باقیات اقبال مؤلفہ سید عبدالواحد معینی میں ہماری نظر سے گزری، جس کے چند اشعار ہم یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں۔

کیوں نہ ہوں ارمان مرے دل میں کلیم اللہ کے
طور در آغوش ہیں ذرے تری درگاہ کے
میں تری درگاہ کی جانب جو نکلا، لے آؤ
آسمان تارے بنا کر میری گردِ راہ کے
ہے زیارت کی تمنا المدد اے سوزِ عشق
پہوں لادے مجھ کو گلزارِ خلیل اللہ کے
شانِ محبوبی ہوئی ہے پردہ دارِ رازِ عشق
واہ کیا رتبے ہیں اس سرکارِ عالی جاہ کے
تر جو تیرے آستانے کی تمنا میں ہوئی
اشکِ سوئی تین گئے چشمِ تماشا خواہ کے

محوِ اظہارِ تمنائے دل ناکام ہوں
لاج رکھ لینا تیرے اقبال کا ہم نام ہوں
اے ضیائے چشمِ عرفاں، اے چراغِ راہِ عشق
تنگ آیا ہوں جفائے چرخِ ناپنجار سے
سینہ پاک علیؑ جن کا امانت دار تھا
اے شہدِ ذی جاہ! تو واقف ہے ان اسرار سے

ہند کا داتا ہے تو تیرا بڑا دربار ہے
 کچھ ملے مجھ کو بھی اس دربار گوہر بار سے
 اک نظر میں خسرو ملک سخن خسرو ہوا
 میں کہیں خالی نہ پھر جاؤں تری سرکار سے
 سخت ہے میری مصیبت سخت گھبرایا ہوں میں
 بن کے فریادی تری سرکار میں آیا ہوں میں
 تو ہے محبوب الہی کر دعا میرے لیے
 یہ مصیبت ہے مثالِ فتنہٗ محشر مجھے

علامہ کی اس نظم کے بعد ان کے بھائی شیخ عطا محمد کی وہ
 مصیبت ٹل گئی، جس میں وہ مبتلا تھے، یہ امر اور بھی حضرت
 محبوب الہی سے علامہ کی بزرگ اضافہ عقیدت کا موجب بنا۔

حالات :

اس برصغیر میں سلسلہٴ چشتیہ کے موسس و بانی حضرت
 خواجہ معین الدین اجمیری نے سلسلہٴ چشتیہ کی بنیاد ڈالی، ان
 کے مرید خاص خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے دیہلی میں مقیم
 رہ کر سلسلہٴ چشتیہ کی تحریک کو کامیاب بنانے کا سامان فراہم
 کیا، حضرت خواجہ قطب الدین کے خلیفہٴ خاص حضرت بابا فرید
 گنج شکرؒ نے اجودہین (پاک پٹن) میں اس سلسلے کو منظم کیا،

(۱) باقیات اقبال، ایڈیشن اول، ص ۷۹ - ۸۳

(۲) حضرت بابا فرید گنج شکر : اسم گرامی : مسعود : لقب :
 فرید الدین و گنج شکر، تاریخ ولادت : ۵۵۸۳ (۱۱۸۸ء)
 قصبہ کھنی وال (کھوتوال) ضلع ملتان - مرشد : حضرت خواجہ
 قطب الدین بختیار کاکی - عمر : ۹۵ سال - وفات : ۵۶۲۳
 (۱۲۲۶ء) (شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات،
 ص ۸۷ - ۹۸)

اور ان کے مرید و خلیفہ حضرت نظام الدین محبوب اللہی نے پھر دہلی میں رشد و ہدایت کا چراغ روشن کر کے اس کی روشنی کو اس برصغیر پاک و ہند کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔

خاندان و نسب :

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب اللہی کا اسم گرامی محمد ، والد کا نام سید علی اور نانا کا نام سید عرب تھا ، آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے ۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب اللہی کی ولادت ۶ صفر ۷۳۰ھ (۱۳۳۳ء) کو ہندوستان کے مشہور شہر بدایوں میں ہوئی ، ابتدائی تعلیم بدایوں میں مولانا علاء الدین اصولی^۱ سے حاصل کی ۔ پھر دہلی میں آپ نے مولانا شمس الدین خوارزمی^۲ ، اور مولانا کمال الدین^۳ سے تعلیم پائی ۔

دستار فضیلت :

قدوری ختم کرنے کے بعد مولانا علاء الدین اصولی نے ان سے فرمایا ، میاں ! اب دستار فضیلت کی تیاری کریں ۔ آپ نے آکر اپنی

(۱) مولانا علاء الدین اصولی : نہایت بزرگی اور کامل انسان تھے ، بدایوں کے رہنے والے تھے ۔ (اخبار الاخیار ، ص ۷۷-۷۸)

(۲) مولانا شمس الدین خوارزمی : غیاث الدین بلبن کے معاصر تھے ، (تذکرہ علمائے ہند ، ص ۵۷۳)

(۳) مولانا کمال الدین دہلوی : نہایت سخی مشیر عالم ، زاہد و متقی و دیانت دار تھے ۔ حضرت خواجہ محبوب اللہی نے مشارق الانوار کی سند ان سے حاصل کی ، سلطان غیاث الدین بلبن کی آرزو تھی کہ مولانا کمال الدین کو اپنا امام مقرر کرے ، مگر انہوں نے انکار کر دیا ۔ (تذکرہ علمائے ہند ، ص ۳۰۰)

والدہ سے عرض کیا کہ میرے استاد دستار فضیلت کے لینے کہتے ہیں ، میں دستار کہاں سے لاؤں ، آپ کی والدہ نے فرمایا بیٹا ! پریشان نہ ہو ، اس کا انتظام میں کروں گی ، چنانچہ وہ روٹی خرید کر لائیں ۔ اسے کتوا یا ، اور دستار تیار کی ، شہر کے عالموں اور صالحین کو اپنے بیٹے کی دستار بندی کی تقریب کی دعوت دی ، خواجہ علی مرید شیخ جلال الدین تبریزی نے دستار کا ایک پیچ باندھا ، اور تمام علماء اور بزرگوں نے مل کر آپ کے اضافہ علم کے لیے دعا کی ۔

حضرت بابا فرید گنج شکر کی عقیدت :

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی فرماتے ہیں کہ میری عمر تقریباً بارہ سال کی تھی ، اس وقت میں لغت پڑھتا تھا کہ ایک شخص ابوبکر خراطہ جسے ابوبکر قوال بھی کہتے تھے ، میرے استاد کے پاس آیا اور کہنے لگا میں ملتان گیا تھا ، اور وہاں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا ، ان کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے اس نے کہا کہ ان کے پاس جو لوگ رہتے ہیں وہ بہت ذاکر و شاغل ہیں ، اور اوراد و ثواب میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں ، یہاں تک کہ عورتیں بھی چکی چلاتے وقت ذکر میں مشغول رہتی ہیں ، لیکن کوئی بات میرے دل کو نہ لگی ، پھر اس نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا تذکرہ کیا ، ان کے اوصاف و محامد سن کر ان کی محبت و عقیدت میرے دل نشین ہو گئی ، اور ان کا نام لینے میں مجھے مزا آنے لگا ، یہاں تک کہ میں ہر نماز کے بعد بڑے مزے لے کر آپ کے نام کی رٹ لگاتا ۔

(۱) فوائد الفواد ۔

دہلی میں حصول تعلیم :

حضرت محبوب الہی کی عمر سولہ سال تھی جب حصول تعلیم کے لیے دہلی پہنچے ، اس وقت دہلی علماء کا مرکز تھی ، جس زمانے میں آپ دہلی پہنچے اس وقت دہلی کا حکمران سلطان ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن اس کا وزیر تھا ، اور مولانا شمس الدین جو مستوفی الممالک ہو کر شمس الملک کے لقب سے مشہور ہوئے سرکاری عہدے کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری کیے ہوئے تھے ، حضرت محبوب الہی بھی ان کے حلقہٴ درس میں شریک ہو گئے ، مولانا شمس الدین حضرت محبوب الہی پر بڑی شفقت فرماتے ، وہ جس حجرے میں بیٹھ کر مطالعہ فرماتے تھے ، اس میں کسی شاگرد کو آنے کی اجازت نہ تھی ، مگر حضرت محبوب الہی ، اور آپ کے دو ساتھی مولانا قطب الدین ، ناقلہ ، اور مولانا برہان الدین باقی کو آنے کی اجازت تھی ۔

مولانا شمس الدین کی عادت تھی کہ اگر کوئی شاگرد ناغہ کر دیتا یا دیر سے آتا تو اس سے فرماتے تھے آخر مجھ سے کیا قصور ہوا تھا کہ آپ نہیں آئے ، حضرت محبوب الہی نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے تبسم فرمایا ، اور کہا کہ اگر کسی سے مزاح فرماتے تو کہتے مجھ سے کیا قصور ہوا کہ آپ نہیں آئے ، تاکہ میں پھر وہی قصور کروں ، کبھی مجھ سے ناغہ ہو جاتا ، اور میں دیر میں جاتا ، تو میری تمنا ہوتی کہ آپ مجھ سے بھی کہیں ، لیکن آپ مجھے دیکھ کر یہ شعر پڑھتے :

آخر کم از آنکہ گاہ گاہے
آئی و ہما کنی نگاہے

(۱) فوائد الفواد ، ص ۴۷ -

(۱) فوائد الفواد

یہ واقعہ سنا کر آپ ابدیدہ ہو گئے ، اور حاضرین پر بھی رقت طاری ہو گئی ۔ پھر فرمایا کہ مجھے اپنے حجرے میں اپنے ساتھ بٹھاتے ، میں بے حد عذر کرتا ، مگر آپ منظور نہ فرماتے ۔

قوتِ حافظہ :

زمانہ طالب علمی میں آپ کے حافظے کا یہ عالم تھا کہ مشہور کتاب مقامات حریری کے چالیس مقالے حفظ کیے تھے ، پھر اس کے کفارے کے طور پر حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار حفظ کی ۔^۱

درس حدیث و فقہ :

حدیث کا درس آپ نے اپنے عہد کے مشہور محدث شیخ محمد بن احمد الماریکی مشہور بہ مولانا کمال الدین زاہد سے لیا ، جو مشارق الانوار علامہ حسن بن محمد الضعانی کے شاگرد تھے ، فقہ میں آپ ایک واسطہ سے صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین المرغینانی کے شاگرد تھے ۔

والدہ کی وفات :

حضرت محبوب اللہی تعلیم کی غرض سے دہلی میں ہی مقیم تھے ۔ کہ آپ کی والدہ نے وفات پائی ، آپ کو اپنی والدہ سے اس قدر محبت تھی کہ والدہ کی وفات کے ایک عرصے بعد اپنی والدہ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے آپ پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ جو کچھ فرماتے تھے پوری طرح سننے میں نہیں آتا تھا ، اسی عالم میں یہ شعر پڑھا :

(۱) تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۲ ، ص ۵۷ بحوالہ سیرالایاء

افسوس دلم کہ پیچ تدبیر نکرد
شبہائے وصال را بہ زنجیر نکرد
بیعت :

حضرت محبوب کو بارہ سال کی عمر سے حضرت بابا فرید گنج
شکر سے غیر معمولی عقیدت و محبت تھی ، اور وہ حضرت بابا فرید
گنج شکر کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کے ذریعے آپ سے
متعارف ہو چکے تھے ، حضرت محبوب اللہی جب پہلی مرتبہ حضرت
بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس ملاقات کی
تفصیل کو خود بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت
بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں اجودھن حاضر ہوا تو آپ نے مجھے
دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا :

اے آتش عراقت داہنا کتاب کردہ
سیلاب اشتیاق جانہا حراب کردہ
میں نے چاہتا کہ اپنے اشتیاق ملاقات کو تفصیل سے بیان کروں ،
لیکن شیخ کے رعب نے زبان کی قوت گویائی کو سلب کر لیا ، اور
صرف اتنا ہی کہہ سکا کہ مدت سے قدم بوسی کا شوق تھا ، شیخ
نے میری مرعوبیت کو محسوس کر لیا ، اور فرمایا کہ : لکھل داخل
دہشتہ (ہر نئے آنے والے پر رعب ہوتا ہے) پھر کلاہ چار ترکی
اپنے سرو سے آتار کر شیرے سر پر رکھ دی ۔ پھر آپ نے امیری نہایت
مدارت فرمائی ، حکم دیا کہ اس پرادیسی طالب علم کی چار پائی
جماعت خانے میں بیچھائی جائے جب چار پائی بیچھ گئی تو میں
نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں ہوگز این چار پائی پر نہ میوؤں
گا ، کتنے معزز مہمان ، حافظ کلام اللہ ، کتنے عاشقان خدا زمین

(۱) فوائد الفوائد، ص ۱۴۲

پر سو رہے ہیں، میں چارپائی پر کیسے لیٹ سکتا ہوں، یہ خبر جب منتظم خانقاہ خواجہ بدر الدین اسحاقؒ کو ملی تو انہوں نے کہلا بھیجا، تمہیں اپنے دل کی من مانی کرنا ہے یا شیخ کے حکم کی تعمیل کرنی ہے۔ میں نے کہا کہ میں شیخ کے حکم کی تعمیل کروں گا، فرمایا تو جاؤ اور چارپائی پر سوؤ۔

اس پہلی ہی ملاقات میں حضرت محبوب اللہی حضرت بابا فرید گنج شکر کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے، اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔^۲

تعلیم علوم ظاہری :

حضرت محبوب اللہی ۱۵ رجب ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ء) سے ۳ ربیع الاول ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) تک حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں ریاضت اور مجاہدے اور علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ بیعت ہونے کے بعد حضرت محبوب اللہی نے اپنے پیرو مرشد سے عرض کیا کہ علوم ظاہری کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھوں، یا اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاؤں، فرمایا نظام! تم کو کچھ کتابیں مجھ سے پڑھنی ہوں گی، چنانچہ آپ نے قرآن مجید کے

(۱) خواجہ بدر الدین اسحاق : بابا فرید گنج شکر کے داماد اور خلیفہ تھے، علوم ظاہری کی طرف بہت راغب تھے، مرشد کی تلاش میں سفر کیے، آخر میں بابا کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے، حضرت محبوب اللہی کو ان سے بڑی عقیدت تھی، جب تک وہ حیات رہے ان کی عزت و احترام کی وجہ سے کسی شخص کو مرید نہیں کیا۔

(۲) سیر الاولیاء، ص ۱۰۷

(۳) سیر الاولیاء، ص ۱۰۷

چھ پارے تجوید سے آپ سے پڑھے ، اس کے علاوہ عوارف کے چھ باب پڑھ کر آپ سے مند حاصل کی ، پھر اپنے شیخ سے ابو شکور سالمی بھی اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھی ۔^۱

اپنے شیخ کے درس کی لذت و کیفیت کو بیان کرتے ہوئے حضرت محبوب الہی فرمایا کرتے تھے ، کہ آپ کے بیان کی تاثیر کی یہ کیفیت تھی کہ جب آپ تقریر فرماتے تو یہ آرزو ہوتی کہ اگر اسی عالم میں موت آجاتی تو اچھا ہوتا ۔^۲

بے نفسی کی تعلیم :

اسی زمانے میں جب کہ آپ بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر تھے ، ایک عالم جو حضرت محبوب الہی کے ہم درس بھی رہ چکے تھے اجودھن آئے ، انہوں نے آپ کو پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا تو افسوس کرتے ہوئے کہا ، مولانا نظام الدین ! تم نے یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے ، اگر تم شہر میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے تو بڑی شان و شوکت سے رہتے ، میں نے اپنے دوست کی یہ بات سنی ، اور خاموش رہا ، جب میری ملاقات اپنے شیخ سے ہوئی تو آپ نے خود ہی فرمایا کہ نظام ! اگر تمہاری کسی دوست سے ملاقات ہو ، اور وہ تم سے کہے کہ تم نے اپنا حال بنا رکھا ہے ، اگر تم درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے تو آج کتنے خوش حال ہوتے تو بھلا تم اس کا کیا جواب دو گے ؟ میں نے عرض کیا ، جو آپ ارشاد فرمائیں گے میں وہی جواب دوں گا ، فرمایا اگر کبھی کوئی یہ بات کہے تو جواباً یہ شعر پڑھ دینا :

(۱) سیر الاولیاء ، ص ۱۰۶ -

(۲) فوائد الفواد ، ص ۷۵ -

نہ ہمرہی تو مرا راہِ خویش گیر برو
ترا ملامتی بادا مرا نگو نزاری

آس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جاؤ اور خانقاہ کے باورچی خانے سے مختلف کھانوں کا ایک خوان لے کر اور اپنے سر پر رکھ کر اپنے دوست کے پاس لے جاؤ، میں نے ارشاد کی تعمیل کی، میرے دوست نے جب یہ دیکھا تو روتا ہوا دوڑا، اور میرے سر سے کھانے کا خوان اتارا، اور کہنے لگا تم نے حد کردی کہ تم میرے لیے کھانے کا یہ خوان سر پر رکھ کر لائے، میں نے سارا واقعہ سنایا، اس نے سارا قصہ سن کر کہا کہ سبحان اللہ! تمہارے شیخ کتنے صاحبِ کمال ہیں کہ تمہیں بے نقسی کی اس منزل پر پہنچا دیا پھر انہوں نے اپنے ملازم سے کہا کہ یہ خوان سر پر اٹھا کر ہمارے ساتھ چلو، میں نے کہا یہ نہیں ہوگا، بلکہ میں خود اس خوان کو سر پر اٹھا کر لے چلوں گا، غرض ہم دونوں اسی طرح شیخ کی خدمت میں پہنچے، میرے دوست نے آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر توبہ کی۔^۱

خلافت سے سرفرازی :

ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکر نے حضرت محبوب اللہی کو خلافت سے سرفراز فرمایا، رخصت کرتے وقت وصیت فرمائی کہ دہلی پہنچنے کے بعد بھی مجاہدوں میں مشغول رہنا، بیکار نہ رہنا، نفلی روزہ رکھنا نصف راہ ہے، اور دوسرے نفلی اعمال نماز و حج (نفلی) نصف راہ۔

پھر خلافت نامہ لکھ کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ خلافت نامہ ہانسی میں مولانا جمال الدین کو اور دہلی میں قاضی منتجب الدین کو دکھا دینا۔

راستی میں جب یہ خلافت نامہ آپ نے مولانا جمال الدین ہانسوی
کو دکھایا تو وہ بہت خوش ہوئے ، اور یہ شعر پڑھا :

خدا نے جہاں را ہزاراں پیاس
کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس

دہلی واپس ہونے کے وقت منجملہ اور نصائح کے یہ نصیحت بھی
فرمائی تھی کہ اگر کسی سے قرض لینا تو اس کو جلد ادا کرنے کی
فکر کرنا ، اور اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش رکھنے کی
کوشش کرنا ۔

جب آپ دہلی واپس آئے تو حضرت محبوب الہی فرماتے ہیں
کہ مجھے ۲ جیتل ایک شخص کے دینے تھے جو بزاز تھا ، اور
جس سے کبھی میں نے کپڑا ادھار لیا تھا ، ایک مرتبہ دس جیتل
مجھے ملے ، میں اس بزاز کے پاس گیا ، اور اسے دس ٹنکے دیے کر
کہا کہ یہ دس تولے لو ، باقی پھر ادا کروں گا ، بزاز نے وہ دس
ٹنکے تولے لیے باقی معاف کر دیے ، اسی طرح میں نے اپنے ایک عزیز
سے ایک کتاب مستعار لی تھی ، جو اتفاق سے مجھ سے گم ہو گئی تھی ،

(۱) مولانا جمال الدین ہانسوی : امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی
اولاد میں سے تھے ، اور حضرت بابا فرید گنج شکر کے جلیل القدر
خلفاء میں تھے ، حضرت بابا صاحب ان کے متعلق فرمایا کرتے
تھے کہ جمال ہمارا جمال ہے ، جس سرید کو خلافت نامہ
دیتے ، ان کے پاس بھیجتے ، اگر وہ قبول کر لیتے تو وہ قبول کیا
جاتا ، اگر وہ رد کر دیتے تو حضرت بابا صاحب ان کے متعلق
فرماتے کہ جمال کا پھاڑا ہوا فرید نہیں جوڑ سکتا ، مولانا جمال کا
مزار ہانسی میں ہے (اخبار الاخبار ، ص ۱۶۷ - ۱۶۸)

(۲) سیر الاولیاء ، ص ۱۱۶ - ۱۱۷

میں آس کے پاس گیا ، وہ اس معاملے کو بھول بھی چکا تھا ، میں نے اس سے کہا کہ میں نے تم سے ایک کتاب لی تھی ، وہ کم ہو گئی ، میں اب اس کی نقل تمہیں تیار کر کے دوں گا ، اس نے کہا کہ میں نے وہ کتاب تم کو بخش دی ۔

دہلی میں قیام :
صاحب تاریخ دعوت و عزیمت نے صاحب سیر الاولیاء کے حوالے سے دہلی میں ابتدا سے جہاں جہاں آپ کا قیام رہا تفصیل دیتے ہوئے لکھا کہ :

جتنے سال تحضرت محبوب اللہی شہر دہلی میں رہے ، کوئی مکان آپ کی ملکیت میں نہ تھا ، پہلی مرتبہ جب آپ بڈایوں سے آئے تو مہرائے بیاں بازار میں جس کو نمک کی سرائے بھی کہتے ہیں آکرے ، اپنی والدہ اور ہم شیرہ کو بھی وہیں رکھا ، اور خود ایک قٹواس (کہان گر کی بارگاہ میں جو سرائے مذکور کے سامنے تھی مقیم ہوئے ، امیر خسرو کا مکان بھی اسی محلے میں تھا کچھ عرصے بعد راوت عرض کا مکان خالی ہوا ، اس کے لڑکے علاقوں میں چلے گئے ، امیر خسرو کی معرفت جو راوت عرض کے نواسے تھے ، آپ کو یہ مکان مل گیا ، آپ دو سال آس میں مقیم رہے ، یہ مکان شہر پناہ کے متصل مشدد دروازہ اور مشدد ہٹل کے نزدیک تھا ، اس طرح کہ شہر پناہ کا برج اس عمارت کے اندر آگیا تھا ، مکان کے ایوان ، رواق بڑے شاندار تھے ، چوں کہ راوت عرض کے پیٹے واپس آچکے تھے ، اس لیے وہ مکان آپ کو چھوڑنا

(۱) فوائد القواد ، ص ۱۴۷ (۲) فوائد القواد ، ص ۱۴۸

پڑا آپ کی کتابیں جن کے سوا آپ کے پاس اور کوئی سامان نہ تھا ، سید مبارک محمد کرمانی فرماتے ہیں سروں پر رکھ کر چھپر والی مسجد میں (جو سراج بقال) کے سامنے تھی لے آئے ، دوسرے روز سعدی کاغذی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ، اور نہایت عزت و احترام سے اپنے مکان پر لے گیا ۔ اس مکان کے بالا خانے پر ایک بہت اچھی بارگاہ بنی ہوئی تھی ، اس میں آپ کو ٹھہرایا ، حضرت محبوب اللہی ایک مہینے اس مکان میں رہے ، اس کے بعد اس مکان کو چھوڑ کر رکابدار کی منرائے میں جو قیصر پٹل کے متصل تھی ، اور اس سرائے کے درمیان ایک مکان تھا اس میں آٹھ آئے ، ایک مدت تک اس میں رہے ، پھر وہاں سے بھی منتقل ہو کر شادی گلابی کے مکان میں جو محمد پیوہ فروش کی دکانوں کے درمیان واقع تھا چلے آئے ، اسی زمانے میں میاں شمس الدین شراب دارا کے لڑکے اور اعزہ جو آپ کے معتقد تھے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ میاں شمس الدین شراب دار کے مکان میں لے آئے ، کئی سال آپ اس مکان میں رہے ، اس مکان میں آپ کو بڑی راحت و سکون ملا ۔ ۲

سیرالاولیا کے ایک اقتباس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت محبوب اللہی طلب علم کے سلسلے میں دہلی تشریف لائے تو ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرے میں قیام فرمایا ، اسی مسجد کے قریب حضرت بابا فرید گنج شکر کے چھوٹے

(۱) شراب دار بادشاہ کے پانی پلانے کے عہدے کو کہتے تھے ۔

(۲) تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم ، ص ۷۱ - ۷۲ بحوالہ

سیرالاولیاء ، ص ۱۰۸ ۔

بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کا مکان تھا، ان ہی بزرگ نے
حضرت محبوب الہی کے قلب میں حضرت بابا فرید گنج شکر کی
محبت و عقیدت کا چراغ روشن کیا۔
دور ابتلا :

دہلی تشریف لائے کے بعد حضرت محبوب الہی کو نہایت ابتلا
و آزمائش کے دور سے گزرنا پڑا۔ خود ابتدائی زمانے میں قیام دہلی کے
فقر و فاقے کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک روز ارشاد فرمایا کہ یہ وہ
زمانہ تھا کہ سارے ہندوستان کی دولت دہلی میں آٹھ آئی تھی،
ہر طرف خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا، ارزانی کا یہ
عالم تھا کہ دو سیر میدے کی روٹیاں ایک جیتل میں مل جاتی
تھیں، اور دو جیتل میں ایک بن خربوزے بازار میں ملتے تھے،
لیکن اس وقت سیرے گھر میں فقر و فاقے کی یہ کیفیت تھی کہ
سیرے پاس ایک دانگ بھی نہ ہوتا تھا کہ اس سے روٹیاں خرید کر
کھاؤں اور اپنی والدہ اور ہمشیرہ کو کھلاؤں، خربوزوں کے اتنا
سستا ہونے کے باوجود پوری فصل گزر جاتی اور خربوزہ چکھنا نصیب
نہ ہوتا تھا، لیکن میں اس حال میں بھی خوش تھا۔^۱

دہلی کے قیام کے زمانے میں شیخ کی خدمت میں حاضری :

دہلی تشریف لائے کے بعد حضرت محبوب الہی تین مرتبہ
اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آخری مرتبہ حضرت بابا فرید
گنج شکر کی وفات سے تین چار ماہ پہلے آپ ان کی خدمت میں حاضر
ہوئے، رخصت کرتے وقت حضرت بابا صاحب نے ان سے فرمایا کہ :
خدائے تعالیٰ تمہیں نیک بخت بنائے، تم ایسا درخت

(۱) بزم صوفیہ، ص ۱۸۳۔

(۲) سیر الاولیاء، ص ۱۱۳۔

ہو گئے کہ جس کے مائے میں مخلوق آرام پائے گی اور نصیحت فرمائی کہ ہمیشہ سجاوہی کرتے رہنا اپنے شیخ کی وفات کے وقت حضرت محبوب الہی اجودہن میں نہ تھے، وفات کے وقت حضرت بابا صاحب نے انہیں یاد کرتے ہوئے فرمایا کہ نظام الدین اس وقت دہلی میں ہیں، اور میں بھی اپنے شیخ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی وفات کے وقت ہانسی میں تھا، پھر آپ نے مولانا بدر الدین اسحاق کے حوالے اپنا جامہ، مصلیٰ اور عصا کیا، اور ارشاد فرمایا کہ یہ چیزیں نظام الدین کے حوالے کر دینا، چنانچہ جب آپ اجودہن تشریف لائے تو خواجہ بدر الدین اسحاق نے یہ تبرکات آپ کے حوالے کیے۔

غیاث پورہ کی سکونت :

فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت محبوب الہی نے فرمایا کہ شہر کے شور و شغب کی وجہ سے میرا دل دہلی میں نہ لگتا تھا، کبھی سوچتا تھا کہ پشالی چلا جاؤں، وہاں آن دنوں ایک ترک تھا، کبھی خیال کرتا تھا کہ بٹنالہ چلا جاؤں کہ وہاں کی آب و ہوا اچھی ہے، چنانچہ میں بٹنالہ چلا گیا، تین روز تک وہاں رہا مگر کوئی مکان رہائش کے لیے نہ مل سکا، وہاں سے دہلی واپس چلا آیا، لیکن میں دہلی کے قیام سے بڑا بد دل تھا، ایک روز میں نے حوض رانی کے پاس ”باغ حیرت“ میں جہاں سے بصدق دل دعا کی کہ الہی! میں اس شہر سے چلا جانا چاہتا ہوں، لیکن جہاں تیری مرضی ہو وہاں جانا چاہتا ہوں، اچانک ایک غیبی آواز آئی ”غیاث پورہ“، مجھے معلوم نہ تھا کہ غیاث پورہ کہاں ہے میں نے جب یہ آواز سنی تو اپنے ایک دوست کے پاس گیا، معلوم ہوا کہ وہ غیاث پورہ گیا ہوا ہے، میرے دل نے کہا کہ یہ وہی

(۱) فوائد الفواد۔

(۲) فوائد الفواد۔

ٹھیک پورہ ہے ، میں غیاث پورہ آیا ، اس وقت یہ مقام زیادہ آباد نہیں تھا ، یہاں کم لوگ آباد تھے ، میں نے یہیں پر سکونت اختیار کر لی ۔

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی نے غیاث پورہ کو اپنا سرگز بنا کر وہیں اپنے رشد و ہدایت کے چراغ کو روشن کیا ، انہوں نے بگڑے ہوئے انسانوں کو ہدایت کی راہ دکھائی ، اخلاقی قدروں کو بلند کیا ، اپنے قول و عمل سے غریب کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کا درس دیا ، پروانہ وار ہزاروں انسان اس شمع معرفت کے گرد جمع ہونے لگے ، شیخ کی عسرت فارغ البالی میں بدل دی ، فقر کی شان نے بادشاہوں کی شوکت کو ماند کر دیا ، آپ کے مرید خاص حضرت امیر خسرو نے اس فقیرانہ عظمت کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہا ہے :

در حجرہ فقر بادشا ہے

در عالم دل جہاں پنہا ہے

شاہنشہ بے سزیر و بے تاج

شاہ پائش بجاک پائے محتاج

لیکن اس فارغ البالی کے باوجود کہ بقول حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا دروازے کے آگے بہتا تھا ، کوئی دن فتوحات سے خالی نہ ہوتا تھا ۔ لیکن تعیش کی زندگی اور لذت کام و دہن سے آپ نے کبھی کوئی تعلق نہ رکھا ، جو کچھ آتا وہ فقرا ، درویشوں اور آئے جانے والوں پر تقسیم فرمادیتے ، کوئی آنے والا آپ کے دروازے سے محروم نہ جاتا ، حضرت چراغ دہلی نے لکھا ہے کہ لینے والے لائے والوں سے زیادہ رہتے تھے ، جو بھی آتا ، جس وقت بھی آتا محروم نہ

جاتا ، اور جو کوئی کچھ لاتا اس سے زیادہ حضرت کی عنایت سے پاتا ۔

امیر حسن علا سجزی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر تھا ، ایک امیر نے باغ اور بہت سی زمین کی دستاویز آپ کی خدمت میں بھجوائی ، لیکن حضرت نے اسے قبول نہ فرمایا اور تبسم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اس کو قبول کر لوں تو لوگ کہا کریں گے کہ شیخ باغ کی میر کو گئے ہیں ، اپنی زمین اور کھیتی دیکھنے تشریف لے گئے ہیں ، میرے فرائض کو اس کام سے کیا نسبت ، ہمارے بزرگوں اور مشائخ میں سے کسی نے زمین اور جائیداد قبول نہیں کی ۔

حضرت محبوب الہی کے دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے ہوتے ، غربا اور مساکین اور دوسرے لوگ آپ کے دسترخوان سے فیض یاب ہوتے ، لیکن آپ کی غذا ایک یا ادھی روٹی اور کچھ کریلے وغیرہ کی مہزی یا تھوڑے سے چاول کے سوا کچھ نہ تھی ۔ مولانا شمس الدین یحییٰ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ آپ کے دسترخوان پر افطار کے وقت حضرت محبوب الہی کو دیکھ رہا تھا ، میں نے دیکھا کہ کھانا شروع ہوتے وقت آپ نے لقمے کے لیے ہاتھ بڑھایا ، لیکن کھانے کے ختم ہونے تک ہاتھ کے منہ تک پہنچنے کی نوبت نہ آئی یہاں تک کہ دسترخوان بڑھا دیا گیا ۔

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی نے پانچ فرمانراؤں کا زمانہ دیکھا تھا ، لیکن ان کا عمل طبقہ اول کے صوفیہ کی طرح تھا کہ وہ دربار سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے فرمانروا آپ سے ملاقات کی تمنا رکھتے ، لیکن آپ ہمیشہ اس سے احتراز کرتے ، مگر ان کی

(۱) سراج المجالس اردو ترجمہ ذخیر المجالس ص ۲۰۲

(۲) فوائد القواد ص ۹۹

نے راہ رویوں اور ان کی غلطیوں پر ان کو متنبہ کرتے ، مہاسیاست کے خارزار سے انہوں نے اپنے دامن کو علیحدہ رکھا ، لیکن جب دین کے لیے ضرورت پیش آئی تو وہ بڑے سے بڑے فرمانروا کے سامنے حق کے کہنے سے باز نہیں رہے ۔

سیر العارفین اور سیر الاولیا میں ہے کہ : جب سلطان معزالدین کیقباد نے غیاث پورہ کے قریب کیلو کھڑی میں اپنا شاندار محل بنایا ، اور وہاں سکونت اختیار کر لی تو حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کی خدمت میں بادشاہ ، امرا اور عوام کثرت سے آنے لگے ، اس ہر وقت کے ہجوم سے عبادت و ریاضت کے معاملات میں فرق آنے لگا ، آپ نے غیاث پورہ کی سکونت سے دل برداشتہ ہو کر کسی دوسری جگہ سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا ، حضرت محبوب الہی اسی فکر میں تھے کہ اچانک ایک خوب صورت نوجوان آپ کے پاس آیا ، اور یہ دو شعر پڑھے :

اُن روز کہ منہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائی عالمے خواہند شد
امروز کہ زلفت دلے خلقے بر بود
در گوشہ نشست نمی دار بود

سیر الاولیا میں ہے کہ یہ اشعار پڑھنے کے بعد اس نوجوان نے کہا :

اول مشہور نمی یا یسترے شد ، چون این کس مشہور شد ،
چنان معی کیند کہ در روز قیامت از روئے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم شرمندہ انگردد ، و از خلق گوشہ گرفتن (۱)
و بحق مشغول شدن سهل است ، اما مردانگی و کار مردی (۲)

آنست کہ خلوت در انجمن باشد، و باوجود انہو خلوت

و مشغولی خلل نیفتد۔^۱

(ترجمہ)

اول تو آپ کو مشہور نہ ہونا چاہیے تھا، جب آپ

اس قدر مشہور ہو گئے ہیں تو اب آپ کو ایسی کوشش

کرنی چاہیے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی نہ ہو، مخلوق سے دور

ہو کر تنہائی اختیار کر لینا، اور حق میں مشغول

ہو جانا آسان ہے، لیکن مردانگی اور مردوں کا کام یہ

ہے کہ ان کی خلوت انجمن میں ہو، اور باوجود

خلقت کے ہجوم کے ان کی مشغولی میں کوئی فرق

نہ پڑے۔

اخبارالاخیار میں خواجہ محبوب النہی کا بیان ہے کہ: وہ نوجوان

جب یہ کہ چکا تو میں اس کے لیے کھانا لایا، لیکن اس نے نہ

کھایا، میں نے اسی وقت بختہ ارادہ کر لیا کہ اب میں غیاث پورہ

سے کہیں نہ جاؤں گا، جب میں نے یہ نیت کی، تب اس نوجوان نے

کھایا پیا، پھر میں نے اس نوجوان کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس کے

بعد آپ آخر عمر تک غیاث پورہ میں ہی رہے۔^۲

ارشاد و ہدایت: سیر العارفین میں ہے کہ اکثر امرا جو فسق و فجور میں

مبتلا تھے، آپ کی توجہ سے قائب ہو کر غیاث پورہ میں ہی

رہنے لگے۔

(۱) سیر الاولیاء، ص ۱۱۱۔ سیر العارفین، ص ۱۱۱۔

(۲) اخبارالاخیار، ص ۵۶۔

سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی کا ابتدائی زمانہ غلامان میں گزرا ، لیکن خلیجوں کے دور حکومت میں آپ کی غیر معمولی شہرت ہوئی ۔ شاہان وقت آپ سے ملاقات اپنا شرف سمجھتے تھے ، لیکن آپ کسی سے ملنا پسند نہ فرماتے تھے ، سلطان جلال الدین خلجی نے کئی مرتبہ آپ سے ملاقات کی خواہش کی ، لیکن آپ نے ہمیشہ ٹال دیا ۔

سلطان علاء الدین آپ سے اپنے خدا عقیدت رکھتا تھا ، یہ جلال الدین خلجی کے بعد تخت سلطنت پر متمکن ہوا بغض لوگوں نے اسے حضرت سلطان المشائخ محبوب الہی سے بدگمان کرنے کی کوشش کی ، اور اس سے کہا کہ ملک میں حضرت محبوب الہی کی مقبولیت کسی وقت آپ کی سلطنت کے لئے خطرہ بن سکتی ہے ، اس نے استعجلاً اپنے بیٹے خضر خاں کے ہاتھ آپ کی خدمت میں ایک عریضہ بھجوا دیا ، آپ نے وہ خط بغیر پڑھنے رکھ دیا ، اور فرمایا کہ ہم دعا کرتے ہیں اس کے بعد ارشاد فرمایا درویشوں کا بادشاہوں سے کیا کام ، میں ایک فقیر آدمی ہوں ، گوشہ نشین ہوں ، بادشاہ اور مسلمانوں کے لئے دعا کرتا ہوں ، اگر بادشاہ کو امن ہو بھی کوئی اعتراض ہے ، تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں ، اللہ کی زمین وسیع ہے ، سلطان علاء الدین کو جب آپ کا یہ جواب معلوم ہوا تو وہ بہت خوش ہوا ، اور کہا کہ بدخواہ چاہتے ہیں کہ مجھے مزدان خدا سے لڑا دیں ، اور اس طرح ملک تباہ ہو جائے ۔

ایک دفعہ کسی نے سلطان علاء الدین سے کہا کہ اس بے انتہا عقیدت کے باوجود جو آپ حضرت محبوب الہی سے رکھتے ہیں ، آپ نے کبھی ان سے ملاقات نہیں کی ، سلطان علاء الدین نے جواب دیا کہ : میں بادشاہ ہوں ، سر سے پاؤں تک دنیا میں اللہ

ہوں، اس آلودگی کی وجہ سے مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس جیسی پاک ہستی کو دیکھوں۔

آپ نے سلطان علاء الدین کے بعد جن بادشاہوں کا زمانہ دیکھا ان کے نام یہ ہیں۔ قطب الدین مبارک شاہ - خسرو خان - سلطان غیاث الدین تغلق اور سلطان محمد تغلق۔

تعلیمات :

خواجہ نظام الدین محبوب النہی کے آئینہ قیصوف میں شریعت و طریقت کا عکس ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ وہ اپنی تعلیمات میں زیادہ زور علم پر دیتے ہیں، مرشد کے متعلق رہبری کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

پیر آنجناب باید کہ مدار احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد، و چون این چنین باشد، او خود پیچ نامشروع نفرماید۔

(ترجمہ)

پیر ایسا ہونا چاہیے کہ جو احکام شریعت و طریقت و حقیقت کا عالم ہو، اور جب وہ ایسا ہوگا تو وہ خود کسی نامشروع بات کا حکم نہ دے گا۔

صوفیائے کرام پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ وہ ترک دنیا کی تعلیم دے کر لوگوں کو راسباندہ زندگی کی ترغیب دیتے ہیں، یہ اعتراض غلط فہمی پر مبنی ہے کیونکہ صوفیہ کا

- (۱) بزم صوفیہ، ص ۱۹۴۔
- (۲) بزم صوفیہ، ص ۲۰۲ تا ۲۰۸۔
- (۳) فوائد الفوائد، ص ۱۴۰۔

مقصد ہرگز یہ نہیں کہ انسان کائنات کی نعمتوں سے مستفید نہ ہو ، بلکہ اُن کا مقصد یہ ہے کہ وہ دنیا ضرور حاصل کرے لیکن دنیا کی محبت کو اپنے دل میں رچائے بسائے نہیں ، حضرت خواجہ نظام الدین محبوب اللہ صوفیانہ نقطہ نظر سے ترک دنیا کی وضاحت بے حد دل نشین انداز میں کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

ترک دنیا اُن نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً
لنگوتہ بد بندد ، و بنشیند - ترک دنیا اُنست کہ
لباس پوشد ، و طعام بخورد ، و آنچه می رسد روا بدارد -
و بجمع او میل نکند ، و خاطر را متعلق چیزے ندارد -
(ترجمہ)

ترک دنیا کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی اپنے آپ کو
برہنہ کرے ، اور لنگوٹا باندھ کر بیٹھ جائے ، ترک
دنیا کا مطلب یہ ہے کہ آدمی لباس بھی پہنے ، اور
کھائے بھی ، اور حلال کی جو چیز آسے پہنچے ، آسے
روا رکھے ، لیکن اُس کے جمع کرنے کی طرف رغبت
نہ کرے اور اپنے دل کو اُس میں نہ لگائے ۔

انہوں نے اپنی تعلیمات میں محبت اللہ پر سب سے زیادہ
زور دیا ہے ، اپنے ایک مرید مولانا فخرالدین مروزی^۲ کو انسان کی
تخلیق کا مقصد بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

اتفاق اصحاب طریقت و ارباب حقیقت است کہ اہم مطلوب
و اعظم مقصود از خلقت بشر محبت رب العالمین است -^۳

(۱) فوائد الفوائد ، ص ۹ ۔

(۲) مولانا فخرالدین مروزی : حافظ قرآن کریم تھے ، زہد و تقویٰ
سے آراستہ تھے ، کلام مجید کی کتابت کرتے تھے ، حضرت
محبوب اللہ سے بیعت تھے ۔ (اخبار الاخیار ، ص ۹۲) ۔

(۳) سیر الاولیاء ص ۲۵۵-۲۵۴

(ترجمہ)

اصحاب طریقت اور ارباب حقیقت سب اس پر متفق ہیں کہ انسان کی پیدائش کا اہم مطلوب اور مقصود رب العالمین کی محبت ہے۔

صاحب سیر الاولیاء نے لکھا ہے کہ خود حضرت محبوب الہی کا محبت الہی میں یہ عالم تھا کہ وہ خدا کی طرف اس محبت کے ساتھ متوجہ رہتے تھے کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہیں۔

تصوف کی بنیادی تعلیم خدمتِ خلق ہے، صوفیائے کرام کی زندگیاں خدمتِ خلق میں گزرتی تھیں، حضرت محبوب الہی کے آئینہ اخلاق میں محبت الہی، اتباع رسولؐ، خدمتِ خلق اور غربا پر شفقت کا عکس نمایاں نظر آتا ہے، ان کی ساری عمر یمدردی اور مخلوقِ خدا کی خدمت گزاری میں گزری۔

اپنے مریدوں کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے بازار میں دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ کسی چیز کی قدر نہ ہوگی۔

خواجہ عزیز الدین ایک دفعہ ایک دعوت میں شریک ہونے کے بعد حضرت محبوب الہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان سے پوچھا کہاں سے آرہے ہو، عرض کیا کہ میں ایک دعوت سے آرہا ہوں، اس دعوت میں لوگ کہہ رہے تھے کہ : شیخ نظام الدین کو بڑی فراغ باطنی حاصل ہے کہ انہیں اس جہان کا کوئی غم اور فکر نہیں ہے۔ حضرت محبوب الہی نے فرمایا کہ : جتنا غم و اندوہ مجھے ہے کسی کو اس دنیا میں نہ ہوگا، اس لیے کہ اتنی مخلوق میرے پاس آتی ہے، اور اپنا درد کہ

مجھ سے کہتی ہے ، آن سب کا بوجھ میری جان و دل پر پڑتا ہے ، وہ عجب دل ہوگا کہ اپنے مسلمان بھائی کا غم منے ، اور اس پر اثر نہ ہو ۔ ۱

فرمایا کرتے تھے کہ دستور یہ ہے کہ لوگ نیک کے ساتھ نیک اور بد کے ساتھ بد ہوتے ہیں ، لیکن ہم درویشوں میں یہ دستور نہیں ، یہاں نیک و بد دونوں کے ساتھ نیک ہونا چاہیے ۔ ۲

سیرالاولیا میں ہے کہ حضرت محبوب اللہی کی خانقاہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ، امیر و غریب ، جاہل و عالم ، بوڑھے اور جوان سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سب کے ساتھ محبت سے پیش آتے ۔ ۳

تاریخ فیروز شاہی کے مؤلف ضیا برنی نے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ : خدائے تعالیٰ نے شیخ نظام الدین کو پچھلی صدیوں میں شیخ جنید اور شیخ بابا یزید کے مثل پیدا کیا تھا ۔ ۴

مختصر یہ کہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب اللہی کی ذات گرامی اسلامی اخلاق و اتباع شریعت کا مجسم نمونہ تھی ،

حضرت بابا فرید گنج شکر نے جب حضرت محبوب اللہی کو خلافت سے سرفراز فرمایا تو آپ کے اوصاف و اخلاق پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ۔

باری تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق ادادہ است و ہر کہ بدین صفت متصف باشد ، از او خلافت مشائخ نیکو آید ۔ ۵

(۱) تاریخ مشائخ چشت ، ص ۸ بحوالہ خیر المجالس ۔ مجالس سی و یکم

(۲) فوائد الفواد ، ص ۸۷ -

(۳) سیرالاولیا

(۴) تاریخ فیروز شاہی (ضیا برنی) ص ۳۶ -

(۵) تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم ص ۱۲۳ -

(ترجمہ)

اللہ تعالیٰ نے تم کو علم و عقل و عشق سے نوازا ہے ،
اور جو ان صفات سے مستصف ہوتا ہے ، وہ مشائخ کی
خلافت کی ذمہ داریاں نہایت خوبی سے ادا کر سکتا ہے ۔

وفات :

وفات سے چالیس روز پہلے حضرت محبوب الہی پر استغراق
و تحیر کی کیفیت طاری ہو گئی تھی ، نور تجلی سے آپ کا باطن معمور تھا ،
اسی عالم میں آپ اپنے گھر میں تشریف لائے ، گریہ میں ترقی
ہوئی ، روزانہ کئی مرتبہ استغراق کی کیفیت طاری ہو جاتی ، جب
استغراق سے آنکھیں کھولتے تو فرماتے آج جمعہ کا دن ہے ، دوست
کو دوست کا وعدہ یاد آتا ہے ، پھر فرماتے نماز کا وقت ہو گیا ہے ،
اور میں نے نماز پڑھ لی ہے ، لوگ کہتے کہ آپ تو نماز ادا
فرما چکے ہیں ، فرماتے پھر پڑھ لیں ، ہر نماز کو مکرر ادا کرتے ۔
بار بار فرماتے آج جمعہ کا دن ہے ، ہم نماز پڑھ چکے ہیں ، کبھی
یہ مصرع پڑھتے :۔

می رویم و می رویم و می رویم

اپنی زمانے میں جب کہ تمام مریدین اور خدام موجود تھے ، فرمایا
تم صبح گواہ رہنا کہ اگر اقبال خادم نے کوئی چیز بھی گھڑی کی
جنس سے بچالی ہے ، تو قیامت کے دن اسے خدا کے سامنے جواب
دینا ہوگا ۔ اپنی بیماری میں کچھ احباب و خدمتگار حاضر ہوئے ، انہوں
نے پوچھا کہ آپ کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا ، فرمایا کہ یہاں
اتنا ملتا رہے گا کہ جس سے تمہارا گزر ہو جائے ، لوگوں نے سوال
کیا کہ ہم میں کون نصیبے والا ہوگا ، غالباً اس سے ان کی مراد
جانشینی و خلافت سے تھی ، فرمایا جس کی قسمت یاوری کرے گی ،
بعض خادموں نے میرے نانا مولانا شمس الدین دامغانی سے عرض
کیا کہ وہ حضرت محبوب الہی سے دریافت کریں کہ ہر شخص نے

اپنے اپنے اعتقاد کے مطابق آپ کے احاطے میں بلند بلند عمارتیں بنائی ہیں ، اور ان سب کی خواہش یہ ہے کہ آپ اس کی بنائی ہوئی عمارت میں آرام فرمائیں ، اگر وہ وقت آپنی گیا ہے تو آپ کو کس عمارت میں دفن کریں ؟ مولانا شمس الدین نے آپ سے دریافت کیا ، فرمایا کہ میں کسی عمارت میں دفن ہونا نہیں چاہتا ، میں جنگل میں آمودہ خاک ہونا چاہتا ہوں ، چنانچہ آپ کو باہر میدان میں دفن کیا گیا ، بعد میں سلطان محمد تغلق نے آپ کے مزار پر گنبد تعمیر کرایا ۔

وفات سے چالیس دن پہلے حضرت محبوب الہی نے غذا بالکل ترک فرمادی تھی ، یہاں تک کہ کھانے کی خوشبو بھی آپ کو پسند نہ آتی تھی ۔ اسی زمانے میں ایک مرید اخی مبارک آپ کے لیے مچھلی کا شوربہ لے کر آئے ، مریدین و خدام نے بہت کوشش کی کہ آپ تھوڑا سا نوش فرمائیں ۔ حضرت محبوب الہی نے پوچھا یہ کیا ہے ؟ عرض کیا گیا تھوڑا سا مچھلی کا شوربہ ہے ، فرمایا اسے بہتے ہوئے پانی میں ڈال دو ۔ آپ نے اس میں سے بالکل تناول نہیں فرمایا ۔ میرے چچا سعید حسن نے عرض کیا کہ کئی دن سے آپ نے کچھ تناول نہیں فرمایا ، کمزوری بڑھتی جا رہی ہے ، فرمایا سعید ! جو حضرت ربالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کا مشتاق ہوں ، اس سے اس دنیا میں کیسے کھانا کھایا جاسکتا ہے ۔

آخر ۱۸ ربیع الآخر ۵۲۵ھ (۲۵ - ۲۴ ۱۳۷۱ء) کو حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین دہلوی نے وفات پائی ، نماز جنازہ حضرت شیخ الاسلام رکن الدین نبیرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے پڑھائی ۔

• اولاد •

حضرت محبوب الہی نے شادی عمر تجرد میں گزاری ، اس لیے آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی ۔

خلفاء و مریدین :

آپ کے بعد سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے فیوض و برکات کو آپ کے جن خلفاء نے اس برصغور پاک و ہند کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

- (۱) مولانا شمس الدین یحییٰ - (۲) شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (۳) شیخ قطب الدین مخدوم بدائشوی (۴) شیخ حسام الدین ملتانی (۵) مولانا فخر الدین زراذی (۶) مولانا غلام الدین نیلی (۷) مولانا برہان الدین غریب (۸) مولانا یوسف چندیری (۹) مولانا سراج الدین آخی سراج (۱۰) مولانا شہاب الدین -

مریدین میں جن کو خاص تقرب حاصل تھا، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں (۱) خواجہ ابو بکر (۲) امیر حسن غلامی، (۳) امیر خسرو (۴) خواجہ انیساء الدین جرنی (۵) مولانا فخر الدین مروزی (۶) خواجہ سالار وغیرہ -

مولانا فخر الدین مروزی کو حضرت محبوب الہی نے ایک خط میں لکھا کہ: اصحاب طریقت اور ارباب حقیقت کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان کی پیدائش کا اہم مقصود رب العالمین کی محبت ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی تالیف تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم میں، حضرت محبوب الہی کے متعلق لکھا کہ:

سرور عشق کا نتیجہ یہ تھا کہ شب کی خلوت اور رات کے راز و نیاز کے بعد جب دن میں تشریف لاتے تو بقول امیر خوردم معلوم ہوتا کہ شراب چھلک رہی ہے،

- (۱) آپ کی وفات کے حالات اور خلفاء و مریدین کی فہرست، تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم، ص ۹۶ تا ۱۰۱ و ص ۱۵۰ سے ماخوذ ہے۔

رات کی بیداری سے آنکھیں سرخ ہوتی ہیں، امیر خسرو نے
یہی دیکھ کر کہا ہے :

تو شبانہ کی نمائی بہا ہلے اکنا بودی اسشب
کنا پنواز چشم مست اثر خمار دارد
اور اسی حرارت عشق اور سرور و سرمستی کا نتیجہ تھا
کہ پیرانہ سالی میں برابر روزہ رکھتے ، ثقیل غذا
طویل شب بیداری اور سخت مجاہدات کے باوجود
ضعف و ناطاقتی ظاہر نہ ہوتی تھی ، اسی سال سے اعمر
مبارک متجاوز ہونے کے باوجود چہرے پر وہی سرخی
اور نشاط و انبساط کی وہی کیفیت پائی جاتی تھی جو
جوانی میں رہی ہوگی ، بلکہ اس میں روز افزوں اضافہ
تھا ۔^۱

آپ شریعت کے پیحد پابند اور اتباع رسول کا پیکر تھے ، اور اپنی
تعلیمات میں سب سے زیادہ زور پابندی شریعت اور اتباع رسول کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دیتے ۔ اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے :

استقامت می باید کہ بر متابعت رسول علیہ السلام والصلوۃ
باشد ، و پیچ مستحبی و آدابے فوت نہ شود

(ترجمہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی پیروی و اتباع پر
مضبوطی سے ثابت قدم رہنا چاہیے ، یہاں تک کہ
کوئی مستحب اور آداب بھی فوت نہ ہونا چاہیے ۔

پیری و مریدی کے لیے شریعت کے علم کو لازمی قرار دیتے
تھے ، تاکہ پیر خود بھی اس پر عامل ہو ، اور مریدوں کو بھی

(۱) امیر الاولیاء ، ص ۳۵۵ - بحوالہ امیر الاولیاء ، ص ۳۵۴

(۲) تاریخ مشائخ چشت ، ص ۳۳ بحوالہ امیر الاولیاء ، ص ۳۵۴-۳۵۵

خلاف شرع امور سے روکے۔ ایک روز پیرو کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا :

پیرو آنچنان باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد ، و چون این چنین باشد : او خود هیچ نا مشروع نہ فرماید ۔

(ترجمہ)

پیرو ایسا ہونا چاہیے کہ احکام شریعت و طریقت و حقیقت کا عالم ہو ، جب ایسا ہوگا تو وہ کسی خلاف شرع کام کے لیے نہ کہے گا۔

پیرو ایسا ہونا چاہیے کہ احکام شریعت و طریقت و حقیقت کا عالم ہو ، جب ایسا ہوگا تو وہ کسی خلاف شرع کام کے لیے نہ کہے گا۔

(ترجمہ)

پیرو ایسا ہونا چاہیے کہ احکام شریعت و طریقت و حقیقت کا عالم ہو ، جب ایسا ہوگا تو وہ کسی خلاف شرع کام کے لیے نہ کہے گا۔

(۱) تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم ، ص ۱۸۹ تا ۱۹۰ ایچوالہ
میرالاولیاء ، ص ۱۸۹ تا ۱۹۰ ایچوالہ

حضرت امیر خسرو

حضرت امیر خسرو کے متعلق علامہ اقبال کا تاثر

حضرت امیر خسرو آن بزرگوں میں ہیں کہ جن کے سوز و گداز سے متاثر ہو کر علامہ اقبال نے خدائے تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ خدائے تعالیٰ انہیں اپنی نعمتوں کے خزانے سے سوز خسرو عطا فرمائے، ارمغان حجاز میں اس تمنا کا اظہار کرتے ہوئے یوں نغمہ سرا ہیں :

عطا کن شورِ رومیؑ سوزِ خسروؑ
عطا کن صدق و اخلاصِ سنائیؑ
چنان با بندگی در ساختم من
ندا گیرم گیر سرا بخشی خدائیؑ

وہ نگاہِ سطحِ بیل کو حقیقت کی طرف موڑتے ہیں ، اور ایک و غوری کی فتوحات اور معراکوں کو فانی ، اور لوائے رومی اور نغمہ خسرو کو لافانی اور سدا بہار قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں :

ہر اُنک مقام سے آگے گزر گیا مہند تو
کمال کس کو تیسر ہوا ہے بے تگ و دو
تفنن کے زور سے وہ غنچہ وا ہوا بھی تو کیا
جسے نصیب نہیں آفتاب کاؑ پر تو
رہے نہ ایک و غوری کے معر کے باقی
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمہ خسروؑ

(۱) ارمغان حجاز، ص ۱۸

(۲) بال جبریل، ص ۱۰۷

پیشکش: ۲۷۳

حالات :

حضرت امیر خسرو کا نام ابوالحسن لقب یمن الدین اور تخلص خسرو ہے۔ ان کے والد محترم امیر سیف الدین محمود ترکستان کے شہر کش' کے رہنے والے تھے اور بخلوں کے بلغار کے زمانے میں وہ وہاں سے فرار ہو کر ہندوستان کے ایک شہر پٹیالی عرف مومن آباد ضلع ایٹم (یو۔ پی) میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے، انہوں نے فارسی کی قدیم کتابوں اور شاعری کا گہرا مطالعہ کیا، یہاں تک کہ فارسی میں غیر معمولی رسوخ اور ملکہ حاصل کر لیا۔

”خسرو شیریں زبان“ میں اقبال صلاح الدین صاحب نے بحوالہ بدخشانی لکھا ہے کہ ان کے والد امیر سیف الدین محمود کو فوجی خدمات کے صلے میں امیر کے لقب سے نوازا گیا، اور پٹیالی میں جاگیر عطا کی گئی۔

امیر خسرو کے نانا عماد الملک تھے، جو ایک بڑے معزز اور مفتخر خاندان کے فرد تھے، یہ سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں کسی بڑے عہدے پر فائز تھے، دیوان غرة الکمال کے دیباچے میں خود امیر خسرو نے عماد الملک کی مختلف حیثیتوں پر روشنی ڈالی ہے، اور ان کی عمر ایک سو تیرہ سال بتائی ہے۔

عماد الملک کی صاحبزادی کے بطن سے امیر سیف الدین محمود کے تین صاحبزادے پیدا ہوئے، بڑے کا نام عزالدین علی شاہ، منجھلے کا نام خسرو اور چھوٹے کا نام حسام الدین قتلج تھا۔

ولادت :

امیر خسرو ۶۵۱ھ (۵۴۰ - ۱۲۵۳ء) ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے، جیسا کہ خود انہوں نے ”مثنوی نہ پہر“ میں اپنا مولد و موالی

(۱) کش : ساوراء النہر میں جرجان سے تین فرسنگ کے فاصلے پر ہے (میخانہ عبدالنبی، ص ۵۹) حاشیہ نمبر ۱۔

ہندوستان کو بتایا ہے ، دیباچہ دیوان غرۃ الکمال میں بھی انہوں نے اپنے ہندوستانی نژاد ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے

ترک ہندوستانیم ہندوی گویم چو آب

ان کی خود اس داخلی شہادت کے بعد والد داغستانی کا یہ بیان کہ وہ اپنے والد کے ہمراہ ترک وطن کر کے اس برصغیر میں آئے تھے ، بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے ۔

امیر خسرو کی عمر آٹھ سال کی تھی کہ ان کے والد کا سایہ شفت آن کے سر سے اٹھ گیا وہ ایک سرٹھے میں اپنے والد کی وفات پر نوحہ کنان ہوتے ہوئے فرماتے ہیں

سیف از سرم گزشت و دل من دو نیم ماند

دریای من رواں شد و درم یتیم ماند

تعلیم و تربیت :

امیر خسرو کے والد بڑے صاحب علم و فضل بزرگ تھے ، ان کے نانا عماد الملک معارف نواز اور علم پرور امیر تھے ، اس علمی ماحول نے خسرو کے قلب میں ذوقِ علم کے چراغ کو روشن کیا ، اور انہوں نے بھی سروجہ علوم و فنون بڑی توجہ سے حاصل کیے ، چنانچہ ڈاکٹر رضا زادہ شفیق نے لکھا کہ :

بہمان طور کہ پدرش از اہل فضل بود ، خودش نیز

بتحصیل علوم و فنون پرداخت ۔

یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ امیر خسرو مختلف زبانوں سے واقف تھے ، فارسی ، ترکی ، ہندی ، سنسکرت اور عربی سے واقفیت پر ان کی تصانیف میں ہمیں داخلی شہادتیں ملتی ہیں ، مثنوی نہ سپہر، وسط الحیوۃ، اعجاز خسروی ، دیباچہ غرۃ الکمال، ان کی مندرجہ بالا زبانوں سے واقفیت کے قراین فراہم کرتے ہیں ، ان کی ہندوی زبان سے واقفیت کی دلیل خود ان کی ہندی شاعری ہے ۔

شاعری: اس کا آغاز ۱۸۵۷ء میں ہوا، جب اس نے ۱۸۵۷ء میں شاعری شروع کی۔

خسرو کی شاعری کی ابتدا کب ہوئی، اور انہوں نے کس عمر میں شعر کہنا شروع کیا، اس کے ثبوت میں ہم خسرو کی تصانیف سے خود ان کا بیان پیش کرتے ہیں، انہوں نے اپنے دیوان تحفۃ الصغر کے دیباچے میں لکھا کہ:

در آن سن کے دندان من افتاد سخن می گفتم کہ

(ترجمہ) میں اس وقت سے شعر کہتا رہا ہوں، جس زمانے سے میرے

میرے دودھ کے دانت گر رہے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداءً سلاطینی تخلص کرتے تھے، چنانچہ ان کے پہلے دیوان تحفۃ الصغر میں یہ تخلص اکثر غزلوں میں موجود ہے۔

تحفۃ الصغر کے دیباچے میں اپنی شاعری کی ابتداء کی داستان کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:

میں بارہ سال کا تھا، مختلف قسم کی شاعری کی بنیاد میرے

دماغ میں مستحکم ہو گئی، جب اس زمانے کے شاعروں

اور علماء نے فن شعر میں میری مہارت دیکھی تو وہ

حیران رہ گئے، ان کی یہ خیراتی میرے لیے مزید فخر

کا باعث ہوئی۔

پلو کیا تھا کہ صبح سے شام تک قلم کی طرح امیراں

جھکا رہتا، اور رات دن میری آنکھیں اوراق کی، بیانیہ

اور مفیدی پر جمی رہتی تھیں، تاکہ میں عقل و دانش پر مشتمل

اور ذوق طبع میں شہرت حاصل کر سکوں، یہی کہنی کا

میرے ہمعصر استاد میر نے اپنی کتاب دانش کیلئے

کرتے تھے، اور میں اپنا کلام ان کے سامنے ان کو زبانِ قلم کی فصاحت سے دکھایا کرتا تھا، چونکہ کسی ایسے مشہور استاد نے میری تربیت نہ کی تھی جو مجھے شاعری کے رسوم و حقائق بتا سکتا اور میرے قلم کو گمراہی کے رستے پر پڑنے سے روک سکتا، یا اہل خوبی کو نمایاں کر سکتا، جو میری برائیوں میں دبی پڑی تھی، اس لیے میں نے کچھ عرصے کے لیے وہی کیا جو طوطے کو بولنے کے لیے کیا جاتا ہے، یعنی میں نے اپنے سامنے خیال کے آئینے کو رکھا، اور ان شکلوں سے جن کا عکس اس آئینے میں پڑتا رہا۔ میں نے شاعری سیکھنا شروع کی، اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے دماغ کے آئینے کو صیقل کوشش سے جلا دی، اور ان مختلف انواعِ شعر کا مطالعہ کیا، جو قوتِ تخیل سے پیدا ہو سکتے ہیں، اور بڑے بڑے اساتذہ کے کلام کو برابر دیکھتا رہا، ان کے کلام میں جہاں کہیں مجھے شیرینی نظر آئی، میں نے لے لی، اور اس طرح آخر کار شاعری کا حقیقی ذوق مجھے حاصل ہو گیا۔ جیسا کہ میں نے انوری اور سنائی کے کلام کو پڑھا تو میرا دل اور میری آنکھیں

(۱) انوری: کا نام ابوحد الدین محمد، تخلص انوری تھا، چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں وہ قصبتہ مہند نواح خاوران میں پیدا ہوئے، سلطان سنجر سلجوقی کے ہمعصر تھے، ۵۴۸ھ میں جب ترکان غزنوی سلطان سنجر کو مغلوب کر کے قید کر لیا تو انوری نے فراز پور کرمان بچائی، اور خراسان کے شہروں میں پناہ لی، وہ شہر مرو سے نیشاپور آئے، پھر دوبارہ بلخ گئے اور وہیں ۵۸۵ھ (۹۲-۱۱۹۱ء) میں وفات پائی (ساخوذ از بزرگان ایران، ص ۱۹۲-۱۱۹۱ء)

اور جہاں کہیں بھی مجھے کوئی نظم آب زر کی طرح
چمکتی ہوئی دکھائی دی، میں نے جوئے رواں کی طرح
اس کا پیچھا کیا، جو دیوان بھی مجھے ملی سکا، میں
نے نہ صرف اس کا مطالعہ کیا بلکہ اس کی نقل بھی
اپنے کلام میں ضرور کی۔

خسرو نے اس اقتباس میں اپنی ابتدائی سخن گوئی پر کافی
روشنی ڈالی ہے، اس اقتباس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ
شاعری میں وہ تلمیذ رحمان تھے، اور انہوں نے کسی سے اصلاح
نہیں لی تھی۔ شاعری میں ان کا طرز عمل اس کی بھی رہنمائی
کرتا ہے کہ ایک شاعر کے شعری رفعت اور بلندی کے لئے اساتذہ
کے کلام کا مطالعہ کس قدر ضروری ہے، اس سے اس کا بھی پتا
چلتا ہے کہ انوری اور سنائی کے مطالعے نے ان کی شاعری کو نکھارا
اور سنوارا ہے۔

نانا کی وفات :

امیر خسرو اپنے نانا کی وفات حسرت آیات کا تذکرہ کرتے ہوئے
اپنے تاثر کو اس طرح قلم بند کرتے ہیں :

بیست سالہ بودم کہ بزرگ صد و سیزده سالہ شد، و در

بہشت کہ ہزار سالہ راہ بود بیک نفس برسید، زہی

قدم کہ در دم زدن ہزار سالہ راہ چشم پیش کردہ برود۔

(ترجمہ)

میں بیس سال کا تھا کہ ایک سو تیرہ سال کے بزرگ

(عماد الملک) نے بہشت کی ایک ہزار سالہ راہ ایک

لمحے میں طے کی، مبارک ہیں، وہ قدم کہ چشم زدن

میں ایک سال کی راہ طے کر کے پہنچتے ہیں۔

(۱) خسرو شیریں زبان، ص ۳۲-۳۳

عماد الملک نے ۵۶۲۱ھ (۱۱۷۲ء - ۱۱۷۳ء) میں وفات پائی ،
 اس وقت امیر خسرو کی عمر بیس سال کی تھی ۔
 بیعت :

جب امیر خسرو کے نانا عماد الملک اور آن کے والد بزرگوار
 امیر سیف الدین لاچین اور آن کا پورا خاندان حضرت خواجہ نظام الدین
 محبوب اللہی کی بیعت سے مشرف ہوا تو اپنے خاندان کے ساتھ ہی
 امیر خسرو اٹھ سال کی عمر میں حضرت محبوب اللہی کے حلقہ ارادت
 میں داخل ہوئے ۔

اقبال صلاح الدین صاحب نے اپنی تالیف ”خسرو شیریں زبان“
 میں اس کو بیعت اول قرار دیتے ہوئے لکھا کہ جب امیر خسرو کے
 والد اندر جانے لگے تو حضرت امیر خسرو نے آن سے دریافت کیا کہ
 آپ مجھے کہاں لیے جاتے ہیں ؟ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں
 حضرت سلطان المشائخ کا مرید کرانے لایا ہوں ، امیر خسرو نے اپنے والد
 سے کہا کہ پیر کا پسند کرنا سیرا فعل ہے ، نہ کہ آپ کا ۔ امیر
 خسرو کے والد یہ سن کر ان کو دروازے پر چھوڑ گئے ، امیر خسرو
 نے دروازے پر بیٹھے بیٹھے یہ رباعی کہی :

تو آن شاہی کہ ہر ایوان حضرت

کبوتر گر نشیند باز گردد

بغریبے مستمند بر در آمد

بیاید اندرون یا باز گردد

اور دل میں خیال کیا کہ اگر پیر روشن ضمیر ہیں تو وہ اس کا
 جواب دیں گے ، ورنہ میں دروازے ہی سے لوٹ جاؤں گا ۔

(۱) خسرو شیریں زبان ، ص ۸۰ تا ۸۱ بحوالہ تذکرہ اولیائے
 ہند و پاکستان ، ص ۱۲۱ ۔

آن کے والد کے تھوڑی دیر پہنچنے کے بعد حضرت سلطان المشائخ نے ایک رباعی لکھ کر اپنے خادم اکو دی، اور فرمایا دیکھو دروازے پر ایک بچہ بیٹھا ہے، تم یہ رباعی اس کے پاس جا کر پڑھو، رباعی یہ تھی :

پیدا شد اندرونِ مراد حقیقت
کہ با ما یک نفس ہمارا گرو
اگر ابلہ بود آن مرد نادان
از آن را ہے کہ آمد باز گرد

خادم نے جب یہ رباعی امیر خسرو کے سامنے آکر پڑھی تو وہ اندر گئے، اور جا کر فوراً سرید ہو گئے۔
بیعت اول کے بعد وہ وقتاً فوقتاً سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے ڈاکٹر وحید مرزا کا بیان ہے کہ امیر خسرو ۶۷۱ھ (۷۲۷-۷۲۸ء) میں باقاعدہ سرید ہوئے اور تجدید بیعت کی، لیکن انہوں نے اپنے اس قول کے لیے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔
نفحات الانس میں ہے کہ :
سلطان مبارک شاہ خلجی کی وفات کے بعد امیر خسرو،

شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں رہنے لگے، اور ریاضتوں اور بیجاہدوں میں مشغول ہو گئے، کہتے ہیں چالیس سال تک صائم الدہر رہے، اور کہتے ہیں کہ حضرت شیخ نظام الدین کے ہمراہ بطریق طہ ارض حج کیا، اور پانچ مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی خواب میں زیارت کی۔

(۱) خسرو شیریں زبان، ص ۸۱ تا ۸۲۔

(۲) خسرو شیریں زبان، ص ۸۱ تا ۸۲۔

(۳) نفحات الانس اردو ترجمہ، ص ۱۴۵-۱۴۶۔

میر و مرید کی محبت :

رفتہ رفتہ مرشد اور مرید میں عقیدت و محبت کا اتنا گہرا
تعلق ہوا کہ :

ہم میں تم اور تم میں ہم ہم ہو گئے
ہوتے ہوتے ایک ہم تم ہو گئے

(بابا ذہین شاہ تاجی)

شیخانہ عبد النبی کے حواشی میں بحوالہ سیر الاولیاء منقول ہے کہ جس زمانے میں سلطان المشائخ راوت عرض کے گھر میں جو امیر خسرو کی ماں کے دادا تھے مندرہ پل کے قریب مقیم تھے اسی زمانے میں امیر خسرو نے شاعری شروع کی تھی ، وہ جو نظم کہتے آئے پہلے سلطان المشائخ کی نظر سے گزراتے ، ایک روز سلطان المشائخ نے ان سے فرمایا : صفا ہانیوں کے طرز پر کہو ، یعنی عشق انگیز و زلف و خال آمیز۔ اسی روز سے امیر خسرو نے اس طرز پر کہنا شروع کیا ، اور اس نوع کی شاعری کو انتہائی کمال پر پہنچا دیا ، بعد میں انہوں نے اپنا ابتدائی اور آخری دیوان قاضی معز الدین پایچہ کے ذریعے سے جو مولانا رفیع الدین پایچہ کے والد تھے ، یہ دونوں مکمل دیوان سلطان المشائخ کی نظر سے گزرائے ، اور شعر کے ربوز و نکات آپ سے معلوم کیے ، یہاں تک کہ وہ اپنے عہد کے شعرا میں اس دور کے مختلف فرمانرواؤں کے درباروں سے منسلک رہے ۔

سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی سے امیر خسرو کو اس قدر محبت اور عقیدت تھی کہ وہ محبوب الہی کے محرم اسرار قرار پائے ۔ ایک روز انہوں نے حضرت سلطان المشائخ کی مدح میں کچھ شعر آپ کی خدمت میں پیش کیے ، حضرت محبوب الہی نے خوش ہو کر فرمایا کہو کیا چاہتے ہو ؟ چونکہ وہ شاعری کو مطمح نظر بنائے ہوئے تھے ، عرض کیا کہ میں شیرنی سخن کا خواستگار ہوں ، فرمایا وہ شکر کا طشت جو چارپائی کے نیچے رکھا ہے ، اٹھا کر لاؤ ، اور

اپنے سر پر نثار کرو ، اور کچھ اس میں سے کھالو ، امیر خسرو نے ایسا ہی کیا ، آخر ان کے سخن کی شیرنی و حلاوت مشرق سے مغرب تک پھیلی ، اور وہ قدیم اور متاخر شعرا کے لیے باعث افتخار ہوئے ، اس طرح وہ درخواست جو انھوں نے سلطان المشائخ سے کی تھی مقبول ہوئی ، کہتے ہیں کہ امیر خسرو کو تمام عمر اس کا افسوس رہا کہ انھوں نے اس قبولیت کے وقت میں اس سے بہتر کوئی چیز کیوں نہ طلب کی ، اجابت دعا کا یہ اثر تھا کہ ان کی تصانیف سے ان کا کتب خانہ بھر گیا ، جب وہ کوئی تصنیف مکمل کر لیتے تو اسے سب سے پہلے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش فرماتے ، حضرت سلطان المشائخ اسے ہاتھ میں لے کر فرماتے کہ ہم نے اس پر فاتحہ پڑھ دی ، پھر امیر خسرو کو واپس فرمادیتے ، کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ اسے کھولتے چند سطریں پڑھتے ، اور فرماتے یہ بھی امیر خسرو کے کمال حال کے لیے ہے ، تاکہ وہ فن شعر پر فریفتہ نہ ہو ، اور اس کے بعد اس سے بہتر کام کرے۔

امیر خسرو کا اکثر وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا، ان کا معمول تھا کہ ہر شب میں تہجد کے وقت سات بارے کلام اللہ کے پڑھتے۔ ایک روز سلطان المشائخ نے ان سے پوچھا ترک ! تمہاری مشغولیت کا کیا عالم ہے ؟ امیر خسرو نے عرض کیا مخدوم من رات کے پچھلے بھر مجھ پر گریہ کا غلبہ ہوتا ہے ، فرمایا : الحمد للہ اب تم پر زندگی کی حقیقت منکشف ہونے لگی۔

امیر خسرو کی انتہائی سعادت و خوش نصیبی یہ ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نے انھیں کئی خطوط اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں ، امیر خسرو ان کی بارگاہ میں اس قدر مقرب تھے کہ وہ جب چاہتے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے ، اور آپ تمام اہم امور میں ان سے مشورہ فرماتے ، اگر کوئی خادم یا مرید آپ سے کچھ

درخواست کرنا چاہتا تو امیر خسرو کے توسط سے وہ اپنی درخواست پیش کرتا ۔

آن عنایتوں اور شفقتوں کو جو حضرت سلطان المشائخ کی امیر خسرو پر مبذول تھیں ، امیر خسرو نے انہیں ایک کتاب کی صورت میں جمع کیا تھا ۔ غالباً محشی میخانہ عبدالنبی کی مراد اس سے سلطان المشائخ کے وہ ملفوظات ہیں ، جو امیر خسرو نے افضل الفوائد کے نام سے جمع کیے تھے ۔

غالباً ان ہی ملفوظات کے حوالے سے محشی میخانہ عبدالنبی گلچین معانی نے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ : ایک بار سلطان المشائخ نے مجھ (امیر خسرو) سے فرمایا کہ میں ہر ایک سے تنگ آجاتا ہوں ، لیکن تجھ سے کبھی تنگ نہیں ہوتا ۔

ایک روز سلطان المشائخ نے مجھ سے فرمایا میرے لیے دعا کرو کہ تیری بقا میری بقا پر موقوف ہے ، لوگوں کو چاہیے کہ وہ تجھے میرے پہلو میں دفن کریں ، یہ بات آپ نے بار بار کہی ، تاکہ یہ بات لوگوں کو یاد رہے ، پھر فرمایا انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا ۔

امیر خسرو کو محمد کاہ لیس اور ترک اللہ کا خطاب :

امیر خسرو نے ان خطابات کی تفصیل دیتے ہوئے جو بارگاہ سلطان المشائخ سے آپ کو ملے اپنے جمع کردہ ملفوظات افضل الفوائد میں لکھا ہے کہ : ایک روز میں نے سلطان المشائخ کی زبان مبارک سے سنا کہ فرماتے تھے کہ آج رات سرور غیبی نے مجھ سے کہا کہ خسرو ، درویشوں جیسا نام نہیں ، آئندہ خسرو کو ”محمد کاہ لیس“ کے نام سے پکارو ۔ خسرو کہتا کرتے تھے کہ یہ خطاب مجھ کو غیب سے ملا ہے ۔

امیر خسرو بیان کرتے ہیں کہ میرے شیخ نے مجھ کو ترک اللہ کا خطاب اپنے دست مبارک سے لکھ کر دیا تھا، میں اس فرمان مبارک کو حرزِ جاں بنائے ہوئے ہوں، تاکہ میرے دفن کے وقت اس کو میرے ساتھ دفن کیا جائے، اور قیامت کے دن یہ کاغذ میرے لیے حق تعالیٰ کے سامنے مغفرت کا باعث ہو۔

ایک روز سلطان المشائخ نے امیر خسرو کو طلب فرما کر ان سے فرمایا کہ رات میں نے ایک خواب دیکھا، تم بھی منو، میں جمعہ کی رات کو خواب دیکھتا ہوں کہ شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمہ تشریف لائے، میں ان کی انتہائی تعظیم و تکریم بجا لایا ہوں، اور وہ خود بھی نہایت تواضع سے میرے ساتھ پیش آئے اسی اثنا میں میں نے دیکھا کہ خسرو! تم دور سے چلے آ رہے ہو، جب تم میرے پاس آئے تو معرفت کے رموز و حقائق بیان کرنے لگے، اسی غرض سے صالح موذن نے فجر کی اذان دی، اور میں خواب سے بیدار ہو گیا، اس خواب کے بیان کرنے کے بعد فرمایا دیکھو یہ کتنا بلند مرتبہ ہے، مجھ پر گریہ و زاری طاری ہو گیا، میں نے عرض کیا کہ میں غریب اس بلند مرتبے کے کہاں قابل ہوں، یہ سن کر آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے، اور بلند آواز سے رونے لگے، پھر آپ نے اپنی خاص ٹوپی منگوائی، مجھے پہنائی، اور فرمایا کہ تمہیں چاہیے کہ بزرگوں کے ارشادات کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔

روحانی تربیت: حضرت سلطان المشائخ محبوب اللہ کی روحانی تربیت نے

حضرت امیر خسرو میں عشق اللہ کی وہ سوزش پیدا کی تھی کہ

(۱) یہ تمام واقعات حواشی میخانہ عبدالنبی، حواشی ص ۶۷ تا ص ۶۹ سے ماخوذ ہیں۔

مرشد ان کی سوزنِ عشق کو اپنے لیے سرمایہٴ افتخار سمجھتے تھے ،
فرمایا کرتے تھے کہ :

روزِ قیامت از ہر کس خواہند پر سید کہ چہ آوردی ؟
از من پر سند خواہم گفت کہ سوز سینہٴ این ترکِ اللہ -^۱

(ترجمہ)

قیامت کے دن ہر ایک سے پوچھا جائے گا کہ وہ کیا لے
کر آیا ہے ؟ جب مجھ سے پوچھیں گے تو میں کہوں گا اس اللہ
کے ترک کے سینے کا سوز ۔

حضرت امیر خسرو کا اپنے مرشد سے والہانہ عشق اور عقیدت
کا یہ عالم تھا کہ باوجود امیر کبیر ہونے کے وہ اپنے مرشد کی
خدمت میں ایک ادنیٰ خادم کی طرح نظر آتے ہیں ، کبھی وہ ایک
شاعر ہونے کی حیثیت سے اپنی غزلیں مرشد کو سناتے ہوئے اذکھائی
دیتے ہیں ، کبھی وہ اپنے مرشد کے کفش بردار نظر آتے ہیں ،
اور لاکھوں روپے دے کر ایک درویش سے اپنے شیخ کی جوتیوں
کو خریدتے ہیں ، اور ان جوتیوں کو اپنے سر پر رکھ کر اپنے
شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں ، اور عرض کرتے ہیں کہ :

درویش بر ہمیں اکتفا کرد ، ورنہ اگر تمام جان و مال من
بعوض این کفش طلب می کرد ، حاضر می کردم -^۲

(ترجمہ)

درویش نے ان ہی (پانچ لاکھ ٹنکوں) پر اکتفا کیا ، ورنہ

(۱) سفینۃ الاولیاء ، ص ۱۶۰ و اردو ترجمہ ص ۱۳۵ - ۱۳۶ -

(۲) سفینۃ الاولیاء ، ص ۱۳۶ - ۱۳۷ -

اگر وہ میرا تمام مال اور میری جان ان جوتیوں کے عوض مانگتا تو میں حاضر کر دیتا۔

سفینتہ الاولیا میں ہے کہ پھر وہ ان جوتیوں کو سر پر رکھ کر حضرت محبوب الہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت محبوب الہی سے سارا واقعہ بیان کیا، حضرت محبوب الہی نے فرمایا خسرو! تم نے مستے خرید لیے۔^۱

حضرت سلطان المشائخ، امیر خسرو سے اس درجہ محبت فرماتے تھے کہ ایک روز فرمایا: اگر شریعت میں بممانعت نہ ہوتی تو میں وصیت کرتا کہ:

اور ادر قبر من دفن نمایند، تا پھر دو ایک جا یا شمیم۔^۲ (ترجمہ)

(خسرو) کو میری قبر میں دفن کیا جائے، تاکہ دونوں جاں نجات ہو جائیں۔ آخر میں وصیت فرمائی کہ: بجا دو دو ایک جا یا شمیم۔^۳

امیر خسرو بعد از من نخواہد زیست، چون رخت کند، پہلوئے من دفن کنند کہ او صاحبِ اصرار من است، من و من بے او قدم در بہشت نہ نہم۔^۴

(ترجمہ)

(۱) سفینتہ الاولیا، ص ۳۳۱۔

(۲) ایضاً۔

(۳) خزینتہ الاصفیا، جلد اول، ص ۳۳۱۔

(ترجمہ)

امیر خسرو میرے بعد زندہ نہ رہیں گے جب وہ رحلت کریں
 تو میرے پہلو میں دفن کر دینا کہ وہ میرے صاحبِ اسرار
 ہیں، اور میں اُن کے بغیر بہشت میں قدم نہ رکھوں گا۔

ایک شعر میں ارشاد فرمایا

گر برائے ترکِ ترکم ارہ بر تارک نہند
 ترکِ تارک گیرم و ہر گز نگیرم ترکِ ترک

افضل الفوائد کے مرتب کرنے کے بعد، جب وہ ملفوظات
 حضرت امیر خسرو نے اپنے مرشد حضرت محبوب اللہی کی خدمت میں
 بنظرِ اصلاح پیش کیے تو اُس وقت حضرت محبوب اللہی نے جو
 امیر خسرو کے متعلق تبصرہ فرمایا، وہ حضرت امیر خسرو کی
 غیر معمولی صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے، جہاں یہ تبصرہ اُن کے متعلق
 اصل حقیقت کو واضح کرتا ہے، وہیں حضرت امیر خسرو سے
 حضرت محبوب اللہی کے قلبی تعلق اور شفقت کو بھی ظاہر کرتا
 ہے جو حضرت محبوب اللہی کو اُن سے تھا، خود حضرت امیر خسرو
 نے اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ :

ستائیسویں تاریخ ماہ جمادی الاخریٰ کو حضور کی پابوسی
 کی دولت حاصل ہوئی، اُس روز بندے نے چند جزو کاغذ
 کے جس میں خواجہ راسخان کے الفاظِ دربار، گوہرِ نثار
 لکھے ہوئے تھے مخدوم عالمیان کی نظر مبارک کے سامنے
 رکھے، اور عرض کی کہ آج تک یہ بیچارہ جو کچھ
 زبانِ فیض بیان مخدوم سے سنا رہا ہے، جہاں تک
 فہم و ادراک باری دیتا ہے، اس کو لکھ لیتا ہوں،

اور ”افضل الفوائد“ نام رکھا ہے ، جب بندے نے اس سے یہ عرض کی تو جزوں کو دست مبارک میں لیے کر ملاحظہ سے مشرف فرمایا ، فرماتے تھے کہ خوب لکھا ہے اور عمدہ نام رکھا ہے ، اور جہاں کہیں بندے سے کوئی بات رہ گئی تھی اپنے دست مبارک سے اس کو صحیح کرتے جاتے تھے ۔

بعد ازاں حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خسرو سے یہ بہت ہے کہ اس قدر فوائد قلم بند کیے ہیں ، اس سبب سے کہ وہ ہر وقت سر تا پا بحر معانی میں غرق رہتا ہے ، لیکن حق سبحانہ تعالیٰ نے خسرو کے تمام اعضا عقل و فضل سے گوندھے ہیں کیوں کہ وہ تمام دن بحر معانی میں شناوری کرتا ہے اور صد ہزار درجہ معانی نکال کر ریب قرطاس کرتا ہے ۔ حضرت سلطان المشائخ نے امیر خسرو کی تعریف میں اپنی ایک رباعی میں ان کو اقلیم سخن کا تاجدار کہہ کر ان کی فنی عظمت کو اس طرح نمایاں کیا ہے :

خسرو کہ بہ نظم و نثرش لکم خواست
ملک است کہ ملک سخن خسرو راست

این خسرو ما است ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ما است

(۱) حکیم ناصر خسرو : بن حارث قبادیانی ۳۹۴ھ قصہ قبادیان حوالی بلخ میں پیدا ہوا ، اور تحصیل علم اور تحقیق ادیان و عقائد میں مشغول ہو گیا ، یہاں تک کہ مقام دانش پر فائز ہوا ، اس نے محمود اور مسعود غزنوی کے دربار بھی دیکھے تھے ،
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۹)

حضرت محبوب الہی کو حضرت امیر خسرو سے اس قدر محبت تھی جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق میں ذکر کرائے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر شریعت میں ممانعت نہ ہوتی تو میں وصیت کرتا کہ :
اور ا در قبر من دفن نمایند، تا ہر دو یک جا باشیم۔

(ترجمہ) - میں اپنے دوستوں کے ساتھ دفن ہوں گا تاکہ ہم سب ایک جگہ ہوں۔

(خسرو) کو میری قبر میں دفن کیا جائے تاکہ دونوں

ایک جگہ رہیں۔

پھر آخر میں وصیت فرمائی کہ :

امیر خسرو بعد از سن نخواستہ زیست ، چون رحلت کند ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۸)

بعد میں سلجوقی دربار میں خدمت دیوانی اور دبیری پر مقرر ہوا ، اس نے جوانی میں ہندوستان ، افغانستان اور ترکستان کا بھی سفر کیا تھا اور اپنا سفر نامہ بھی ترتیب دیا تھا ، ان سفروں کے بعد وہ بلخ آیا ، اور عقاید اسماعیلی کی تبلیغ کرنے لگا ، جس کی وجہ سے علماء اہل سنت اس کے مخالف ہو گئے ، اور سلجوقی فرمانروا بھی اس سے برہم ہو گئے جس کی وجہ سے اسے شہروں شہروں مارا مارا پھرنا پڑا ، اس پریشان مسافرت میں بھی اس نے کتاب زاد المسافرین لکھی ، اس کے علاوہ اس کی تصانیف میں دلیل المتحیرین ، روشنائی نامہ ، سعادت نامہ اور دیوان اشعار ہے۔ ناصر خسرو نے ۵۴۸ھ (۸۸۸-۸۹۰ء) میں یگمان نواح بدخشان میں وفات پائی ، ناصر خسرو شاعری میں بھی بلند مرتبہ شاعر تھا (تاریخ ادبیات ایران - تالیف ڈاکٹر رضا زادہ شفیق ، ص ۱۴۶-۱۴۸ -

(۱) ہزم صوفیہ ، ص ۱۹۱ بحوالہ سفینہ الاولیا۔

پہلوئے من دفن کند کہ او صاحب اسرار من است ،
و من بے او قدم در بہشت نہ نہم ۔^۱

(ترجمہ)

امیر خسرو میرے بعد نہ زندہ رہیں گے ، جب وہ رحلت
کریں تو انہیں میرے پہلو میں دفن کرنا کہ وہ میرے
صاحب اسرار ہیں ، اور میں ان کے بغیر بہشت میں
قدم نہ رکھوں گا ۔

حضرت خواجہ نظام الدین کی بارگاہ میں ان کو یہ تقرب
حاصل تھا کہ وہ ہر روز بلا ناغہ عشا کی نماز کے بعد خلوت میں آپ کی
خدمت میں حاضر ہوتے ، اور ہر قسم کی باتیں ، ہوتیں اور مزیدین میں سے
اگر کسی کی کوئی درخواست ہوتی تو آپ تک پہنچاتے ۔ ایک دفعہ
حضرت محبوب الہی نے امیر خسرو سے فرمایا کہ میں ہر ایک سے
تنگ ہو جاتا ہوں ، یہاں تنگ کہ خود اپنے سے بھی تنگ ہو جاتا
ہوں ، لیکن تم سے کبھی تنگ نہیں ہوتا ۔ اس دفعہ ایک شخص
نے حضرت امیر خسرو پر آپ کی غیر معمولی نگاہ الطاف کو دیکھ کر
عرض کیا ، جو نظر خسرو پر ہے : کبھی مجھ پر بھی تو فرمائیے ،
اس وقت آپ نے اس شخص کو کوئی جواب نہیں دیا ، بعد میں
تنہائی میں امیر خسرو سے فرمایا کہ میں چاہتا تھا کہ اس شخص
سے کہوں کہ خسرو جیسی قابلیت بھی تو پیدا کرو ، لیکن میں
خاموش رہا ۔^۲

شاعری :

اس برصغیر پاک و ہند کے فارسی گو شعرا میں امیر خسرو کا
مرتبہ بہت بلند ہے یہاں تک کہ ان کی عظمت شاعرانہ کو اہل ایران

(۱) بزم صوفیہ ، ص ۱۹۱ بحوالہ تاریخ فرشتہ ، ج ۱ : ص ۳۰۳ -

(۲) اخبار الاخیار ، ص ۹۹ -

۱۔ لفظ "تنگ" کے معنی "تھکا ہوا" یا "بے تاب" ہیں۔

بھی تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت امیر خسرو فارسی کے صاحبِ طرز شاعر ہیں ان کا ایک مخصوص جادہ و اسلوب ہے، علوئے تخیل، لطافت و شیرینی، سوز و گداز اور تصوف کے مضامین کے امتزاج نے ان کی شاعری کو ایک نیا رنگ و آہنگ دیا ہے، اور وہ اپنی شاعری میں ان تمام ایرانی شاعروں سے جو اس وقت ہندوستان میں مقیم تھے، منفرد اور یگانہ نظر آتے ہیں خسرو کے بعض ناقدین کا خیال ہے کہ خسرو کی شاعری میں گل و بلبل زیادہ اور تصوف کے رموز و نکات کم ہیں، لیکن ان ناقدین کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی شاعری کے جادے کو بھی ان کے پیر حضرت سلطان المشائخ محبوب اللہی نے متعین فرمایا تھا، چنانچہ انھوں نے اپنے پیر و مرشد کے حکم کے مطابق اصفہانی شعرا کے طرز سخن کو اپنایا ہے، کیوں کہ ان کے شیخ نے ان سے فرمایا تھا کہ اصفہانیوں کے طرز میں کہو۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ جب امیر خسرو پیدا ہوئے تو ان کے والد امیر لاچین ان کو چادر میں لپیٹ کر ایک مجذوب کے پاس لے گئے، جو ان کے پڑوس میں رہتے تھے، ان مجذوب نے امیر خسرو کو دیکھ کر کہا کہ تم اس بچے کو میرے پاس لے کر آئے ہو جو خاقانی سے بھی دو قدم آگے جائے گا۔^۲

(۱) خاقانی: افضل الدین بدیل ابراہیم بن علی نجار خاقانی شروانی کا ایران کے صف اول کے شعرا میں شمار ہوتا ہے۔ ۵۵۲۰ (۲۷-۱۱۲۶ء) میں شروان میں پیدا ہوا، اور خاقان اکبر منوچہر بن فریدون شیروان شاہ کی مناسبت سے اس نے اپنا تخلص خاقانی رکھا۔ باوجود یگانہ روزگار شاعر ہونے کے تمام عمر تنگی معیشت اور غم و آلام کا شکار رہا۔ خاقانی نے ۵۹۹۵ (۹۹-۱۱۹۸ء) میں تبریز میں وفات پائی، اور مقبرۃ الشعرا تبریز میں مدفون ہوا، (باقی حاشیہ پر صفحہ ۲۹۲)

صاحب میر الاولیا کا بیان ہے کہ ممکن ہے کہ دو قدم سے
مُجذوب کی مراد مثنوی اور غزل ہو، جہاں تک کہ قصیدے کا
تعلق ہے، بعض شیخادیم کا کہنا ہے کہ قصیدے میں خاقانی کی
رسائی فکر جہاں تک ہے، اسیر خسرو اس کی برابری تو گرتے نہیں،
لیکن اس سے آگے نہیں بڑھتے۔

(بقینہ خاشیہ صفحہ ۲۹۱ نمبر ۱۱۶) (۱) صاحب میر الاولیا کا بیان ہے کہ ممکن ہے کہ دو قدم سے
مُجذوب کی مراد مثنوی اور غزل ہو، جہاں تک کہ قصیدے کا
تعلق ہے، بعض شیخادیم کا کہنا ہے کہ قصیدے میں خاقانی کی
رسائی فکر جہاں تک ہے، اسیر خسرو اس کی برابری تو گرتے نہیں،
لیکن اس سے آگے نہیں بڑھتے۔

کہتے ہیں -

وہ صاحب تحفۃ العراقین
ارباب نظر کا قرۃ العین
ہے پردہ شگاف اس کا ادراک
پردے ہیں تمام چاک در چاک
خاموش ہے عالم معانی

(۱) صاحب میر الاولیا کا بیان ہے کہ ممکن ہے کہ دو قدم سے
مُجذوب کی مراد مثنوی اور غزل ہو، جہاں تک کہ قصیدے کا
تعلق ہے، بعض شیخادیم کا کہنا ہے کہ قصیدے میں خاقانی کی
رسائی فکر جہاں تک ہے، اسیر خسرو اس کی برابری تو گرتے نہیں،
لیکن اس سے آگے نہیں بڑھتے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے امیر خسرو کی ولایت اور شاعری کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ :

وے سلطان الشعر و برہان الفضلا است، در وادی سخن
یگانہ عالم و نقادہ نوع بنی آدم است، وے در سخن
عالمی است از عوالم بخداوندی کما پایاں ندارد، و آنچه
از مضامین و معانی و اطوار سخن و انواع آن دست
داد، پہنچ کس از شعرائے مستقدین و متاخرین نداده -
و طرز سخن بہ فرمودہ شیخ خود رفتہ است کہ فرمودہ
بر طرز اصفہانیان بگو - ۱

علامہ شبلی نے حضرت امیر خسرو کی شاعری کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے شعر العجم میں لکھا ہے :

فردوسی، سعدی، انوری، حافظ، عرفی، نظیری بلاشبہ
اقلیم سخن کے جم و کے ہیں، لیکن ان کے حدود حکومت
ایک اقلیم سے آگے نہیں بڑھتے، فردوسی مثنوی سے
آگے نہیں بڑھ سکتا، سعدی قصیدے کو ہاتھ نہیں
لگا سکتے، انوری مثنوی اور غزل کو نہیں چھو سکتا،
حافظ، عرفی اور نظیری غزل کے دائرے سے باہر نہیں
نکل سکتے، لیکن خسرو کی جہانگیری میں غزل،
مثنوی، قصیدہ، رباعی سب کچھ داخل ہے اور چھوٹے
خطہ ہائے سخن یعنی تضمین، سستزاد اور صنائع و بدائع
کا، تو شمار نہیں، تعداد کے لحاظ سے دیکھو تو اس
خصوصیت میں کسی کو آن کی ہمسری کا دعویٰ نہیں
ہو سکتا - ۲

(۱) اخبار الاخیار - ص ۹۹ -

(۲) شعر العجم، حصہ دوم، ص ۱۳۲-۱۳۳ - مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ

مختصر یہ کہ اصنافِ سخن میں کوئی صنف ایسی نہیں جس میں امیر خسرو نے طبع آزمائی نہ کی ہو، اور اس صنف کو آسمان پر نہ پہنچا دیا ہو۔

خسرو کے متعلق ان کے بعض ناقدین کا یہ خیال ہے کہ انہوں نے اپنے قصیدوں میں بادشاہوں اور فرمانرواؤں کی مدح سرائی کی طرف توجہ دی ہے، سو اس کے متعلق ہم صرف اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ صوفیہ کے کردار کو پیمبرانہ کردار کے معیار سے نہیں جانچنا چاہیے، سوائے پیغمبروں کے ہر انسان میں بشری کمزوریاں موجود ہیں، ہماری نظر ان کے اعلیٰ کردار ان کی پاکیزہ سیرت اور اخلاقی بلندی پر ہونی چاہیے، جس کے وہ پیکر مجسم تھے، ان کی فارسی شاعری میں جہاں ہمیں قصائد ملتے ہیں، وہیں حمد ہاری، تعالیٰ، نعت و عشق رسولؐ، منقبتِ اصحابؓ رسولؐ، ربوز تصوف، حکمت و اخلاق، مدح مرشد کے وہ پاکیزہ نمونے بھی ملتے ہیں، جنہیں فارسی شاعری کی روح کہا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ ان کی شاعری وہ سدا بہار اور حسین گلدستہ ہے جو صدیاں گزرنے پر بھی اصل نظر کے مشامِ جاں کو معطر بنائے ہوئے ہے۔

وہ موسیقی میں بعض راگ اور راگنیوں کے موجد و مخترع ہیں ڈاکٹر وحید مرزا نے لکھا کہ خسرو کی علم موسیقی میں مہارت کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت امیر خسرو نے ہندی اور فارسی راگوں کے امتزاج سے نئے راگ ایجاد کیے ان کی تعداد تیرہ بتائی جاتی ہے۔

آردو کی تاسیس :

حضرت امیر خسرو کی شخصیت بڑی پہلو دار شخصیت ہے، امارت و فقر، علم و فضل، شاعری و موسیقی یہ تمام صفات

ایک وقت آن کی ذات میں جمع تھے ، اس کے علاوہ وہ ہماری قومی زبان اردو کے مؤسس و بانی ہیں ، اگر ہم اردو زبان کے ماضی کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہماری نظر اسیر خسرو سے آگے نہیں بڑھتی ۔

یہ تمام اوصاف و کمالات حضرت امیر خسرو کی عظمت و شہرت و مقبولیت کے وہ تاج ہیں ، جو خدائے تعالیٰ نے امیر خسرو کے سر پر رکھے ، زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا جائے گا ، ان تاجوں کی ضیا باری و تابانی اور بڑھتی جائے گی اور ان کی عظمت و شہرت کا چراغ اور بھی زیادہ سے زیادہ روشن ہوتا جائے گا ۔

تصانیف :

امیر خسرو نہ صرف اس بر صغیر کے بلند پایہ شاعر تھے ، بلکہ نثر نگاری میں بھی ان کا مرتبہ بہت بلند ہے ان کی جن تصانیف کا اب تک پتا چل سکا ہے ، ان کے نام یہ ہیں :

(۱) تحفۃ الصغر : اس میں ان کے ۱۶ برس سے ۱۹ برس کی عمر تک کے اشعار ہیں ، اور عمدہ قصائد و غزلیات ، ترجیع بند وغیرہ ہیں ، اس میں سلطان غیاث الدین بلبن ، اور اس کے بیٹے اور حضرت خواجہ نظام الدین محبوب اللہ کی مدح میں قصائد بھی ہیں ۔

(۲) دیوان وسط الحیات : اس میں ان کا بیس اور تیس سال کی عمر کے درمیان کا کلام ہے ۔

(۳) غرة الکمال : یہ مجموعہ ان کے تیس اور چالیس کی درمیان کی عمر کے کلام پر مشتمل ہے۔
(۴) نہایتہ الکمال : اس مجموعے میں ان کی آخری عمر کا کلام ہے۔

امیر خسرو حکیم نظامی سے خاص اعتقاد رکھتے تھے، ان کے تتبع میں انہوں نے کئی محسوس کہے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔
(۱) مطلع الانوار : جسے انہوں نے نظامی کے خمسہ مخزن الاسرار کے مقابل میں لکھا۔
(۲) شیریں خسرو : یہ مثنوی انہوں نے نظامی کی مثنوی خسرو و شیریں کے جواب میں کہی ہے۔

(۳) معجون و لیلی : یہ مثنوی بھی انہوں نے نظامی کی لیلی و معجون کے جواب میں کہی۔

(۴) آئینہ اسکنداری : یہ مثنوی بھی انہوں نے نظامی کے سکندر نامہ کے تتبع میں کہی تھی۔
(۵) بہشت بہشت : یہ مثنوی انہوں نے نظامی کی مثنوی بہشت پیکر کے مقابل میں کہی۔
ان کے علاوہ امیر خسرو کی تصانیف میں قرآن السعدین،

(۱) حکیم نظامی : ابو محمد الایاس بن ابیوسف بن زکی بن موید نظامی ۵۳۵ھ (۴۱۴۰ء) میں شہر گنجد حوالی آذر بائیجان میں پیدا ہوئے، بلند پایہ شاعر ہونے کے ساتھ وہ نجوم میں بھی دسترس کامل رکھتے تھے، اس یگانہ روزگار حکیم اور شاعر نے اندازاً ۵۹۹ھ (۱۲۰۲ء) میں وفات پائی۔
(تاریخ ادبیات ایران (شفق)، ص ۲۴۰ - ۲۴۵)۔

نہ سپہر مفتاح الفتوح، خزائن الفتوح، دول رانی، تغلق نامہ اور تاج الفتوح ہیں فن انشاء میں بھی امیر خسرو نے ایک کتاب رسائل الاعجاز تصنیف کی تھی۔^۱

دولت شاہ نے ان کے اشعار کی تعداد پانچ لاکھ بتائی، میرزا با یسنغر ان کے ایک لاکھ، بیس ہزار اشعار جمع کرنے میں کامیاب ہوا، لیکن جب اسے ان کی غزلوں کے دو ہزار اشعار اور ملے جو ان کے دیوان میں نہ تھے تو اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ شاعر کا کلام جمع کرنا بہت مشکل ہے، اور اس خیال کو ترک کر دیا۔^۲

وفات :

امیر خسرو اپنے مرشد حضرت محبوب اللہی کی وفات کے وقت سلطان محمد تغلق کے ساتھ مہم بنگالہ پر تھے، باوجود اس قدر دوری کے امیر خسرو کے دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، اور وہ بادشاہ سے اجازت لے کر دہلی روانہ ہو گئے، دہلی پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت محبوب اللہی کا وصال ہو چکا ہے، یہ سن کر بیتاب ہو گئے، اور اپنی ماری ملکیت اپنے مرشد کے ایصالِ ثواب کے لیے راہِ خدا میں لٹا دی، اور ماتمی لباس پہن کر مرشد کے مزار پر حاضر ہوئے، مزار سے سر ٹکرا کر ایک چیخ ماری اور کہا :

(۱) امیر خسرو کی تمام تصانیف کے نام اور ان کی تفصیل تاریخ ادبیات ایران (شفق) ص ۳۱۷-۳۱۹ سے اور شعر المعجم حصہ دوم سے ماخوذ ہیں۔

(۲) ترجمہ اردو تاریخ ادبیات ایران بعہد مغولان (مترجم محمد داؤد رہبر) ص ۱۸۰۔

سبحان الله أفتاب زیر زمین و خسرو زندہ۔ (۱)
(ترجمہ)

سبحان الله أفتاب زمین میں چھپ گیا، اور خسرو ابھی تک
زندہ ہے۔ (۲)
یہ کہیں کر بے ہوش ہو گئے مرشد کے بغیر زندگی بے لطف
ہو کر رہا گئی، چھ ماہ اسی رنج و الم میں مبتلا رہ کر ۲۵ سال
(۳۲۵ء) میں رحمت حق سے جدا ہوئے اور اپنے شیخ کے پائین
مدفون ہوئے۔ ۱ وفات کے وقت امیر خسرو کی عمر اکہتر سال کی تھی۔

امیر خسرو پانچ سلاطین کی عنایات سے مستفیض ہوئے۔

امیر خسرو کے چند شعر:
دیوان امیر خسرو جو ایران کے مشہور محقق آقائی سعید نفیسی
نے ایڈٹ کیا ہے، ہم اس سے امیر خسرو کے چند شعر تبرکاً ذیل میں
درج کرتے ہیں۔
طبيب عاشقان درمان سازد
مريض عاشقان درمان نخواهد
: لے

اے زار ویت چشم جان را روشنی
زلف مشکن آقا دلم را نشکنی
: لے

مقام: صوفیہ، ص ۱۹۱ -

(۱) بزم صوفیہ، ص ۱۹۱ -

کسے کو روئے تو دید ست پرگز
نظر بر پند غم خواری ندارد

عاشق شدم و محرم این کار ندارم
فریاد که غم دارم و غم خوار ندارم

زایمان تسبیح میخوانند و "خسرو" نام دوست
ذکر هر کس آنچنان باشد که تلقین کرده اند

[illegible]

1. 2. 3. 4. 5. 6. 7. 8. 9. 10. 11. 12. 13. 14. 15. 16. 17. 18. 19. 20. 21. 22. 23. 24. 25. 26. 27. 28. 29. 30. 31. 32. 33. 34. 35. 36. 37. 38. 39. 40. 41. 42. 43. 44. 45. 46. 47. 48. 49. 50. 51. 52. 53. 54. 55. 56. 57. 58. 59. 60. 61. 62. 63. 64. 65. 66. 67. 68. 69. 70. 71. 72. 73. 74. 75. 76. 77. 78. 79. 80. 81. 82. 83. 84. 85. 86. 87. 88. 89. 90. 91. 92. 93. 94. 95. 96. 97. 98. 99. 100. 101. 102. 103. 104. 105. 106. 107. 108. 109. 110. 111. 112. 113. 114. 115. 116. 117. 118. 119. 120. 121. 122. 123. 124. 125. 126. 127. 128. 129. 130. 131. 132. 133. 134. 135. 136. 137. 138. 139. 140. 141. 142. 143. 144. 145. 146. 147. 148. 149. 150. 151. 152. 153. 154. 155. 156. 157. 158. 159. 160. 161. 162. 163. 164. 165. 166. 167. 168. 169. 170. 171. 172. 173. 174. 175. 176. 177. 178. 179. 180. 181. 182. 183. 184. 185. 186. 187. 188. 189. 190. 191. 192. 193. 194. 195. 196. 197. 198. 199. 200. 201. 202. 203. 204. 205. 206. 207. 208. 209. 210. 211. 212. 213. 214. 215. 216. 217. 218. 219. 220. 221. 222. 223. 224. 225. 226. 227. 228. 229. 230. 231. 232. 233. 234. 235. 236. 237. 238. 239. 240. 241. 242. 243. 244. 245. 246. 247. 248. 249. 250. 251. 252. 253. 254. 255. 256. 257. 258. 259. 260. 261. 262. 263. 264. 265. 266. 267. 268. 269. 270. 271. 272. 273. 274. 275. 276. 277. 278. 279. 280. 281. 282. 283. 284. 285. 286. 287. 288. 289. 290. 291. 292. 293. 294. 295. 296. 297. 298. 299. 300. 301. 302. 303. 304. 305. 306. 307. 308. 309. 310. 311. 312. 313. 314. 315. 316. 317. 318. 319. 320. 321. 322. 323. 324. 325. 326. 327. 328. 329. 330. 331. 332. 333. 334. 335. 336. 337. 338. 339. 340. 341. 342. 343. 344. 345. 346. 347. 348. 349. 350. 351. 352. 353. 354. 355. 356. 357. 358. 359. 360. 361. 362. 363. 364. 365. 366. 367. 368. 369. 370. 371. 372. 373. 374. 375. 376. 377. 378. 379. 380. 381. 382. 383. 384. 385. 386. 387. 388. 389. 390. 391. 392. 393. 394. 395. 396. 397. 398. 399. 400. 401. 402. 403. 404. 405. 406. 407. 408. 409. 410. 411. 412. 413. 414. 415. 416. 417. 418. 419. 420. 421. 422. 423. 424. 425. 426. 427. 428. 429. 430. 431. 432. 433. 434. 435. 436. 437. 438. 439. 440. 441. 442. 443. 444. 445. 446. 447. 448. 449. 450. 451. 452. 453. 454. 455. 456. 457. 458. 459. 460. 461. 462. 463. 464. 465. 466. 467. 468. 469. 470. 471. 472. 473. 474. 475. 476. 477. 478. 479. 480. 481. 482. 483. 484. 485. 486. 487. 488. 489. 490. 491. 492. 493. 494. 495. 496. 497. 498. 499. 500. 501. 502. 503. 504. 505. 506. 507. 508. 509. 510. 511. 512. 513. 514. 515. 516. 517. 518. 519. 520. 521. 522. 523. 524. 525. 526. 527. 528. 529. 530. 531. 532. 533. 534. 535. 536. 537. 538. 539. 540. 541. 542. 543. 544. 545. 546. 547. 548. 549. 550. 551. 552. 553. 554. 555. 556. 557. 558. 559. 560. 561. 562. 563. 564. 565. 566. 567. 568. 569. 570. 571. 572. 573. 574. 575. 576. 577. 578. 579. 580. 581. 582. 583. 584. 585. 586. 587. 588. 589. 590. 591. 592. 593. 594. 595. 596. 597. 598. 599. 600. 601. 602. 603. 604. 605. 606. 607. 608. 609. 610. 611. 612. 613. 614. 615. 616. 617. 618. 619. 620. 621. 622. 623. 624. 625. 626. 627. 628. 629. 630. 631. 632. 633. 634. 635. 636. 637. 638. 639. 640. 641. 642. 643. 644. 645. 646. 647. 648. 649. 650. 651. 652. 653. 654. 655. 656. 657. 658. 659. 660. 661. 662. 663. 664. 665. 666. 667. 668. 669. 670. 671. 672. 673. 674. 675. 676. 677. 678. 679. 680. 681. 682. 683. 684. 685. 686. 687. 688. 689. 690. 691. 692. 693. 694. 695. 696. 697. 698. 699. 700. 701. 702. 703. 704. 705. 706. 707. 708. 709. 710. 711. 712. 713. 714. 715. 716. 717. 718. 719. 720. 721. 722. 723. 724. 725. 726. 727. 728. 729. 730. 731. 732. 733. 734. 735. 736. 737. 738. 739. 740. 741. 742. 743. 744. 745. 746. 747. 748. 749. 750. 751. 752. 753. 754. 755. 756. 757. 758. 759. 760. 761. 762. 763. 764. 765. 766. 767. 768. 769. 770. 771. 772. 773. 774. 775. 776. 777. 778. 779. 780. 781. 782. 783. 784. 785. 786. 787. 788. 789. 790. 791. 792. 793. 794. 795. 796. 797. 798. 799. 800. 801. 802. 803. 804. 805. 806. 807. 808. 809. 810. 811. 812. 813. 814. 815. 816. 817. 818. 819. 820. 821. 822. 823. 824. 825. 826. 827. 828. 829. 830. 831. 832. 833. 834. 835. 836. 837. 838. 839. 840.

مجموعہ اقبال کے منتخب کلام
 ان کے منتخب کلام کے مجموعہ

خواجہ اقبال علیہ الرحمہ

علامہ اقبال کا خواجہ اقبال کے متعلق اظہار عقیدت :

علامہ اقبال نے اپنے ہم نام خواجہ اقبال علیہ الرحمہ کو جو
 حضرت محبوب الہی خواجہ نظام الدین کے خادم خاص تھے وسیلہ
 بنا کر بارگاہ حضرت سلطان المشائخ میں گزارش کی ہے :

مجموعہ اظہار تمنا ہے دل پر کام ہو
 لاج رکھ لینا ترے ”اقبال“ کا ہم نام ہوں

یہ نظم اگرچہ ان کے مجموعہ کلام میں موجود نہیں ، لیکن
 جناب سید عبد الواحد صاحب معینی ، نائب صدر، اقبال اکیڈمی، نے
 اپنی تالیف ”باقیات اقبال“ میں اس نظم کو نقل کرتے ہوئے لکھا
 ہے کہ علامہ نے یہ نظم اس وقت لکھ کر دہلی بھجوائی تھی
 جب کہ ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد ایک مقدمے کی مصیبت
 میں گرفتار تھے ، اور علامہ ان کی وجہ سے سخت پریشانی میں
 مبتلا تھے ، چنانچہ اس نظم کے بعد خدائے تعالیٰ نے ان کی پریشانی
 کو دور کیا ۔ اور انہوں نے پریشانی سے اور ان کے بڑے بھائی
 نے مقدمے سے نجات پائی ۔

حالات :

خواجہ اقبال کی زندگی کے مفصل حالات ہمیں نہیں ملتے ،
 مگر سیر الاولیاء سے ان کی زندگی کے جو ٹکڑے ہمیں ملتے ہیں ، ہم
 انہیں تسلسل سے پیش کرتے ہیں ۔

کے آپ کا نام خواجہ محمد اقبال تھا، حضرت سلطان المشائخ کے خادم خاص، اور مزید تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وضو کے لیے پانی بھر کر رکھنا، لنگر خانے کی اجناس کا انتظام، اور دوسرے گھریلو انتظام آپ سے متعلق تھے۔

سیر الاولیا میں ہے کہ جب سلطان المشائخ نماز عشاء باجماعت ادا کر لیتے تو اپنے مکان کی اوپر کی منزل میں قیام فرماتے، اس وقت امیر خسروؒ کے سوا کسی کی نجان نہ ہوتی کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو، امیر خسروؒ آپ کی خدمت میں بیٹھ کر ہر قسم کی باتیں کرتے، سلطان المشائخ امیر خسروؒ کی رضا مندی کی خاطر سر ہلا دیا کرتے، اور کبھی کبھی فرماتے ترک! آج کیا خبر ہے؟ خسرو! یہاں سے کر خوب دل کھول کر بیان کرتے۔ اس موقع پر بعض چھوٹے چھوٹے رشتے دار اور بعض صاحبزادے جنہیں وہاں جانے کی اجازت تھی حاضر ہو کر سر قدیوں اور آنکھوں سے دہکتے، جب امیر خسروؒ اور چھوٹے بڑے سب اجا چکے تو اقبال لائمی خادم چند لوٹے پانی کے وضو کے لیے رکھتے، اور خود باہر آجاتے، تقرب خاص کی وجہ سے ایسا بھی ہوتا کہ یہ آپ کا پیغام خاص یا کوئی خوش خبری آپ سے ملتی تو سریدوں اور خلفا تک پہنچاتے۔

ایک دفعہ حضرت محبوب اللہی نے اس موقع پر جب کہ مجلس میں حضرت بلا یزید ہسٹامیؒ کا ذکر ہو رہا تھا ارشاد فرمایا کہ ہم بھی ایک بلا یزید رکھتے ہیں، ایک صاحب نے فرمایا وہ کہاں ہے؟ فرمایا جماعت خانے میں ہے، اقبال خادم جلدی سے جماعت خانے میں آئے اس وقت جماعت خانے میں سوائے حضرت ہرمان الدین غریبؒ

کے اور کوئی موجود نہ تھا، اقبال نے حضرت برہان الدین غریبؒ کو یہ سزا دے کر کہ آج سلطان المشائخ نے آپ کو بائزید کے خطاب سے نوازا ہے، ان کے لئے یہ سزا ہے کہ ان کو بائزید کے خطاب سے نوازا جائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تقرب خاص کی وجہ سے جو خواجہ محمد اقبالؒ کو حاصل تھا، لوگ سلطان المشائخ کے پاس اپنے معروضات میں خواجہ محمد اقبالؒ کو وسیلہ بناتے تھے، اور سلطان المشائخ ان کے ضابطہ رائے کو قبول فرماتے تھے۔ ان کی اصابت رائے پر اعتماد فرماتے تھے، چنانچہ جب سلطان المشائخ کے مرض وفات میں اجازت و خلافت کے سلسلے میں چرچے شروع ہوئے تو صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ کاتب الحروف کے اچھا سید خاموش اور خواجہ ربیعہؒ نے جو سلطان المشائخ کے خدمتگار قدیم تھے اور جنہوں نے مثل فرزندوں کے آپ کے پاس پرورش پائی تھی، سید حسین قدس سرہ سے عرض کیا کہ مولانا برہان الدین غریب سلطان المشائخ کے قدیم سرید ہیں، اور تمام سریدوں سے ممتاز ہیں، اور مستحق خلافت ہیں، ان کی خلافت کے لیے ابھی سلطان المشائخ سے عرض کیا جائے، ان سب حضرات نے خواجہ محمد اقبالؒ سے مشورہ کیا، اور وہ بھی ان کی رائے سے متفق ہو گئے، خواجہ اقبال نے فرصت کے وقت مولانا برہان الدین غریبؒ کو سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کیا، اس وقت سلطان المشائخ چار پائی پر لیٹے ہوئے تھے، اور الخاف بھی جسم مبارک پر پڑا ہوا تھا، خواجہ اقبال نے عرض کیا کہ مولانا برہان الدین غریبؒ جو ربیعہ قدیم ہے، محذوم کی پائے ابوسی کرتا ہے، اور لطف اور رحمت کا امیدوار ہے، آپ نے آنکھیں اکھولیں اور مولانا اور اقبال کی طرف دیکھنے لگے، مولانا برہان الدین غریبؒ نے قدم بوسی کی سعادت

حاصل کی ، خواجہ اقبال نے سلطان المشائخ کے پاس خاص کپڑوں کا بھجوا کر رکھا ، اور پیراہن و کلاہ جو آپ کے جسم مبارک سے اس ہوا تھا ، نکالا ، سلطان المشائخ نے اپنا دہنت مبارک اس پیراہن و کلاہ پر رکھا ، اور اقبال نے مولانا کو پہنایا ، اور کہا تم بھی خلیفہ ہو ۔ اس پر مولانا نے فرمایا : میں خلیفہ نہیں ہوں ، میں صرف ایک مرید ہوں ۔

سلطان المشائخ کے آخر وقت میں جس مجلس شوریٰ نے سلطان المشائخ کی خدمت میں ۳۲ مریدوں کے تمام خلافت کے لیے حضرت امیر خسرو کے ہاتھ سے لکھا کر پیش کیے تھے ، اس مجلس شوریٰ کے ایک فرد خواجہ اقبال بھی تھے ۔^۲

علی زنبیلی اور ملک نصرت کی وجہ سے کچھ دن سلطان المشائخ مولانا غریب سے ناراض رہے ان دونوں نے کہا تھا کہ برہان الدین شیخی کے شجادے پر بیٹھتا ہے ، سلطان المشائخ یہ سن کر ناراض ہوئے ، خواجہ اقبال خادم نے فی الفور سلطان المشائخ کا پیغام پہنچایا کہ اسی وقت گھر چلے جاؤ بالآخر حضرت امیر خسرو کے التماس پر صفائی ہوئی ۔^۳

مرض وفات میں حضرت محبوب الہی نے اپنے مریدوں اور خادموں سے متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال خادم نے کوئی چیز بھی گھر میں جنس سے بچالی ہے تو کل قیامت کے روز اس کو خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا ، خواجہ اقبال نے عرض کیا کہ میں نے کچھ نہیں چھوڑا ہے ، سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے ۔

-
- (۱) روضۃ الاولیاء ، ص ۲۰۵ ، بحوالہ سیر الاولیاء ، ص ۲۰۵
 (۲) روضۃ الاولیاء ، ص ۲۰۵ ، بحوالہ سیر الاولیاء ، ص ۲۰۵
 (۳) ایضاً ، ص ۲۰۵ ، بحوالہ سیر الاولیاء ، ص ۲۰۵

صاحب سیر الاولیاء نے لکھا ہے کہ : میرے چچا سعید حسین نے اطلاع دی کہ غلے کے سوا ہر چیز محتاجوں کو پہنچ گئی ہے، حضرت محبوب الہی اقبال سے ناراض ہوئے اور فرمایا : اس مردار ریت کو کیوں رکھ چھوڑا ہے، اقبال نے عرض کیا کہ غلے کے سوا جو کچھ موجود تھا سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا خلقت کو بلاؤ، جب لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا غلے کے انبار خانے توڑ ڈالو، اور تمام غلہ بے تکلف اٹھا لے جاؤ، اور وہاں جھاڑو دے دو، دیکھتے ہی دیکھتے خلقت جمع ہو گئی اور انہوں نے غلہ لوٹ لیا۔
وفات :

خواجہ اقبال نے ۲۷ صفر ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ء) کو محمد تغلق کے سال جلوس میں وفات پائی، ان کا مزار امیر خسرو کی قبر سے گوشہ جنوب مغرب میں متصل درگاہ قطبی شریف بہت بلند چبوترے پر واقع ہے، اور کٹہرا پتھر کا بنا ہوا ہے۔

خواجہ اقبال نے اپنی زندگی میں کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے کئی کتابیں فارسی میں اور کئی کتابیں اردو میں لکھی گئی ہیں۔ ان کی کئی کتابیں مکتبہ دارالافتاء دہلی میں موجود ہیں۔

- (۱) تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم، ص ۹۹۔
- (۲) مطلوب الطالبین قلمی (عرف ارشاد نظامی) تالیف محمد بلاق (مملوکہ - نیشنل میوزیم - کراچی)۔
- (۳) اولیائے دہلی (تالیف - محمد عالم فریدی) - لہور کا تذکرہ (۱) مطبوعہ جئید برقی پریس دہلی

حضرت سید علی ہمدانی[ؒ]

علامہ اقبال کی نذر عقیدت :

سید السادات ، سالارِ عجم
دستِ او معمارِ تقدیرِ آسم
تا غزالی درسِ اللہ ہو گرفت
ذکر و فکر از دودمانِ او گرفت
برشدِ آن کشورِ مینو نظیر
میر و درویش و سلاطین را مشیر
خبطِ را آن شاہِ دریا آستین
داد علم و صنعت و تہذیب و دین
آفرید آن سردِ ایرانِ صغیر
با ہنرِ پائے غریب و دل پذیر
یک نگاہِ او کشایدِ حد گرہ
خیز و تیرش را بدلِ را ہے بدہ

جاوید نامہ میں علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے عالم تصور میں
جنت الفردوس کی سیر کرتے ہوئے مہلا محمد طاہر غنی کی زبان سے

۱۔ (جاوید نامہ ، ص ۱۵۸) از کلیات اقبال فارسی ، ص ۳۶۔

امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی کی شان میں جو نغمہ سرائی کی ہے ، وہ اشعار ہم نے اوپر نقل کر دیے ہیں ، اگرچہ یہ اشعار ملا محمد طاہر غنی کی زبان سے ادا کرائے گئے ہیں ، لیکن درحقیقت یہ اشعار علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی اس دلی عقیدت کے ترجمان ہیں ، جو وہ حضرت سید علی ہمدانی سے رکھتے ہیں ۔

حضرت سید علی ہمدانی کے متعلق ہمیں مختلف تذکروں اور تاریخوں میں جو مواد ملتا ہے ہم اسے بترتیب درج ذیل کرتے ہیں ۔
 نفحات الانس میں مولانا جامی نے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ :
 امیر سید علی بن شہاب بن محمد الہمدانی (قدس اللہ سرہ)

(۱) ملا محمد طاہر غنی : تاریخ اعظمی میں ہے کہ : مولانا محمد طاہر متخلص بہ غنی ، کشمیر کے رہنے والے تھے ، اور قبیلہ آشاہی سے تعلق رکھتے تھے ، صاحب طبع عالی تھے ، اور انہوں نے پایہ سخنوری کو درجہ کمال تک پہنچایا تھا ، ملا محسن فانی کے شاگرد تھے ، تمام ادب سخن اس پر متفق ہیں کہ خطہ کشمیر میں بلکہ تمام ہندوستان میں ، اس زمانے میں ان جیسا خوش فکر اور نازک خیال شاعر پیدا نہیں ہوا ، غنی کا دیوان جو مرتاپا انتخاب ہے ، سرزا محمد علی ماہر فے ترتیب دیا تھا ، لفظ ”غنی“ سے ان کی شعر گوئی کی ابتدا کی تاریخ ، اور تخلص کی تاریخ نکلتی ہے ، ساری عمر اپنے وطن سے باہر نہیں نکلے ، باوجود احتیاج کے دولت قناعت سے مالا مال ہو کر فارغ البال زندگی بسر کرتے تھے ، عین عالم جوانی میں ۱۰۲۹ھ میں عہد عالمگیری میں وفات پائی ، سلیم اور کلیم کے پہلو میں کشمیر میں سزار الشعراء میں مدفون ہوئے ، تاریخ اعظمی میں ہے کہ کشمیر میں تخت سلیمان میں مدفون ہوئے ۔
 غنی کا وہ دیوان جو سرزا محمد علی ماہر نے مرتب کیا تھا ناپید ہے اور آج تک وہ قلمی نسخہ دیکھنے میں نہیں آیا ۔

علوم ظاہری اور باطنی کے جامع تھے ، اور علوم اہل باطن میں ان کی تصانیف مشہور ہیں ، مثلاً اسرار النقطۃ (الیقضہ) اور شرح اسماء اللہ ، اور شرح فصوص الحکم ، شرح قصیدہ خمیریہ فارضیہ ، اور ذخیرۃ الملوک وغیرہ ، آپ شیخ شرف الدین محمود بن عبد اللہ المزدقانی سے بیعت تھے ، لیکن فیوض باطنی کا اکتساب آپ نے صاحب السیر بین الاقطاب حضرت تقی الدین علی دوستی سے کیا تھا ۔ لیکن جب شیخ تقی الدین کی وفات ہو گئی تو پھر آپ شیخ شرف الدین محمود کی طرف رجوع ہوئے ، اور اپنے مرشد سے عرض کیا کہ اب کیا حکم ہے ؟ آپ کے مرشد نے فرمایا کہ اب فرمان یہ ہے کہ تم اقصائے بلاد عالم کی سیر کرو گے ، چنانچہ آپ نے تین مرتبہ ربع مسکون کی سیر کی ، اور ایک ہزار چار سو اولیائے کرام کی صحبت سے فیضیاب ہوئے ، اور چار سو اولیائے کرام سے ایک مجلس میں ملاقات کی ۔^۱

صاحب مجالس العشاق نے اپنے تذکرے میں حضرت سید علی ہمدانی کے متعلق لکھا کہ : دارا لملک معانی امیر سید علی ہمدانی بہت بڑے بزرگ تھے ، اور بہت سے عمدہ رسائل آپ نے لکھے ، ذوق اور آپ کی کیفیت آپ کے کلام سے ظاہر ہے ، آپ نے سلوک کے منازل اس طرح طے کیے تھے کہ بہت کم بزرگ لوگوں کو یہ بات میسر ہو سکی ہوگی ۔^۲

حبیب السیر میں آپ کے حالات کے ضمن میں وہی ہے ، جو صاحب نفحات الانس نے لکھا ہے ، اس لیے ہم یہاں اس کے اعادے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ۔

(۱) تذکرہ شعرائے کشمیر مرتبہ سید حسام الدین راشدی ، مطبوعہ

اقبال اکادمی کراچی ، بخش دوم ، ص ۸۸۵ ۔

(۲) ایضاً بحوالہ مجالس العشاق ، ص ۱۳۶ ۔

صاحبِ ہفت اقلیم کا بیان ہے کہ سلطان الجائو نے سلطانیہ میں اپنے لیے ایک محل اور گنبد تعمیر کرایا تھا، اور حکم دیا تھا کہ افاضل و اکابر اور علمائے ناسی گرامی، اور سادات و مشائخ ممالک سے جمع کیے جائیں، اور وہ اس محل اور گنبد میں اپنے ارشادات عالیہ سے مستفید فرمائیں، تاکہ، ان کے افادات اس محل کے لیے موجب زیب و زینت ہوں، حضرت سید علی ہمدانی کی عمر اس وقت سات سال کی تھی، آپ کے خالو آپ کو اپنے گاندھے پر بٹھا کر اس مجلس میں لے کر آئے، اس مجلس میں علمائے کرام نے جو آیات و احادیث بیان کیں، آپ نے ان سب کو اپنے حافظے میں محفوظ کر لیا، پھر انہیں ترتیب دے کر ایک کتاب کی صورت میں جمع کر دیا، جس کا نام آپ نے ”اورادِ فتحیہ“ رکھا۔ آپ بلند پایہ شاعر بھی تھے، لیکن سوائے ان اشعار کے دوسرے اشعار سننے میں نہیں آئے:

گر بدرِ منیری و سما منزلِ تو

در کوثر اگر مرشتہ باشد گلِ تو

گر مہرِ علی، نباشد اندرِ دلِ تو

مسکین تو و معیہائے بیحاصلِ تو

گر حبِ علی و آلِ رسولت نبود

امیدِ شفاعت ز رسولت نبود

(۱) سلطانیہ: زنجان میں ہے۔ (تذکرہ شعرائے کشمیر، بخش اول،

مرتبہ سید حسام الدین راشدی یہ گنبد خدا بندہ کے عہد میں ۷۰۲ھ

تا ۷۱۳ھ کی مدت میں تعمیر ہوا، اور ابھی تک موجود ہے،

(حاشیہ تذکرہ شعرائے کشمیر، بخش دوم، مرتبہ سید حسام الدین

راشدی، ص ۸۸۹)

گر طاعتِ حق جملہ بیجا آری تو
بی سہر علی ہیچ قبولت نبود

درکنار خویش می یابم دسام بوی یار
زاں ہمی گیرم، بہر دم خویشتن را درکنار

تاریخ اعظمی میں آپ کا اسم گرامی سید علی ہمدانی لقب
اسیر کبیر، آپ کے والد کا نام سید شہاب الدین ہے، آپ کا سلسلہ
نسب یہ ہے جناب اسیر کبیر، بن میر شہاب الدین، بن میر سید
محمد بن سید علی، بن سید یوسف، بن سید شرف الدین، بن سید محب اللہ،
بن سید محمد ثانی، بن سید جعفر، بن سید عبداللہ، بن سید محمد اول
بن سید علی حسن، بن سید حسین، بن سید جعفر الحجہ، بن سید
عبداللہ زاہد، بن امام ہمام، زین العابدین، بن الحسین الشہید
(رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

ولادت: صاحب تذکرہ بزرگان و سخن سرایان ہمدان نے آپ کی
عمر ۷۳ سال ماننے کے بعد آپ کا سنہ ولادت ۵۸۷ھ (۷۲-۷۱۳ھ)
قرار دیا ہے۔

صاحب تاریخ اعظمی نے حضرت سید علی ہمدانی کے حالات
بضمن سلطان قطب الدین بنسبت دوسرے تذکروں کے زیادہ تفصیل
سے دیے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ: حضرت سید علی ہمدانی سلطان
قطب الدین کے زمانے میں ۵۸۱ھ (۷۱۳۸۰ھ) میں کشمیر جنت نظیر
تشریف لائے، آپ کی کشمیر میں تشریف آوری کی تاریخ نکلتی ہے۔

مقدم شریف او

۵۷۸۱

(۱) تذکرہ شعرائے کشمیر، بخش دوم، ص ۸۸۹

کشمیر کے مشہور شاعر سید محمد خاوری نے آپ کی تشریف آوری کے متعلق کہا :

میر سید علی شہر ہمدان

میر اقلیم سبع کردہ نکو

شد مشرف ز مقدمش کشمیر

اہل آل شہرزو ہدایت جو

سال تاریخ، مقدم اور

یابی از : مقدم شریف اور

رفقا :

حضرت سید علی ہمدانی کے ساتھ آپ کے اجو رفقا و سادات اور خادم کشمیر آئے ، وہ تقریباً سات سو تھے ، آپ کے ارشاد کے مطابق ان لوگوں نے بھی اس علاقے میں رشد و ہدایت کے چراغ روشن کیے ۔ ان میں سے چند کے نام اور حالات محترمی سید حسام الدین راشدی نے تذکرہ شعرائے کشمیر کے حواشی میں درج کیے ہیں ، جنہیں ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں :

(۱) میر سید حسین سامانی (ہمدانی)

یہ حضرت سید علی ہمدانی کے چچا سید محمد کے صاحبزادے تھے ، جو سب سے پہلے حضرت سید علی ہمدانی کے حکم سے اپنے

(۱) سید محمد خاوری : کشمیر کا بلند پایہ شاعر اور صاحب کمالات صوری و معنوی تھا ، صاحب تصانیف تھا ، اس کی تصانیف میں شرح لمعات اور خاور نامہ ہیں ۔ فتح گدل میں سید احمد سامانی کے مزار کے قریب مدفون ہے (تذکرہ شعرائے کشمیر ، بخش دوم ، تالیف سید حسام الدین راشدی ، ص ۲۲۶ بحوالہ تاریخ اعظمی ، ص ۳۵)۔

اپنی و عیال و متعلقین کے ساتھ سلطان شہاب الدین کے زمانے میں کشمیر کے حالات معلوم کرنے کے لیے یہاں تشریف لائے، اور کشمیر میں سکونت اختیار کی اس وقت سید علی ہمدانی غور میں تھے، اور دریائے ویشود کے کنارے موضع گولہ گام میں سکونت اختیار کی، جب انہوں نے دیکھا کہ کشمیر امیر تیمور کے تصرف سے خالی ہے تو یہاں کی تمام صورت حال حضرت سید علی ہمدانی کو لکھ کر تحریر کیا کہ اگر آپ یہاں تشریف لے آئیں تو مناسب ہے، چنانچہ آپ ان کے لکھنے پر یہاں تشریف لائے۔

میر سید حسین سامانی نے گولہ گام میں سکونت اختیار کر کے ارشاد و تلقین کا کام شروع کر دیا، اور ایک عالم ان کے فیوضات ظاہری و باطنی سے مستفید ہونے لگا، کشمیر کے مشہور بزرگ شیخ نور الدین اپنے موضع کیموہ سے اکتساب معنوی اور سلوک کے معارف و رموز حل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

(۲) سید جلال الدین عطائی :

سید جلال الدین عطائی خاندان میادات سے تعلق رکھتے تھے، کشمیر میں شادی کر لینے کی وجہ سے، حضرت سید علی ہمدانی کی وفات کے بعد کشمیر کے موضع جہتر، پرگنہ کہادر میں مقیم ہو گئے تھے، وفات کے بعد اطراف بارہ بولہ میں موضع کیچنہاسہ میں مدفون ہوئے۔

(۳) سید کمال :

آپ خاندان میادات کے چشم و چراغ تھے، صاحبِ رکشف و کرامات اور قوی الحال بزرگ تھے، حضرت سید علی ہمدانی کے

ارشاد پر یہ سلطان قطب الدین والی کشمیر کو شریعتِ حقّہ کے احکام کی تعلیم دینے اور اس کی تربیت پر مقرر ہوئے، سید کمال آخر وقت تک کشمیر میں مقیم رہے اور آج بھی محلہ قطب پورہ میں محو استراحت ابدی ہیں۔

(۴) حضرت جمال الدین مجددؒ :

یہ بزرگ بھی حضرت سید علی ہمدانی کے تربیت یافتگان میں سے تھے، سلطان قطب الدین کے التماس پر تعلیمِ شریعت اور آدابِ دین سکھانے کے لیے آس کے پاس بھیجے گئے تھے، جب تک حیات رہے فیض بخش کائنات رہے، وفات کے بعد محلہ اریوت میں دریائے جہلم کے کنارے مدفون ہوئے آج بھی آپ کا مزار مرکز فیوض و برکات ہے۔

(۵) حضرت سید فیروز :

سید فیروز معروف بہ سید جلال الدین، نہایت عالی مرتبت بزرگ تھے، موضع سپور، پرگنہ دہر میں دریائے جہلم کے کنارے جہان سے زعفران زار شروع ہوتے ہیں مقیم ہوئے اور اسی موضع میں مدفون ہوئے۔

(۱) سلطان قطب الدین : کشمیر کے فرمانروایان اسلام میں پانچواں

فرمانروا ہے، جو اپنے بھائی شہاب الدین کے بعد ۱۲۷۸ء میں تخت نشین ہوا، اسی کے زمانے میں حضرت سید علی ہمدانی کشمیر تشریف لائے، اس نے سولہ سال، سات دن حکومت کر کے ۱۲۹۴ء میں وفات پائی، سلطان قطب الدین بڑا منتظم، عادل اور مذہبی علم اور شاعر تھا (نگارستان کشمیر) قاضی ظہور الحسن (منہاروی) ص ۱۴۸ - ۱۴۹)۔

(۶) سید محمد کاظم :

آپ حضرت سید علی ہمدانی کے حوالہ دار کتب خانہ تھے ، جب حضرت سید علی ہمدانی کے یمن و برکت سے بت خانہ لٹھا پور ویزان ہوا تو یہ حضرت علی ہمدانی کے حکم سے وہاں کے چھوٹے بڑوں کی دینی تعلیم کے لیے مقرر ہوئے ، سید محمد کاظم آخر عمر تک اسی میں مقیم رہے ۔ اور یہیں مدفون ہوئے ، عوام میں یہ سید قاضی کے نام سے مشہور ہیں ۔

(۷) حضرت میر رکن الدین : (۸) سید فخر الدین :

یہ دونوں بھائی صاحب تفرید و تجرید اور جامع علوم ظاہر و باطن تھے ، حضرت سید علی ہمدانی کے حکم سے ان دونوں بھائیوں نے ارن پورہ ، پرگنہ اولر میں سکونت اختیار کی ۔ اور وہیں مدفون ہوئے ۔

(۹) سید محمد قریشی :

آپ صاحب حال بزرگ تھے ، کشمیر آنے کے بعد انہوں نے حضرت علی ہمدانی کے ارشاد پر اپنی تبلیغی جدوجہد سے بت خانہ بجبارہ کو جو ساز و سامان سے نہایت آراستہ تھا بے رونق کر دیا ، اور وہاں ایک بڑی جامع مسجد بنوائی ، اسی مسجد کے قریب حضرت سید محمد قریشی کا مقبرہ ہے ۔

(۱۰) مولانا پیر محمد قادری :

مولانا حافظ کلام اللہ تھے ، اور ساتوں قرات کے ماہر اور جامع علوم ظاہر و باطن تھے ، حضرت سید علی ہمدانی کے ارشاد کی بنا پر اہل شہر اور سلطان قطب الدین کی تعلیم کے لیے انہوں نے شہر میں سکونت اختیار کی ، اور یہیں وفات پائی ، سلطان قطب الدین کے مقبرے میں محلہ ”لنگرتہ“ میں مدفون ہیں ، آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

(۱۱) شیخ سلیمان :

شیخ سلیمان کشمیر کے کسی معزز ہندو خاندان کے فرد تھے ، ان کا نام شراکت تھا ، توفیق ایزدی کی بناء پر مشرف بہ اسلام ہوئے ، قرآن مجید حفظ کیا ، اور اس خوف سے کہ ان کے خاندان کو ان کے اسلام لانے کی اطلاع نہ پہنچ جائے ۔ کشمیر چھوڑ کر سمرقند چلے گئے ، ایک عرصے وہاں تعلیم حاصل کرتے رہے ، مختلف علوم میں کمال حاصل کرنے کے بعد کشمیر واپس آئے ، پھر اپنے چچا زاد بھائیوں کی عداوت کی وجہ سے وطن چھوڑ کر کولاب چلے گئے ، اور حضرت سید علی ہمدانی کی خدمت میں حاضر ہوئے ، آپ نے ان کا وطن پوچھا تو بجائے کشمیر کے باغ سلیمان بتایا ، حضرت سید علی ہمدانی نے ان کا نام سلیمان رکھا ، پھر ان کے صاحبزادے شیخ احمد کی جو ان کے ساتھ تھے تعلیم و تربیت فرمائی ، شیخ سلیمان وفات کے بعد مسجد جامع کے قرب و جوار میں سید محمد لورستانی کے مزار کے قریب مدفون ہوئے ۔

(۱۲) شیخ احمد خوش خواں : شیخ سلیمان کے صاحبزادے تھے ، بچپن ہی سے حضرت سید علی ہمدانی کی خدمت میں رہے ، اور آپ کی ظاہری و باطنی تربیت سے مستفید ہوئے ، کشمیر کے قیام کے زمانے میں حضرت سید علی ہمدانی ان پر بے حد شفقت فرماتے تھے ، کشمیر سے لوٹتے وقت کولاب میں حضرت سید علی ہمدانی نے ان کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا ، اور ان کے والد شیخ سلیمان کی روحانی تربیت ان کے صاحبزادے شیخ احمد خوش خواں کے سپرد کی ، شیخ سلیمان نے عرض کیا کہ میری ڈاڑھی سفید ہو چکی ہے ، میری تربیت آپ نے میرے بیٹے کے سپرد فرمائی ہے ، آپ نے جواب میں فرمایا کہ خلافت کا انحصار سفید ڈاڑھی پر نہیں ، بلکہ خدا کے

فضل پر ہے۔ حضرت علی ہمدانی کی وفات کے بعد شیخ احمد نے آپ کے سچاۓ ارشاد کو زینت بخشی، چونکہ قرآن مجید نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے، اس لیے خوش خواں کے لقب سے مشہور ہوئے، شیخ احمد کا مزار سید محمد لورستانی کے مزار کے متصل اپنے والد بزرگوار کے مزار کے پہلو میں ہے۔

قیام : تاریخ اعظمی میں ہے کہ حضرت سید علی ہمدانی نے کشمیر تشریف لائے کے بعد محامد علاء الدین پورہ کی ایک سرائے میں قیام فرمایا، اور پانچوں وقت کی نماز کے لیے دریائے جہلم کے کنارے ایک چوکور چبوترہ بنوایا۔ جہاں اب آپ کی خانقاہ ہے۔ اسی چبوترے پر آپ ہمیشہ نماز پڑھتے تھے، بادشاہ وقت اسی چبوترے پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، اور آداب ارادت و محبت بجا لا کر آپ کے ہند و نصائح سنتا۔

تاریخ اعظمی میں ہے کہ کشمیر میں تشریف آوری سے پہلے اس خطے پر جہالت کی تاریکیاں اس قدر چھائی ہوئی تھیں کہ یہاں کے لوگ علم شریعت سے بہت کم واقف تھے، بلکہ مسلمان ہی بہت کم تھے، احکام شریعت اور اسلام کی تعلیم تقریباً مفقود تھی، کشمیر کے اس دور جاہلیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ احکام اسلامی سے عدم واقفیت کی بنا پر سلطان قطب الدین بیک وقت دو حقیقی بہنوں کو اپنے نکاح میں لائے ہوئے تھا، اور کافروں کا لباس پہنتا تھا۔ مختصر یہ کہ چودیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں کشمیر کے مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی اور تعلیمی حالت نہایت گر چکی

(۱) حضرت سید علی ہمدانی کے ان رفقا کے حالات تذکرہ کشمیر، بخش دوم مولفہ سید حسام الدین راشدی، حواشی ص ۸۹۰ — ۸۹۳ سے ماخوذ ہیں۔

تھی، اخلاق و کردار، عادات و اطوار سب میں تنزل کے آثار نمایاں تھے کہ عین اس زمانے میں حضرت سید علی ہمدانی کشمیر شریف لائے۔

رشد و ہدایت:

آپ نے کشمیر میں رشد و ہدایت کی شمع ایسے زمانے میں روشن کی جب کہ یہاں تنزل و انحطاط کا دور انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ مسلمان اسلام کی تعلیمات اور دین کے احکام سے بالکل ناواقف تھے، تنزل اور ابتری کے اس دور میں آپ نے تبلیغ و اشاعت اسلام اور اصلاح و تربیت کا کام شروع کیا۔ یہاں کے دور و دراز کے علاقوں میں اپنے رفقا کو جو آپ کے ساتھ آئے تھے، بھیلا دیا، تاکہ وہ دینی تعلیم اور اشاعت اسلام کی خدمت انجام دے کر اس خطے کو اسلام کے نور سے منور کریں۔

خود آپ نے اس بنا پر کہ ”الناس علی دین ملوکہم“ (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) اگر ان کو درست کر دیا جائے تو عوام کی اصلاح بہت آسان ہوتی ہے، آپ نے سلطان قطب الدین کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ اسے ہند و موغظت، ارشاد و تاقین سے شریعت اسلامیہ کا پابند بنایا، چنانچہ وہ عدم واقفیت کی بنا پر جن دو بہنوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں لائے ہوئے تھا آپ کے ارشاد کی بنا پر اس نے اس نکاح کو فسخ کر دیا کفرانہ لباس ترک کر کے مسلمانوں کا لباس پہننے لگا، آپ نے اپنے رفقا کو اس کی تعلیم و تربیت کے لیے مقرر فرمایا، اس کے علاوہ آپ نے کشمیر کے عوام میں اسلام کی روح کو بیدار کیا، اور اس علاقے میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں بڑا حصہ لیا، آپ کی ذات علم و معرفت، رموز و حکمت، احسان و سلوک کا وہ سرچشمہ تھی جس سے ہزاروں تشنگان معرفت نے اپنی تشنگی دور کی۔

صاحبِ بزرگان و سخن سرايان ہمدان نے کشمیر میں حضرت
مید علی ہمدانی کی دینی اور تبلیغی، روحانی اور اصلاحی کوششوں
کو سراہتے ہوئے لکھا کہ :
میر مید علی بسال ۵۷۸ ہ باہفت ہفتہ از مریدان خود
بکشمیر رفت ، و در شاہ و بزرگان و سائر مردم آن دیار
نفوذ مذہبی بشیاء کرد ، و خلقی را مرید خود ساخت ۔
عرفانی :

جناب عرفانی نے حضرت مید علی ہمدانی اور آپ کے رفقا کی کشمیر
میں تبلیغی جدوجہد کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ :
امم شاہ ہمدان نسبت تمام مبلغین دیگر اسلام در کشمیر
معروف تر است ، ہمداران شاہ ہمدان ، در سر تا
سر کشمیر (لنگر خانہ) یا خانقاہی برای تبلیغ برقرار
نمودند و تبلیغات ایشان - کہ توام با اخلاق بسیار
عالی بود - موثر واقع شدہ ، و در مدت کوتاہی ، مردم
کشمیر مشرف بدین اسلام شدہ ، و زبان اسلام مبلغین را
بادل و جان پذیرفتند ۔^۲

تذکروں میں ہے کشمیر کی مشہور ترین غارقہ خاتون **رکۃ**۔^۳

(۱) تذکرہ شعرائے کشمیر ، بخش دوم ، مرتبہ مید حسام الدین
راشدی مطبوعہ اقبال اکادمی کراچی - ص ۹۰۰

(۲) تذکرہ شعرائے کشمیر ، بخش دوم - تالیف مید حسام الدین
راشدی ، ص ۹۱۲ - ۹۱۳

(۳) رکۃ : ۵۷۳ (۳۵-۳۳ ع) میں پیدا ہوئیں ، عبدالوہاب شائق
نے اس شعزن میں ان کی تاریخ ولادت کہی :

فزون بود بر ہفت صد ، منی و پنج
ز ویرانہ شد دیدار گنج

اور مہری نگر سے ۲۸ میل دور موضع بیچ بہارا میں انہوں نے
وفات پائی ، ان کا مزار جامع مسجد کے متصل ہے ۔

(تذکرہ شعرائے کشمیر ، بخش دوم بحوالہ صوفی ، ص ۹۱۳-۹۱۴)

نامی کہ جن کی زندگی اور شعر عرفانی بابا طاہر سے ملتے جلتے تھے چالیس سال سے زائد عمر میں حضرت سید علی ہمدانی کے بیاتہ پر مشرف بہ اسلام ہوئیں، کہا جاتا ہے کہ اللہ دیوانوں کی طرح نیم لخت و عریاں آبادیوں اور دیوانوں میں اپنے شعر پڑھتے ہوئے گھومتی تھیں۔ لوگ جب ان سے کہتے کہ پردہ کرو تو وہ جواب دیتیں کس سے پردہ کروں، تمہارے درمیان کوئی حقیقی برد اپنا نہیں جس سے پردہ کیا جاسکے، اتفاقاً ایک روز انہوں نے دور سے حضرت سید علی ہمدانی کو دیکھا، دیکھتے ہی چلائی کہ وہ مرد آ رہا ہے، وہ مرد آ رہا ہے اور وہاں سے بھاگی کر لباس پہنا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئیں، ان ہی خاتون نے شیخ نور الدین رشیؒ کو لگو (کہہ) سرچشمہ التہام تھے بچپن ہی میں دودھا پلایا تھا۔

علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے جاوید نامہ کے ان اشعار میں حضرت علی ہمدانی کی ان ہی خدمات جلیلہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ نے دین، تعلیم، صنعت، تہذیب و تمدن کی انجام دیں۔ اور کشمیر کو ایران جیسے بتمدن اور مہذب ملک کے ہمسر کر دیا تھا۔ فرماتے ہیں:

- (۱) شیخ نور الدین رشی: شاہ ہمدان کے بعد کشمیر میں سب سے بڑی شخصیت شیخ نور الدین رشی کی تھی، انہوں نے بچپن میں سید تاج الدین سمنانی اور خود شاہ ہمدان سے فیض حاصل کیا تھا، ”شمش العارفین“ سے ان کی تاریخ وفات ۸۴۲ھ (۳۹-۱۲۳۸ء) نکلتی ہے، شیخ نور الدین نے کشمیر میں اشاعت دین اور تصوف اسلامی کی جو شاندار خدمات انجام دی ہیں تاریخ کشمیر میں وہ کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں۔
- (۲) تذکرۃ شعرائے کشمیر، بخش دوم حاشیہ نمبر ۱ ص ۹۱۴۔

مرشد آں کشور مینو نظیر
میر و درویش و سلاطین را مشیر
خطہ را آں شاہ دریا آستین
داد علم و صنعت و تہذیب و دیں

آفرید آں مرد ایران صغیر
با پسر ہائے غریب و دلپذیر

سلطان قطب الدین بر لطف عنایت :

اس دور کے فرمانروا سلطان قطب الدین نے آپ کے زیر تربیت
رہ کر اپنے آپ کو اسی رنگ میں رنگ لیا تھا ، حضرت سید علی ہمدانی
بھی اس پر نہایت لطف و شفقت فرماتے تھے ، آپ نے اس کو اپنی
کلاہ عنایت فرمائی تھی ، سلطان نے اس کو اپنے لیے باعثِ یمن و
برکت سمجھ کر اس کلاہ کو اپنے تاج کی زینت بنایا تھا ، اس
خاندان کے فرمانرواؤں میں یہ کلاہ نسل بعد نسل فتح شاہ کے
زمانے تک تاج کی زینت رہی ، یہاں تک کہ فتح شاہ نے اپنی

(۱) فتح شاہ کا عہد حکومت ۱۳۸۷ - ۱۵۱۸ء ہے ، اس نے
۱۵۱۸ء میں نوشہرے میں وفات پائی ۔ سلطان قطب الدین کی
وفات کا پندرہ ۱۳۹۴ء ہے گویا تقریباً ۱۲۴ تک یہ کلاہ اس
خاندان میں محفوظ رہی ۔

سولانا اُنی جو عہد فتح شاہ میں اپنے دور کے علامہ اور صاحب
عرفان بزرگ تھے ، جب آں کو یہ معلوم ہوا کہ فتح شاہ وہ
ٹوپی بھی اپنے ساتھ قبر میں لے گیا تو آپ نے فرمایا کہ فتح شاہ
اس کلاہ کو قبر میں نہیں لے گیا ، بلکہ وہ اس سلطنت اور برکت
کو زیر زمین لے گیا ہے ، کہتے ہیں کہ اسی وقت سے اس
خاندان کی حکومت کا زوال شروع ہوا ، اور رفتہ رفتہ یہاں تک
پہنچا کہ یہ حکومت چک خاندان میں منتقل ہو گئی ۔

وفات کے وقت وصیت کی کہ یہ کلاہ اس کے کفن میں رکھ دی جائے ، چنانچہ یہ کلاہ اس کے کفن میں اس کے ساتھ مدفون ہوئی۔

کشمیر سے روانگی :

قدیم تاریخوں میں ہے کہ حضرت سید علی ہمدانی (۸۰-۶۱۳ھ) میں کشمیر تشریف لائے ، اور ۷۸۶ھ (۸۲-۱۳۸۱) میں کشمیر سے تشریف لے گئے ، لیکن کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ آپ نے پانچ چھ سال کشمیر میں قیام کیا ، بلکہ عقلی طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متعدد مرتبہ آپ کشمیر تشریف لائے ، اور آپ کا مجموعی قیام تین سال تک اس ملک میں رہا ، کیونکہ آپ نے تین مرتبہ اربع مسکون کی سیاحت کی تھی ، اس لیے قیاس کا اقتضا ہے کہ ہر مرتبہ جب آپ سیاحت کرتے ہوئے کشمیر پہنچے تو آپ نے ایک ایک سال یہاں قیام فرمایا۔

قاضی ابراہیم ولد حمید الدین نے جن کا عہد حضرت سید علی ہمدانی سے قریب تر ہے اپنی تاریخ میں لکھا کہ : حضرت سید علی ہمدانی اس چبوترے پر جہاں آج آپ کا حجرہ خاص ہے ، اکثر اوقات سکونت فرماتے تھے ، جب آپ نے اس شہر سے روانگی کا قصد کیا تو سلطان قطب الدین کے التماس پر مولانا محمد قاری کو جو آپ کے ہمراہ تھے ، دیوان رہنے کا حکم دیا۔

وفات : حضرت سید علی ہمدانی کے وفات کے بارے میں روایات ہیں کہ وہ ۸۵ھ (۱۳۸۳ء) کو آپ نے وفات پائی۔ عین وفات کے وقت آپ کی زبان مبارک پر بسم اللہ الرحمن الرحیم تھا۔ یہی آپ کی تاریخ وفات ہے۔

شیخ محمد بسر الشی نے جو اپنے وقت کے صالحین اور بلند پایہ شعرا میں تھے ، آپ کی تاریخ وفات یوں نکالی ہے ۔

عقل تاریخ سال رحلت او
سید ما علی ثانی گفت

۵۷۸۶

آپ کی وفات کے بعد کشمیر کے لوگوں اور سلطان محمد والی بہکلی کی جماعت کے لوگوں میں جھگڑا ہوا کہ آپ کے جسد مبارک کو کہاں دفن کیا جائے ، ہر جماعت کے لوگ حضرت سید علی ہمدانی کے جسد مبارک کو اپنے علاقے میں دفن کرنا چاہتے تھے ، آخر غسل اور جنازہ تیار ہونے کے بعد شیخ قوام الدین بدخشی نے جو آپ کے محرم خاص اور مقرب بارگاہ تھے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص تنہا تابوت مبارک کو اٹھا سکے ، وہ لے جائے ، جب کوئی تابوت کو نہ اٹھا سکا تو خود شیخ قوام الدین نے تنہا آپ کے تابوت کو اٹھایا ، اور کبر اور کوہستان چرار کے راستے سے ختلان (جیکستان) لے گئے ، اور ۵ جمادی الاخریٰ ۵۷۸۷ (۸۶-۱۳۸۵ء) کو آپ کے تابوت کو وہاں دفن کیا ۔

تعمیر خانقاہ سید علی ہمدانی :

صاحب تاریخ اعظمی نے حضرت سید علی ہمدانی کے بڑے صاحبزادے حضرت میر سید محمد ہمدانی کے حالات میں لکھا ہے کہ : آپ کے فرزند اکبر میر سید محمد ہمدانی سلطان سکندر بن سلطان قطب الدین (متوفی ۵۷۹۶-۹۴) کے عہد میں بارہ سال تک کشمیر میں رہ کر ترویج اسلام کرتے رہے ۔

جب ہندوستان کے بادشاہوں نے نئی نئی عمارتوں کی بنیاد رکھی ، تو اس چبوترے پر جو حضرت سید علی ہمدانی نے دریائے جہلم کے کنارے پانچ وقت کی نماز کے لئے بنوایا تھا ایک شاندار خانقاہ

کی تعمیر کی بنیاد رکھی اس عمارت کی تعمیر ۱۷۹۸ء (۹۶-۱۳۹۵ھ) میں شروع ہوئی اور ۱۷۹۹ء (۹۷-۱۳۹۶ھ) میں تکمیل کو پہنچی۔

حضرت میر سید محمد نے ایک بیش بہا لعل بدخشانی جو آن کے پاس تھا تبرکاً سلطان شہنشاہ کو دیا تھا، سلطان سکندر نے اس کے عوض میں تین پرگنوں سے تین گاؤں مضارف، خدام، خانقاہ کے لیے عطا کیے، ان میں سے ایک گاؤں ونی نامی تھا جو پرگنہ شاوہہ میں تھا، دوسرا گاؤں نونہ ونی تھا، جو پرگنہ ہارند میں تھا، تیسرا گاؤں نزال تھا جو پرگنہ اولر میں تھا، اس خانقاہ کا متولی مولانا سعید کو مقرر کیا گیا، اور مطبخ اور دوسرے مضارف کے لیے کچھ اور گاؤں سلطان نے وقف کیے۔

آقای علی اصغر حکمت نے لکھا کہ: حضرت سید علی ہمدانی کی خانقاہ، خانقاہ معلیٰ کے نام سے موسوم ہے، اس کے ساتھ ایک مسجد ہے، جو مسجد شاہ ہمدان کے نام سے موسوم ہے، یہ خانقاہ اور مسجد شہر سری نگر میں محلہ علاء الدین پور میں فتح کدل و زینا کدل پٹلوں کے درمیان واقع ہے، تمام عمارت میں ضخیم اور مکعب لکڑی اینٹوں کی طرح سے استعمال کی گئی ہے، اور اس جگہ کو جہاں حضرت سید علی ہمدانی نماز پڑھا کرتے تھے مربع شکل میں گھیر لیا گیا ہے، اس خانقاہ کے ابواب الداخلہ، ابواب الخارجہ، کیندہ ہے۔

ای دل! اگرک مطلب، فیض دو جہاں مست ہے،
رو، بر در شامینہ، شاہ ہمدان مست ہے،
بائیں جانب یہ شعر مرقوم ہے:
رو، بر در شامینہ، شاہ ہمدان مست ہے،

ای دل! اگرک مطلب، فیض دو جہاں مست ہے،
رو، بر در شامینہ، شاہ ہمدان مست ہے،
بائیں جانب یہ شعر مرقوم ہے:
رو، بر در شامینہ، شاہ ہمدان مست ہے،

اسی طرح دائیں طرف یہ شعر درج ہے :
 خانقاہ رستہ میں بسکے، یا مسجد اقصیٰ سنی

سیکن۔ اثنی و امان غیاہ جنت الماویٰ سنی

اسی طرح بائیں ہاتھ کے دروازے پر یہ شعر کندہ ہے :

قبضہ نور است یا سر خمہ آب حیات

یا مگر از رحمت حق، خیمہ برپا سنی

دروازے کے بالائی حصے پر یہ رباعی منقوش ہے :

چو شد از گاہ احمد خاتم دین

ز ہجرت یفصد و ست و ثمانین

برقت از عالم فانی بباقی

امیر ہنر دو عالم آل یاسین

یہ رباعی اس عمارت کی پیشانی پر کندہ ہے :

ہر فیض کہ در سابقہ ہر دو جہاں ست

در پیروی حضرت شاہ ہمدان ست

شاہ ہمدان آنکہ شہنشاہ جہاں ست

ای خاک بر آن دیدہ کہ در زیب و گماں ست

خانقاہ کے داخلی حصے میں بالائے محراب یہ رباعی جس میں آپ کی

تاریخ وفات بھی شامل ہے، کندہ ہے :

حضرت شاہ ہمدان کریم

آید رحمت ز کلام قدیم

گفت دم آخر و تاریخ شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس کے علاوہ یہ رباعی بھی بالائے محراب پر منقوش ہے ، جو خود حضرت سید علی ہمدانی کی ہے :

شاہِ زکرم بر من درویشِ نگر
بر حالِ من خستہ دل ریشِ نگر

ہر چند نیم لائقِ بخشائش تو
بر من منگر ، بر کرم خویشِ نگر

تذکرہ ریاض الشعرا ، مجمع النفائس ، ریاض العارفین ، مجمع الفصحا ، روز روشن وغیرہ میں تقریباً وہی حالات ہیں جو صاحب تاریخ اعظمی نے لکھے ہیں ۔ لہذا ہم ان کے اعادے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے البتہ صوفی نے آپ کے متعلق کچھ مزید نئی باتیں لکھی ہیں ، اس کا اقتباس ہم ذیل میں درج کرتے ہیں :

حضرت سید علی ہمدانی ۱۲ رجب روزِ دو شنبہ ۵۱۴ھ (۱۳۱۴) کو بی بی فاطمہ کے بطن سے ہمدان میں پیدا ہوئے ، ”رحمۃ اللہ“ سے آپ کی تاریخ ولادت نکلتی ہے ، خلاصۃ المناقب میں ہے کہ آپ کا سلسلہ نسب ۱۶ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے ، حضرت علاء الدین ہمدانی آپ کے چچا تھے ، حضرت سید علی ہمدانی شاگرد اور مرید شیخ ابوالبرکات تقی الدین علی دوستی کے تھے ، ان کی وفات کے بعد آپ نے شیخ شرف الدین محمود مزدقانی سے بیعت کی تھی ۔

۲۱ سال کی عمر میں آپ نے دنیا کے سفر کا آغاز کیا ، تیمور کی ہنگامہ خیزیوں کی وجہ سے آپ اپنے وطن ہمدان کو ترک کر کے

(۱) تذکرہ شعرائے کشمیر ، بخش دوم ، سید حسام الدین راشدی ،
حاشیہ نمبر ۱ ص ۹۱۰ - ۱۱ بحوالہ نقش پارسى بر احجار ہند ،
آقای علی اصغر حکمت ص ۶۷-۶۹ -

سلطان شہاب الدین کے عہد حکومت میں ۵۷۷۴ھ (۷۳-۷۲-۷۱۳ء) میں سات سو سادات کے ساتھ کشمیر میں تشریف لائے ، اور وہاں سے حج کے لیے تشریف لے گئے ، دوسری مرتبہ آپ ۵۷۸۱ھ (۸۰-۷۹-۷۱۳ء) میں سلطان قطب الدین کے عہد میں کشمیر تشریف لائے ، اور اس مرتبہ دو سال چھ ماہ کشمیر میں رہے ، اور ۵۷۸۳ھ (۸۲-۸۳-۷۱۳ء) میں براہِ لداخ و ترکستان عازم وطن ہوئے ۔ تیسری مرتبہ آپ ۵۷۸۵ھ (۸۴-۸۳-۷۱۳ء) کشمیر تشریف لائے ، اور کچھ دن یہاں توقف فرمانے کے بعد اپنے وطن لوٹے ، راستے میں پاخلی میں جو اب مغربی پنجاب میں ہے دس روز تک سلطان محمد کے یہاں جو وہاں کا حاکم تھا مہمان رہے ، پاخلی (پاکھلی) سے روانہ ہو کر بمقام کونر (کافرستان) پہنچے یکم ذی الحجہ ۵۷۸۶ھ (۸۵-۸۶-۷۱۳ء) کو بیمار ہوئے ، پانچ روز تک غذا کی طرف بالکل مائل نہ تھے ، منگل کے روز ۵ ذی الحجہ کو آپ نے چند مرتبہ پانی پیا ، اور اسی رات ۷۲ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی ، وہاں سے آپ کی نعش کو ختلان (کولاب) لے جایا گیا ، اور ختلان میں آپ مدفون ہوئے ، پاخلی (پاکھلی) میں جہاں آپ نے وفات پائی تھی ایک خوبصورت اور شاندار خانقاہ تعمیر کی گئی جو اب تک موجود ہے ۔

آئین اکبری میں علامی ابوالفضل نے لکھا کہ : حضرت سید علی ہمدانی نے باجور میں جو سوات کے نزدیک ہے وفات پائی ، اور آپ کے جسد مبارک کو آپ کی وصیت کے مطابق ختلان لے جایا گیا ۔

بابر نامہ میں بابر نے لکھا کہ : جب حضرت سید علی ہمدانی کافرستان میں کونار نور گل کے مقام پر پہنچے تو کونار سے دو میل آس طرف آپ نے شارع عام پر وفات پائی ، آپ کی نعش کو ختلان لے جا کر دفن کیا گیا ، اور کونار میں جہاں آپ نے وفات پائی تھی آپ کی یادگار کے طور پر ایک عمارت تعمیر کی گئی ، بابر نے

۱۵-۱۴ (۱۵-۱۴) میں جب چاغان سرائے کو فتح کیا تو جہاں
آپ نے وفات پائی تھی وہاں پہنچ کر طواف کیا۔
سلسلہ طریقت :

جہاں تک تذکروں سے پتا چلتا ہے، وہ یہ کہ آپ کا سلسلہ
طریقت، کبرویہ تھا، جس کے بانی شیخ نجم الدین گبریا خوارزمی
(متوفی ۶۱۸ھ) (۲۲-۲۱-۲۰-۱۹) ہیں، سلسلہ کبرویہ سلسلہ سہروردیہ
سے تعلق رکھتا ہے۔

تصانیف : حضرت سید علی ہمدانی نے صرف عالم اور صاحب عرفان و
سلوک بزرگ تھے بلکہ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف و مؤلف
بھی تھے، اب تک آپ کی جن تصانیف و تالیفات کا پتا چل سکا ہے
حسب ذیل ہیں۔

۱- ذخیرۃ الملوک : یہ کتاب جو فارسی میں دس ابواب پر
مشمول ہے ۱۳۲۱ھ میں اس کے چھپی، ۱۸۲۵ء میں اس کتاب
کا ترجمہ لیٹن (Latin) میں E.F. C. Rosenmucner نے کیا
تذکرۃ فرانسیزیسی (French) میں اس کا ترجمہ C. Saluent نے کیا،
۱۸۲۹ء میں چھپا۔
۲- رسالہ نوریت (۳) رسالہ مکتوبات (۴) رسالہ در معرفت
صورت و سیرت انسان (۵) رسالہ در حقائق توبہ (۶) حل النصوص
علی الفصوص : شرح فصوص الحکم (۷) شرح قصیدہ خمیریہ فارسیہ
(۸) رسالہ اصطلاحات : در اصطلاحات تصوف (۹) علم البیان
(۱۰) قاعدہ (۱۱) کتاب المودق فی القربی (۱۲) کتاب السبعین
فی فضائل الاربعین (اس میں حضرت علیؑ کے ستر فضائل تحریر
کئے گئے ہیں) (۱۳) اربعین الشیوخ (۱۴) روضۃ الفردوس (۱۵)
منازل السالکین (۱۶) اوراد الفتحیہ (۱۷) خلاصۃ المناقب -

مقالات دانش آموزان میں مندرجہ بالا کتب کے علاوہ حضرت
سید علی ہمدانی کی مزید بعض اور تصانیف کے نام ملتے ہیں ، جو
یہ ہیں -

(۱۸) کتاب اسرار النقطہ (۱۹) شرح اسماء الحسنی (۲۰)
اختیارات المنطقی در تصوف (اس کتاب کا ذکر معجم المؤلفین میں
ملتا ہے) (۲۱) الذاتیہ (۲۲) فوائد العرفانیہ (یہ ایک مختصر
رسالہ ہے) (۲۳) رسالہ سبع المثانی (۲۴) رسالہ چہل مقام و
عقبات ^۱ (۲۵) اسرار القلبیہ (۲۶) المقلد فی بیان النقطہ (۲۷)
اخلاق محترم یا بحر (۲۸) مرالنقطہ ^۲ (۲۹) رسالہ منہاج العارفین

اقوال حکیمانہ : حضرت سید علی ہمدانی کے اقوال

رسالہ منہاج العارفین : حضرت سید علی ہمدانی کے ارشادات
عالیہ اور اقوال حکیمانہ کا گنجینہ گراں مایہ ہے ؛ آپ نے چھوٹے
چھوٹے اقوال میں اخلاق و بو عظمت کو نہایت دلکش اور سہل
انداز میں بیان کیا ہے ، آپ کے ان اقوال میں ایک قاری ”از
دل خیزد بر دل ریزد“ کی کیفیت محسوس کرتا ہے -

شاعری : حضرت سید علی ہمدانی کے اشعار

حضرت سید علی ہمدانی بلند پایہ شاعر بھی تھے ، آپ کے
فکرِ رمانے تصوف کے رموز و نکات کو نہایت حسن اور دلکشی کے
ساتھ پیش کیا ہے ، عرفان و تصوف ، سوز و گداز ملاست و روانی
آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں ۔ ہم چہل اسرار سے آپ کے چند
اشعار بطور نمونہ کلام تبرکاً ذیل میں درج کرتے ہیں :

-
- (۱) یہ رسالہ چہل اسرار کے نام سے جو آپ کی ۱۴ غزلوں پر
مشمول ہے ، ۱۳۰۳ھ سے ۱۳۳۲ھ میں چھپا ہے -
(۲) تذکرہ شعرائے کشمیر ، بخش دوم ، ص ۹۰۶-۹۰۷ بحوالہ
... مقالات دانش آموزان ، ص ۸۲-۹۰ - (۳) مقالات دانش آموزان ، ص ۸۲-۹۰

اربابِ ذوق ، در غمِ تو آرمیده اند
 از شادی و نعیمِ دو عالمِ رمیده اند
 مرغانِ عشق را ، بدو کون التفات نیست
 تا در فضای شوق تو ، روزی پریده اند
 رندانِ جانفشان ، کہ قدم بر فنا زنند
 بر خوانِ دردِ سحر ، صلائی غنا زنند
 کسی کز غمزہ چشمش ، چو زلفِ او پریشان شد
 و نام و ننگ و کفر و دین ، بکلی بی خبر باشد
 پیر مری کز سحرِ عشقش ، و الہ و شیدا شود
 از بد و نیک وجودِ خویش بی پروا شود
 تا پریشان گشت زلفش ، بر رخِ چون آفتاب
 بادِ شوقش ابرِ جانم را ، پریشان میکند
 نالہ را پندم گزین و گریہ را ہمسایہ گیر
 جامِ غم بر روی ایشان نوش کن در ہر زمان
 از صفای غمِ تو ، بی بصران را چہ خبر
 قدرِ این تحقیر کسی یافت کہ ، از اہل صفاست
 پیا در عشق محرم باش ، زیرا
 رہِ نا محرمان اندر محرم نیست
 سخنِ دوستِ دین کوی کسی را زبید
 کہ بغیر از غمِ یادش ، نبود پروای

(۱) تذکرہ شعرائے کشمیر ، بخش دوم ، ص ۹۹ بحوالہ چہل
 اسرار

حضرت سید علی ہمدانی کی عالمگیر عظمت :

حضرت سید علی ہمدانی کو ان کی حیات ہی میں ان کے روحانی تبلیغی کارناموں کی وجہ سے اسلامی دنیا میں غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل ہوئی، ایران، ترکستان، ہندوستان اور پاکستان کا چپہ چپہ ان کی شہرت و عظمت سے گونج اٹھا، ہمدان کے اس جلیل القدر فرزند نے کشمیر میں ایک زبردست دینی اور سماجی انقلاب لا کر اہل کشمیر کو زندگی کا ایک نیا کیف عطا کیا، آوازہ حق کی سر بلندی نے ان کو وہ عظمت اور سر بلندی عطا کی کہ دنیا ان کے نام سے گونج اٹھی، صاحب مقالات دانش آموزان نے ان کی عظمت و مقبولیت کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ :

سید علی را در زمان حیات عزت و احترامی بسزا بود ، و در غالب بلاد ایران و ترکستان و ہندوستان و نزد آراء و ہادشایان و عموم طبقات مردم مقام منزلتی خاص داشت - مردم ہمدان نیز ویرا حرمتی عظیم مینہادند و برای او حتی پس از وفاتش کرامات و مقامی عالی قائل بودند ، و بقدر و جلالش اعتقادی عجیب داشتند وی از عارفان نیک اعتقاد و از صوفیان صافی ضمیر پاک نہاد بشمار است ، و علاوہ بر زہد و تقوی در علم و دانش نیز مقامی رفیع داشتہ و میان علوم ظاہر و باطن جمع کردہ . . . میر سید علی ، نوزد ہمیں قطب و شیخ سلسلہ ذہبیہ است ، کہ بعد از پیرومرشد خود شیخ شرف الدین محمود ، بمقام شیخوخت و قطبی رسید ۔

(۱) تذکرہ شعرائے کشمیر ، بخش دوم ، ص ۹۰۴ بحوالہ مقالات دانش آموزان ۔

اولاد :

نگارستان کشمیر: قاضی ظہور الحسن سہواروی مرحوم نے حضرت سید میر محمد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات تفصیل سے لکھتے ہوئے لکھا کہ: میر محمد ہمدانی (۱۱۰۰-۱۱۷۰) صاحب عرفان تھے، سلطان سکندر کے عہد میں بعمر بائیس سال مع تین سو سریدین کے ۵۸۰۶ (۱۱۴۰-۱۱۴۱) میں تشریف لائے، بارہ سال کشمیر میں مقیم رہے، ۵۸۱۸ (۱۱۶۱-۱۱۶۲) میں کشمیر میں ہی وفات پائی، آپ کے دست حق پرست پر اس کثرت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے کہ مورخ لکھتے ہیں (مشہور است کہ سہاروار شہنائے زمانہ مردے کہ مسلمان شدند سوختہ، ہرجا بت خانہ بود، آن را برہم زدہ) بادشاہ کا وزیر سید بٹ برہمن بھی مع اعتیال و اطفال مسلمان ہو گیا۔ بٹ کی لڑکی کا نام اجیستال کہہ ہم نے باب پنجم میں لکھا ہے۔ لیچھمد دیوی تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد غالباً بٹارے نام رکھا گیا۔ بٹ سیہ بٹ کا نام سیف الدین رکھا گیا، حضرت نے علاوہ اشاعت اسلام، قدیم مسلمانوں کی بھی اصلاح فرمائی کشمیر میں جس قدر بدعات ارائج ہو گئیں تھیں، سب کو موقوف کر دیا۔ (بیمین قدم) حضرت سید سلطان نوع در رفع ظلمات بدعت و منع سزا بیزا و سائر منافی و ترویج سنن نبوی علیہ الصلوٰۃ السلام کوشید، کہل گویدار الحال اسلام در ولایت کشمیر آمد) سلطان سکندر و حضرت میر محمد ہمدانی و سادات دیگر رفع اکثر بدعات خصوص سزائے سونک و نیکرنا از شہر نمودہ در آن عہد بغیر از خانہ سلطان دہل جائے نمی نواختند، چہ جائیکہ آلات دیگر بالکل ممنوع بود۔

نگارستان کشمیر: قاضی ظہور الحسن سہواروی (۱۱۰۰-۱۱۷۰) صاحب عرفان تھے، سلطان سکندر کے عہد میں بعمر بائیس سال تشریف لائے، بارہ سال کشمیر میں مقیم رہے، ۵۸۱۸ (۱۱۶۱-۱۱۶۲) میں کشمیر میں ہی وفات پائی، آپ کے دست حق پرست پر اس کثرت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے کہ مورخ لکھتے ہیں (مشہور است کہ سہاروار شہنائے زمانہ مردے کہ مسلمان شدند سوختہ، ہرجا بت خانہ بود، آن را برہم زدہ) بادشاہ کا وزیر سید بٹ برہمن بھی مع اعتیال و اطفال مسلمان ہو گیا۔ بٹ کی لڑکی کا نام اجیستال کہہ ہم نے باب پنجم میں لکھا ہے۔ لیچھمد دیوی تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد غالباً بٹارے نام رکھا گیا۔ بٹ سیہ بٹ کا نام سیف الدین رکھا گیا، حضرت نے علاوہ اشاعت اسلام، قدیم مسلمانوں کی بھی اصلاح فرمائی کشمیر میں جس قدر بدعات ارائج ہو گئیں تھیں، سب کو موقوف کر دیا۔ (بیمین قدم) حضرت سید سلطان نوع در رفع ظلمات بدعت و منع سزا بیزا و سائر منافی و ترویج سنن نبوی علیہ الصلوٰۃ السلام کوشید، کہل گویدار الحال اسلام در ولایت کشمیر آمد) سلطان سکندر و حضرت میر محمد ہمدانی و سادات دیگر رفع اکثر بدعات خصوص سزائے سونک و نیکرنا از شہر نمودہ در آن عہد بغیر از خانہ سلطان دہل جائے نمی نواختند، چہ جائیکہ آلات دیگر بالکل ممنوع بود۔

(۱) نگارستان کشمیر: قاضی ظہور الحسن سہواروی (۱۱۰۰-۱۱۷۰) صاحب عرفان تھے، سلطان سکندر کے عہد میں بعمر بائیس سال تشریف لائے، بارہ سال کشمیر میں مقیم رہے، ۵۸۱۸ (۱۱۶۱-۱۱۶۲) میں کشمیر میں ہی وفات پائی، آپ کے دست حق پرست پر اس کثرت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے کہ مورخ لکھتے ہیں (مشہور است کہ سہاروار شہنائے زمانہ مردے کہ مسلمان شدند سوختہ، ہرجا بت خانہ بود، آن را برہم زدہ) بادشاہ کا وزیر سید بٹ برہمن بھی مع اعتیال و اطفال مسلمان ہو گیا۔ بٹ کی لڑکی کا نام اجیستال کہہ ہم نے باب پنجم میں لکھا ہے۔ لیچھمد دیوی تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد غالباً بٹارے نام رکھا گیا۔ بٹ سیہ بٹ کا نام سیف الدین رکھا گیا، حضرت نے علاوہ اشاعت اسلام، قدیم مسلمانوں کی بھی اصلاح فرمائی کشمیر میں جس قدر بدعات ارائج ہو گئیں تھیں، سب کو موقوف کر دیا۔ (بیمین قدم) حضرت سید سلطان نوع در رفع ظلمات بدعت و منع سزا بیزا و سائر منافی و ترویج سنن نبوی علیہ الصلوٰۃ السلام کوشید، کہل گویدار الحال اسلام در ولایت کشمیر آمد) سلطان سکندر و حضرت میر محمد ہمدانی و سادات دیگر رفع اکثر بدعات خصوص سزائے سونک و نیکرنا از شہر نمودہ در آن عہد بغیر از خانہ سلطان دہل جائے نمی نواختند، چہ جائیکہ آلات دیگر بالکل ممنوع بود۔

مولانا جامی کے کلام کی عظمت و شہرت و عظمیٰ
 حاصل کی، اُن میں حضرت مولانا جامی ہیں، وہ تصوف کے آفتاب
 اور عرفانی شاعری کے پہتاب ہیں۔ ان کی صوفیانہ عظمت، اور
 شاعرانہ جلالت ہر دور کے اہل دل اور اہل نظر میں مسلم رہی ہے۔
 خاقانی آج بھی اُن کی نعتوں اور غزلوں سے گونجی ہوئی ہیں، اور
 تمام صوفیہ اُن کو اپنا پیشوا اور رہبر تسلیم کرتے ہیں۔ سلاست،
 روانی، اور تصوف کی چاشنی اُن کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔

مولانا جامی

تصوف اور شاعری میں جنھوں نے غیر معمولی شہرت و عظمت
 حاصل کی، اُن میں حضرت مولانا جامی ہیں، وہ تصوف کے آفتاب
 اور عرفانی شاعری کے پہتاب ہیں۔ ان کی صوفیانہ عظمت، اور
 شاعرانہ جلالت ہر دور کے اہل دل اور اہل نظر میں مسلم رہی ہے۔
 خاقانی آج بھی اُن کی نعتوں اور غزلوں سے گونجی ہوئی ہیں، اور
 تمام صوفیہ اُن کو اپنا پیشوا اور رہبر تسلیم کرتے ہیں۔ سلاست،
 روانی، اور تصوف کی چاشنی اُن کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔

شاعر مشرق کا تاثر :

شاعر مشرق علامہ اقبال کو مولانا جامی کے تصوف اور شاعری
 دونوں نے متاثر کیا ہے، وہ جامی اور عراقی کے بے حد مداح و
 معترف ہیں۔ عراقی کے اشعار اُن کے لیے سرمایہ تسکین، اور جامی
 کے کلام کی آتش توانیاں، اُن کے جان و دل کو ایک نیا سوز
 عطا کرتی ہیں، وہ ان دونوں کے کلام کے تاثر کو بیان کرتے
 ہوئے فرماتے ہیں :

کہے شعرِ عراقی را بخوانم
 کہے جامی زند آتش بجوانم
 کہے ہندوستانم گرچہ آہنگِ عرب را
 کہے شریکِ نغمہ آہائے ساز بانم

(۱) ارغوان حجاز، ص ۳۵

(۲) مولانا جامی کے کلام کی عظمت و شہرت و عظمیٰ

حاصل کی، اُن میں حضرت مولانا جامی ہیں، وہ تصوف کے آفتاب

اسی ارمغان حجاز میں وہ منطق کے دلائل کو خام بتاتے ہیں اور مولانا جامی کے اشعار کو درِ راز پائے معرفت کی کلید قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

مرا از منطق آید بوئے خامی

دلیل او ، دلیل ناتمامی

بد رویم بستہ در پنا را کشاید

دو بیت از پیر رومی یا ز جامی

اسرار و رموز میں اپنے آپ کو کشتہ انداز مولانا جامی قرار دیتے ہوئے ان کی نظم و نشر کو اپنی خامی کا علاج بتاتے ہوئے کہتے ہیں :

کشتہ انداز مٹلا جامی ام

نظم و نشر او علاج خامیم^۲

حالات :

نویں صدی ہجری کے اس عظیم روحانی رہنما اور جلیل القدر شاعر کا نام عبدالرحمن ، تخلص جامی اصل لقب عماد الدین اور مشہور لقب نور الدین تھا ، ان کے والد کا نام احمد دشتی اور دادا کا نام محمد دشتی تھا ، دشت ، اصفہان کے ایک محلے کا نام ہے ، اور دشتی کی نسبت اسی محلے کی طرف ہے ۔ خوارزم شاہیہ کے زمانے میں یہ خاندان ہجرت کر کے خراسان آیا ، اور قصبہ خرچرد میں سکونت پذیر ہوا ، ان کے دادا مولانا شمس الدین دشتی نے جام میں سکونت اختیار کی ۔ حضرت عبدالرحمن کا تخلص اسی جام کی نسبت جامی ہے ، اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ

(۱) ارمغان حجاز ، ص ۱۸۹ -

(۲) کلیات اقبال فارسی (اسرار و رموز) ، ص ۲۱ -

شیخ الاسلام احمد جام^۱ سے عقیدت رکھتے تھے ، اس لیے انہوں نے جاسی تخلص اختیار فرمایا ، جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں :

مولدِ جام و رشیدِ قلم
جرعہٴ جام شیخِ اسلامی است
لا جرم در جریدہٴ اشعار
بدو معنی تخلصِ جامی است^۲

ولادت :

مولانا جاسی محلہ خرجرد جام خراسان میں ۱۳ شعبان ۸۱۷ھ (۱۵-۱۴۱۴ء) کو عشاء کے وقت پیدا ہوئے ۔

تعلیم :

مولانا جاسی نے ابتداءً تحصیلِ علم اپنے والد سے کی ، خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے زبان اپنے والد سے سیکھی ، اور صرف و نحو کی تعلیم ان سے حاصل کی ، بچپن میں اپنے والد کے ساتھ ہرات آئے ، اور مدرسہٴ نظامیہ میں داخل ہو کر مولانا جنید اصولی کے درس میں شریک ہو گئے ، پھر مولانا خواجہ علی سمرقندی سے جو اپنے زمانے کے یگانہ روزگار علماء میں تھے ، ان سے تعلیم حاصل کی ۔ تقریباً چالیس دن ان کے درس میں شریک رہے ، پھر وہ مولانا شہاب الدین محمد جاجری کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اور

(۱) احمد جام : ولادت : ۸۳۱ھ (۵۰-۱۰۳۹ء) وفات : ۸۳۶ھ (۳۲-۱۱۳۱ء) تصنیف : سراج السائرین (نفحات الانس ، اردو ترجمہ ، ص ۲۵۷ تا ۳۹۵) ۔

(۲) یہ تمام تفصیل جاسی مؤلفہ علی اصغر حکمت ، مطبوعہ تہران ، ص ۵۹ اور بیخانہ عیدالنہی ، ص ۱۰۰-۱۰۱ سے ماخوذ ہے ۔

چند روز ان کے درس میں شریک رہے۔ ہرات میں تحصیل علم کرنے کے بعد مولانا سمرقند تشریف لائے، اور قاضی زادہ روم کے درس میں شریک ہوئے، یہیں سے وہ مولانا فتح اللہ تبریزی استاد میرزا الغ بیگ کی خدمت میں پہنچے، مولانا فتح اللہ کی ملاقات کا حال میرزا الغ بیگ کو معلوم ہوا تو وہ بھی آپ کا بے حد احترام کرنے لگا، تمام سمرقند میں یہ شہرت عام ہو گئی کہ سمرقند میں ایک ایسا نوجوان آیا ہوا ہے، جس کی طباعی، جودت اور غیر معمولی صلاحیتوں کی مثال پورے خراسان میں نہیں ملتی، اس خبر کے پھیلنے کے بعد سمرقند کے اکثر علماء میں آپ سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا مولانا صلاح الدین موسیٰ قاضی، زادہ روسی جیسے یگانہ روزگار عالم آپ کو دیکھنے کے لیے آئے، اور بعض اہم علمی سوالات آپ سے کیے، مولانا جامی نے ان کے سوالات کے شافی جوابات دیے، چنانچہ تمام علماء سمرقند مولانا جامی کے معتقد ہو گئے، یہ خبر میرزا الغ بیگ کو پہنچی، میرزا نے مولانا کو طلب کیا، اور وہ بھی آپ کی ملاقاتوں سے اکتفا فیض کرنے لگا، مولانا جامی تقریباً نو سال سمرقند میں رہے، نو سال کے بعد آپ سلطان حسین میرزا بایقرا کے عہد حکومت میں دوبارہ ہرات

(۱) میرزا الغ بیگ : بن میرزا شاہرخ فاضل و عالم بادشاہ تھا، ریاضی میں بڑی بہارت رکھتا تھا، وہ روز یک شنبہ ۱۹ جمادی الاول ۹۰۷ھ میں قلعہ سلطانیہ میں پیدا ہوا، اس نے ۱۱ سال سمرقند میں حکومت کی، ۸۵۳ھ میں اپنے بیٹے میرزا عبداللطیف کی تحریک پر عباس نامی ایک شخص کے ہاتھ سے قتل ہوا، عباس کشت سے اس کے قتل کی تاریخ نکلتی ہے، (میخانہ عبدالنبی، ص ۱۵۱ تا ۱۵۲، حاشیہ نمبر ۲۔)

(۲) سلطان حسین میرزا بایقرا بن اسیر منصور بن لقا یقرا بن عمر شیخ بن امیر قلمور ملقب بہ کمال الدین، رشتہ خاں بہ (باقی حاشیہ پر صفحہ ۳۳۵)

تشریف لائے ، شہر کے علماء و فضلاء آپ کی تشریف آوری سے بہت خوش ہوئے ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی دو شہروں میں مولانا نے علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی ، اور علوم ظاہری میں وہ کمال حاصل کیا کہ وہ آسمانِ علم و فضل پر آفتاب درخشاں بن کر طلوع ہوئے ۔

روحانی تعلیم و تربیت :

علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد آپ تزکیہٴ نفس اور تصفیہٴ باطن کی طرف متوجہ ہوئے ، اور اسی شوق و جستجو نے آپ کو حضرت سعد الدین محمد کاشغریؒ کے آستانے تک پہنچایا ۔ حضرت سعد الدین کاشغری جامع مسجد ہرات کے قریب ایک مکان میں رہتے تھے ، اور جامع مسجد ہرات میں ان کا حلقہٴ ذکر و شغل رہتا تھا ، مولانا جامی اکثر ادھر سے گزرتے تھے ، حضرت سعد الدین کاشغری ان کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ اس نوجوان میں غیر معمولی صلاحیتیں ہیں ، جنہوں نے مجھے اس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۳)

حسینی ، صاحبِ دولت و اقبال بادشاہ تھا ، اس نے طویل عرصے تک حکومت کی اور لمبی عمر پائی ، علماء ، فضلاء اور شعراء کا بے حد قدردان تھا ، وہ ۸۴۲ھ میں پیدا ہوا ، ۸۷۵ھ میں تختِ سلطنت پر متمکن ہوا ، اور ۹۱۱ھ میں وفات پائی (سرخاندہ عبد النبی ، ص ۲۰۲ حاشیہ نمبر ۱) ۔

(۱) حضرت سعد الدین محمد کاشغری : نے مولانا نظام الدین اور مولانا زین الدین سے روحانی فیض حاصل کیا تھا ، آپ نے ۷ جمادی الاخریٰ بروز چہار شنبہ ۸۶۰ھ میں وفات پائی (نفحات الانس اردو ترجمہ ، ص ۳۳۳) ۔

فریفتہ بنادیا ہے، میں سوچتا رہتا ہوں کہ کس تدبیر سے اسے قبضے میں لایا جائے، آخر خود مولانا جامی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے دستِ حق پر بیعت ہوئے، جب وہ بیعت ہونے کے لیے حاضر ہوئے تو فرمایا کہ: شاہبازے بیچنگ ما افتادہ است (ایک شاہباز ہمارے قبضے میں آیا ہے)۔ اور ان کی خدمت میں ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے، حضرت سعد الدین کا شغریٰ کا شجرہ طریقت تین واسطوں سے خواجہ بزرگی خواجہ بہاء الحق والدین معروف بہ خواجہ نقشبند پر منتهی ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت سعد الدین،

(۱) خواجہ بہاء الحق والدین خواجہ نقشبند کا نام محمد بن محمد بخاری نقشبند ہے، وہ محرم ۷۱۸ھ میں قصبہ "قصر عارفان" میں پیدا ہوئے، جو بخارا سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر ہے، خواجہ بہاء الدین نقشبند کو خواجہ محمد بابا ماسی کی نظر میں قبولیت حاصل تھی، جب وہ "قصر عارفان" سے گزرتے جو اس وقت "قصر ہندوان" کہلاتا تھا، تو فرماتے مجھے اس خاک سے ایک ایسے مرد کی بو آتی ہے کہ جس کی بدولت یہ قصر ہندوان قصر عارفان بنے گا، یہاں تک کہ ایک روز اس طرف سے حضرت امیر کلال گزرے جو خواجہ نقشبند کے مرید و خلیفہ تھے، انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس قسم کی بو آتی ہے کہ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرد پیدا ہو چکا ہے جس کی خبر میرے مرشد نے دی تھی۔

خواجہ نقشبند نے تصوف و طریقت کی تعلیم سید امیر کلال سے حاصل کی تھی یہاں تک کہ وہ سلسلہ نقشبندیہ کے مؤسس و بانی قرار پائے، وہ بارہ سال تک خلیل اتا کے ساتھ رہے، دو مرتبہ سفر حجاز کیا، ان کے مریدوں میں خواجہ محمد پارسا مشہور (باقی حاشیہ پر صفحہ ۳۳۷)

مولانا نظام الدین خاموش کے مرید و خلیفہ تھے ، مولانا نظام الدین خاموش نے روحانی استفادہ خواجہ علاء الحق والدین مشہور بہ عطار سے کیا تھا ، اور خواجہ علاء الدین ، خواجہ بہاء الحق معروف بہ نقشبند کے مرید و خلیفہ تھے ۔

ان کے علاوہ مولانا جامی نے جن بزرگوں سے ملاقاتیں کیں ، اور ان سے اکتساب فیض کیا ان میں اول حضرت خواجہ محمد پارما ہیں ، نفحات الانس میں مولانا جامی نے ان سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ :

جب حضرت خواجہ محمد پارما جمادی الاولیٰ یا

جمادی الاخریٰ ۸۲۲ھ (۲۹-۳۸۲۸ء) میں سفر حجاز کے

ازادے سے جام سے گزرنے تو میرے والد اپنے مخلصوں

اور نیاز مندوں کے ساتھ ان کی زیارت اور استقبال کے

لیئے شہر سے باہر نکلے ، اس وقت میری عمر کے پانچ

سال بھی پورے نہ ہوئے تھے ، میرے والد نے اپنے

ساتھیوں میں سے ایک سے کہا کہ مجھے کاندھ سے پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۶)

ہیں ۔ خواجہ نقشبند نے ۳ ربیع الاول ۸۹۱ھ کو ”قصر عارفان“ میں وفات پائی ، دو کتابیں دلیل العاشقین اور تصوف میں حیات نامہ ان کی طرف منسوب ہیں (کارنامہ بزرگان ایران ص ۲۴۳-۲۴۴) ۔

(۱) خواجہ علاء الدین عطارؒ کا نام محمد بن محمد بخاری ہے ، جو حضرت نقشبند کے مرید و خلیفہ ہیں خواجہ علاء الدین عطار نے بروز چہار شنبہ بعد نماز عشاء ۲۰ رجب ۸۰۲ھ میں وفات پائی (نفحات الانس - اردو ترجمہ ، ص ۲۱۱) ۔

پر بٹھا کر حضرت خواجہ محمد ہارسا کے محافے کے قریب
کرے ، چنانچہ اس نے مجھے محافے کے قریب کیا ، آپ
میری طرف متوجہ ہوئے ، اور مجھے ایک سیر کرمانی
مصری عنایت فرمائی ، میری عمر کے ساٹھ سال گزر
چکے ہیں ، لیکن اب تک ان کی نورانی صورت میری
آنکھوں میں ہے اور آپ کے دیدار مبارک کی لذت
میرے دل میں ہے ، اور اس فقیر کو جو ارادت مندی
و عقیدت اور محبت خاندان خواجگانِ قدس اللہ تعالیٰ
ارواحہم سے ہے ، شاید ان ہی کی نگاہ فیض اثر کا نتیجہ
ہے ، مجھے امید ہے کہ اسی تعلق اور محبت کی وجہ
سے ان کے بھائیوں اور مخلصوں کے زہرے میں میرا
حشر ہوگا۔

رشحات عین الحیوة کے خوالے سے علی اصغر صاحب حکمت
نے اپنی تالیف ”جاسی“ میں مولانا جاسی کی ملاقات کا تذکرہ ایک
اور بزرگ مولانا لورستانی سے بھی کیا ہے ، مولانا جاسی نے اس ملاقات
کا حال نفعات الانس میں قلم بند کرتے ہوئے لکھا کہ :

ایک مرتبہ میرے دل میں آیا کہ میں مولانا فخر الدین
لورستانی کی خدمت میں حاضر ہوں ، جو خرچہ جام
میں ایک سرائے میں ٹہرے ہوئے تھے کہ جس کا تعلق
میرے والد سے تھا ، جس زمانے میں میں ان کی خدمت
میں حاضر ہوا ، میں اس قدر کم عمر تھا کہ مولانا

نے مجھے اپنے زانو کے سامنے بٹھا لیا ، آپ آنکلی سے
حضرت علیؑ اور حضرت عمرؓ کے نام لکھتے
تھے ، اور میں ان کو پڑھتا جاتا تھا ،

آپ متبسم ہوتے تھے اور میری کم عمری اور پڑھنے پر تعجب فرماتے تھے، اُن کی محبت و شفقت نے میرے دل میں ان کی محبت اور عقیدت کا بیج بویا، اور اسی وقت سے یہ عقیدت برابر بڑھتی جاتی ہے، میری تمنا ہے کہ اُن ہی کی محبت میں جیوں اور اُن ہی کی محبت میں سروں، اور اُن کے دوستوں کے زمرے میں اٹھایا جاؤں۔^۱

صاحبِ رشحات عین الحلیوات نے خواجہ برہان الدین ابو نصر پارسیا قدس سرہ سے مولانا جاسی کی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے بحوالہ نفحات الانس لکھا ہے کہ مولانا جاسی کو ان سے بہت زیادہ ملاقات کا اتفاق ہوا، مولانا جاسی کا بیان ہے کہ:

میں ایک دن اُن کی مجلس میں حاضر تھا کہ شیخ محی الدین ابن عربی اور اُن کی تصانیف کا ذکر چلا، حضرت ابو نصر پارسیا نے اپنے والد کے حوالے سے بیان فرمایا کہ فصوص جان ہے، اور فتوحات دل، انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جو فصوص کو اچھی طرح جانتا ہے، اس کا متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا داعیہ قوی ہو جاتا ہے۔^۲

ان کے علاوہ مولانا نے نفحات الانس میں جن بزرگوں سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے ان میں حضرت شیخ بہاء الدین عمر، خواجہ شمس الدین محمد کوسوٹی، مولانا جلال الدین پورانی، اور مولانا شمس الدین محمد امجد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ہیں۔^۳

(۱) نفحات الانس (آردو ترجمہ)، ص ۳۸۲-۳۸۳۔

(۲) نفحات الانس (آردو ترجمہ)، ص ۳۲۶-۳۲۷۔

(۳) جاسی (علی اصغر حکمت)، ص ۷۰-۷۱۔

حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ معروف بہ خواجہ احرار مرشد مولانا جامی

حضرت شیخ سعد الدین کا شغری کی وفات کے بعد، مولانا جامی کی روحانی صلاحیتوں کو بحیثیت مرشد ہونے کے جس نے تنویر اور نکھارا، اور سلوک و معرفت کی منزلوں کو طے کرایا، وہ خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار علیہ الرحمہ ہیں۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ مولانا جامی پہلے حضرت سعد الدین کا شغری کے مرید ہوئے اور ان کی خدمت میں رہ کر نہایت سخت ریاضتیں اور مجاہدے کیے، پھر آخر میں حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار سے بیعت ہو کر سلوک اور تزکیہ نفس کی منزلیں طے کیں، یہاں تک کہ ارشاد و ہدایت کے مرتبے پر فائز ہوئے، وہ نقشبندیہ سلسلے کے اکابر شیوخ میں شمار کیے جاتے ہیں۔

تاریخ ادبیات ایران میں ہے کہ مولانا جامی حضرت خواجہ سعد الدین نقشبندی کی وفات کے بعد سلسلہ نقشبندیہ کی خلافت سے سرفراز ہوئے، اور ان کی بزرگی کی شہرت عالم میں پھیل گئی، چھوٹے بڑے، امیر و غریب سب ان کا احترام کرتے تھے۔^۱

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی عظمت و جلالت شان کا اندازہ اس سے کیجیے کہ وہ نقشبندیہ سلسلے کے سرخیل صوفیہ میں شمار ہوتے ہیں، داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ:

- (۱) خزینۃ الاصفیا، جلد ۱: ص ۵۸۶ و تاریخ ادبیات ایران (شفق)، ص ۳۵۔
(۲) تاریخ ادبیات ایران (شفق)، ص ۳۵۱۔

آپ کا لقب ناصر الدین احرار ہے ، آپ کے والد ماجد کا نام خواجہ محمود بن شہاب الدین ہے ... آپ سلسلہ خواجہ احراری کے سرتاج ہیں ، اور طریقت کے مقتدا اور راہ حقیقت کے راہ نما ہیں ، ماوراء النہر اور خراسان کے لوگ آپ کو بہت بڑا مانتے تھے ، ... آپ کی ولادت ماہ رمضان ۸۰۶ھ میں تاشقند کے ایک قریے باغستان میں ہوئی اور آپ کی وفات ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ (۱۴۹۰ء) کو ہوئی ، آپ کی عمر چند مہینے کم نوے سال کی ہوئی ، مزار مبارک سمرقند میں ہے ۔

علی اصغر صاحب حکمت نے اپنی تالیف ”جامی“ میں بحوالہ ”رشحات عین الحیات لکھا ہے کہ مولانا جامی اور خواجہ عبید اللہ احرار کی چار ملاقاتیں ہوئیں ، دو مرتبہ سمرقند میں اور تیسری مرتبہ یہ ملاقات ہرات میں ہوئی ، جب کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار میرزا سلطان ابو سعید کی ملاقات کے لیے ماوراء النہر سے خراسان تشریف لائے تھے اور مولانا جامی بھی ان کی ملاقات کے لیے ہرات سے سرو گئے تھے ، اس ملاقات کا حال مولانا جامی نے بیان کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ :

نواح مرو میں خواجہ عبید اللہ مد ظلالہ نے اس کمینے سے پوچھا کہ تمہاری عمر کیا ہوگی ؟ میں نے جواب میں عرض کیا کہ اس وقت میری عمر تخمیناً پچیس سال ہے ، فرمایا کہ ہم تم سے بارہ سال عمر میں بڑے ہیں ۔^۲

- (۱) سفینۃ الاولیاء (آر دو ترجمہ) ، ص ۱۱۵-۱۱۶
 (۲) یہ تمام تفصیل ”جامی“ (تالیف علی اصغر حکمت) ، ص ۷۱-۷۲ سے ماخوذ ہے ۔

اس ملاقات سے قبل اور اس ملاقات کے بعد بھی پیر و سرید میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا، جو عقیدت و اخلاص مولانا جامی کو حضرت خواجہ عبید اللہ احرار سے تھا، اس کا اندازہ ان مکاتیب اور مولانا کی منظوم و نثری تصانیف سے ہوتا ہے، مولانا جامی نے اپنی تصانیف میں جا بجا خواجہ عبید اللہ احرار کی بے پایاں محبت و عقیدت کے جو رنگ برنگ کے پھول بکھیرے ہیں، وہ آج بھی اہل سلوک و معرفت کے مشامِ جاں کو معطر کیے ہوئے ہیں، یہ گہائے عقیدت ہمیں مولانا جامی کی مختلف تصانیف میں ملتے ہیں، مثنوی تحفۃ الاحرار میں اپنی نسبت کو سلسلہ نقشبندیہ سے وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے، خواجہ نقشبند علیہ الرحمہ کی مدح و منقبت کرتے ہوئے، اپنے مرشد خواجہ عبید اللہ احرار کی مدح و توصیف میں یوں رطب اللسان ہیں:

رد ہجماں نوبت شاہنشی
کو کبہ فقر عبید اللہی
آنکداز حریت فقر آگہشت
خواجہ احرار عبید اللہیست

اسی مثنوی کے شروع میں مولانا جامی نے سلوک کی ان تین منازل یعنی علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کو بیان کیا ہے، جو انہوں نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی خدمت میں رو کر طے کیں، مولانا کے دلکش انداز بیان اور شیرینی گفتار اور اپنے شیخ کی والہانہ عقیدت و محبت نے ان کے ان اشعار میں ایک عجیب تاثراتی کیفیت پیدا کر دی ہے۔^۲

(۱) جامی (تالیف علی اصغر حکمت)، ص ۵۷، اہل بیت (۱)

(۲) جامی (تالیف علی اصغر حکمت)، ص ۵۷، اہل بیت (۲)

ہمیں مولانا جاسی کی اپنے شیخ سے عقیدت و محبت کا نقش ان کے دیوان سوم خاتمة الحلیوة کے اس ترکیب بند میں نہایت گہرا نظر آتا ہے ، جو انہوں نے سات بند حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی وفات پر کہے ہیں ، پہلے بند کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے :

موج زن می بیستم از ہر دیدہ طوفاں غمی
می رسد در گوشم از ہر لب صدای ماتمی
آخری بند میں اس سانچہ عظیم کے تاثر کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :

خواجہ رفت و ما بہ داغ فرقتش ماندیم اسیر
کم آبادا ہرگز از فرق مریداں ظل پیر
دوسرے بند میں ایک شعر میں فرماتے ہیں :
خواجہ کشت معنی فقر از ازل ہمراہ بود
ناصر الدین ، نصرت الدنیا عبید اللہ بود
پانچویں بند میں وہ خواجہ احرار کی وفات کو نہ صرف ماوراء النہر کے لیے مصیبت بتاتے ہیں ، بلکہ ان کی وفات کو عالم کا نقصان قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

این مصیبت نیست خاص ماوراء النہریاں
تیرہ شد ہر شہر از این ناخوش خبر ہر شہریاں
اسی دیوان میں انہوں نے خواجہ احرار کی وفات پر دو قطعہ تاریخ کہے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے :

بہ ہشت صد و نود و پنچ در شب شنبہ
کہ بود ملخ سہر فوت احمد مرسل

کشید خواجہ دنیا و دیں غیبہ اللہ

شراب صافی عیش ابد ز جام اجل

مولانا جامی کا تصوف میں مسلک :

مولانا جامی تصوف میں شیخ بھی الدین ابن عربی کے اصولوں کے پیرو تھے، اسی لیے انہوں نے اپنی تصانیف میں ابن عربی اور ان کے شاگردوں کے آثار و اقوال کی توضیح و تشریح کی ہے، انہوں نے ”نقد النصوص“ کے نام سے ”فصوص“ کی شرح لکھی اور لمعات کی شرح اشعار لکھی۔ اگر اس مسلک پر جاہدہ دیکھا نظر آتے ہیں جو شیخ ابن عربی کا تھا شرح لمعات میں انہوں نے جاہداً استناد فصوص یا فتوحات سے کیا ہے۔

وہ شیخ ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کے شدت سے قائل ہیں، ان کا تصوف میں نقطہ نظر یہ ہے کہ عشق حقیقی انسان کو سعادت نرمدی تک پہنچاتا ہے، ان کا خیال ہے کہ عاشق و معشوق اور عشق یہ تمام مظاہر ایک وجود مطلق کے ہیں، اور معشوق و محبوب بلکہ عاشق و محب تمام مراتب میں حضرت حق ہیں۔۔۔ اشکال مختلفہ کی کثرت، واحد حقیقی کی وحدت پر اثر انداز نہیں ہوتی، عین کثرت میں بھی کثرات اشکال مختلفہ واحد حقیقی کی وحدت پر اثر انداز نہیں۔

جامی صفات کی بھی دو قسمیں بتاتے ہیں ایک وجودی اور دوسری عدمی، جو صفات وجودی ہیں وہ معشوق سے نسبت رکھتی ہیں، اور جو عدمی ہیں وہ صفات عاشق سے نسبت رکھتی ہیں، پس غنا صفت معشوق کی ہے، اور فقر عاشق کی صفت ہے، فقر کے لیے فضائل و منازل ہیں، عاشق کو چاہئے کہ وہ غرض اسے ہاک

(۱) یہ تمام تفصیل ”جامی“ (تالیف علی اصغر حکمت)، ص ۶۷

سے ماخوذ ہے۔

ہو، اور اپنی طلب و خواہش کو درمیان سے نکال لے، اس کے پیش نظر صرف معشوق کی رضا ہونی چاہیے، اُسے معشوق کی مرضی اور نا مرضی کا امتیاز ہونا چاہیے، اسی وجہ سے عاشق مالک، مکلف ہوتا ہے صوری اور معنوی مجاہدات میں سے اشتغال افعال اور اعمال کا۔ صفات وجودی جو عاشق میں بظاہر نظر آتی ہیں، درحقیقت وہ معشوق کی صفات ہیں، جو عاشق کے پاس امانت ہیں۔

عاشق کے معشوق تک واصل ہونے کی تین منزلیں ہیں، وہ علم الیقین، عین الیقین، اور حق الیقین ہیں، اس کی مثال یہ ہے کہ جب کوئی آنکھیں بند رکھتا ہے، اور حرارت سے آگ کے وجود کا علم حاصل کرتا ہے، اس کا علم علم الیقین ہے، جب وہ آنکھیں کھولتا ہے اور آگ کو دیکھتا ہے تو اس کا یہ علم عین الیقین ہے، اور جب وہ آگ میں پڑ کر آگ بن جاتا ہے، اور فنا ہو کر آگ کی صفات اس سے ظاہر ہونے لگتی ہیں تو اس کا یہ علم حق الیقین ہے۔^۱

لوائح کی ابتداء میں ہمیں مولانا جاسی کی ایک سناجات ملتی ہے، جو ان کے مسلک تصوف کی اُئینہ دار ہے، اور ان کی تعلیمات تصوف کا عطر و خلاصہ ہے، یہی اصول تصوف ان کی تمام کتابوں میں پھیلے ہوئے ہیں، اس سناجات کا ترجمہ یہ ہے:

اللہی! ہم سے وہ تمام برائیاں چھڑادے، جن سے تونے ہمیں مشغ کیا ہے، اور حقائق اشیا کو ہمیں ان کی اصلی صورت میں دکھا، اور غفلت کا پردہ ہماری چشم بصیرت سے اٹھادے، اور ہر چیز جیسی وہ ہے ہمیں دکھا، نیستی کو ہستی کی صورت میں جلوہ مست دے

(۱) یہ تمام تفصیل جاسی (تالیف علی اصغر حکمت) ص ۱۴۴ تا ۱۴۷ سے ماخوذ ہے

اور نیستی سے جمال ہستی پر پردہ ہٹ ڈال، ان صورت خیالی کو اپنے تجلیات کے جمال کا آئینہ بنا، نہ حجاب اور دوری کا سبب بنا، ان وہمی نقوش کو بیماری دانائی اور بینائی کا سرمایہ بنا، اور جہالت و کوری محرومی اور سہجوری کا ذریعہ نہ بنا۔ ہم کو ”انا“ سے رہائی دے اور اپنی ذات سے آشنائی عطا فرما:

یا رب دل پاک و جان آگاہم دہ

آہ شب و گریہ سحر گاہم دہ

در راہ خود اول از خودم بے خود کن

آنگہ بے خود را بسوی خود راہم دہ

شاعری: شاعرانہ انداز و بیان کے ساتھ ساتھ شاعرانہ خیالات اور جذبات کا اظہار بھی ہے۔

نولانا جاسی کو قدرت نے سوز و گداز سے مملو قلب عطا فرمایا تھا، انھوں نے تصوف کے حقائق و رموز کو شعر کے پردے میں ڈھال کر فارسی شاعری کو ایک نیا حسن و دل کشی بخشی ہے، وہ نویں صدی ہجری کے آن بلند پایہ صوفی شعرا میں ہیں کہ ان کے نام کو انوری، سعدی، نولانا جلال الدین رومی، حافظ و خیام اور فردوسی کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ وہ صوفیانہ شاعری کی آبرو ہیں، اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے فارسی شاعری کو ایک نیا رنگ و آہنگ بخشی ہے، ان کے کلام میں صاف و شفاف بہتے ہوئے چشموں کی سی روانی ہے، اثر و تاثیر، سوز و گداز، علوئے تخیل، سلاست و روانی اور تصوف کی چاشنی ان کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔

جاسی جن شعرائے کرام سے متاثر نظر آتے ہیں، اور اپنے کمال شاعری کو جن کے دوا دین کے مطالعے کا رہین مت بتاتے ہیں، ان کا

تذکرہ انہوں نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ اپنی تصنیف نقحات الانس میں صوفیہ کی فہرست میں کیا ہے ، اور ساتھ ہی اپنے اشعار میں یہ بھی واضح کیا ہے کہ ان بزرگوں کے اشعار کس فن میں مولانا جاسی کے رہنما ثابت ہوئے ، مثلاً وہ ایک جگہ اپنے طرز غزل سرائی کو کمال خجندی سے منسوب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

جاسی از آن لب سخن آغاز کرد

شد لقبش طوطی شیریں مقال

یافت کمالتش سخنش تا گرفت

چاشنی از سخن کمال

خاقانی کے ایک قصیدے کا اپنے قصیدے میں تتبع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ -

سخن آن بود کز اول نهاد خاقانی

یہ مہمان خانہ گیتی پی دانشوران خوانش

وہ اپنی مثنوی سرائی کو حکیم نظامی^۲ اور امیر خسرو کا فیض بتاتے ہیں ، کئی مثنویوں میں مولانا جاسی نے ان دونوں شعرائے کرام کا نام نہایت عزت و احترام سے لیا ہے اسی طرح انہوں نے قدیم

(۱) خاقانی : افضل الدین بدیل بن علی بخاری متخلص بہ خاقانی شروانی - ولادت : ۵۲۰ھ وفات : ۵۹۵ھ ، مقام وفات : تبریز ، تصانیف : تحفۃ العراقین و دیوان (بزرگان ایران ، ص ۲۱۶-۲۱۷) (۲۰۷)

(۲) نظامی : حکیم الیاس بن یوسف بن زکی بن موید نظامی ولادت : ۵۳۵ھ بمقام گنجد - وفات : ۵۹۹ھ - تصانیف : مخزن الاسرار ، خسرو شیریں ، الیالی مجنوں ، ہفت پیکر ، بہرام نامہ ، اسکندر نامہ - (بزرگان ایران ، ص ۲۲۸-۲۲۹)

سخنوروں یعنی رود کی، عنصری^۱، معزی^۲، انوری^۳، سنائی، کمال، سلمان وغیرہ کا تذکرہ بھی نہایت عزت و احترام سے کیا ہے، یہ اشعار علی اصغر حکمت کی کتاب جامی صفحہ ۱۲۱ و ۱۲۲ پر منقول ہیں۔

اسی طرح مشنوی ”سلمان و ابسال“ میں جو انہوں نے عارف رومی کی مشنوی کے وزن میں کہی ہے مولانا جلال الدین رومی کو سراہا ہے، مشنوی مسیحۃ الأبرار میں، شیخ سعدی کی توصیف عقد سوم میں فرماتے ہیں :

سعدی آن بلبل شیراز چمن
درگستان سخن داستان زن

اصناف سخن میں کوئی صنف ایسی نہیں، جس میں مولانا نے طبع آزمائی نہ کی ہو، اور اپنی رفعت تخیل سے اس زمین کو آسمان پر نہ پہنچا دیا ہو۔ شاعری میں جو بلند مقام مولانا جامی کو حاصل ہے، اور جو مقبولیت ان کو مختلف ممالک میں حاصل ہوئی، اور کس طرح ان کی شاعری عالمگیر بنی، وہ ایک قصیدے میں جو انہوں نے اپنی وفات سے چھ سال پہلے لکھا تھا اپنی مقبولیت و شہرت کی وجوہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

(۱) عنصری : ابو القاسم حسن بن احمد متخلص بہ عنصری -
وفات : ۵۴۳ھ (بزرگان ایران، ص ۷۶)

(۲) معزی : ابو عبد اللہ محمد بن عبد الملک نیشاپوری متخلص بہ
معزی - وفات : ۵۲۸ھ (بزرگان ایران)

(۳) شیخ سعدی : شیخ مشرف الدین مصلح بن عبد اللہ سعدی
شیرازی - ولادت : ۶۰۴ھ مقام پیدائش : شیراز - وفات :
۶۹۴ھ - مدفن : سعدیہ شیراز (بزرگان ایران، ص ۸۵۲ تا
(۲۶۲)

و بطورِ طور گزشتہ ولی نشد پرگز
 و فکر شعر نہ شد حاصلِ فراغتِ بال
 ہزار بار ازین شغل توبہ کردم لیک
 از آن نبود گریزم چون سایر اشغال
 چنان بہ شعر شدم شہرہ در بسطِ جہان
 کہ شد محیطِ فلک زین ترانہ نالا مال
 عروسِ دہر پئی زیب گوش و گردن خویش
 ز سلک گوہر نظم گرفت عقد لال
 سرودِ عیش ز گفتارِ من کند مطرب
 رہِ مسماع ز اشعارِ من زند قوال
 اگر بفارس رود کاروانِ اشعارم
 روانِ "سعدی" و "حافظ" کنندش استقبال
 و گریہ ہند رسد خسرو^۱ و حسن^۲ گویند
 کہ ای غریبِ جہان سرحبا تعال تعال
 ز بس کہ سوی ہر اقلیم گفتگویم رفت
 شدند سخرہ^۳ اقوالِ من ہمہ اقبال
 گہی ز روم نویسند سلامِ من قیصر
 گہی ز ہند فرستد پیامِ من جیپال
 رسد ز والیِ ملکِ عراق و تبریزم
 عواطفِ ستواتر منائجِ منوال
 چہ دم زخم ز خراستان و اہل احسانش
 کہ ہستم از کفشان غرق بحر و بحرِ نوال^۳

(۱) امیر خسرو (۲) حسن مجزی -

(۳) جامی (تالیف علی اصغر حکمت) -

مولانا جامی کا مرتبہ نعت گوئی میں بہت بلند ہے ، سماع کی محفلیں آج بھی ان کی نعتوں سے زینت پاتی ہیں ، اور اہل دل کے لیے آج بھی ان کی نعتیں سرمایہ تسکینِ دل و جاں ہیں ، مولانا کا ایک بڑا شاعرانہ کمال یہ ہے کہ وہ نہ صرف عربی زبان و ادب سے واقف تھے بلکہ اس میں تبحر اور گہری بصیرت رکھتے تھے ، یہ امر ان کے عربی اشعار سے واضح ہوتا ہے ، انہوں نے عربی زبان میں جو تالیفات کی ہیں ، وہ بھی اس کی شاہد ہیں ۔ عربی ادب ان کے لیے ایک ایسا گراں بہا گنجینہ تھا کہ وہ اس کے آبدار موتیوں اور اس کے خواہر رنگا رنگ سے اپنی بساطِ دانشوری کو سجاتے تھے ، اگر یہ کہنا جائے کہ یہ خراسانی زادہ عراق ، سورہہ اور مصر کے اساتذہ کی ہمسری کرتا تھا تو یہ کہنا بیجا نہ ہو گا ۔

مولانا جامی کی بعض غزلوں میں فارسی اور عربی کے دلکش امتزاج نے غزل کی ایک خوبصورت صنف کو جنم دیا ہے ، ان کا کمال یہ بھی ہے کہ انہوں نے بہت سے عربی خیالات و افکار کو فارسی شعر کا جامہ پہنا کر فارسی شاعری کو ایک نیا حسن عطا کیا ہے ، کہا جا سکتا ہے کہ شیخ سعدی کے بعد فارسی شعراء میں جامی پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے عربی ادب کو فارسی زبان میں منتقل کیا ہے ۔

اس کے علاوہ مولانا جامی نے اپنی استثنویوں سلسلہ الذہب ، تحفۃ الاحرار اور سبحتہ الابرار وغیرہ میں بہت سے مطالبِ عالیہ اور آیات قرآنی ، احادیث نبویؐ اور صوفیہ کی حکایات ، اسماں اور اشعار عرب کو شیریں فارسی میں منتقل کر کے عربی اور فارسی ادب کی عظیم خدمت انجام دی ہے ۔

اس نوعیت کے مولانا جامی کے یہ چند شعر فارسی اور عربی کے حسین امتزاج کا ایک دلکش مرقع ہیں (۱) (۲)

آحسن شوقاً الی دیار لقیئت فیہا جمال رستمی
کہ میرماند از آن نواحی نوید لطفی بجانب ما
بنازگفتی فلان کجائی، چہ بود حالت دراین جدائی
مرضت شوقاً و بست ہجرأ فکیف اشکو الیک شکوی!

دولت شاہ جو مولانا جامی کا معاصر ہے، اس نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ مولانا جامی نے آخری عمر میں شاعری ترک کر دی تھی، اور ہمہ تن دینی مسائل کی تحقیق میں مصروف ہو گئے تھے۔^۲

سیاحت: مولانا جامی نے اپنی زندگی میں جو سفر اختیار کیے، ان کی تفصیل دیتے ہوئے جناب علی اصغر حکمت نے لکھا کہ ان کا پہلا سفر وہ تھا، جو انہوں نے بچپن میں اپنے والد کے ہمراہ جام سے ہرات کا کیا تھا، آپ کا دوسرا سفر وہ ہے جو جوانی میں شاہ رخ کے عہد حکومت میں ہرات سے سمرقند کا کیا تھا، تیسرا سفر وہ تھا جب آپ سمرقند سے ہرات آئے، اور مولانا سعد الدین کا شغری کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے، آپ کا چوتھا سفر ہرات سے مرو کا تھا، جب آپ خواجہ عبید اللہ احرار^۳ کی زیارت کے لیے مرو گئے۔ پانچواں سفر پھر سمرقند کا تھا، جو ۸۷۰ھ (۱۴۶۵ء) میں آپ نے خواجہ احرار کی ملاقات کے لیے کیا تھا، چھٹا سفر پھر سمرقند کا تھا، جو آپ نے ۸۸۴ھ میں تاشقند کے لیے خواجہ احرار کی ملاقات کے لیے کیا تھا۔

ان ممالک کی سیاحت کے بعد مولانا جامی حرمین شریفین حاضر ہو کر حج و زیارت سے مشرف ہوئے، اور ۸۸۸ھ-۱۴۸۳ء میں

(۱) جامی (تالیف علی اصغر حکمت) -

(۲) تاریخ ادبیات ایران (شفق) ص ۳۵۱ -

مختلف ممالک سے ہوتے ہوئے خراسان تشریف لائے ، اسی سفر میں
اہل بغداد سے آپ کو کچھ آزدگی ہوئی ، جس کی وجہ سے آپ
وہاں سے دل شکستہ ہوئے ، ایک غزل میں اہل بغداد کی شکایت
کرتے ہوئے کہتے ہیں :

بکشای ساقیا بلب شط سر سبوی

وز خاطر کدورت بغدادیاں بشوی

اخلاق

مولانا جامی صفاتِ حسنہ اور "حسنِ اخلاق" کا پیکر تھے ،
اُن کے صحیفہٴ اخلاق میں ذوقِ علم ، تقدس ، عزتِ انفس ، استغنا ،
سادگی ، تواضع ، انکسار ، خدمتِ خلق ، تہذیبِ نفس اور
تزکیہٴ باطن کا عکس نمایاں نظر آتا ہے ۔
ذوقِ علم :

وہ صفت جو مولانا جامی کو دوسروں سے ممتاز بناتی ہے ، وہ
اُن کا غیر معمولی ذوقِ علم ہے ، اکتسابِ علم آپ کی فطرت بن چکا
تھا ، یہی وجہ تھی کہ مولانا جامی آغازِ شباب سے لے کر عہدِ پیری
تک مسلسل ایک طالبِ علم نظر آتے ہیں ، اکتسابِ علم کے سلسلے
میں وہ ایک لمحے کے لیے غافل نہیں ہوئے ، اُن کی ذات پر
طلبِ علم کے لیے ایک بہترین نمونہ و مثال ہے ۔

اُن کے وقت کا بڑا حصہ مطالعے میں گزرتا تھا ، علومِ حقیقی
اور رسمی میں اُن کا تبحر اور کمال عالم میں مشہور تھا ، وہ علمی
مسائل میں فرمایا کرتے تھے کہ جب تک میں بات کی حقیقت اور

(۱) اسٹارکی یہ تفصیل جامی (تالیف علی اصغر حکمت) ص ۸۱

تا ۸۴ سے ماخوذ ہے ۔

کنہ کو نہیں پہنچ جاتا، اس بات کو زبان سے نہیں نکالتا۔ مولانا جامی کے اشعار میں ان کا ذوق اور شوق کتاب کا عکس نمایاں نظر آتا ہے ایک رباعی میں فرماتے ہیں :

خوش تر ز کتاب در جہاں یاری نیست
در غمکدہ زمانہ غم خواری نیست
ہر لخطہ از او بگوشہ تنہائی
صد راحتی است و ہرگز آزاری نیست

وہ کتاب کو سب سے بہتر رفیق و انیس قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

بکن زین کارخانہ در کتب روی
خیال خویش را دہ با کتب خوی
انیس کنج تنہائی کتاب است
فروغ صبح دانائی کتاب است
بود بی مزد و منت اوستادی
ز دانش بخشد ہر دم کشادی
درویش ہمچو غنچہ از ورق ہر
بد قیمت ہر ورق زان یک طبق در

فقر و درویشی :

مولانا جامی باوجود اس کے کہ فقر و درویشی کے اعلیٰ منازل پر فائز تھے لیکن تواضع و فروتنی کا یہ عالم تھا کہ آپ کی کسی ادائیگی سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ آپ فقر و درویشی کے مدعی ہیں۔ ہمیشہ اذکار و اشغال اور ریاضتوں اور سجادوں میں مصروف رہے اور تمام ان درویشانہ اور صوفیانہ صفات سے آراستہ تھے، جن کی مشائخ و صوفیائے کرام تعلیم دیتے ہیں۔

(۱) جامی (علی اصغر حکمت) ص ۸۹

(۲) ایضاً، ص ۸۹ بحوالہ مثنوی بومف زلیخا۔

بے حد متبع شریعت تھے ، کھانے پینے میں مشتبہات سے پرہیز فرماتے ، بادشاہوں اور حکام کی مجالس میں اگر کوئی چیز مشتبہ ہوتی ، تو آپ کے کھانے کے لیے کوئی دوسری چیز لائی جاتی ، اس طور پر کہ اہل مجلس اس سے واقف نہ ہوتے تھے ۔

رات دن کا نظام العمل یہ تھا کہ عشا کی نماز کے بعد ایک گھنٹے لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ، جب مجلس برخاست ہوتی تو معمول کے مطابق اہل مجلس کے ساتھ کچھ ذکر و شغل فرمایا کرتے تھے کہ سونے سے پہلے یہ شغل ضروری ہے کہ اس کی برکت تمام رات رہتی ہے ابتدائی زمانے میں بہت کم استراحت کرتے تھے ، جب جاگتے تھے تو نماز اور مراقبے میں مشغول ہو جاتے تھے ، فرمایا کرتے تھے کہ مناجات سحر گاہی کی برکت تمام دن رہتی ہے فجر کی نماز کے لیے تجدید وضو کرتے ، فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد مراقبہ کرتے ، یہاں تک کہ سورج ایک نیزہ بلند ہو جاتا ، دوسرے اوقات میں مراقبہ ، تصنیف اور مطالعے میں مشغول رہتے ۔^۱

نشست و برخاست اور لباس میں بھی انکسار اور فروتنی نمایاں تھی ، ہمیشہ تشہد کے طریقے پڑا بیٹھتے ، کوشش کرتے کہ ہمیشہ قبلہ رو بیٹھیں ، اکثر زمین پر بیٹھتے ، ہر ایک سے خندہ روئی سے پیش آتے ، مجلس میں کم تر جگہ پر بیٹھتے ، اکثر ادیبوں کے قریب بیٹھتے ، غریبوں کے ساتھ کھانا کھاتے ، سادہ کھانے رغبت سے کھاتے ، جو کچھ آپ کے پاس ہوتا اسے کار خیر میں خرچ کرتے ، شہر ہرات میں آپ نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا ، مدرسے کے متصل آپ کی خانقاہ تھی ، اور جام میں ایک جامع مسجد تعمیر کی تھی ۔

(۱) یہ تمام تفصیل جامی (تالیف علی اصغر حکمت) ص ۹۰ تا

۹۳ بحوالہ مولانا عبد الغفور لاری منقول ہے ۔

(۲) مولانا عبد الغفور لاری منقول ہے ۔

عزت نفس اور استغنا : مولانا جامی نے اس موضوع پر ایک شعر لکھا ہے :

عزت نفس و استغنا مولانا جامی کی سیرت و کردار کا خاص عنوان ہے ، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایام شباب میں بھی کبھی اپنی ضروریات کے لیے ذلت و خواری اختیار نہیں کی چنانچہ سمرقند اور ہرات کے اکثر عالم و فاضل قاضی روم اور مولانا خواجہ علی سمرقندی کی سواری کے ساتھ پیدل جاتے تھے ، لیکن میں نے کبھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا ۔ خرد ناسہ اسکندری میں وہ عزت نفس اور استغنا کے راز کو منکشف کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

طلب را نمی گویم انکار کن
طلب کن ولیکن بہنچار کن

بہ سردار جوئی چو کر گس مباش
گرفتار ہر ناکس و کس مباش

پہی لقمہ چوں سگ تملق مکن
بفتراکِ دونان تعلق مکن

رہا گردن از بار غل طمع
فشان دامن از خارِ ذل طمع

مولانا جامی کے ناقدین کا ایک اعتراض : مولانا جامی نے اس موضوع پر ایک شعر لکھا ہے :

مولانا جامی کے بعض ناقدین مولانا کی سیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ مولانا نے ان صوری و معنوی فضائل کے باوجود اس عزت نفس اور استغنا کے باوصف اپنے عہد کے فرمانرواؤں کی مدح میں قصیدے کیوں لکھے ۔

یہی اعتراض حضرت امیر خسرو پر بھی کیا جاتا ہے ، جس کا جواب ہم امیر خسرو کے حالات کے ضمن میں دے چکے ہیں کہ ولایت

کو ہمبراند معیار سے نہیں جانچنا چاہیے بلکہ ہمیں ان بزرگوں کی
آن کثیر خوبیوں کو دیکھنا چاہیے جو ان کی ذات میں جمع تھیں ،
اور جنہوں نے ان کو مرجع خلائق بنادیا تھا ۔

جناب علی اصغر حکمت نے اپنی کتاب جامی میں مشہور
مستشرق پروفیسر اگوست بریکتو (August Brictoux) نے اس
اعتراض کا جو جواب مقدمہ ترجمہ نفیسی (ص ۴۲) میں درج
کیا ہے ہم اس کا ترجمہ یہاں نقل کرتے ہیں ، پروفیسر اگوست
کہتے ہیں کہ جو لوگ مولانا جامی پر یہ اعتراض کرتے کہ
انہوں نے اپنے عہد کے فرمانرواؤں کے لیے نہایت ہی آب و تاب کے
قصیدے لکھے ، ان کا یہ اعتراض نہایت غلط فہمی پر مبنی ہے
کیونکہ وہ خود جانتے ہیں کہ قصیدہ شاعری کی ایک مشکل
صنف ہے ، اگر وہ قصیدہ نہ کہتے تو اس کی شاعری میں ایک بڑا
نقص رہتا ہے ، مولانا جامی نے جو قصائد کہے ہیں ، ان کا مقصد
سوائے عرض ہنر اور فنی کمال کے کچھ نہیں ، مشرق کے شعرا نے
بھی یورپ کے ادیبوں کی طرح اپنی قلمی تخلیقات کو معیشت کا
ذریعہ نہیں بنایا ۔

ہمارے خیال میں اس سے پروفیسر موصوف کا مقصد یہ ہے کہ
یورپ کے مصنفین ہمیشہ کسی مقصد کے تحت لکھتے ہیں ، یہ اور
بات ہے کہ بعد میں ان کی تخلیقات ان کے لیے ذریعہ معیشت ابھی
بن جاتی ہیں ۔

پھر آگے چل کر پروفیسر موصوف نے لکھا کہ مولانا جامی کے
عہد کے شعرا اور مصنفین کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ اپنی تصانیف
میں اس عہد کے امرا و سلاطین کا تذکرہ عزت و احترام سے نہ
کریں ، تاکہ وہ ان کی سخاوت و کرم سے فائدہ حاصل کریں ،

(۱) جامی (تالیف علی اصغر حکمت) ص ۹۵-۹۶-۹۷

وہ ان بادشاہوں کی مدح پر اس لیے بھی مجبور تھے کہ ظالم بادشاہوں کے استبداد سے محفوظ رہ کر اپنے قلم سے ان کے لطف و کرم کو حاصل کریں، تاکہ ان کے استبداد سے بچے رہیں۔ قدیم شعرا اور اہل قلم کا یہ بھی خیال تھا کہ ایک بار ان بادشاہوں اور حاکموں کی مدح لکھ کر ان کی جان چھوٹ جائے گی، اور وہ بعد میں آزادی اور اطمینانِ قلب سے اپنے افکار و خیالات کو قلم بند کر سکیں گے۔^۱

مولانا جامی کا اپنی شاعری پر تبصرہ :

مولانا جامی خود اپنی شاعری کا تجزیہ کرتے ہیں اور خود اپنے ناقدین کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

ہست دیوان شعر من اکثر

غزل عاشقان شیدا ئی

یا فتون نصائح است و حکم

منبعث از شعور ذانائی

ذکر دویاں نیابی اندروی

کان بود نقد عمر فرمائی

مدح شاہان در او باستدعاست

نہ ز خوش خاطری و خود رائی

ز آن مذاہج بخاطر نرسد

معنی حرص و آز پیمائی

پیچ جائبود ان مذاہج را

در عقب قطعہ تقاضائی^۱

(۱) جامی (علی اصغر حکمت) ص ۹۶ بحوالہ دیوان سوم

شاہانِ وقت کی عقیدت : مولانا جاسی نے اپنی زندگی کے بیشتر حصے ایران میں گزاریے۔ اس وقت ہرات کا فرمانروا ابوالغازی سلطان حسین بایقرا تھا، اس علم پرور اور بے عارف نواز فرمانروا نے مشرقی ایران میں ۳۵ سال حکومت کی، اس کے عہد حکومت میں خراسان نے آبادی اور رونق کے اعتبار سے بڑی ترقی کی یہ فرمانروا غیر معمولی ادبی و علمی ذوق رکھتا تھا، اور علماء اور ادیبوں کی بڑی قدر افزائی کرتا تھا، اس کا دربار سلطان محمود غزنوی کی طرح شعرا اور علماء سے بھرا رہتا تھا، خود بھی شاعر تھا فارسی اور ترکی میں شعرا کہتا تھا وہ فارسی میں ”حسینی“ تخلص کرتا تھا، صاحب تصنیف تھا، اس کا تذکرہ مجالس العشاق مشہور ہے۔ سلطان بایقرا کا وزیر میر علی شیر نوائی^۱ تھا، جس کے شمار اس دور کے فاضل ترین لوگوں میں ہوتا تھا، یہ امیر ادیب، علماء و فضلا اور شعرا سے اس قدر محبت رکھتا تھا کہ براؤں نے لکھا ہے کہ وہ اپنے عہد کا ماسیناس سلینوس^۲ تھا، اس کے گرد علماء و فضلا و شعرا پروانہ وار جمع رہتے تھے، وہ بھی مولانا جاسی سے بے حد عقیدت رکھتا تھا، جاسی نے اپنی بہت سی تالیفات نظم و نثر اس کی خواہش یا شوق دلانے پر لکھیں ان تمام کتابوں میں مولانا جاسی نے اس کا نام بڑی عزت و احترام سے لیا ہے اس کے علاوہ مولانا جاسی نے اپنے بہت سے خطوط، قصائد و قطعات اور غزلیات میں میر علی شیر نوائی کا نام

(۱) میر علی شیر نوائی : ۵۸۴ھ (۱۱۸۷-۱۲۴۰ء) میں ہرات میں

پیدا ہوا، بچپن ہی سے سلطان حسین بایقرا سے اس کی دوستی تھی، جب بایقرا ہرات کے تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو یہ شاہی لطف و عنایات سے سرفراز کیا گیا، اور فرامین پر مہر

(بقیہ حاشیہ پر صفحہ ۳۵۹)

بہت احترام و تکریم سے لیا ہے ، میر علی شیر نوائی نے بھی مولانا کی وفات پر ایک مرثیہ کہا ہے ، جو سات بند اور مٹر اشعار پر مشتمل ہے ۔

جس زمانے میں کہ مشرقی ایران میں سلطان ابو سعید اور سلطان بایقرا کی حکومت تھی مغربی ایران میں ترکمان فرمائرواؤں کی حکومت تھی ، اگرچہ مولانا جامی کی تصانیف میں قراقونیلو فرمائرواؤں

(بقید حاشیہ صفحہ ۳۵۸)

لگانے کا کام اس کے سپرد ہوا ، اس کی کریم النفسی اور استغنا اور غیر معمولی صلاحیتوں نے آسے اور بھی بادشاہ کا مقرب بنادیا اور رکن السلطنت ، اعتماد الملک و الدولہ و مقرب الحضرت السلطانی کے لقب سے سرفراز کیا گیا ، یہاں تک کہ امیر آباد کی ولایت اس کے سپرد کی گئی ، لیکن آس نے کچھ عرصے کے بعد آس سے استعفا دے دیا ، اور مولانا جامی کی ہدایت پر سلسلہ نقشبندیہ میں مزید ہو گیا ، کارہائے خیر میں آس کی توجہ بے انتہا تھی ، بڑے بڑے مصوّر ، بہزاد ، شاہ مظفر اور موسیقی داں و نوازندے جو اپنا جواب نہیں رکھتے تھے ، آس کے رہین منت تھے ، وہ خود بھی بڑا موسیقی داں ، نوازندہ اور نقاش تھا ، میر علی شیر ترکی زبان کا شاعر تھا ، ترکی میں نوائی تخلص کرتا تھا ، فارسی میں اس کا تخلص ”فانی“ تھا ، اسی وجہ سے اس کو ”ذواللسانین“ کا خطاب دیا گیا تھا ، میر علی شیر نوائی صاحب تصانیف کثیرہ تھا ، اس کی بہت سی کتابیں فارسی اور ترکی میں ہیں ۔

میر علی شیر نوائی نے ۱۲ جمادی الاخریٰ ۹۰۶ھ (۱۵۰۰ء) کو وفات پائی ، (جامی - تالیف - علی اصغر حکمت) ص ۲۱ تا ۲۳ (۲) - روم کے ایک شخص کا نام ہے ، جو نہایت ادب دوست اور شاعر نواز تھا (جامی ، ص ۳ ، ح)

کا تذکرہ کم ملتا ہے، لیکن یہ فرمانروا بھی مولانا کی بے حد عزت کرتے تھے، جہاں شاہ قراقونیلو (۸۴۱-۸۷۲ھ) نے اپنا دیوان مولانا جامی کے پاس بھجوا یا تھا، مولانا نے اس کے جواب میں ایک قطعہ لکھا تھا، جس کا ایک شعر یہ ہے۔

ہمایوں کتابے چوں درجے ز درجے

رسید از گہر ہمای تحقیق پیر

سلطان یعقوب بیگ (۸۸۳-۸۹۶ھ) کو ایک قصیدے میں مولانا جامی نے مختلف نصیحتیں فرمائی ہیں، جو اس فرمانروا کی مولانا سے عقیدت و ارادت کو ظاہر کرتی ہیں، یہ قصیدہ دیوان جامی میں موجود ہے۔

اسی زمانے میں نویں صدی ہجری کے نصف آخر میں، مولانا جامی کی حیات میں عثمانی فرمانرواؤں میں ایک سلطان محمد خان ملقب بہ فاتح (۸۵۵-۸۸۶ھ) آپ کا معتقد تھا، دوسرا عثمانی فرمانروا سلطان بایزید خاں دوم (۸۸۶-۹۱۸ھ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جامی کی شہرت ان کی زندگی ہی میں مشرقی ایران سے استنبول تک پھیل گئی تھی، منشاء فریدون بیگ جلد اول، ص ۳۶۱ میں وہ دو خطوط ملتے ہیں جو سلطان بایزید نے مولانا جامی کو اور مولانا جامی نے سلطان بایزید کو لکھے تھے، سلطان بایزید کے یہ سکاٹیمپ اس کی دلی عقیدت و ارادت کے آئینہ دار ہیں، سلطان بایزید کی اس عزت و احترام کا اندازہ اس سے بھی کیجئے کہ اس نے اپنے ہر مکتوب کے ساتھ مبلغ ایک ہزار فلوری اٹلا مولانا جامی کی خدمت میں بھجوائے تھے، مولانا نے بھی اپنی کتاب سلسلۃ الذهب کے دفتر سوم کو اس بادشاہ کے نام معین کیا تھا، اور دیوان میوم خاتمۃ الحیات کے کئی قصیدے اس بادشاہ کے لیے ملتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جامی کی شہرت ان کی حیات ہی میں ہندوستان تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ ”مراسلات جامی“ میں ایک مکتوب میں چند فقرے ایسے ملتے ہیں کہ جس کا مخاطب کوئی ملک التجار ہندوستانی ہے، یہ خط مولانا جامی نے اس مکتوب کے جواب میں لکھا ہے کہ جو اس نے پا اس کے بیٹے خواجہ علی نے آپ کو لکھا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص محترم و معزز تھا، اور عرفان و تصوف کا ذوق رکھتا تھا، اس نے تفصیل سے اپنے حالات و کیفیات کے متعلق مولانا جامی کو خطوط لکھے تھے، اور مولانا جامی نے اس کو جوابات دیے تھے۔^۱

وفات:

مولانا جامی نے ۱۸ محرم بروز جمعہ ۸۹۸ھ (۱۴۰۲ء) کو سلطان بایقرا کی وفات سے دس سال قبل وفات پائی، میر علی شیر نوائی نے ”خمستہ المتحیرین“ میں اور صاحب ”روضۃ الجنات فی اوصاف مدینتہ الہرات“ میں وفات کے تفصیلی حالات دیتے ہوئے لکھا کہ جب وفات کی خبر شہر میں پھیلی تو اکابر و اشراف لباس ماتمی پہنے ہوئے اپنے گھروں سے نکل آئے، سلطان حسین بایقرا جنازے پر حاضر ہو کر بے اختیار زار زار رو رہا تھا، اس نے مولانا کے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کو شفقت سے اپنے سینے سے لگا کر کھانٹا، اور ان کو تسلی و تشفی دے رہا تھا، تعزیت کے بعد وہ اپنی ضعیفی کی وجہ سے لوٹ گیا، اور تمام شاہزادوں اور امرا کو حکم دیا کہ وہ جنازے میں شریک ہوں، شاہزادے سلطان احمد میرزا اور دوسرے ارکان دولت جنازے کو کندھا دینے میں مسابقت کر رہے تھے، مولانا جامی کو حضرت سعد الدین کاشغری کے مقبرے میں دفن کیا گیا، جو ”تخت سزار“ کے نام سے مشہور ہے۔^۲

(۱) یہ تمام تفصیل جامی (تالیف علی اصغر حکمت) ص ۴۵ تا

۵۳ سے ماخوذ ہے۔

(۲) جامی (علی اصغر حکمت) ص ۲۱۸۔

[illegible]

مولانا جامی کی تصانیف اکثر ہیں، تحفہ منامی میں مولانا جامی کی تصانیف ۵۵ بتائی گئی ہیں۔ لیکن صاحب مرآۃ الخیال نے ان تصانیف کی تعداد ۹۹ لکھی ہے۔ نثر کی بعض مشہور کتابیں یہ ہیں، تحفۃ الانس، شرح ملا جامی، اشعار اللغات، شرح قصص الحکم، لوائح، لواحق، بہارستان، شرح مفتاح الغیب، شواہد النبوة، نقد النصوص وغیرہ۔

نظم کی کتابوں میں آپ کا دیوان ، مثنوی ہفت اورنگ ،
مثنوی سلسلۃ الذهب ، سلامان اہمال ، تحفۃ الاحرار ، مسجد الابرار ،
یوسف زلیخا ، خرد نامہ اسکندری ، لیلیٰ مجنوں وغیرہ مشہور ہیں ۔

بعضوں نے کہا کہ لفظ ”جامی“ کے ۵۵ عدد ہیں، اتنی ہی مولانا کی تصانیف ہیں۔

مولانا جامی کی شادی حضرت سعد الدین کاشغری کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، مولانا جامی کے ان صاحبزادی کے بطن سے چار صاحبزادے پیدا ہوئے، پہلے صاحبزادے ایک روز سے زیادہ زندہ نہیں رہے، اس لیے ان کا نام نہیں رکھا گیا، البتہ دوسرے صاحبزادے کا نام خواجہ صفی الدین محمد رکھا گیا لیکن وہ ایک سال سے زیادہ زندہ نہیں رہے، مولانا جامی کو ان سے بہت محبت تھی، چنانچہ آپ نے اس صاحبزادے کی وفات کے بعد

(۱) تاریخ ادبیات ایران (شفق) ص ۳۵۱ مقدمه، صفحات الانس

اردو ترجمہ: ص ۱۲۰ جامی (علی اصغر حکمت) ص ۱۷۱ تا

- 172

(٢) ايضاً ، ص ١٦٢ -

مصنف رشحات عین الحیلۃ کا تخلص صفی رکھا، آپ کے فرزند سوم ضیاء الدین یوسف تھے، ان کی ولادت ۹ شوال ۵۸۸۲ (۱۴۷۱ء) کو ہوئی، ابھی ان کی عمر پانچ سال ہی کی تھی کہ ایک خادم خواجہ ضیاء الدین کو کندھے پر بٹھا کر مولانا جامی کے پاس لایا، انہوں نے نہایت معصومانہ انداز میں کہا کہ بابا! میں نے خواجہ عبید اللہ احرار کو نہیں دیکھا، مولانا جامی نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ تم نے حضرت خواجہ صاحب کو دیکھا تھا، لیکن تمہیں یاد نہیں آپ کے چوتھے فرزند خواجہ ظہیر الدین عیسیٰ تھے، جو خواجہ ضیاء الدین کے ۹ سال بعد پیدا ہوئے، ان کی تاریخ ولادت بروز جمعرات ۵ محرم ۵۸۹۱ (۱۴۸۶ء) ہے، انہوں نے اپنی پیدائش کے چالیس روز کے بعد وفات پائی۔

مولا نا جامی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں فرمایا ہے:

مولا نا جامی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں فرمایا ہے:

مولا نا جامی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں فرمایا ہے:

مولا نا جامی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں فرمایا ہے:

مولا نا جامی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں فرمایا ہے:

مولا نا جامی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں فرمایا ہے:

مولا نا جامی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں فرمایا ہے:

مولا نا جامی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں فرمایا ہے:

مولا نا جامی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں فرمایا ہے:

مولا نا جامی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں فرمایا ہے:

مولا نا جامی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں فرمایا ہے:

مولا نا جامی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں فرمایا ہے:

مولا نا جامی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں فرمایا ہے:

مولا نا جامی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں فرمایا ہے:

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ کی عظمت علامہ اقبال کی نظر میں

حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اپنے خطبات کے پانچویں خطبے میں اسلامی ثقافت کی روح کے عنوان سے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی علیہ الرحمہ کی روحانی اور علمی جلالت شان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے، آپ کے اس قول پر کہ

محمد مصطفیٰؐ در قاب قوسین او ادنیٰ رفت و باز گردید
واللہ ما باز نگر دیم اگر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ :

(۱) لطائف قدوسی، لطیفہ ۹، ص ۶۵ - خطبات اقبال کے اردو ترجمے میں حضرت شیخ کا یہ قول اس طرح درج ہے -
محمدؐ عربی بر فلک الافلاک رفت و باز آمد - واللہ اگر من رفتے
ہرگز باز نیامد مے -

خطبات کے مترجم سید نذیر نیازی صاحب نے اس قول پر حاشیہ دیتے ہوئے لکھا کہ : حضرت شیخ کی اصل عبارت دستیاب نہیں ہو سکی، لہذا انگریزی اقتباس کا یہ فارسی ترجمہ قیاسی ہے، حالانکہ آپ کے قول کی اصل عبارت لطائف قدوسی میں آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدین نے نقل کی ہے - چنانچہ ہم نے بجنسہ آپ کے اصل قول کو لطائف قدوسی کے حوالے سے یہاں نقل کیا ہے (مؤلف)

یہ مشہور صوفی بزرگی حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے الفاظ ہیں ، جن کی نظیر تصوف کے سارے ذخیرہ ادب میں مشکل ہی سے ملے گی ، شیخ موصوف کے اس ایک جملے سے ہم اس فرق کا ادراک نہایت بخوبی سے کر لیتے ہیں ، جو شعور ولایت اور شعور نبوت میں پایا جاتا ہے ، صوفی نہیں چاہتا واردات اتحاد میں آئے جو لذت و سکون حاصل ہوتا ہے ، آئے چھوڑ کر واپس آئے ، اگر آئے بھی ، جیسا کہ اس کا انا ضروری ہے تو اس سے نوع انسانی کے لیے کوئی خاص نتیجہ مرتب نہیں ہوتا ۔ برعکس اس کے نبی کی باز آمد تخلیقی ہوتی ہے ، وہ ان واردات سے واپس آتا ہے کہ زمانے کی رو میں داخل ہو جائے ، اور پھر ان قوتوں کے غلبہ و تصرف سے جو عالم تاریخ کی صورت گز ہیں ، مقاصد کی ایک نئی دنیا پیدا کرے ۔

صوفی کے لیے تو لذت اتحاد ہی آخری چیز ہے ، لیکن انبیاء کے لیے اس کا مطلب ہے کہ ان کی اپنی ذات کے اندر کچھ اس قسم کی نفسیاتی قوتوں کی بیداری جو دنیا کو زیر و زبر کر سکتی ہیں ، اور جن سے کام لیا جائے تو جہان انسانی دگرگوں ہو جاتا ہے ، لہذا انبیاء کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کی واردات کو ایک زندہ اور عالم گیر قوت میں بدل دیں ، گویا ان کی باز آمد ایک طرح کا عملی امتحان ہے خود ان کے مشاہدات و واردات کی قدر و قیمت کا ۔ اسے ایک تخلیقی عمل کہیے ۔

(۱) تشکیلات جدیدہ الہیات اسلامیہ ۔ (علامہ اقبال کے انگریزی خطبات کا اردو ترجمہ) از سید نذیر نیازی پانچواں خطبہ ، ص

حضرت شیخ کی خود اپنے اس قول کے متعلق تشریح :

قبل اس کے کہ ہم حضرت شیخ کے اس قول کی تشریح خود آپ کی بیان کردہ لکھیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم اس واقعہ کی تفصیل دیں کہ جس موقع پر آپ نے یہ قول ارشاد فرمایا تھا۔

لطائف قدوسی میں ہے کہ ایک دفعہ میر پورس علی بیگ حضرت شیخ کی ملاقات کے لیے گنگوہ آئے، دیکھا کہ آپ پر جذب و سرمستی کی کیفیت طاری ہے، اس کیفیت کو دیکھ کر انہوں نے حضرت شیخ سے ساز بجانے کی اجازت طلب کی، ساز کا بچنا تھا کہ حضرت شیخ پر بیخودی اور محویت کا ایسا عالم طاری ہوا کہ یہاں تک کسی چیز کا شعور نہ رہا، اس وقت شیخ فرید طلنبی تھانیسری بھی حاضر تھے، اسی عالم سرمستی میں کچھ دیر کے بعد حضرت شیخ کی زبان سے کچھ کلمات شطحیات نکلے آپ نے فرمایا کہ :

(۱) کلمات شطحیات : وہ الفاظ جو صوفیاء کرام کی زبان سے عالم سکروستی میں نکلتے ہیں، ان کو اصطلاح تصوف میں شطحیات کہتے ہیں، اکابر صوفیہ کی شطحیات مشہور ہیں، یہ شطحیات عوام اور اہل ظاہر کے لیے نا قابل فہم اور ان کے ظاہری معنی پر بعض اوقات عمل کرنا موجب گمراہی ہوتا ہے، شطحیات اصل میں صوفیہ کے رموز و کنائے ہیں، جس سے ان کے صحیح مفہوم کو متعین کرنا صرف اہل بصیرت کا کام ہے، لیکن ان شطحیات کی بنا پر کسی بزرگی اور اہل نظر سے سوء ظن اختیار کرنا صحیح نہیں۔ شطحیات ذراصل ان بزرگوں کی وجدانی کیفیتیں ہیں، جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل جاتی ہیں، انہیں شریعت و احکام کا درجہ دینا یا ان سے عقائد و اعمال کا استنباط کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔ (خود حضرت شیخ نے

(باقی تاحشیدہ پر صفحہ ۳۶۷)

محمد مصطفیٰ در قاب قومین او ادنیٰ رفت و باز گردید ،
 و اللہ ما باز نگر دیم ۔
 پھر تھوڑے سے وقفے کے بعد آپ نے اسی حالت میں اپنے اس
 قول کی توجیہ و توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ :

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عہدہ دار و لنگر دار
 بود ، باز گردید ، ما جان باختہ و جہان تاختہ باز نگر دم ۔
 مراد لنگر داری و عہدہ داری ظاہر است کہ عہدہ نبوت
 و تبلیغ رسالت ، و لنگر دعوت تمام عالم حوالہ حضرت
 مصطفیٰ بود صلی اللہ علیہ وسلم ۔

(ترجمہ)

حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عہدہ دار و لنگر دار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۶)

اپنے ایک مکتوب میں جو آپ کے صاحبزادے شیخ حمید کے نام
 ہے شطحیات پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ :

و آنچه از مشائخ اقوال و اشارات ظہور یافتہ است ، آن
 تعلق بمرتبہ ایشان دارد ، و بعضی از اہل ظاہر
 شطحیات گویند بد آن معنی کہ خلاف ظاہر است ، چنانچہ
 فی الدارین غیر اللہ ، و انا الحق و سبحانی رد آن جائز
 نیست کہ اقوال اہل حق و اہل سنت و جماعت اند ،
 و قبول آن لازم نیست کہ معصوم نیند ، روا باشد
 کہ تغزیدہ باشند ، انبیاء معصوم اند ، اقوال ایشان را
 شطحیات نگویند ، مجمل و متشابہ خوانند ۔

(منتخب مکتوبات قدوسیہ - مکتوب ۱۵۴ ، ص ۱۳۲)

(۱) لطائف قدوسی ، ص ۶۵ - لطیفہ ۷۹ -

تھے ، اس لیے آپ واپس تشریف لے آئے اور ہم جان باختہ اور جہان تاختہ کیسے لوٹ سکتے تھے ، مراد لنگرداری و عہدہ داری سے ظاہر ہے کہ عہدہ نبوت اور تبلیغ رسالت ہے ، اور لنگر دہنے مراد آپ کی وہ دعوت عامہ تمام عالم کی ہے جو حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے تھی ۔

حالات : آپ کا اسم گرامی عبدالقدوس ، آپ کے والد محترم کا نام نامی شیخ اسماعیل ، اور آپ کے دادا کا نام شیخ صفی الدین تھا ، آپ کا سلسلہ نسب آخر میں حضرت امام ابو حنیفہ سے جا ملتا ہے ۔

آپ کے خاندان کے سب سے پہلے بزرگ جو غزنی سے ہندوستان تشریف لائے وہ شیخ نظام الدین تھے ، جو ہلاکو خان کے فتنے کے بعد ساتویں صدی ہجری میں اپنے صاحبزادے شیخ نصیر الدین کے ساتھ غلام الدین خلجی کے عہد حکومت میں دہلی پہنچے ۔

جس زمانے میں کہ شیخ نظام الدین دہلی پہنچے ، عین اسی

- (۱) غلام الدین خلجی : سلطان جلال الدین خلجی کے رعبہ ۶۹۵ھ (۹۵-۱۲۹۴) میں دہلی میں تخت نشین ہوا ، سلطان غلام الدین خلجی کا دور حکومت ایک نہایت کامیاب دور تھا ، وہ علماء کا بہت قدر دان تھا ، اس کے زمانے میں ہاید تخت دہلی میں ایسے اکابر علماء جمع ہو گئے تھے کہ ذیاع الدین برنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتا ہے کہ : اگر ہر دین کے راہب جلدے بنویسم مقصر ہاشم ۔ سلطان غلام الدین نے ۶۷۱ اشتوال ۷۰۷ھ (۸۴۷-۱۴۳۷) کو وفات پائی (تاریخ معصومی ص ۴۴ تا ۴۴-۴۵) تاریخ فیروز شاہی (برنی) طبع کلکتہ ، ص ۳۵۴-۳۵۵ (۱)

زمانے میں ایک اور بزرگ قاضی شہاب الدین^۱ جو حضرت شیخ نظام الدین کے قریبی عزیز تھے غزنی سے دولت آباد ہوتے ہوئے دہلی تشریف لائے ، قاضی شہاب الدین نے دہلی پہنچ کر مولانا

(۱) قاضی شہاب الدین : قاضی شہاب الدین کے متعلق تاریخ فرشتہ

میں ہے :

و از جملہ فضلائے عصر قاضی شہاب الدین جون پوری
است اصل او از غزنین است ، در دولت آباد دکن
نشو و نما یافت ۔ سلطان ابراہیم در تعظیم و توقیر او
بسیار می کوشید ، و در روزہائے در مجلس او ہر کرسی
نقرہ می نشست ۔

اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے قاضی شہاب الدین کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ : قاضی شہاب الدین کے اوصاف شرح و بیان سے مستغنی ہیں ، اگرچہ آن کے زمانے میں بڑے بڑے استاد اور ہنمعصر تھے ، لیکن جو شہرت و مقبولیت حق تعالیٰ نے ان کو عطا کی تھی وہ دوسروں کا حصہ نہ بن سکی ، صاحب تصانیف تھے ، ان کی تصانیف میں حواشی کا فیہ ہیں ، جو لطافت اور متانت میں بے نظیر ہیں ، یہ حواشی ان کی زندگی ہی میں مشہور عالم ہو گئے تھے ، ان کی ایک اور کتاب ”ارشاد“ نجوم میں ہے ، جس کو انہوں نے جدید اسلوب اور ترتیب کے ساتھ لکھا ہے ، یہ کتاب ایک متن کی صورت میں ہے ، جو نہایت ہی لطیف ، متین اور بے نظیر ہے ، اس کے علاوہ ان کی دو تصانیف قرین اور بدیع البیان علم بلاغت میں ہیں ، جس کی عبارت مسجع ہے ، ان کی قرآن مجید کی ایک تفسیر بحر مواج بھی ہے ، اس کے سوا (باقی حاشیہ پر صفحہ ۳۷۰)

خواجگی دہلوی! سے علوم ظاہری اور فیوض باطنی حاصل کیے، ان کے علاوہ قاضی عبدالمقتدر^۱ سے بھی تعلیم حاصل کی۔ وہ دہلی میں تعلیم حاصل کرتے کے بعد دہلی کے حادثات کی وجہ سے جون پور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۹)

دوسرے بعض رسائل اور کتابیں بھی ہیں، انہوں نے ایک رسالہ مناقب سادات کے نام سے اپنی بیت اطہار کی فضیلت پر بھی لکھا تھا، شعر بھی کہتے تھے۔ ان کا ایک قطعہ نمونہ صاحب اخبار الاخبار نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ قاضی شہاب الدین نے ۵۸۳۸ (۱۱۴۳-۱۱۴۴) میں وفات پائی، ان کا مزار جون پور میں ہے۔ (اخبار الاخبار مطبوعہ مطبع مجتبائی، ص ۱۸۰)

(۱) مولانا خواجگی دہلوی: شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی کے مرید و خلیفہ اور مولانا معین الدین عمرانی کے شاگرد اور قاضی شہاب الدین کے استاد تھے، وہ تیمور کے حملے سے قبل دہلی سے نکل کر کالپی میں مقیم ہو گئے تھے، اور انہوں نے کالپی ہی میں وفات پائی، وہیں ان کا مزار پُر انوار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ (اخبار الاخبار، ص ۱۳۳ تا ۱۳۴)

(۲) قاضی عبدالمقتدر: ابن قاضی رکن الدین شریعتی کنڈی، شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی کے مرید و خلیفہ تھے، کامل درویش اور دانشمند قیاض تھے، اور قاضی شہاب الدین کے استاد تھے، نہایت فصیح و بلیغ تھے، فارسی اور عربی کے بلند پایہ شاعر تھے، ان کے قصائد اور غزلیں ان کی شاعرانہ بلندی پر شاہد ہیں، تعلیم و تعلم سے غیر معمولی شغف تھا، ہمیشہ افادہ علم میں مشغول رہتے۔ کیونکہ آپ کے مرشد اور ان کے خلفاء کا طریقہ یہ ہی تھا، حضرت شیخ نصیرالدین محمود (باقی حاشیہ بر صفحہ ۳۷۱)

تشریف لے گئے ، اس وقت جون پور میں سلطان ابراہیم شرقی کی حکومت کا زمانہ تھا ، وہ قاضی شہاب الدین کے ساتھ نہایت عزت و احترام سے پیش آیا ، اور ان کو صدر العلماء کا خطاب دیا ۔

شیخ نظام الدین چونکہ قاضی شہاب الدین کے قریبی عزیز تھے ، اس لیے وہ بھی دہلی چھوڑ کر جون پور چلے آئے ، اور یہیں قاضی شہاب الدین نے اپنی صاحبزادی کی شادی ، شیخ نصیر الدین کے صاحبزائے سے کردی ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۰)

فرمایا کرتے تھے کہ ایک مسئلہ شرعی میں فکر کرنا ہزار رکعتوں پر افضل ہے ، کہا جاتا ہے کہ زمانہ طالب علمی میں قاضی عبدالمقتدر ، شیخ نصیر الدین محمود کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مختلف علمی مباحث پر بحث کرتے ، خواجہ نصیر الدین ان کی علمی صلاحیتوں کی بنا پر ان کو بہت عزیز رکھتے تھے ، اور ہمیشہ ان کو حصول علم کی ترغیب دیتے رہتے تھے ۔

یہاں تک کہ وہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے مرید ہوئے ، اور ظاہری علم و فضل کے ساتھ انہوں نے باطنی نعمت کو بھی ملا لیا ۔ قاضی عبدالمقتدر نے ۲۰ محرم ۸۹۱ھ (۹-۱۳۸۸ء) کو اٹھاسی سال کی عمر میں وفات پائی ، ان کا مزار اور ان کے والد کا مزار دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے روضہ مبارک کے قریب خانقاہ شیخ عبدالصمد میں حوض شمسی کے جانب جنوب واقع ہے (اخبار الاخیار ، ص ۱۵۰ تا ۱۵۱)

(۱) سلطان ابراہیم شرقی : بن مبارک شاہ : مدت حکومت : چالیس سال کچھ ماہ (غیر المتأخرین مطبوعہ نولکشور ، ص ۱۳۹ تا ۱۴۰)

خاندان حضرت شیخ عبدالقدوس کی ردولی میں سکونت:

افسوس ہے کہ شیخ نصیر الدین کے تفصیلی حالات ہمیں تذکروں میں نہیں ملتے، انوار الصفی میں صرف اس قدر ہے کہ ان کا کوئی خاص ذریعہ معاش نہیں تھا، سلطان ابراہیم شرقی نے ان کی معاشی پریشانیوں کے مد نظر ردولی کے حاکم کو لکھا کہ وہ اپنے علاقے میں ان کی معیشت کے لیے کوئی انتظام کرے، اس نے سلطان کے اس حکم کی بنا پر شیخ نصیر الدین کو ردولی کے قریب ایک موضع پھگولی بطور مدد معاش دے دیا۔

اس موضع کے ملنے کے بعد شیخ نصیر الدین اپنے اہل و عیال سمیت جون پور سے ردولی میں منتقل ہو گئے۔

شیخ نصیر الدین کے تین صاحبزادے تھے، سب سے بڑے صاحبزادے شیخ صفی الدین تھے، منجھلے صاحبزادے شیخ فخر الدین اور چھوٹے صاحبزادے شیخ رضی الدین تھے۔

حضرت شیخ کے جد امجد:

شیخ نصیر الدین کے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ صفی الدین حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے جد امجد تھے۔

حضرت شیخ صفی الدین کے تمام تذکرہ نگار امن پر متفق ہیں کہ وہ نہایت عابد و زاہد اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، اور اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور کمال معنویت میں امام ابو حنیفہ ثانی تھے۔

صاحب لطائف اشرفی کا بیان ہے کہ حضرت اشرف جہانگیر مہمانی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ہندوستان کے شہروں میں

(۱) یہ تمام حالات اور تفصیلات انوار الصفی قلمی، باب پنجم: در ذکر قیام ردولی شریف بعد سیاحت، ص ۳۶ سے ماخوذ ہیں۔

شیخ صفی الدین سے زیادہ علوم و فنون سے آراستہ کسی کو نہیں پایا۔

مرآۃ الاسرار میں ہے کہ :

حضرت مخدوم شیخ صفی الدین قدس سرہ العزیز اگرچہ از فرزندانِ امام ہمام حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ است ، اما باعتبار علم و فضل و زہد و تقویٰ کمالات معنوی ، ثانی ابو حنیفہ است ۔^۱

صاحب لطائف اشرفی نے حضرت شیخ صفی الدین کے اوصاف و محامد کو ایک اور جگہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ :

حضرت شیخ صفی الدین حنفی ردولوی کہ بصفات علوم ظاہری اصطفاۃ معانی و باہری آراستہ در علوم ادبیہ و اصول فقہ دستے تمام داشتہ ، چنانچہ این معنی از تصانیف ایشان زابعد و توالیف لائقہ ایشان روشن است۔
احتیاج ایراد نیست ۔^۲

حضرت شیخ صفی الدین نے تکمیلِ علوم ظاہریہ کے بعد حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانی^۳ کے دستِ حق پر بیعت کی ، حضرت اشرف جہانگیر سمنانی نے مرید کرنے کے بعد آپ کو خرقہ خلافت

(۱) انوارالصفی قلمی بحوالہ مرآۃ الاسرار ، باب دوم در ذکر درس و تدریس و تصانیف شیخ صفی الدین ، ص ۹۸

(۲) نسب نامہ قلمی برتبد قاضی مظہر الحق صاحب ردولوی بحوالہ لطائف اشرفی ۔

(۳) حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانی : محمد اشرف نام ، جہانگیر لقب تھا ، آپ کی ولادت سمنان میں ہوئی ، آپ کے والد محمد ابراہیم سمنان کے بادشاہ تھے ، آپ زہد و تقویٰ اور نیکی کی (باقی حاشیہ بر صفحہ ۳۷۳)

عطا کیا، اور مبارکباد دی اور چشتیہ نظامیہ سلسلے کا شجرہ عنایت فرمایا، مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد حضرت شیخ صفی الدین ایک عرصے تک سیر و سیاحت فرماتے رہے، پہلے آپ شہر پنڈوہ (بنگال) میں حضرت شیخ علاء الحق بنگالی کے مزار پر حاضر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۳)

وجہ سے مستان کی حکومت اپنے بھائی کے سپرد کر کے ہندوستان تشریف لائے، اور آج میں حضرت مخدوم جہانیاں جہان گشت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت مخدوم جہانیاں جہان گشت سے روحانی استفادہ کر کے بہار ہوتے ہوئے بنگال پہنچے اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مشہور بزرگ شیخ علاء الحق بنگالی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی بیعت سے مشرف ہوئے، اپنے شیخ کی خدمت میں دس بارہ سال رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے، حضرت شیخ علاء الحق نے آپ کو خرقہ خلافت اور جہانگیر کے لقب سے مرسلند کیا، اور آپ کو نواح جون پور جانے کا حکم دیا، آپ جون پور تشریف لا کر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، پھر آپ وہاں سے کچھوچھو تشریف لائے، یہاں بھی آپ کی خانقاہ رشد و ہدایت کا گہوارہ بنی۔ ۲ - محرم - ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء) کو آپ نے کچھوچھو میں وفات پائی۔ ”اشرف المؤمنین“ سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے (الخبر الاخیار، المجلد ۱، ص ۱۶۱)۔ لطائف اشرفی جلد ۱ - ۲)

(۱) شیخ علاء الحق بنگالی الباقی شیخ الامجد لاہوری، حضرت خلیفہ سراج الدین عثمان کے مرید و خلیفہ تھے، اپنے مرشد سے خلافت حاصل کرنے کے بعد یہاں کے جانشین ہوئے، حضرت شیخ علاء الحق نے ۸۰۰ھ (۱۴۰۸ء) کو وفات پائی، ان کے خلفاء میں میر سید اشرف جہانگیر سمٹائی اور ان کے صاحبزادے (باقی حاشیہ بر صفحہ ۳۷۵)

ہوئے، جو آپ کے مرشد کے پیر تھے، اور ان کے صاحبزادے حضرت نورالحقؒ سے ملاقات کی، ہندوہ میں ایک طویل عرصے تک قیام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۴)

شیخ نورالحق مشہور ہیں - (اخبار الاخیار، ص ۱۴۳-رود کوثر
شیخ محمد اکرام مرحوم، ص ۱۵۳ تا ۱۵۴)

(۱) شیخ نورالحق: حضرت شیخ علاءالحق کے صاحبزادے اور ان کے خلیفہ تھے، اور بڑے صغیر پاک و ہند کے مشہور اولیائے کرام میں تھے، صاحب عشق و محبت و تصوف و کرامات تھے۔ ملفوظات شیخ حسام الدین مانک پوری میں ہے کہ وہ اپنے والد کی خانقاہ کے فقرا کی تمام خدمتیں بجا لاتے، آٹھ سال تک انہوں نے اپنی خانقاہ کے مطبخ کے لئے لکڑیاں کاٹیں، ان کے بھائی اعظم خاں جو وزیر سلطنت تھے، ان کو اس حالت میں دیکھتے تو کہتے: نور! تمہارے لیے ساری نعمتیں موجود ہیں، تم میرے پاس کیوں نہیں آتے، وہ ہمیشہ ٹال دیتے، اور ہنس کر کہتے کہ: خانقاہ کی لکڑیاں مجھے وزارت عظمیٰ سے زیادہ پسند ہیں۔ شیخ حسام الدین کا بیان ہے کہ میرے شیخ سوائے مردی کے گدڑی کے سوا کچھ نہ بہتے تھے اور سجادے پر نہ بیٹھتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ سجادے پر بیٹھنے کا حق اس کو ہے، جو اس پر بیٹھ کر دائیں بائیں نہ دیکھے۔ شیخ نورالحق کی تصانیف میں انیس الغربا ناٹھ صفحے کا ایک رسالہ ہے، جو طبع ہو چکا ہے۔

شیخ نورالحق نے ۸۱۲ھ (۱۱-۱۰۱۰) میں وفات پائی، آپ کا روضہ مبارک شہر ہندوہ (بنگال) میں ہے، آپ کے خلفاء میں شیخ حسام الدین مانک پوری اور شیخ شمس الدین طاہر خاص طور پر قابل ذکر ہیں (اخبار الاخیار، ص ۱۵۳ تا ۱۵۴-اب کوثر (تالیف شیخ محمد اکرام مرحوم) ص ۲۵۴)۔

فرمانے کے بعد آپ جون پور تشریف لائے ، وہاں سے اودھ تشریف لائے ، کچھ عرصے اودھ میں رہے ، آخر میں مستقل طور پر ردولی میں مکونت پذیر ہو گئے ، اور قصبہ کوٹلاور جو ردولی سے چار فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے ۔ وہاں کے قاضی سید درویش کی صاحبزادی سے عقد کیا ۔^۱

شیخ محمد اسماعیل :

۱۲ ربیع الثانی ۱۲۷۹ھ (۱۸۶۳ء) کو حضرت شیخ صفی الدین کے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے ، جن کا نام آپ نے شیخ محمد اسماعیل رکھا ، یہی صاحبزادے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے والد ماجد ہیں ۔ شیخ محمد اسماعیل نے اپنے والد ماجد سے تعلیم و تربیت حاصل کی ، اور سولہ سال کی عمر میں علوم متداولہ کی تکمیل کر لی۔

شیخ محمد اسماعیل جہ علم ظاہری و باطنی کی تکمیل کر چکے تو آپ کے والد حضرت شیخ صفی الدین نے آپ کی شادی قاضی خاں کی صاحبزادی اور قاضی دانیال کی ہمشیرہ سے کر دی ۔ قاضی دانیال کا خاندان اپنی شرافت و نجابت ، زہد و تقویٰ ، علم و عرفان میں ردولی میں ممتاز سمجھا جاتا تھا ۔

قاضی خاں کی صاحبزادی کے بطن سے حضرت شیخ محمد اسماعیل کے چار صاحبزادے ہوئے (۱) شیخ عبد الصمد^۲

(۱) انوار الصفی قلمی ، ششم در تہل نمودن شیخ صفی الدین و تولد فرزند

(۲) شیخ عبد الصمد : صاحب دل بزرگ تھے ، ان پر سرمستی اور بے خودی کی کیفیت طاری رہتی تھی ، وہ بعد میں موضع عصاموہ میں رہنے لگے تھے ، جو ردولی سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے ، ان کے اسلاف کچھ موضع عصاموہ ، کچھ ردولی اور کچھ موضع شجنی میں متوطن ہوئے ۔ (انوار الصفی قلمی ، ص ۵۱ ، ذکر اولاد شیخ محمد اسماعیل)

(۲) شیخ عزیز اللہ! (۳) حضرت شیخ عبد القدوس کنگوہی
(۴) شیخ حبیب اللہ عرف بخدوم مٹھن

حضرت شیخ صفی الدین کی وفات ۱۳ ذیقعدہ ۵۸۱۹ (۱۴۱۶ء) کو ہوئی آپ کی وفات کے بعد آپ کی مسند ارشاد کو آپ کے صاحبزادے شیخ محمد اسماعیل نے زینت بخشی۔

شیخ محمد اسماعیل اپنے وقت کا بڑا حصہ درس و تدریس، رشد و ہدایت میں گزارتے تھے، آپ کی زندگی فقیرانہ تھی، ہر جمعہ کو مسجد میں وعظ فرماتے تھے۔

شیخ محمد اسماعیل نے ۱۲ ربیع الاول بروز چہار شنبہ ۵۸۶۰ (۱۴۵۶ء) کو وفات پائی۔ وفات سے کچھ پہلے اپنے چاروں صاحبزادوں کو طلب کیا، اور انہیں نصیحتیں فرمائیں، پھر اپنے پڑے صاحبزادے شیخ عبدالصمد کو ان کے تینوں بھائیوں کے سامنے خلافت و سجادگی عنایت کی، اور تمام متسللوں میں خصوصاً سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں ان کو بیعت لینے کی اجازت دی، اور حضرت شیخ عبد القدوس کنگوہی سے فرمایا کہ تمہیں سلسلہ چشتیہ صابریہ سے فیض پہنچے گا۔

(۱) شیخ عزیز اللہ: شیخ محمد اسماعیل کے یہ صاحبزادے ردولی ہی میں رہے، اور ان کی اولاد آج بھی ردولی ہی میں متوطن ہے۔
(انوار الصفی، قلمی، ص ۵۱)

(۲) شیخ حبیب اللہ عرف بخدوم مٹھن: یہ بعد میں ردولی سے تین کوس کے فاصلے پر جانب مغرب موضع بھٹورہ میں آباد ہوئے، اس موضع کی کچھ اراضی ملاطین دیہی نے ان کو دے دی تھی، ۵۱۲۹۳ (۱۸۷۶-۷۷ء) تک یہ اراضی ان کی اولاد کے قبضے میں تھی، ان کی اولاد کچھ موضع بھٹورہ میں اور کچھ ردولی میں متوطن پذیر ہے (انوار الصفی قلمی)

شیخ محمد اسماعیل کا مزار آن کے والد حضرت شیخ صفی الدین کے مزار کے قریب مغربی جانب ردولی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

حضرت شیخ کی ولادت :

حضرت شیخ عبد القدوس کا صحیح سنہ ولادت ہمیں کسی تذکرے میں نہیں ملا ، البتہ آپ نے اپنے بعض مکتوبات میں اپنی عمر اسی کے لگ بھگ بتائی ہے ، اگر ہم آپ کی عمر وفات کے وقت چوراسی سال کی فرض کر لیں تو آپ کا سنہ وفات ۵۹۴ھ متعین ہونے کی وجہ سے آپ کا سنہ ولادت ۵۸۶ھ (۶۰-۶۱۳۵۹) قرار پاتا ہے ، یہ بھلول لودھی کی حکومت کا زمانہ تھا۔^۲

قیاساً سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کی ولادت باسعادت ۵۸۶ھ میں (۵۶-۶۱۳۵۵) کے لگ بھگ ہوئی۔

آپ کے والد محترم حضرت شیخ اسماعیل نے آپ کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی زمانہ طالب علمی میں آپ کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ رات دن تحصیل علم میں مصروف رہتے ، ابتدا ہی سے آپ نے حصول علم اور عبادت کو اپنی زندگی کا مقصد اعلیٰ بنایا تھا۔

آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین نے آپ کے ذوق علم اور شوق عبادت پر روشنی ڈالتے ہوئے لطائف قدوسی میں لکھا کہ :

چون حضرت قطبی بہ تعلیم کتابہا مشغول شدند، در تمام روز می خواندند، و تمام شب بشتل ذکر و عبادت حق مشغول می بودند۔

(۱) نسب نامہ قلمی ، مرتبہ قاضی شیخ مظہر الحق ردولوی۔

(۲) بھلول لودھی : تخت نشینی ۵۸۵ھ : وفات : ۵۸۹ھ
مدت حکومت ۱۸ سال (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۳۹)۔

شروع ہی سے آپ ذہین و طباع تھے آپ کی ذہانت و طباعی کو دیکھ کر آپ کے اساتذہ آپ پر بے حد توجہ اور شفقت فرماتے تھے۔

آپ کے والد محترم نے آپ کو خطوط نویسی اور خوش نویسی کی طرف بھی خصوصیت سے توجہ دلائی تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ کے مکتوب میں جو دل آویزی پائی جاتی ہے وہ دوسروں کا حصہ نہ بن سکی، خوش خطی میں بھی آپ اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ قرآن مجید اور کافیہ آپ نے اپنے قلم سے لکھا تھا، یہ دونوں اتنے خوشخط لکھے تھے کہ لوگ ان کے دیکھنے کے لیے آتے تھے۔

دور طالب علمی کی تصانیف :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو زمانہ طالب علمی ہی سے تالیف و تصنیف کا ذوق تھا، کیونکہ جب آپ صرف کی کتابیں پڑھ رہے تھے، آپ نے صرف میں بحر الانشعاب کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، یہ اس فن میں اس قدر معتبر اور اہم کتاب سمجھی گئی کہ اس فن کے اساتذہ کہتے تھے کہ اگر اس فن میں صرف یہی ایک کتاب پڑھ لی جائے تو کافی ہے۔

جب آپ نے مصباح کی تعلیم قاضی شہاب الدین کے ساتھ شروع کی تو اپنے اساتذہ کی تقریروں کو قلم بند کر کے انہیں ایک کتاب کی صورت دی۔

جذبدہ عشق ربانی :

حضرت شیخ ابھی ”کافیہ“ ہی کی تعلیم پا رہے تھے، اور بحث مباحثات ابھی ختم کی تھی کہ جذبدہ عشق الہی سے سراشار ہو کر تعلیم ترک کر دی، یہاں تک کہ کافیہ کو پہاڑ دیا، تعلیم ظاہری کو ترک کر کے، اور عشق الہی سے سراشار ہو کر خرقہ پوشی اختیار کی، جب آپ نے تعلیم چھوڑ دی تو آپ کی والدہ

کو بے حد صدمہ ہوا ، اور وہ بے حد زوئیں ، اور روتی ہوئی اپنے
 بھائی قاضی دانیال کے پاس آئیں ، جو ردولی کے حاکم تھے ، اور
 ان سے کہا عبد القدوس لکھنا پڑھنا چھوڑ کر فقیروں میں داخل
 ہو گیا ، خدا را ایسے سختی سے سمجھائیے ۔ قاضی دانیال نے آپ کو
 بلا کر سختی سے کہا کہ اگر پڑھو گے نہیں تو میں تمہیں سزا
 دوں گا ، آپ نے فرمایا ماموں جان ! اگر سزا بہتر ہے تو دیر نہ
 کیجئے ۔ عین اسی وقت جب یہ باتیں ہو رہی تھیں کچھ گانے کی
 آواز آئی ، گانے کی آواز سن کر حضرت شیخ پر عجیب وجد کی
 کیفیت طاری ہو گئی قاضی دانیال نے آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو
 اپنی بہن سے آ کر کہا کہ یہ لڑکا کچھ عجیب و غریب منزلوں
 سے گزر رہا ہے ، آپ بالکل فکر نہ کریں ، انشاء اللہ بہتر ہی
 ہو گا ۔

حضرت شیخ نے اگرچہ ابتدائی کتابوں کے سوا تعلیم حاصل
 نہیں کی تھی ، لیکن علوم متداولہ میں بھی آپ کی یہ کیفیت تھی
 کہ اس دور کے اکابر علماء کو بھی علمی مسائل میں آپ کے
 سامنے مجال دم زدن نہ تھی ، علمی مسائل میں آپ کی رائے اس
 قدر صحیح اور متوازن ہوتی تھی کہ ہر صاحب فکر اور
 صاحب علم کو اسے قبول کرنا پڑتا تھا ۔
 علوم ظاہری میں آپ کا یہ کمال سبباً اللہ تھا ، اور
 اس میں آپ کی سعی و کوشش کو مطلقاً دخل نہ تھا ۔

آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ میرے
 والد حضرت شیخ عبد القدوس قصبہ سدھور کے ایک بزرگ اور
 عالم حضرت شیخ خواجگی کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے ،

(۱) لطائف قدوسی ، ص ۵۶۔

(۲) حضرت شیخ خواجگی : بن علی بن خیر الدین بن نظام الدین

(بقیہ حاشیہ پر صفحہ ۳۸۱)

ایک دفعہ آپ نے حضرت شیخ خواجگی سے عرض کیا کہ میں نے علم حاصل نہیں کیا ، خصوصاً علم فقہ میں مجھے بالکل درک نہیں اس کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟ حضرت شیخ خواجگی نے فرمایا کہ تم علم باطن کے حاصل کرنے میں مشغول رہو کہ اس راہ میں تمام اصول قروع ہیں اور فروع اصول ہیں ، تمہارے لیے آئندہ کوئی مشکل باقی نہ رہے گی ۔

واقعات نے آئندہ چل کر بتایا کہ حضرت شیخ خواجگی کی یہ پیشگوئی آپ کی زندگی میں کس طرح پوری ہوئی ۔

حضرت شیخ رکن الدین نے اپنے زمانہ طالب علمی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ اگرچہ میرے والد حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے اصول فقہ کی تعلیم بالکل حاصل نہیں کی تھی ، لیکن آپ مجھے اصول فقہ میں اصول شامی ، حسامی اور اصول فقہ کی دوسری کتابوں کا درس دیتے تھے ، جب میں نے

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۸۰)

اودھ کے ایک قصبے مدہ پور کے رہنے والے تھے ، علوم رسمید کی تکمیل جون پور میں کی ، پھر سلسلہ چشتیہ میں شیخ تاج الحق کے مرید ہوئے اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے ، حضرت شیخ خواجگی کی عظمت و جلالت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ان کو اپنے مکاتیب میں شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے تھے ۔ حضرت شیخ خواجگی کا سلسلہ نسب آخر میں حضرت اسماعیل عبداللہ انصاری ہروی سے جا ملتا ہے (نزہۃ الخواطر ، ج ۲ : ص ۱۱۰۳ - مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف ، حیدر آباد دکن) ۔

(۱) لطائف قدوسی ،

دہلی میں دوسرے اساتذہ سے کشف منار پڑھنا شروع کی تو آپ مجھے اس کا درس بھی دیتے تھے، اور درس دیتے ہوئے اصول فقہ کے ایسے عجیب و غریب نکات بیان فرماتے تھے کہ اس دور کے علماء ان کو سن کر متحیر ہو جاتے تھے۔

شیخ رکن الدین حضرت شیخ کی علمی سر بلندیوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: میرے بڑے بھائی شیخ حمید الدین سرہند میں مولانا قطب الدین سرہندی^۱ سے شرح منار پڑھتے تھے، اس کتاب میں ایک ایسا مشکل مقام آیا جسے ان کے استاد حل نہ کر سکے، وہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس مشکل مقام کو آپ کے سامنے پیش کیا، آپ نے اسے فوراً حل کر دیا۔^۲

شرح عوارف:

شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جب میں نے علم کلام میں شرح صحائف پڑھنا شروع کی تو میرے والد محترم حضرت شیخ عبد القدوس نے اس کو پڑھ کر اس پر خواہشی لکھے۔

خود حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کا ارشاد ہے کہ ابتداء عوارف کا نسخہ میرے حجرے میں برکت کے لیے رکھا رہتا تھا، اور مجھے اس موضوع سے کوئی ذوق نہ تھا، لیکن

(۱) لطائف قدوسی، ص ۱۸۱۔

(۲) مولانا قطب الدین سرہندی: سرہندی کے سرہندی والے تھے،

بڑے صغیر پاک و ہند کے مشہور علماء میں تھے، مولانا

قطب الدین نے سرہندی ہی میں وفات پائی، اور وہیں مدفون

ہوئے (نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۷۲)۔

(۳) سرہندی کے سرہندی

(۳) لطائف قدوسی -

بعد میں میرے ذوق کی یہ کیفیت تھی کہ میں نے عوارف کی شرح عربی میں لکھی،^۱ آپ کی یہ تصنیف نہایت اہم خصوصیات کی حامل ہے، اور علمی دنیا میں اس شرح کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔

بیعت :

حضرت شیخ عبد القدوس نے اگرچہ بلا واسطہ فیض روحانی حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی^۲ سے حاصل کیا تھا، لیکن

(۱) لطائف قدوسی، ص ۸۔

(۲) شیخ احمد عبدالحق ردولوی : اخبار الاخیار میں ہے کہ : شیخ احمد عبد الحق، شیخ جلال پانی پتی کے مرید تھے، صاحب تصوف درویش تھے، صاحب خوارق و کرامات تھے، صاحب ذوق و شوق تھے، جذبہ قوی اور نظر موثر رکھتے تھے، ردولی کے رہنے والے تھے (اخبار الاخیار، ص ۱۷۷)۔

دراستہ مکتون میں ہے کہ : حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی صاحب توشہ ردولی ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام گرامی عمر تھا، آپ کے دادا کا نام داؤد تھا، آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق^{رضی} سے جا ملتا ہے۔ شیخ عمر کے دو صاحبزادے تھے بڑے صاحبزادے کا نام شیخ تقی الدین اور چھوٹے صاحبزادے شیخ احمد عبدالحق تھے، شیخ احمد عبدالحق ردولی ہی میں مقیم رہے، انوار العیون میں حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی نے آپ کے لقب ”صاحب توشہ“ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ : آپ کے مرید خاص شیخ بختیار تجارت کی غرض سے اکثر ردولی کے باہر جاتے رہتے تھے، جب بہت دن گزر جاتے اور ان کی (بقیہ حاشیہ پر صفحہ ۳۸۴)

بیعت حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی کے پوتے اور حضرت شیخ

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۸۳)

خیریت نہ معلوم ہوتی تو ان کی بیوی حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی کی خدمت میں ایک سیر اٹے کی روٹی ، اور ایک سیر دودھ اور گھی ملا کر لایا کرتی تھیں ، آپ اسے لوگوں میں تقسیم کرتے تھے ، پھر یہ معمول ہو گیا تھا کہ جو شخص کسی حاجت کے لیے آپ سے دعا کا طالب ہوتا ، وہ بھی یہی عمل کرتا تھا ، اور اسی کا نام توشہ تھا ، اسی توشے کی بنا پر آپ ”صاحب توشہ“ کے لقب سے مشہور ہوئے ۔

اس توشے کا اہتمام حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے یہاں بھی بہت تھا ، حضرت شیخ اپنے ایک برید و خلیفہ شیخ عبد الرحمن شاہ آبادی کو ایک خط میں اس توشے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

والین فقیر را ہمیشہ با خویش بدانند ، و توشہ
حضرت قطب عالم قدس سرہ بزرگوار را قسمت
کرده اندیشد مزید حیات و ترقی درجات بادر
(مکتوبات قدوسیہ ، مکتوب ۱۰۶ ، بنام شیخ)

(عبد الرحمن شاہ آبادی ، ص ۳۸۳)

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کا بیان ہے کہ حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی ہر طریقت کی تلاش میں مختلف مقامات پر پوتے ہوئے پانی پت تشیف لائے ، اور حضرت شیخ المشائخ حضرت جلال الدین کبیر الاولیا کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے ، اور طویل ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد مختلف مقامات کی

(باقی حاشیہ بر صفحہ ۳۸۵)

احمد عارف ا کے صاحبزادے شیخ محمد کے ہاتھ پر کی تھی ۔ انوار العیون

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۴)

میاخت کرتے ہوئے اپنے وطن ردولی تشریف لائے ، اور وہاں ایک خانقاہ قائم کر کے رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے ۔ حضرت شیخ احمد عبد الحق کی مجلسیں ذکر الہی اور تعلیم شریعت سے معمور ہوتی تھیں ، سریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے ، آپ کی خانقاہ کے تمام رہنے والے پاس انقاس کرتے تھے ، اور کسی ساعت بھی ذکر الہی سے غافل نہ رہتے تھے ، نماز کے اول و آخر تین دفعہ بلند آواز سے حق حق کہتے تھے ، یہاں تک کہ خرید و فروخت میں جمال حق میں غرق رہتے آپ کے سریدوں اور طالبوں کی زبان پر ہر دم ، ہر سانس اور ہر قدم پر حق حق جاری رہتا ، خط کے شروع میں تین مرتبہ حق حق حق لکھتے ۔

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوی کا بیان ہے کہ شیخ المشائخ شیخ احمد عارف اور حضرت شیخ احمد عبد الحق کے اکثر مرید اس جہان فانی سے حق حق کہتے ہوئے تشریف لے گئے ، اور شب کا خاتمہ بالآخر ہوا ۔

عالم جذب و شوق میں اکثر یہ شعر پڑھتے تھے ۔

مخنے شکستہ از ہمہ عالم برائے یار

آئے برائے یار دو عالم تو ان شکست

کبھی کبھی یہ مصرعہ بھی دہراتے :

چتر شاہی ہر سر طفلان ماست

حضرت شیخ احمد عبد الحق نے ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۷۵ھ

(۱۳۳۷ء) کو سلطان ابراہیم شرقی کے عہد حکومت میں

(باقی حاشیہ بر صفحہ ۳۸۶)

میں حضرت شیخ عبد القدوس نے اپنی بیعت اور اکتساب فیض روحانی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ :

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۵)

وفات پائی ، آپ کا مزار پر انوار ردولی میں مرجع خاص و عام ہے آپ کے خلفاء اور مریدوں میں ، آپ کے صاحبزادے شیخ احمد عارف ، آپ کے خادم خاص شیخ بختیار ، شیخ بہرام شیخ برہان اور میاں فرید وغیرہ مشہور ہیں ۔

حضرت شیخ احمد عبدالحق کے حالات و ملفوظات پر حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی نے ایک کتاب انوار العیون کے نام سے فارسی میں لکھی تھی ، (حضرت شیخ احمد عبدالحق کے یہ تمام حالات انوار العیون ، تالیف حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی ، اور اخبار الاخیار ، ص ۱۸۷-۱۹۰ سے ماخوذ ہیں)

(۳) شیخ احمد عارف : شیخ احمد عارف کے حالات تذکروں میں بہت کم ملتے ہیں ، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی نے انوار العیون میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں ان کے کچھ حالات لکھے ہیں انوار العیون میں حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی نے ان کے حالات قلم بند کرتے ہوئے لکھا کہ : حضرت شیخ احمد عبدالحق کے یہاں جو لڑکا پیدا ہوتا وہ میر جاتا تھا جس کی وجہ سے آپ کی بیوی ہمیشہ افسردہ رہتی تھیں ۔ ایک دن انہوں نے حضرت شیخ احمد عبدالحق سے کہا کہ افسوس ہے کہ کوئی لڑکا میرے بقدر میں نہیں ، جو لڑکا پیدا ہوتا ہے حق حق کہتا ہوا آتا ہے ، اور بہت جلد رحمت الہی سے جا ملتا ہے ، آپ نے فرمایا ملول نہ ہو ، ایک لڑکا تمہارا مقدر ہے ، چند

(باقی حاشیہ پر صفحہ ۳۸۷)

اجازت این فقیر (شیخ عبد القدوس) با حضرت شیخ العالم (شیخ احمد عبد الحق) در عالم معاملہ اول درست گشت۔ بعدہ با نبیرہ حضرت شیخ العالم، شیخ الوقت حضرت شیخ محمد بن ظاہر و اعلیٰ قدرہ بیعت کردیم، و از شرف اجازت مشرف گشتیم، و حضرت شیخ العالم (شیخ احمد عبد الحق) این فقیر را در عالم معاملہ چند

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۶)

دن کے بعد آپ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، اور ان کا نام آپ نے شیخ احمد عارف رکھا، جب وہ بڑے ہوئے تو ان میں مروت اور محبت اس درجہ غالب تھی کہ جو شخص ان سے ملتا وہ اپنی جگہ یہ سمجھتا کہ جو محبت ان کو سچے سے ہے، وہ کسی دوسرے سے نہیں، یہ تمام باتیں ان کے کمال ولایت کی دلیل تھیں۔ شیخ احمد عبد الحق کی وفات کے بعد شیخ احمد عارف نے ان کی مستند رشد و ہدایت کو زینت بخشی

شیخ احمد عارف نے چالیس سال کی عمر میں ۱۲۵۶ھ (۱۳۵۲ء) میں وفات پائی۔ (دُرّ مکنون - ترجمہ اردو انوار العیون - تالیف شیخ عبد القدوس گنگوہی، ص ۲۸-۲۹) اخبار الاخیار میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے ان کے متعلق لکھا کہ :

شیخ احمد عارف پسر شیخ احمد عبد الحق است، و صاحب سجادہ، سجادہ او موازنہ چہل سال عمر یافت۔ با ہر طائفہ سترے داشت و ہمہ کس از او راضی بودند (اخبار الاخیار - ص ۱۹۱ -

(۱۹۲)

بار لطف کردند ، و دست گرفته زبان کرم فرمودند
 کہ ترا بنا خدا رسانیدم ۔ الحمد لله علی ذالک ؛
 چندان معاملہ یا حضرت شیخ العالم کہ در حد و
 عد نیاید این معاملہ مارا در ظہور ولایت
 حضرت شیخ العالم (شیخ احمد عبد الحق) بعد چہل
 سال از رحلت شیخ العالم (شیخ احمد عبد الحق) بودہ
 است (مقدمہ منتخب مکتوبات قدوسیہ ، ص ۳ بحوالہ
 انوار العیون)

بیعت ہوئے کے بعد خانقاہ شیخ احمد عبد الحق ردولوی میں
 جو مجاہدے اور ریاضتیں آپ نے کیں ، لطائف قدوسی میں ان کی
 تفصیلات دیتے ہوئے ، آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین نے لکھا
 کہ میرے والد نے ابتدائی زمانے میں سخت ریاضتیں اور مجاہدے
 کیے ، حضرت شیخ احمد عبد الحق کے روضہ مبارک میں خود
 جھاڑو دیتے ، خانقاہ کے درویشوں کے لیے جنگل سے لکڑیاں لاتے ،
 یہاں تک کہ آپ کے مزار مبارک پر چٹلہ کھینچا ، اس چٹلے
 میں آپ نے کھانا پینا بالکل بند کر دیا ، ترک غذا کی وجہ سے
 مزاج میں حدت پیدا ہوئی ، یہاں تک کہ خون کے پاخانے آنے
 لگے ، سانس سے بھنے ہوئے گوشت کی بو آنے لگی ، اور کبھی
 سانس سے عطر و عود کی بھی بو آتی تھی ، اس زمانے کی کیفیت
 بیان کرتے ہوئے ، خود فرمایا کہ میں نے اس زمانے میں خود اس
 شعر کا عملی مشاہدہ کیا ہے :

تانبوزی بر نیاید بوئے عود

پختہ داند کیں سخن بر خام نیست

شیخ رکن الدین نے آپ کے ان شدید ریاضتوں اور مجاہدوں
 کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا کہ اندرونی سوزش کی وجہ سے
 جو بھاپ نکلتی تھی اسے محسوس کیا جا سکتا تھا ، شدید سرما کے

موسم میں جب کہ برف جمتی ہے ، عشق الہی کی حرارت کی وجہ سے صبح کے وقت آپ کے سر پر ٹھنڈے پانی کی کئی ٹھلیاں ڈالی جاتیں ، لیکن یہ ٹھنڈا پانی جب سر پر ڈالا جاتا تو گرم ہو جاتا تھا ۔

ان ریاضتوں اور مجاہدوں کے زمانے میں ایک گدڑی جس میں بہت سے پیوند لگے ہوئے تھے ، پہنتے تھے ، شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ شروع میں میری پیدائش تک میرے والد حضرت شیخ عبد القدوس لباس نہیں پہنتے تھے ، بلکہ ایک گدڑی باندھتے تھے جس میں بیسیوں پیوند لگے ہوئے تھے ، اسی طرح جو ٹوپی پہنتے تھے ، وہ بھی کئی پیوندوں کی تھی ، معمول تھا کہ جس طرح آپ نماز ، روزہ ، اوراد و وظائف کو پابندی سے روزانہ ادا کرتے تھے اسی طرح روزانہ ایک پیوند اپنی گدڑی میں پابندی کے ساتھ لگاتے ، اس پیوند کو دو تین بڑے ٹانکے لگا کر ٹانک لیتے ، پیوند کے لیے کپڑے گلی کوچوں سے اٹھاتے ، انہیں دہوتے ، پاک کرتے اور گدڑی میں سی لیتے ۔ ایک دفعہ شیخ خواجگی نے آپ کو یہ گدڑی پہنے دیکھا تو فرمایا میاں ! بعض مرتبہ یہ گدڑی بھی سالکین کے لیے ریا کاری اور نفسانیت کا ذریعہ بنتی ہے ، شیخ خواجگی کے اس ارشاد پر آپ کو لباس پہننے کا خیال ہوا ، بعض مریدوں اور دوستوں نے آپ کے لیے دس گز کپڑا خریدا ، اور لباس تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا ، آپ وہ لباس پہننے لگے ، لیکن جب وہ لباس پھٹ گیا تو آپ نے پھر وہی گدڑی پہن لی ۔

(۱) میرے جد امجد حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کی یہ گدڑی آپ کے دوسرے آثار کے ساتھ ہمارے خاندان میں اب تک محفوظ ہے ، حضرت شیخ کے سجادہ نشین نسل بعد نسل ان آثار کے محافظ و اسین ہوتے ہیں ۔ (سؤلف)

آپ کو یہ امر بھی پسند نہ تھا کہ متاع دنیوی میں سے کوئی چیز یا سامان آپ کے گھر میں رہے ، آپ کی بیوی کے پاس متاع دنیوی میں سے ایک ہار تھا ، جو آن کے والدین نے شادی کے وقت آن کو جہیز میں دیا تھا ، انہوں نے اس ہار کو حضرت شیخ سے چھپا کر اس لیے رکھا تھا کہ جب آن کے بڑے صاحبزادے شیخ حمید الدین کی شادی ہوگی ، تو اس وقت وہ کام اٹھے گا ، لیکن جب حضرت شیخ کو معلوم ہوا کہ بیوی کے پاس ایک ہار موجود ہے ، تو آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ تمہیں

(۱) شیخ حمید الدین : بن حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی یہ ۸۸۶ھ (۸۲-۱۲۸۱ء) میں ردولی میں پیدا ہوئے ، ان کی عمر چودہ یا پندرہ سال کی تھی کہ حضرت شیخ پر یہ کیفیت طاری ہوئی کہ گھر بار چھوڑ کر کسی جنگل یا ویرانے میں چلے جائیں ، آپ نے گڈڑی پہن کر مشائخ چشت کے وہ تبرکات جو آپ کے پاس تھے ، اپنے صاحبزادے شیخ احمد کے حوالے کیے ، اور خود بستی سے باہر نکل گئے ، عمر خان شروانی کے لڑکوں کو جو آپ کے مرید تھے ، جب معلوم ہوا تو وہ موضع تورہ سے کہہ سن کر گھر واپس لائے ۔

شیخ حمید الدین تصوف و عرفان کے اعلیٰ منازل پر فائز ہونے کے ساتھ علوم ظاہری میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے ، صاحب نزہۃ الخواطر نے آن کے اساتذہ میں مولانا قطب الدین مرہندی اور شیخ احمد حسینی ملتانی کا ذکر کیا ہے ، شیخ حمید صاحب ، تصنیف بزرگ تھے ، وحدت الوجود پر انہوں نے ایک رسالہ بھی تصنیف کیا تھا

(۱) راقم الحروف کا سلسلہ نسب بھی حضرت شیخ حمید الدین کے توسط سے بارہ واسطوں سے حضرت قطب عالم شیخ عبد القدوس (باقی حاشیہ پر صفحہ ۳۹۱)

معلوم ہونا چاہیے کہ کمال فقر کا مدار کمال تفرید و تجرید پر ہے ، اس لیے یہ ہمار بھی گھر میں نہ رہنا چاہیے ، لیکن آپ کی بیوی اس پر راضی نہ ہوتی تھیں ، حضرت شیخ کی یہ بات حضرت شیخ خواجگی کو معلوم ہوئی ، آپ نے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کو بلا کر فرمایا ، کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تفرید و تجرید کا تعلق تمہارے مال سے ہے ، نہ کہ دوسروں کے مال سے ، وہ ہمار تمہاری بیوی کا ہے ، اس لیے تم ہمار کے نکالنے پر اسے مجبور نہ کرو ، اور اس ضعیفہ کو غمگین نہ کرو ۔

عبادات :

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کا زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا ، آپ ذکر الہی ، اور تلاوت قرآن مجید کا بڑا ذوق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۰)

گنگوہی علیہ الرحمہ سے جا ملتا ہے میرے خاندانی شجرے میں اس کی تفصیل اس طرح ہے :

اعجاز الحق قدوسی بن شاہ ظہور الحق بن
شاہ عنایت احمد بن شاہ مشتاق احمد بن شیخ العالم
عرف اللہ دیا بن شیخ الاسلام بن مولانا شاہ فخر الاسلام
بن شاہ محمد حیات بن شاہ محمد جی بن شاہ محمد صادق
بن شاہ فتح اللہ بن شاہ عبد الصمد بن شیخ حمید الدین
بن قطب عالم حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی^{7۰}

(شیخ عبد القدوس گنگوہی - اور ان کی تعلیمات قالیف
اعجاز الحق قدوسی ، نزہۃ الخواطر ، جلد ۴ : ص ۲۷۱-۲۷۲ ،
شجرہ خاندان قدوسیہ مرتبہ شاہ منظور احمد قدوسی) -

(۱) لطائف قدوسی ، لطیفہ ۲۱ ، ص ۱۰ -

رکھتے تھے، علاوہ فرض، سنتوں اور مقررہ نوافل کے روز سرہ کے اوراد و وظائف پابندی سے پڑھتے تھے۔

لطائف قدوسی میں ہے کہ نماز سے آپ کو اس قدر والہانہ عشق تھا کہ شدید سردی کے زمانے میں آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے، جب نفس میں گرمی کی خواہش پیدا ہوتی تو اپنے آپ کو یہ کہہ کر تسلی دیتے کہ ان دو نفلوں کے بعد جسم کو گرمی پہنچاؤں گا، لیکن اسی طرح عبادت میں تمام رات گزر جاتی، لیکن آگ تاپنے کی نوبت نہ آتی۔

شب برات میں معمول تھا کہ ایک قرآن مجید سور کعبتوں میں باجماعت ختم فرماتے، اس رات میں آپ کے صاحبزادے شیخ احمد جو حافظ قرآن مجید بھی تھے امامت کے فرائض انجام

(۱) لطائف قدوسی، لطیفہ ۱۹-۲۰۔

(۲) لطائف قدوسی، لطیفہ ۲۱، ص ۱۵۔

(۳) شیخ احمد: حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے تیسرے صاحبزادے تھے، جو علم و فضل، سلوک و معرفت کے بلند مرتبے پر فائز تھے، اور مشہور شیوخ میں تھے، حافظ کلام اللہ تھے، اور نماز میں حضرت شیخ کی امامت کے فرائض انجام دیتے تھے، صاحب تصانیف تھے، ان کی تصانیف رسالہ ”حکمت غناء“ اور رسالہ ”فی اثبات وحدت الوجود“ ان کی یادگار ہیں۔ شیخ احمد کے صاحبزادے شیخ عبدالنبی تھے، جو اکبر کے عہد میں صدر الصدور تھے، چونکہ شیخ عبدالنبی بہت پر عالمانہ رنگ غالب تھا تو انہوں نے اپنے والد کے رسالے کے جواب میں بحرمت اسماعیل کے نام سے ایک رسالہ لکھا، شیخ احمد نے انہیں ڈانٹا، وہ آزرده ہو کر دہلی چلے گئے، (باقی حاشیہ پر صفحہ ۳۹۳)

دیتے تھے ، رمضان میں بھی آپ کے صاحبزادے شیخ احمد تراویح میں امامت فرماتے ، اور پورے رمضان میں تین قرآن مجید سنتے تھے ، آپ تمام عمر اس عمل کے پابند رہے ۔

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کو یہ دعا بہت محبوب تھی ، رمضان المبارک میں تراویح کے بعد یہ دعا مانگتے تھے ، اور اپنے مریدوں اور معتقدوں سے بھی فرماتے کہ اس دعا کو مانگیں :

اللّٰهُمَّ مَدِّ لِي عَمْرِي فِي طَاعَتِكَ وَتَحِبَّتِكَ وَشَوْقِي لِقَائِكَ ، وَوَسِّعْ لِي رِزْقِي مِنْ خَزَائِنِ بَرَكَاتِكَ وَوَسِّعْ رَحْمَتَكَ رِزْقَ الْمَحْبُوبِينَ الْمُرَادِينَ الْحَقَرِينَ الْبَوَاصِلِينَ إِلَيْكَ ، وَصَحِّحْ لِي جِسْمِي فِي طَلَبِكَ ، يَا سَيِّدِي وَبُلَاغِي ، وَبَلِّغْنِي أَمَلِي فِي مَشَاهِدَتِكَ وَكَمَالِ مَعْرِفَتِكَ وَانوارِ قُدْسِكَ ، وَاسْرَارِ غَيْبِكَ ، فَانْزِكْ تَمَحُّوْمًا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَكَ أَسْمُ الْكِتَابِ ۲

نوافل کثرت سے پڑھتے تھے ، نوافل میں عادت مبارک یہ تھی کہ قرآن فاتحہ اور ضم سورۃ کے بعد شغل باطن میں مصروف ہو جاتے ، اور بارہ سانس کے مقدار ذکر خفی کرتے ، اس کے بعد رکوع میں جاتے ، اور رکوع کے بعد چند دم ذکر خفی کرتے ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۲)

شیخ احمد نے ۱۹۲۵ء (۱۳۴۵ھ) میں شاہ آباد میں وفات پائی ، ان کا مزار دریائے مارکنڈہ کے کنارے شاہ آباد میں ہے ۔ لطائف قدوسی ، لطیفہ ۶ ، ص ۴۲ - نزہۃ الخواطر ، ج ۴ ، ص ۲۳ -

(۱) لطائف قدوسی ، لطیفہ ۹ ، ص ۴۲ -

(۲) لطائف قدوسی ، لطیفہ ۹ ، ص ۴۲ -

اسی طرح قومہ میں بھی ذکر خفی کرتے ، پھر سجدے میں بعد تسبیح ذکر خفی کرتے ، اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں ، اور دوسرے سجدے کی تسبیح کے بعد چند دم ذکر خفی کرتے اس طرح تمام نوافل میں شغل حق میں مشغول رہتے ۔ غرضکہ اس طرح آپ تمام شب میں چند دو گانے نوافل پڑھتے ، اور ان چند دو گانوں میں رات ختم ہو جاتی ۔^۱

سلسلہ چشتیہ میں ذکر بالجہر کی تعلیم خاص طور پر دی جاتی ہے ، آپ نے فرمایا کہ میری عمر کے کئی سال اس طرح سے گزرے ہیں کہ میں عشاء کی نماز کے بعد سے ذکر بالجہر شروع کرتا تھا ، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی تھی ۔^۲

ابتدا میں آپ پر ”سلطان الاذکار“ کا اس قدر غلبہ تھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ میں اس کی وجہ سے مسلوب العقل یا دیوانہ ہو جاؤں گا ۔ کیونکہ مجھ پر گھڑی گھڑی سلطان الاذکار کا غلبہ ہوتا تھا اور میں محو و بے خود ہو جاتا تھا ۔^۳

آپ کی راتیں عبادت الہی میں گزرتی تھیں ، بسا اوقات عشاء کی نماز کے بعد آپ اپنے آپ کو باندھ کر لٹکاتے اور تمام رات صلوٰۃ معکوس میں گزارتے ، اور صبح کو اپنے آپ کو کھولتے تھے ۔^۴

رمضان کے علاوہ روزے بھی آپ بڑی کثرت سے رکھتے تھے ، آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ آپ

(۱) لطائف قدوسی ، لطیفہ ۲۵ ، ص ۱۸

(۲) لطائف قدوسی ، لطیفہ ۲۲ ، ص ۱۵

(۳) لطائف قدوسی ، لطیفہ ۲۳ ، ص ۱۸

(۴) لطائف قدوسی ، لطیفہ ۲۴ ، ص ۱۸

صائم الدہر تھے ، میں نے چالیس سال میں آپ کو سوائے ایام ممنوعہ کے جو پانچ دن ہیں بغیر روزے کے نہیں دیکھا ۔

شادی :

عین اس زمانے میں جب کہ حضرت شیخ اپنے مرشد شیخ محمد کی خدمت میں رہ کر شدید ریاضتیں اور مجاہدے کر رہے تھے ، آپ کی شادی شیخ عارف کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوئی ، یہ خاتون آپ کے مرشد کی بہن ، اور شیخ احمد عبدالحق ردولوی^۱ کی پوتی تھیں ۔^۲

حضرت شیخ کی بیوی نہایت عابدہ ، زاہدہ اور ولیدہ خاتون تھیں ، اگرچہ حضرت شیخ کے گھر میں فقر و فاقے کی تکلیف رہتی ، دو دو تین تین وقت کے بعد گھر والوں کو کھانے کی نوبت آتی ، لیکن وہ اور ان کے بچے نہایت صبر و شکر سے اپنا وقت گزارتے ، وہ صاحب کشف خاتون تھیں ، جو کچھ خواب میں دیکھتیں وہی پیش آتا ۔^۳

حضرت شیخ نے دنیا سے اس درجہ قطع تعلق فرما لیا تھا کہ آپ کے عزیز و اقربا بھی آپ کو بھول چکے تھے ، آپ کے رشتہ داروں میں تقریبیں ہوتیں ، ان تقریبوں پر یہ رشتہ دار دوسروں کے ہاں کھانا اور مٹھائی بھجواتے ، اور حضرت شیخ کو اور آپ کے گھر والوں کو فراموش کر دیتے ، بعد میں کہتے کہ

(۱) لطائف قدوسی ، لطیفہ ۸۶ ، ص ۷۱-۷۲

(۲) حضرت شیخ کی شادی کی یہ تفصیل لطائف قدوسی ، لطیفہ ۱۵ ، ص ۱۱-۱۲ سے ماخوذ ہے ۔

(۳) لطائف قدوسی ، ص ۶۳ ، لطیفہ ۷۶ ۔

افسوس ہے کہ حضرت شیخ کے اگھر والوں کا حصہ نہ جا سکا، ہم سے کیسی چٹوکی ہوئی۔

معیشت :

حضرت شیخ کے تذکرہ نگاروں نے آپ کے ذریعہ معیشت پر روشنی نہیں ڈالی لیکن صاحب خزینۃ الاصفیاء مفتی غلام سرور لاہوری نے بحوالہ معارج الولايت صرف اس قدر لکھا ہے کہ: حضرت شیخ عبدالقدوس مادر زاد ولی تھے، اور عالم طفولیت ہی سے ان میں آثار ولایت پائے جاتے تھے، زبان سے جو کچھ فرماتے وہی ہوتا تھا۔ وہ حلال روزی حاصل کرنے کے لیے زراعت کرتے تھے، جب ان کے اکھیت میں غلام تیار ہو جاتا تو وہ شب سے پہلے اس میں سے درویشوں کو دیتے۔ پھر اس کے بعد اپنی ضرورت کی حد تک رکھ لیتے۔^(۱) حضرت شیخ کی معیشت کے حصول میں یہ جدوجہد کسب حلال اور محنت کی عظمت کو سامنے لاتی ہے۔

خلافت سے سرفرازی :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے کچھ دن بعد ہی آپ کے شیخ طریقت حضرت شیخ محمد نے آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا، ان کے علاوہ بھی آپ نے طریقت کے مختلف خانوادوں اور شیوخ سے مختلف سلاسل میں خلافت حاصل کی ہے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدین نے آپ کی جو سوانح، لطائف قدوسی کے نام سے مرتب کی ہے، ان میں آپ کے مختلف سلسلوں سے خلافت کے شجرے دیے ہیں۔^(۲)

(۱) لطائف قدوسی، ص ۱۰، لطیفۃ الولايت، ص ۱۰۳

(۲) خزینۃ الاصفیاء، ج ۲، ص ۱۲، بحوالہ معارج الولايت، ص ۱۲

صوفی شاہ سید محمد حسین مراد آبادی نے سلاسل اربعین کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا تھا، چونکہ یہاں بزرگ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے سلسلے میں بیعت تھی، اس لیے ان بزرگ نے اپنے اس رسالے میں حضرت شیخ کے متعدد سلسلہ طریقت درج کیے ہیں۔ حضرت شیخ کے سلاسل طریقت پر تفصیل کے لیے اس رسالے کا مطالعہ ضروری ہے۔

ردولی سے ہجرت : ۵۸۹۷ھ (۱۲۹۱ - ۱۳۹۱ء) میں ردولی کے حالات خراب ہوئے، اور کفر کا اس درجہ غلبہ ہوا کہ سور کا گوشت بازاروں میں کھلم کھلا فروخت ہونے لگا۔ جب وطن کے حالات کی خرابی یہاں تک پہنچی تو آپ ملول و دل گیر ہو کر ترک وطن کر کے شاہ آباد - ضلع کرنال چلے آئے، یہ پرگنہ اس زمانے میں عمر خاں شروانی^۲ کا تھا جو شاہ آباد پرگنہ کا حاکم تھا، وہ آپ کا معتقد تھا،

(۱) سلاسل اربعین : تصنیف صوفی سید شاہ محمد حسین چشتی قدوسی -
سنہ تصنیف : ۱۳۳۰ھ (۱۲ - ۱۹۱۱ء) مطبوعہ : مطبع
بیت الشرف - دہلی :- سنہ طباعت : ۱۱ رجب ۱۳۳۱ھ
(۱۳۹۱ء) -

(۲) عمر خاں شروانی : عمر خاں شروانی بن سکندر خاں گبکور -
بہلول لودھی کے درباری امرا میں تھا، جب احمد خاں بھٹی کی بغاوت کو فرو کر کے وہ واپس آیا تو بہلول لودھی نے اسے اس کے ذاتی مصارف کے لیے سرہند اور قصبہ شاہ آباد کے ضلع کرنال دیا، اورا بھٹنور اور پابل پور جاگیر میں عطا کیے۔ سکندر لودھی کے اوائل عہد حکومت ۵۸۹۷ھ (۱۲۹۱ - ۱۳۹۱ء) میں وہ کول کا شقہ دار یا ناظم تھا، بھیکم پور کا شروانی خاندان اسی عمر خاں کی اولاد میں ہے (ماخوذ از شروانی نامہ، ص ۳۲ - ۳۵ - ۳۷ - ۳۹)

اور چاہتا تھا کہ آپ کسی طرح اس کے پرگنے میں قیام کریں۔ چنانچہ آپ شاہ آباد میں مستقل مقیم ہو گئے۔ اور تقریباً اڑتیس سال تک اس قصبے کو اپنے رشد و ہدایت کا گہوارہ بنائے رکھا، آپ کی ذات گرامی علم و معرفت، رموز و حکمت، احسان و مہار کا وہ سرچشمہ تھی کہ ہزاروں تشنگان معرفت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیضیاب ہو کر جاتے۔

آپ کے دوسرے صاحبزادے شیخ رکن الدین مصنف ”لطائف قدوسی“ اور آپ کے تمام دوسرے صاحبزادے سوائے شیخ حمید کے سب اسی قصبے میں پیدا ہوئے۔

(۱) شیخ رکن الدین : بن حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی : یہ ۵ جمادی الاول ۱۰۸۹ھ (۱۶۷۲ء) کو شاہ آباد ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ اخبار الاخیار میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کے محامد و اوصاف کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ :

شیخ عبدالقدوس را اولاد بسیار شد ، و پسران او

ہمہ عالم و متعبد و متلبس بلباس مشائخ تہ

و از میان ایشان شیخ رکن الدین مردے متبرک

بود ، و بہ مشرب فقر و محبت موصوف بر قدم والد

خود قدم می نهاد (اخبار الاخیار، ص ۲۲۲)

شیخ رکن الدین نے درسی کتابوں کی تعلیم شیخ فتح اللہ بن نصیر الدین، سید احمد حسینی اور شیخ ابراہیم بن سعید حسینی ابرجی سے حاصل کی، اور اپنے والد محترم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر سلسلہ چشتیہ اور دوسرے طریقوں کی تعلیم حاصل کی، اور طریقہ قادریہ کی تعلیم (باقی حاشیہ پر صفحہ ۳۹۹)

شیخ محمد کی وفات :

آسی زمانے میں جب کہ آپ شاہ آباد میں مقیم تھے ۔ آپ کے مرشد شیخ محمد ، واصل الی اللہ ہوئے ، حضرت شیخ محمد کے صاحبزادے شیخ بڈیا حضرت شیخ کے پاس تعلیم حاصل کرتے تھے ، آپ ان کو ساتھ لے کر ردولی پہنچے ۔ یہ وہ وقت تھا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۸)

ابراہیم بن معین ایرجی سے حاصل کی ، اور اپنے والد کی وفات کے بعد وہ گنگوہ میں متولی ہوئے ، شیخ رکن الدین کے مریدوں میں شیخ عبدالاحد سرہندی بن شیخ زین الدین سرہندی جو حضرت مجدد الف ثانی کے والد محترم ہیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ شیخ رکن الدین نے ۵۹۸۲ (۷۵ - ۷۴ - ۷۳ - ۷۲ - ۷۱) میں گنگوہ میں وفات پائی ۔ ان کا مزار مبارک اپنے والد کی قبر کے متصل جانب جنوب واقع ہے ۔ شیخ رکن الدین کی تصانیف میں سب سے اہم کتاب ”لطائف قدوسی“ ہے ، جو حضرت شیخ عبدالقدوس کے حالات و ملفوظات کا مجموعہ ہے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر ان کی یہ کتاب نہ ہوتی تو ہماری دسترس حضرت شیخ کے حالات تک بہت مشکل تھی ، لطائف قدوسی کی تالیف انہوں نے حضرت شیخ کی اجازت سے ان کی زندگی ہی میں ۵۹۴۴ (۳۸ - ۳۷ - ۳۶ - ۳۵) میں شروع کی تھی ، لیکن اس کی تکمیل حضرت شیخ کی وفات کے بعد ہوئی ۔ اس کے علاوہ ان کی دوسری تصنیف ”مرج البحرین“ ہے ، ان کی تیسری تصنیف حضرت شیخ کی کتاب رشد اسے پر حواشی ہیں ، اس کے ماسوا حضرت رکن الدین کے مکتیب ، اور ایک چھوٹا سا رسالہ ”عید قربان“ ہے ، جو لطائف قدوسی کے آخر میں شامل ہے (ساخوذ از تذکرہ ”شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات ، تالیف اعجاز الحق قدوسی ص ۳۹۷-۴۰۶)

شیخ محمد پر مرض الموت کا شدید غلبہ تھا۔ حالت یہ تھی کہ کبھی وہ ہوش میں آ جاتے تھے، اور کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے۔ جب سکرات کا عالم شروع ہوا تو آپ نے اپنے مرشد سے عرض کیا کہ حضور! یہ وقت ہوشیاری کا ہے، حضرت شیخ محمد نے فرمایا: میاں! ہماری طرف سے بے فکر رہو، اب یہ عالم ہے کہ ہمارے سینے میں سوائے اللہ کے کوئی چیز نہیں گزرتی۔

حضرت شیخ محمد کی وفات کے بعد آپ نے ان کے صاحبزادے شیخ بڈیا کو ان کا خلیفہ چنا، اور ان کے والد کی جگہ انہیں سجادہ نشین کیا۔

گنگوہ میں آمد:

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی (۸۹۷ھ - ۹۶۴ھ) (۱۴۹۱ء - ۱۵۵۲ء) سے ۹۳۴ھ (۱۵۲۷ء) تک تقریباً ستریس سال شاہ آباد میں مقیم رہے، ۹۳۴ھ (۱۵۲۷ء) میں آپ کے ایک مزید ملک عثمان کٹرانی نے جو گنگوہ کے رہنے والے تھے آپ سے درخواست کی کہ اگر آپ کے صاحبزادوں میں کوئی ہمارے وطن گنگوہ میں سکونت اختیار کرے تو ہمارے لیے موجب برکت و سعادت ہوگا حضرت شیخ نے ملک عثمان کٹرانی کے اصرار پر پہلے حضرت شیخ رکن الدین کو گنگوہ روانہ فرمایا، ملک عثمان کٹرانی نے ان صاحبزادے کا شاندار استقبال کیا، اور قصبہ گنگوہ کے اس محلے میں جو اب ”محلہ سرائے“ کے نام سے مشہور ہے، خیمے لگوائے، بعد میں حضرت شیخ رکن الدین کے دوسرے بھائی بھی وہاں آ گئے، لیکن ان میں سے کسی کا دل گنگوہ میں نہ لگا، یہ بار بار لوٹ کر شاہ آباد واپس آ جاتے تھے۔ ایک دن حضرت شیخ نے ان صاحبزادوں سے فرمایا تم کیوں بار بار گنگوہ سے لوٹ کر واپس

(۱) لطائف قدوسی، ص ۴۰، لطیفہ ۵۳

آتے ہو آئندہ اسی قصبے کو تمہارا وطن بتا ہے ۔ یہاں تک کہ مغلوں کی تاخت و تاراج شروع ہوئی، اور حضرت شیخ، ابراہیم لودھی کی شکست سے ایک سال قبل مغلوں کی غارت گری کے خوف سے اپنے اہل و عیال کو لے کر شاہ آباد سے گنگوہ منتقل ہو گئے، اور آپ نے وہیں سکونت اختیار کر لی۔

بابر اور ابراہیم لودھی کی جنگ :

آخر ۹۳۳ھ (۱۵۲۶ء) میں پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی اور بابر کے درمیان وہ معرکہ ہوا، جس نے ہندوستان میں لودھیوں کے چراغ سلطنت کو گل کر دیا، اور بابر نے اس بڑے صغیر پاک و ہند میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔

اس لڑائی میں ابراہیم لودھی کے ساتھ ایک لاکھ سپاہی اور ایک ہزار جنگی ہاتھی تھے، اور بابر کے پاس صرف بارہ ہزار فوج تھی۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی^{7۰}
پانی پت کے میدان جنگ میں :

لطائف قدوسی میں ہے کہ جب بابر اور سلطان ابراہیم لودھی کے درمیان پانی پت میں جنگ ہوئی تو ملک میں اس قدر پریشانی اور ابتری پھیل گئی کہ لوگ اپنے وطن اور گاؤں چھوڑ کر بھاگی کھڑے ہوئے، اس افراتفری میں ملک ویران ہو گیا، نہ کہیں پناہ کی جگہ تھی، اور نہ کہیں بھاگنے کی، اس بدامنی اور پریشانی کے زمانے میں حضرت شیخ عبدالقدوس بھی اپنے متعلقین اور مریدین کے ساتھ گنگوہ چھوڑ کر کتانہ نامی گاؤں میں تشریف لے گئے، اور کتانہ میں دریائے جمنا کے کنارے مشرقی جانب ٹھہرے اور دریا کے مغربی جانب سلطان ابراہیم لودھی کا لشکر ہڑاؤ کیے ہوئے تھا، اس لشکر میں بہت سے آپ کے مرید

و معتقد تھے، جو آپ کے یہاں مقیم ہونے کی خبر سن کر جوق در جوق ملاقات کے لیے آئے، جب سلطان ابراہیم لودھی کو خبر ہوئی تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کو نہایت اصرار سے اپنے لشکر میں لے گیا۔ آپ نے سلطان ابراہیم سے فرمایا مجھے اس مرتبہ خیریت معلوم نہیں ہوتی، اور میں تمہیں پانی پت سے آگے بڑھتا ہوا نہیں دیکھتا۔ پھر آپ نے اپنے اہل و عیال کو اپنے صاحبزادے شیخ رکن الدین کے ساتھ گنگوہ روانہ کر دیا، اور آپ اپنے بڑے صاحبزادے شیخ حمید اور اپنے مرید سید راجا کے ساتھ ابراہیم لودھی کے لشکر میں رہے، یہاں تک کہ پانی پت کے میدان جنگ میں پہنچے، عین میدان جنگ میں جب کہ ابھی دونوں لشکروں کے درمیان جنگ چھڑی نہ تھی کہ آپ نے اپنے صاحبزادے شیخ حمید اور سید راجا سے فرمایا مجھے اپنے گھوڑے کی رفتار سے پتا چلتا ہے کہ سلطان ابراہیم کو شکست ہوگی، مناسب یہ ہے کہ ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں، لیکن آپ کسی وجہ سے روانہ نہ ہو سکے۔

حضرت شیخ، بابر کی قید میں:

اسی زمانے میں جب کہ آپ ابراہیم لودھی کے لشکر میں مقیم تھے، آپ نے اپنے صاحبزادے شیخ حمید اور سید راجا سے فرمایا کہ ہمارے خواجہ، خواجہ قطب الدین اوشی^{۲۷} کو بھی قید و بند کا سامنا کرنا پڑا تھا، یہ ہمارے پیروں کی منت ہے، ہم بھی اس سنت کو اختیار کریں گے، اگر تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو، دونوں نے جواب دیا یوں تو حضور کی جو مرضی ہو ہم اس کے لیے حاضر ہیں، لیکن ایسے نازک وقت میں ہم حضور کو چھوڑ کر کہاں جا سکتے ہیں۔

دونوں لشکروں میں معرکہ شروع ہوا، اور جب ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) کو سلطان ابراہیم لودھی کو بابر کے ہاتھوں شکست

ہوئی۔ سواروں نے حضرت شیخ کو اور آپ کے ساتھیوں کو گھیر لیا، اور آپ کے کپڑے اور گھوڑے کو لوٹ لیا، شیخ حمید اور سید راجا کے گلے میں حضرت شیخ کی سیاہ پگڑی ڈال کر اور انہیں اپنے گھوڑوں کے فتراک سے باندھ کر چلے، جب ان کے گلے میں پگڑی ڈالی جا رہی تھی تو آپ نے ان دونوں سے فرمایا پریشان مت ہو، تمہارے گلے میں تمہارے پیروں کی دستار ہے، اور اس کی برکت سے تم نجات حاصل کرو گے، سواروں نے حقارت سے شیخ کو حکم دیا کہ وہ پیدل چلیں۔ اگرچہ آپ میں پیدل چلنے کی طاقت نہ تھی، لیکن خدا کے فضل اور اس کی مدد سے پانی پت کے میدان جنگ سے دہلی پہنچے، مولانا زادہ کمال الدین بھی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔

حضرت شیخ کی رہائی:

کچھ دن کے بعد حضرت شیخ اور آپ کے متعلقین کو رہا کر دیا گیا۔ اگرچہ آپ لودھیوں سے خوش تھے، آپ نے سکندر لودھی کا پورا دور حکومت دیکھا تھا، اس نے شعار اسلام کی ترویج کی جو کوشش کی تھی اس کی بنا پر حضرت شیخ کو لودھیوں سے خاص تعلق خاطر تھا، لیکن جب بابر فتح یاب ہوا، تو آپ نے اسے بھی ایک خط لکھا، اور اسے اتباع شریعت، عدل و انصاف خلفائے راشدینؓ کی پیروی کی طرف توجہ دلائی، اس خط کو ہم آئندہ اوراق میں آپ کے رشد و ہدایت کے ضمن میں نقل کریں گے۔

عہد ہمایوں:

بابر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں ۱۵۳۰ء (۹۵۳ھ) میں تخت نشین ہوا، مغلوں اور افغانوں کی کشمکش اس کے عہد میں بھی جاری رہی، لطائف قدوسی میں کئی ایسے واقعات ملتے

(۱) لطائف قدوسی، ص ۶۳ - لطیفہ ۷۷ -

ہیں کہ جن سے پتا چلتا ہے کہ حضرت شیخ کے مریدوں نے ان لڑائیوں میں حصہ لیا، لیکن ہم طوالت کے اندیشے سے ان واقعات کو ترک کرتے ہیں۔ ہمایوں کو بھی حضرت شیخ سے نہایت عقیدت و محبت تھی۔ مراۃ الاسرار میں ابوالفضل نے تذکرۃ الاولیاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ: محمد ہمایوں بادشاہ، عام حقائق و معارف میں حضرت شیخ عبدالقدوس حنفی سے ملاقات رکھتا تھا، اس لیے کہ حضرت شیخ اس فن میں ممتاز تھے۔^۱

صاحب سیر المتاخرین نے حضرت شیخ سے ہمایوں کی عقیدت و محبت کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:

جنت اشیانی با بر خے کار آگہاں بزاوید او
(شیخ عبدالقدوس) در شدے وانجمن آگہی
گرمی پزیرفتے۔^۲

حضرت شیخ کا مسلک

وحدۃ الوجود:

تصوف میں مسئلہ وحدۃ الوجود کو خاص اہمیت حاصل ہے، نقشبندیہ سلسلے کے علاوہ اس برصغیر پاک و ہند میں تصوف کے جو سلسلے رائج تھے مثلاً سہروردیہ، چشتیہ، قادریہ ان تینوں سلسلوں کے متقدمین صوفیا پر وحدۃ الوجود کا رنگ غالب تھا۔ مولانا روم بھی وحدۃ الوجود کے قائل ہیں، سلسلہ چشتیہ کے دوسرے بزرگوں کی طرح حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی بھی وحدۃ الوجود کے قائل تھے، انہوں نے دسویں صدی ہجری میں

(۱) مقدمہ منتخب مکتوبات قدوسیہ از مولانا مشتاق احمد

انبہٹوی، ص ۶۔ (۲) سیر المتاخرین جلد اول۔ ذکر اولیائے ہند ص ۲۳۶۔ مطبوعہ

مطبع نو لکشور لکھنؤ۔

اس نظریے کی اشاعت میں غیر معمولی حصہ لیا، لیکن وہ وحدۃ الوجود کے نظریے کے اس حد تک قائل تھے، جس حد تک اسلام مانع نہیں ہے۔

لطائف قدوسی کے اکھترویں لطیفے میں ہے کہ: ایک دفعہ حضرت شیخ نے گنگوہ میں نماز فجر کے بعد جماعت کی طرف متوجہ ہو کر حالت سرمستی میں وحدۃ الوجود پر گفتگو فرمائی، آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ میں اور میرے بھائی شیخ حمید اور شیخ احمد اس مجلس میں حاضر تھے، میں نے آپ سے گزارش کی کہ مسئلہ وحدۃ الوجود، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہیں بھی منقول نہیں ہے، اور نہ شارع علیہ السلام نے دین کا مدار مسئلہ وحدۃ الوجود پر رکھا ہے، اور نہ اس کے متعلق کچھ بیان کیا ہے آج کل ہم لوگ جو اس مسئلے کو بیان کرتے ہیں، اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کے دن اس مسئلے پر اعتقاد ہمارے لیے نفرت کا باعث ہو، اور مواخذے کا سبب بنے۔ آپ نے میرے جواب میں فرمایا کہ اگرچہ یہ مسئلہ صراحت سے شریعت میں بیان نہیں کیا گیا، لیکن اشارۃ النص اور دلالت النص سے ہمیں اس کے متعلق بہت جگہ ملتا ہے، بلکہ بعض جگہ تو صراحت سے بھی ملتا ہے، لیکن اس کو علمائے ظاہر متشابہ کہتے ہیں، اور ظاہر کے مطابق تاویل کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ تبع تابعین کے عہد میں ظہور میں آیا۔ اور وہ بھی زمانہ خیر تھا، اس لیے کہ یہ بھی خیر القرون ثالث

(آ) اس سے اشارہ ہے اس حدیث شریف کی طرف جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر اس کے بعد جو آئے گا، پھر اس کے بعد جو آئے گا (مؤلف)

تھا۔ اور جنہوں نے اس مسئلے کو وجود بخشا، وہ اس دور کے مشائخ کے مردار، دین کے مقتدی اور مجتہدین وقت تھے، اور تمام علماء ظاہر، دین کے مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ہمیں ان کے قول و فعل پر اعتماد کرنا چاہیے، ہمیں اس کے علاوہ اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اگر یہ مسئلہ خلاف شریعت ہوتا تو حضرت امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام محمد و امام یوسف اور دوسرے ائمہ اہل سنت و جماعت جو دین کے بانی تھے، اور دوسرے مشائخ کبار اور موحّدین اس مسئلے پر ضرور قلم اٹھاتے، اور صراحت سے اس سے اختلاف کرتے، اگر یہ مسئلہ دین کے خلاف ہوتا اور باطل ہوتا تو علمائے اہل سنت پر لازم تھا کہ وہ اس کے متعلق سکوت اختیار نہ کرتے، اور اس کی تردید میں مشغول ہو جاتے، کیونکہ حق کے متعلق سکوت بکرنے والا گونگا شیطان ہے، ایسی طرح وہ اس کی بھی تردید کرتے، جیسا کہ انہوں نے معتزلہ، فلاسفہ اور دوسرے گمراہوں کی تردید کی ہے، پس جب ائمہ دین نے اس مسئلے میں سکوت اختیار کیا ہے، اور اس کا رد اور انکار نہیں کیا تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ یہ مسئلہ دین کے خلاف نہیں، کیونکہ بیان کے محل میں خاموشی خود بمنزل اقرار کے ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ اس مسئلے میں اختلاف ہے، بعض کثرت وجود کے قائل ہیں، جو کثرت وجود کے قائل ہیں، وہ علمائے ظاہر ہیں، اکثر زہاد، عابدین، اور مشائخ کبار اسی مسلک پر ہیں، اور بعض وحدۃ الوجود کے قائل ہیں، یہ بھی موحّد اور عارفان حقیقت وجود ہیں، اور ان میں بھی جلیل القدر علماء، مقتدائے دین اور مجتہدان وقت ہیں، اور اہل حق کا کشف بھی اس کے حق پونے پر شاید ہے، پس یہ مسئلہ مختلف فیہ تو ہے لیکن مخالف دین نہیں، اور نہ بندے کے لیے آخرت میں مضر ہے، ماحصل یہ ہے کہ مسئلہ وحدۃ الوجود اسرار الہی میں سے ہے،

اور ایک ایسی حقیقت ہے ، جس کا تعلق باطنی سر بلندیوں سے ہے اور ہر آدمی اور ہر مرتبے کے لائق و سزاوار نہیں ، اسی لیے اسرار ربوبیت کے افشا کو کفر کہا گیا ہے ، حق یہ ہے کہ جب بھی کوئی منصور حلاج کی طرح انا الحق کا نعرہ لگائے گا ، اسی طرح دار پر جائے گا ۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مسائل کی نوعیت مختلف ہے ، معذور کا مسئلہ علیحدہ ہے ، تندرست کا مسئلہ علیحدہ ہے ، اسی طرح مسئلہ شریعت الگ ہے ، مسئلہ طریقت الگ ہے اور مسئلہ حقیقت الگ ہے ، اسی لیے کلمہ طیبہ کے مفہوم و مطالب میں لا معبود الا اللہ مسئلہ شریعت ہے ، لا مقصود الا اللہ مسئلہ طریقت ہے ، لا موجود الا اللہ مسئلہ حقیقت ہے ۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مسئلہ وحدۃ الوجود میں محققین کے اختلاف کی بنیاد ایک دوسرے ہی اختلاف پر مبنی ہے ۔ ایک فرقہ جو کثرت وجود کا قائل ہے ذات حق سبحانہ و تعالیٰ کو کہ واجب الوجود ہے ساورا الوجود کہتا ہے ، جس کو ہماری عقل ادراک نہیں کر سکتی ، وہ وجود کو صفت لازمی مقتضا اس ذات کا قرار دیتا ہے کہ وجود اس ذات سے ازلا و ابداً جدا نہیں ہوتا ، اور جو لوگ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں وہ ذات حق سبحانہ و تعالیٰ کو عین وجود مطلق قرار دیتے ہیں ، اس لیے کہ موجودیت میں اعلیٰ مرتبہ وجود مطلق ہے ، اور وہی واجب الوجود ہے ، غرض کہ ہر فریق کے پاس متعدد براہین و دلائل ہیں جنہیں اپنے موقع پر سمجھا جا سکتا ہے ۔

شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ میں نے اور میرے برادر محترم شیخ حمید اور شیخ احمد نے اس روز حضرت شیخ سے اس مسئلے پر اس قدر طویل گفتگو کی کہ صبح سے لے کر دوپہر کا وقت ہو گیا ۔

جب یہ مجلس برخاست ہوئی تو حضرت شیخ کو خیال

گزرا کہ ابھی یہ لڑکے علم معرفت میں ناقص ہیں ، اور مسئلہ وحدۃ الوجود کے منکر ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ میں اب ان لڑکوں کے ساتھ نہیں رہوں گا کہ ان کا مسلک و مشرب اور سیرا مسلک و مشرب جدا جدا ہیں ۔ پھر میں اور یہ کیسے اکھٹے رہ سکتے ہیں ، یہ کہہ کر آپ عالم جذب و سرمستی میں اٹھ کر روانہ ہو گئے ، آپ کی یہ کیفیت تھی کہ کسی کو کچھ کہنے سننے کی جرات نہ تھی ، تقریباً نصف کوس تک پیدل گئے ، پھر لوگوں نے آپ کے سامنے گھوڑا پیش کیا ، چنانچہ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر قصبہ تھانیسری کی طرف روانہ ہوئے ، پھر آپ اپنے فرمایا کہ میں تھانیسری جا کر شیخ جلال تھانیسری سے بھی پوچھتا ہوں کہ وہ اس مسئلے میں کیا مذہب و مشرب رکھتا ہے ، اگر وہ ہمارے مذہب و مسلک پر اعتماد نہیں رکھتا تو میں اس سے بھی قطع تعلق کر لوں گا ۔ مختصر یہ کہ اسی جوش و سرمستی میں آپ قصبہ لکھنوتی سے بھی آگے بڑھ گئے ، اور آپ کے پیچھے

(۱) شیخ جلال تھانیسری : حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید اور جلیل القدر خلائف میں تھے ، یہ سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہریہ کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہو گئے ، پھر علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے ، اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا ، علم و فضل کے اعتبار سے بھی وہ عہد اکبری کے اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے ، اکبر ان کی بے حد تعظیم کرتا تھا ، صاحب تالیف و تصنیف تھے تحقیق اراضی الہند اور ارشاد الطالبین شیخ جلال کی تصانیف ہیں ، شیخ جلال نے ۱۰۱۱ ذی الحجہ ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) کو وفات پائی ۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد اول ، ص ۹۳۹ - رود کوثر ،

شفیۃ الاولیاء ص ۹۶)

تمام فرزندان ، مریدین اور قصبہ گنگوہ کے تمام لوگ چلے جا رہے تھے ، کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ کے سامنے دم مار سکے ، جب دریائے جمنا قریب آیا تو ہم نے چپکے سے ملاحوں سے کہلا بھیجا کہ وہ کشتیوں کو گھاٹ کے قریب نہ لائیں ، شاید اسی تدبیر سے آپ گنگوہ واپس لوٹ چلیں ، لیکن ہماری یہ تدبیر بھی نہ چل سکی ، آخر اسیر شاہ اسلام نے جو شہنشاہ ہمایوں کی طرف سے اس وقت گنگوہ کا داروغہ مقرر تھا ۔ جرات کر کے آپ کے گھوڑے کے پاؤں پکڑ کر عرض کیا کہ جب بادشاہ سلامت کو اس کی خبر ہوگی کہ آپ گنگوہ سے تشریف لے گئے ، تو انہیں ضرور اس کا خیال ہوگا کہ ہمارے داروغہ نے شاید آپ کے ساتھ کوئی گستاخی کی ہے ، اس وقت حضرت بادشاہ سلامت مجھ کو قتل کرا دیں گے ، جب یہ نوبت آنے والی ہی ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس جگہ خود آپ اپنے ہاتھوں سے ہی مجھے مار ڈالیں ، حضرت شیخ کا جوش اس وقت کچھ کم ہو چکا تھا ، اسیر شاہ اسلام نے آپ کے گھوڑے کی باگی پکڑی ، اور آپ کو واپس گنگوہ لے کر آیا ۔ آپ کی ہم فرزندوں پر عتاب کی یہ کیفیت تھی کہ آپ نے ہم کو چھوڑ دیا تھا ، اور ہمارے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے ، فرمایا کرتے تھے کہ یہ لڑکے دوسرا ہی مشرب و مسلک رکھتے ہیں ، سیری نماز ان کے پیچھے کیسے درست ہو سکتی ہے ۔ یہاں تک کہ آپ کے خلیفہ حضرت جلال تھانیسری اس خبر کو سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنی چاہی ، حضرت شیخ نے ڈانٹ کر کہا خبردار! وہیں رہو ، پہلے یہ بتاؤ کہ تم مسئلہ وحدۃ الوجود میں کیا مسلک رکھتے ہو؟ شیخ جلال نے پہلے وہ آیتیں تلاوت کیں جو وحدۃ الوجود کی طرف اشارہ کرتی ہیں ، پھر اس کی تائید میں شائخ کرام کے بہت سے اقوال بیان کیے ، حضرت شیخ نے انہیں سینے سے لگا لیا ، اور بہت دیر تک عشق اور توحید کے متعلق

تقریر فرماتے رہے، اس وقت میرے بھائی شیخ علی نے بھی وحدۃ الوجود کے متعلق کچھ اشعار پڑھے۔ ساری محفل پر اس وقت عجیب و غریب کیفیت طاری تھی، شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ مجھ پر اور شیخ حمید اور شیخ احمد پر اس واقعہ کے دو تین دن کے بعد تک حضرت شیخ کی خفگی رہی، دو تین روز کے بعد آپ نہایت شفقت سے ہم سے بغل گیر ہوئے، اور بے انتہا نوازش فرمائی، اس کے بعد میں نے اور میرے بھائی شیخ حمید اور شیخ احمد نے وحدۃ الوجود کی تائید میں رسالے لکھے۔^۱

حضرت شیخ عبد القدوس^۲ کو باوجود اس کے کہ آپ غیر معمولی طور پر متبع شریعت تھے، اس شورش و سرمستی کی وجہ سے جو ہر وقت آپ پر طاری رہتی تھی، سماع سے غیر معمولی رغبت تھی، لیکن سماع سے اس رغبت کے باوجود آپ نے اس مسئلے کو شرعی نقطہ^۳ نظر سے کبھی جواز کا رنگ نہیں دیا، بلکہ جب کبھی بھی یہ مسئلہ شرعی نقطہ^۴ نظر سے آپ کے سامنے رکھا گیا، ہمیشہ آپ نے شریعت کے حکم کو اپنے عمل پر ترجیح دی، اور اپنے سماع سننے کے عمل کو ایک مجبور و معذور کا عمل بتایا۔

سماع کے جواز و عدم جواز میں علما^۵ اور مشائخ کا ابتدا ہی سے اختلاف چلا آرہا ہے، بعض علما^۶ نے اس کو بالصراحت حرام قرار دیا ہے، بعض محتاط بزرگوں نے اس مسئلے میں نہ انکاری کہیں نہ این کاری کہیں کی راہ اختیار کی ہے، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سلسلہ چشتیہ کے شیوخ، سماع کو روحانی غذا قرار دیتے ہیں، لیکن اس کے آداب مقرر کر کے اس کی

(۱) یہ تمام تفصیل لطائف قدوسی، ص ۵۸-۶۰ لطیفہ ۷۱ سے
مناخوذ ہے

(۲) حضرت شیخ عبد القدوس دہلوی، صاحب کتاب "الدرر النجی" ص ۱۰۰

پابندی ضروری قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے سماع کے لیے یہ چار شرطیں لازمی قرار دی تھیں۔

(۱) سَمِع (گانے والا) مرد کامل ہو، لڑکا یا عورت نہ ہو۔

(۲) سَمِيع (سننے والا) یادِ حق سے غافل نہ ہو۔

(۳) سَمِيع یعنی جو چیز گائی جائے وہ فحش نہ ہو۔

(۴) آلاتِ سماع یعنی مزا سیر موجود نہ ہوں۔

مشائخِ چشت کا خیال تھا کہ اگر ان چار چیزوں میں سے ایک چیز بھی موجود نہ ہو تو سماع حرام ہے۔

شیخ عبد الرحمن شاہ آبادی نے ایک مرتبہ سماع سننے کے بعد اپنی کیفیت حضرت شیخ کو لکھی آپ نے اس کے جواب میں ایک خط ان کو لکھا کہ اس خط سے سماع کے متعلق آپ کا مسلک اور آپ کا ذوق اور سماع کا اصل مقصد سامنے آتا ہے آپ نے ان کو تحریر فرمایا کہ:

شیخ الإسلام برادرہ شیخ عبد الرحمن دام عرفانہ
فی الذوق و الشوق!

از فقیر حقیر عبد القدوس اسماعیل الحنفی بد آنچہ شوق
سبحانی و ذوق ربانی در وقتِ سماع کہ ذوقِ عارفان
در آنست، و شوقِ عاشقان بر آنست، دستِ می دہد و
روزی می شود، غنیمتِ می دانند، و سعادتِ ابدی
خوانند، حضورِ مجلسِ سماعِ عارفان برائے سعادتِ این
دولت است، ہر کہ را است مبارک باد اجتماعِ دوستانِ
خدائے تعالیٰ و حضورِ ایشان در مجلسِ سماع
از جہتِ طمعِ این دولت است، تا از برکتِ مجلسِ سماع

دلہائے مردان بے چارہ مفلسے را ذوقی رو بنماید
و شوقے دست دید
(ترجمہ)

شیخ الاسلام برادریم شیخ عبد الرحمن دام عرفانہ
فی الذوق و الشوق!

فقیر حقیر عبد القدوس اسماعیل الحنفی کی جانب سے
معلوم ہونا چاہیے کہ سماع کے وقت میں عارفوں کا
ذوق اور عاشقوں کا شوق اس میں ہے اگر یہ ذوق
اور شوق حاصل ہو، اور انسان کا مقدر ہو تو اسے
غنیمت جانو، سعادت ابدی تصور کرو، عارفین کا
مجلس سماع میں حاضر ہونا اسی دولت کے حصول
کی سعادت کے حاصل کرنے کے لیے ہے، جس کسی
کو یہ نعمت حاصل ہو، قابلِ مبارکباد ہے۔ خدائے تعالیٰ
کے دوستوں کا اجتماع اور ان کی مجلس سماع
میں حاضری اسی دولت کے حاصل کرنے کی طمع میں
ہے، تاکہ مجلس سماع کی برکت سے ان مفلس اور
بے چارہ مردوں کو بھی ذوق کی نعمت حاصل ہو۔
اور شوق کی دولت سے مالا مال ہوں

پھر اسی خط میں طالب سماع کو کامل اتباع شریعت کی
طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا کہ:

ومع ذلك ايشان ابو الوقت نیز اند، تا در صفت وقت
خود اقامت شرع کرده اند، و نماز با اوقات گزارده اند،
و جمیع و جماعت ترک نکردہ اند، کہ ہرچہ یافتہ
اند، از دولت اقامت شرع یافتہ اند، و پھر دولت
کہ داشتند از دولت اقامت شرع داشتند، و چندان

نباید افتاد کہ از وقت بیفتد ، و قساوت روئے آرد کہ
شیطان را در آن دخل بود ، و بعضی مبتدیان را این
واقعہ پیش می آید و العیاذ باللہ

(ترجمہ)

اور اسی کے ساتھ صوفی ابو الوقت بھی ہوتے ہیں (یعنی
وقت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں) وہ اپنے اوقات
میں اقامت شرع کرتے ہیں ، اور نماز پابندی وقت
کے ساتھ ادا کرتے ہیں ، اور جمعہ اور جماعت کو
ترک نہیں کرتے ، کیوں کہ انہوں نے جو کچھ
حاصل کیا ہے ، وہ شرع کی دولت کے قائم رکھنے سے
پایا ہے ، اور وہ جو کچھ بھی دولت رکھتے ہیں ،
وہ دولت شرع کے قائم رکھنے کی وجہ سے رکھتے
ہیں ، اور آدمی کو اتنا نہ گرنا چاہیے کہ وقت
کے تقاضوں کو بھول جائے ، اور اس میں قساوت پیدا
ہو جائے کہ جس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے ، یہ
واقعہ بعض مبتدیوں کو پیش آتا ہے ۔ و العیاذ
باللہ ۔

”رشد نامے میں حضرت شیخ نے ایک دوہے کی توضیح فرماتے
لکھا کہ:

سماع، اسرار الہی کو تیرے قلب سے باہر لانے والا
اور سماع کے بارے میں شریعت کا فتویٰ یہ
وہ اس کے اہل کے لیے جائز ہے ، اور نا اہل
حرام ہے ۔ اہل سماع اس شخص کو

منتخب مکتوبات قدوسیہ، از مولانا مشتاق

۳۹ ، ص ۱۱۰-۱۱۱

کہ کوئی آواز پیام یار کی سوا نہ سنے ، اور سوائے جمال دوست کے اور کوئی جمال نہ دیکھے ۔

تمام مسائل میں حضرت شیخ مسلک اہل سنت و الجماعت کے سختی سے پابند تھے ، اور فقہ حنفی کی پیروی کرتے تھے ۔

شیخ محمد سودود خراسانی کو ایک خط میں علمائے سوء کی بد کرداریوں اور بد اعمالیوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا کہ :

عزیز من ! کار آسان است ، چنان کہ امروز پدید آمدہ است ، علم را وسیلت دنیا کردہ اند ، و قصائیف و قصائد بر اہل دنیا می پردازند ، و از ایشان طلب دنیا و طمع دنیا می دارند ، و این طائفہ نزد اہل حق ، دشمن حق تعالی اند ۔

مشتبہات میں حضرت شیخ کا مسلک یہ تھا کہ آپ ان چیزوں سے احتراز کرتے تھے ، جو شرعی حیثیت سے ذرا بھی مشتبہ ہوئی تھیں ۔ لطائف قدوسی میں ہے کہ حضرت شیخ ہر قسم کی عبادت میں کمی نہ کرتے تھے ، خواہ وہ نماز ہو یا روزہ یا ذکر الہی ہو یا زہد و تقویٰ ہو یا توکل آپ نے ابتدائی حالات ہی میں تمام انواع عبادت کو انتہا پر پہنچا دیا تھا ، آپ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ غیر نمازی قصاب کے ذبح کیے ہوئے بکرے کا گوشت نہ کھاتے تھے ، ایک قصاب آپ کا مرید تھا ، آپ نے ذبیحے کے تمام شرعی احکام اس کو سکھائے تھے ، اور اس کی تربیت کی تھی ، جب وہ ذبح کرتا تھا تو

(۱) رشد نامہ قلمی (تالیف حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی ، مملوکہ صوفی بشیر احمد قدوسی سجادہ نشین درگاہ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی ، مقیم کراچی ۔

کبھی کبھی وہ گوشت کھاتے تھے۔ شہر کے کنوؤں کا پانی استعمال نہ کرتے تھے، بلکہ شہر سے باہر ایک بڑا حوض تھا، جس سے آپ کے لیے پانی لایا جاتا تھا، اسی طرح ہر قسم کے کھانے اور کپڑے میں بھی آپ انتہا درجے کی شرعی احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔^۱

ایک دفعہ پکی ہوئی مرغیاں آپ کے سامنے لائی گئیں، آپ نے اس میں سے ایک لقمہ اٹھایا پھر وہیں رکھ دیا، اور فرمایا کہ انہیں میرے سامنے سے اٹھا لو، حضرت شیخ رکن الدین نے عرض کیا کیوں؟ آپ نے فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرغیاں صحیح طریقے پر ذبح نہیں ہوئیں، جب معلوم کیا گیا تو حضرت شیخ کی بات صحیح نکلی۔^۲

حضرت شیخ کی تعلیمات

رشد و ہدایت اور مریدوں کی تربیت :

حضرت شیخ کی پوری زندگی کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ آپ نے حد متبع شریعت تھے، یہاں تک کہ وجد و حال اور عالمِ مرمستی میں بھی آپ احکام شریعت کو پیش نظر رکھتے تھے۔

حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ حضرت شیخ اتباع سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع شرع محمدی میں اس قدر راسخ تھے کہ شریعت سے ذرہ بھر تجاوز ظاہر و باطن میں نہ کرتے تھے، نہ اس کو اپنے لیے پسند فرماتے تھے، نہ دوسروں کے لیے، اگر کسی کی کوئی بات خلاف شریعت دیکھتے تو اس سے بیزار اور براہ

(۱) لطائف قدوسی، لطیفہ ۲۰ ص ۱۵

(۲) لطائف قدوسی، لطیفہ ۶۶ ص ۵۰

کا اظہار فرماتے ، اور ایسے شخص کو اپنے قریب نہ آنے دیتے تھے۔ اگرچہ آپ کا تعلق مختلف خیال جماعتوں سے تھا ، لیکن آپ پر ان کا کوئی خیال اثر انداز نہ ہوتا تھا ، البتہ وہ لوگ آپ کی ملاقات سے صراطِ مستقیم کو پا لیتے تھے ۔

اتباعِ شریعت ، حضرت شیخ کی تعلیمات کی روح تھا ، وہ روحانی ترقی کے لیے اتباعِ شریعت کو ضروری قرار دیتے تھے ، آپ کے اصلاح و تربیت کے اصول قرآنی تعلیمات اور اتباعِ شریعت پر مبنی تھے ، اور انہیں اصولوں کے تحت آپ اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت فرماتے تھے ۔ آپ کا ذہن فکر کے نئے نئے راستے تلاش کرتا تھا ، اور اس طرح آپ اپنے فکر کے ذریعہ شریعت کو آگے بڑھاتے اور پھیلاتے تھے ، آپ کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ انسان اور انسانیت روحانی سطح پر ترقی کریں ، اور معاشرے کی وہ تمام خرابیاں دور ہوں جو اسے گھن کی طرح کھائے جا رہی ہیں ۔

آپ نے اپنے مریدوں اور اپنے عہد کے سلاطین اور ان کے امراء اور اپنے معتقدین کے نام جو خطوط لکھے ہیں ، وہ آپ کے رشد و ہدایت کے کارناموں اور مریدوں کی اصلاح و تربیت کے آئینہ دار ہیں ، حقیقت یہ ہے کہ آپ سلسلہٴ چشتیہ صابریہ کے مجدد تھے ، اور آپ نے اپنے عہد میں اس سلسلے کو حیات نو بخشی تھی ۔ خود آپ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ :
من این سلسلہ را رنگے دیگر بخشیدہ ام ۔
(ترجمہ) میں نے اس سلسلے (چشتیہ صابریہ) کو دوسرا ہی

رنگ بخشا ہے

(۱) مقدمہ منتخب مکتوبات قدوسیہ از مولانا مشتاق احمد انبہٹوی ،
ص ۵ بحوالہ اقتباس الانوار ۔

حضرت شیخ جلال تہانیری جو آپ کے عظیم المرتبت
خلفاء میں ہیں، انہیں ایک خط میں شب بیداری اور عبادت شب
کی نصیحت کرتے ہوئے لکھا کہ:

عزیز من! از دولت بیداری شب عاشقان و صادقان
و مخلصان دست بدامن معشوق زدند و بمقصود
مطلق رسیدند، و بوصول پیوستند، و واصل حق گشتند
و ہرچہ یافتند و ہر کمال و جمال کہ داشتند از دولت
بیداری شب داشتند۔
(ترجمہ)

عزیز من! دولت بیداری شب کی بدولت ہی عاشقوں،
صادقوں اور مخلصوں نے دامن معشوق تک رسائی حاصل
کی ہے، اور مقصود تک پہنچے ہیں، اور واصل حق
ہوئے ہیں، اور جو کچھ بھی پایا ہے، اور جو کمال
و جمال وہ رکھتے تھے، دولت بیداری شب ہی کی وجہ
سے رکھتے تھے۔

ریاکار صوفیوں اور خام درویشوں پر قاسف :

پندرہویں صدی عیسوی میں اس بزرگ صغیر پاک و ہند کے
صوفیائے خام طرح طرح کی گمراہیوں کا شکار تھے، اور ان کی
گمراہی کے اثرات مختلف طور پر ظاہر ہو رہے تھے، یہاں صورت حالات
حضرت شیخ کو سخت ناگوار تھی، صوفیائے خام اپنے ہیٹ
کی خاطر غیر اسلامی فکر و کردار کو دین سے ہیٹ کر اپنائے ہوئے
تھے۔ ان حالات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے اپنے ایک مرید شیخ
عبد الرحمن کو لکھتے ہیں :

(۲)

متبعی۔ امروز از بد روز ماست پیری و مرگدلی از کجا آید
بعد از بخت پرستی و خود پرستی نیست و العیاذ من ذالک۔

پھر اسی خط میں آخر میں شیخ عبد الرحمن کو
نصیحت کرتے ہوئے لکھا کہ: امروز درویشی بلمعہ
فروشی است، ما مدبران را خدائے تعالیٰ ازین درویشی
و دین فروشی توبہ دید، اول بارے مسلمانان درست
کنیم و بعدہ درویشی۔

شیخ احمد مٹھن سدھوری کو ان کے ایک خط کے جواب
میں صوفیائے حق پرست کے فقدان اور صالح علماء کی کمیابی پر
اظہارِ تاسف کرتے ہوئے لکھا کہ:

و این خود امروز واقعہ است کہ ایشان امروز ناپید
شدہ اند۔

اپنے دور کے علماء کی علمی سطحیت پر اظہارِ افسوس کرتے
ہوئے تحریر فرمایا کہ:

و این ہم روزگار ما مدبران است کہ چند ورق کتاب
خوانند و ترجمہ داند و زبان بچنباوند و خود را عالم
سی داند و خوانند و اہل کمال و حال داند۔

جہالت است نہ علم۔
یہ دیکھ کر کہ علمائے سوء علم کو حصولِ دولت کی ذریعہ
بنائے ہوئے ہیں، اور منصب و جاہ کی خاطر دین کی خدمت سے
مستأثر ہو کر اپنے علم کو امراء کے قصائد اور اپنی تصانیف کو ان کی

- (۱) منتخب مکتوبات قدوسیہ، مکتوب ہمزدہم، در جواب شیخ
عبد الرحمن، ص ۵۵۔
(۲) ایضاً، ص ۱۱۱۔ مکتوب ہمزدہم، مکتوب ہمزدہم، ص ۱۱۱۔
(۳) ایضاً، ص ۶۱۔

مدح میں رنگ رہے ہیں ، اپنے ایک خط میں شیخ مودود کو اس صورت حال پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

ایں فقیر سرگردان روزگار است ، پیچ تحصیل ندارد ، و عمر درینابان و خرابہ گزرا نید ، و بچہل آخر شد ، کار این مدبر بر این گونہ است :

سودہ گشت از سجدہ راہ بتان پیشانیم
چند خود را تہمت دینِ مسلمانی نہیم

ما مدبران را جز غم شکم و روزی نیست و پیچ بہ روزی نیست
نیست دنیا را دینِ خود ساختہ ایم ، و قبلہ خود داشتہ
ایم دین کجا و اسلام کجا ، حال و مقام کرا ،
علم و عمل چہ باشد - بیت -

چوں ز دل دنیات دور افکنده نیست
جائے تو جز دوزخ سوزندہ نیست

چنانکہ اسروز پدید آمدہ است ، علم را و میلّت دنیا کردہ
اند ، و تصانیف و قصائد برائے اہل دنیا و طمع دنیا
دارند ، این طائفہ نزد اہل حق دشمنان حق تعالی اند۔

شاہان اسلام کے اوصاف :

اندازاً حضرت شیخ ، بہلول لودھی کے عہد میں پیدا ہوئے ،
اور انہوں نے ہمایوں کے عہد میں وفات پائی تھی ، حضرت شیخ نے
حسب ذیل بادشاہوں کا زمانہ دیکھا تھا ، اور حالات کا بغور مطالعہ
کیا تھا ۔

(۱) منتخب مکتوبات قدوسیہ - مکتوب می و یکم در جواب محمد

مودود ، ص ۹۳

(۱) بہلول لودھی (۲) سکندر لودھی (۳) ابراہیم لودھی (۴) یابر (۵) ہمایوں :-

ابتداءً انگریزوں کی تحریک، شیخ نے سیاست میں حصہ نہیں لیا، اور سلاطین اور ارباب حکومت سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہیں کیا، لیکن بعد میں آپ نے سیاست میں حصہ لیا، پاک و ہند کی تاریخ میں یہ بات ہمیشہ یاد رہے گی کہ آپ نے لودھیوں کے دور میں لودھی فرمانرواؤں اور ان کے آسرا کو اور مغل دور میں مغل فرمانرواؤں اور ان کے آسرا کو امتلاسی نقطہ نظر سے ان کے فرائض اور پابندیوں سے آگاہ کیا، اور انہیں اعلیٰ کلمہ الحق، اتباع سنت، ترویج شریعت، عدل و انصاف اور احترام علماء کی طرف توجہ دلائی۔

میر محمد مودود کو ان کے ایک استفسار اور خط کے جواب میں آپ نے امتلاسی نقطہ نظر سے امتلاسی حکومت کے سربراہوں، فرمانرواؤں اور آسرا کو کن اوصاف سے متصف ہونا چاہیے تحریر کیا کہ :

بدانکہ چون مقرر است کہ ”الناس علی دین ملوکہم“ پس ملوکان و عاملان اسلام را شاید و باید کہ در احکام شرائع احتیاط تمام کنند، تا ہر خاص و عام در شرائع اقدام نمایند، و بشرائع آراستہ و پیراستہ گردند، و اسلام رونق گیرد، و علماء و صلحاء عزت پذیرند۔

(ترجمہ)

تمہیں جانتا چاہیے کہ جب یہ اصول مقرر ہے کہ ”الناس علی دین ملوکہم“ (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) پس بادشاہوں اور ان کے عاملوں کو چاہیے کہ وہ احکام شرع کے ادا کرنے میں پوری پوری

(۱) منتخب مکتوبات قدوسیہ مکتوبات شی و یکم در جواب محمد

مودود، ص ۹۲ - ۹۳

احتیاط کریں ، تاکہ ان کو دیکھ کر عوام و خواص
بھی شریعت کے پابند ہوں ، اور لوگ شریعت سے
آرامتہ و پیراستہ ہوں ، اور اس طرح اسلام رونق اختیار
کرتے اور علماء اور صلحا کی عزت ہو ۔
سکندر لودھی کے نام ایک خط :

مکتوبات قدوسیہ میں ہمیں آپ کا ایک خط سکندر لودھی کے
نام ملتا ہے ، آپ نے احیاء شریعت و سنت کے لیے اس کی دینی حمیت
کو متحرک کرتے ہوئے غم خواری نخلق ، ائمہ و علماء کی معاونت ،
عدل و انصاف کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا کہ :

شغل ہمایوں جہانداری اعلیٰ و اشرف اشتغال و اعمال
است و جامع اشغال و اعمال بہر طائفہ از اولیاء و اتقیا
علماء و صلحاء و مبارزان راہ دین و مجاہدان درگاہ یقین
عدل است کہ عدل ایک ساعت اور بہتر و فاضل تر
از عبادت شصت سال ۔

پھر اسی خط میں ائمہ و علماء کی اعانت و غم خواری کی
طرف توجہ دلاتے ہوئے اسے لکھا کہ :

در بیان عالم طائفہ ائمہ و علماء ضعفا است ۔ باید کہ
در عہد ہمایوں روزگار ادر دولت جہانیاں جہاندار
چنان رونق و عز یابند کہ از ہر عہدے و اقلیمہ پر فعت
شایند ۔ چنان کہ ہمہ مفسدان و فاجران از خوف تیغ
آبدار و از جلال سلطنت جہاندار در ظلمت شب دیجور
عدم خزیدہ و ناپدید شدہ آند ، پس اگر معاذ اللہ
ایشان تیمارداری و غم خواری ضعفا و صلحاء و مشائخ
از مقام سہربانی و کامرانی نکنند ، از ایشان غافل و عاطل
نشوند دہان از دیار برآید ۔

پھر آسے اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم انما تنصرون
وترزقون بضعفائکم (تم اپنے ضعف کی وجہ سے مدد کیے جاتے اور
اور رزق دیے جاتے ہو) توجہ دلاتے ہوئے لکھا کہ یہ حدیث
ازیں جا مقرر گشت کہ درجہ اعلیٰ مردم بدو کار منوط
است، و دوات دوجہانی و سعادت جاودانی ہم بدان
مربوط۔ یکے خدمت خداوند جل و علی بصدق و اخلاص
کردن، دوم خدمت خلق بجد و طاقت نمودن۔ کہ
التعظیم لامر اللہ والشفقة علی خلق اللہ لمخصوص طائفتان
مومنان لاسیما زمرہ صلحاء و علماء و کما خفیض جناحک
لمن تبعک من المؤمنین، چنانکہ در خبر آمدہ است،
”قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آلہ الطیبین،
خصمتان لیس فوقہما شیء“ من الخیر الایمان باللہ والنفع
لعباد اللہ، واجتماع این دولت ابر کمال درہ سلطان
است کہ نفع و شفقت او بہمد جہان امت۔ ما احسن الذین
والدنیا اذا اجتماع بیان آنست، وداین بتمت بلند
آید، تاہم بدان از ہم بلند برآید کہ آن را فتوہ
خوانند۔ والید العلیا خیر من بد السفلی۔ بیت
میں کہ صاحب ہمت آمد مرد شد
بلند از خورد شد
پس ہمت بلند باید، دارم و دینار جاہ و جلال تبار فقرا
و صلحاء شاید کہ در خدمت محبت ایشان آئیں سعادت
مشاعدت نماید۔ من احب العلم والعلماء لم یکن
خطیئۃ ایام حیاتہ، و خود آئیں جا جلوہ گری مت
یا داؤد اذار ایت طالبا لی فکن لہ خادما۔
۱۔ یہ مکتوب ”مکاتیب قدوسیدہ“ ص ۱۰۰ سے ماخوذ ہیں۔

لودھی آسرا کے نام مکاتیب :

طبقات اکبری میں ہے کہ سکندر لودھی کے ترین آسراء تھے ، ان امراء میں سے جن کے نام آپ کے خطوط ملتے ہیں ان میں ہیبت خان^۱ ، سعید خان^۲ ، شروانی^۳ ، خواص خان^۴ ، ابراہیم خان^۵ شروانی^۶ اور دلاور خان شامل ہیں ، ان خطوط میں آپ نے ان کے دینی شعور کو بیدار کیا ہے ، اور انہیں احیاء شریعت اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے ۔

(۱) ہیبت خان : بن عمر خان شروانی ، ” ہمایوں اول “ کے لقب سے ملقب تھا ، سکندر لودھی کی وفات کے بعد ابراہیم لودھی نے اس پر اور اس کے بیٹے عیسیٰ خان پر بہت عنایتیں اور مہربانیاں کیں ، لیکن جب ابراہیم لودھی اور اس کے بھائی جلال خان گوالیار کی طرف بھاگے تو یہ ان کے تعاقب کے لیے مقرر کیا گیا ، لیکن ہیبت خان کی گرفتاری میں ناکام ہو گیا ، سلطان ابراہیم لودھی نے اسے آگرے کے قید خانے میں ڈلوادیا ، اسی قید کی حالت میں اس نے ۹۳۲ھ (۱۵۲۵ء) میں وفات پائی ۔

(۲) سعید خان شروانی : مسند عالی عیسیٰ خان کا داماد تھا ، سکندر لودھی کے عہد میں لاہور کا ناظم مقرر ہوا ، ۹۵۲ھ (۱۵۴۵ء) میں کالنجر کی مہم میں شریک تھا (شروانی نامہ ، ص ۳۸-۱۰۱)

(۳) خواص خان : خواص خان کے متعلق صولت شیر شاہی ص ۵۲ کے ذیلی حاشیے میں بحوالہ فرشتہ ہے کہ خواص خان در شجاعت رستم زماں و در سخاوت حاتم دوران بود ، اہل ہند (بقید حاشیہ صفحہ ۴۲۳)

بابر کے نام ایک خط :

۵۹۳۲ (۱۵۲۶ء) جب بابر نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر اس برصغیر پاک و ہند میں مغل حکومت کی بنیاد رکھی تو حضرت شیخ نے اس کو نظام اسلامی کے قیام، شریعت اسلامیہ کی ترویج، عدل و انصاف اور حکومت کے نظام کو خلافت راشدہ کے نظام کے سانچے میں ڈھالنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا کہ وہ شہروں کو شریعت محمدیہ کے جمال و عدل سے آراستہ کرے، زکوٰۃ کے علاوہ جو بھی ٹیکس بقرار کیے جائیں وہ شریعت اسلامیہ کے مطابق ہونے چاہیں، ملک کے علماء، ائمہ اور ضعیفہ کو اتنی عزت دینی چاہیے کہ وہ پیر زمانے میں (اور) پیر ملک میں عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھے جائیں اور وہ اطمینان اور آرام سے زندگی بسر کر سکیں اور ان سے محبت رکھیں، حکومت کے عہدوں پر اسبق و مستدین لوگوں کو متعین کرے، اور وہ خود بھی اسلام کا پابند ہو، اور نماز باجماعت ادا کرے، ایسا کہ دین و کمال کو پہنچے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اور از جملہ اہل اللہ شمارند، و اورا خواص خاں ولی می گویند۔
شیرشاہ سوری کے زمانے میں وہ بیحد مقبول تھا، اور شیرشاہ اس کی بے حد عزت کرتا، لیکن سلیم شاہ اپنے عہد میں اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور اثر کو دیکھ کر اس سے خوف زدہ ہوا،
آخر تاج خاں حاکم سبھل نے سلیم شاہ کے اشارے پر اسے اپنا مہمان بنا کر قتل کر دیا، لاش دیہی لائی گئی۔ (حاشیہ)
شیخ عبد القدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات، بتالیف اعجاز الحق
قدوسی، ص ۳۴۳-۳۴۵) (۳۴۵-۳۴۳)

(۳) دابراہیم خاں شروانی: خان اعظم عمر خاں شروانی کا بڑا لڑکا
(شروانی نامہ، ص ۳۶)

حضرت شیخ کا یہ خط بہت طویل ہے ، ہم آس کے ضروری اقتباس ذیل میں درج کرتے ہیں ، جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ حضرت شیخ اس برصغیر پاک و ہند میں نظام اسلام کے قیام کے لیے کس درجہ کوشاں تھے ۔

اس خط میں تیمارداری فقرا و ضعفاء ، علما ، صلحاء ، مشائخ و مساکین کی طرف توجہ دلاتے ہوئے بابر کو لکھا کہ :

پس اگر معاذ اللہ ایشاں از تیمارداری و غم خواری فقراء و ضعفاء و علماء و مشائخ و مساکین غفلت و عطالت نمایند دمار از دیار برآید ۔

پھر اسی خط میں آگے چل کر آسے عدل و انصاف اور ترویج دین کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا کہ :

باید و سزد کہ برائے شکر نعمت منعم سایہ عدل بر عالمیان چنان کشند کہ پیچ کس بر پیچ کس ظلم نکند ، و ہمہ خلق و ہمہ سپاہ بہ او اسر و نواہی شرع مستقیم و مستدیم بوند ، نماز بجماعت بگذارند ، و علم و علماء را دوست دارند ، و در بازار ہر شہرے محتسبان بگردند ، تا شہر و بازار بہ جمال عدل شرع محمدی^۴ بیارایند ، و روشن و سنور گردانند ۔

چنانکہ در عہد سلف و خلفاء راشدین^۵ با جمیع شرائط بے شبہ بود ، ہم چنان در عہد ہمایوں روزگار و سلطان جہاں دار بے شبہ ادا شود ، و دین بکمال رسد ، و بروئے این عہد جمال عہد خیر القرون^۶ قری پدید آید ، و عہدہ داران سرکار آں مسلمان پاک در دین ، چالاک ، امینان ، متدینان در ولایت تعین گردند ، و تحصیل مال

پروچہ شرع کنند ، تا جمال ما احسن الدین و الدنیا
اذا اجتماعاً بظہور انجامد ، و آن شاہ عالم پناہ درین
حضور پر سرور بود ،

باید و سزد کہ در دیوان اسلام و در دارالسلام پیچ کس
را از کفار عمدہ دیوانی و پیچ وجہ نبود ، و در دفاتر
قلم نزنند ، و امیر و عامل نباشند ، چنانکہ در شرع
خواری ایشان کہ ”وہم صاغرون“ است ، ہم برآن
نوع ذلیل و خوار باشند ، و مال گزاری کنند ، و جزیہ
زکوٰۃ مال پروچہ شرع از ایشان بگیرند ، و از جامہ
پوشش مسلمانان منع سازند ، و کفر خود مستور دارند ،
و مراسم کفر بر طریق غلبہ و اعلان نکنند ، تا رونق
اسلام بعز کمال رسد ۔^۱

ہمایوں کے نام خط : ۴

مغل فرمانرواؤں میں ہمایوں وہ آخری بادشاہ تھا، جس کے نام
ہمیں مکتوبات قدوسیہ میں آپ کے دو مکتوب ملتے ہیں ، پہلے
مکتوب میں آپ نے اسے اخلاق حمیدہ سے متصف ہونے پر مبارکباد
دی ہے ۔

دوسرے مکتوب میں آپ نے اس کو مخلوق خدا کی خدمت
اور عالموں اور صالحوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا کہ :
الحمد لله العظيم شانه کہ ہمت آن عزیزدارین بر احسان
جملہ خلایق لا سیما طائفہ علماء و فقراء مصروف ست ،
و سعادت کونین و دولت دارین ہم درین موعود ست
تا باد چنیں باد ، ہیل من مزید باد ۔^۲

۱ - مکتوبات قدوسیہ ، مکتوب صد و شصت و نہم بجانب محمد بابر
بادشاہ ص ۲۳۵-۲۳۶

۲ - ایضاً - مکتوب ۱۷۱ ، ص ۳۳۸ -

مغل آسرا کے نام خطوط :

مغل آسراء میں ہمیں آپ کے دو خط تردی بیگ^۱ کے نام ملتے ہیں، آپ نے آسے شاہان اسلام اور آن کے آسرائے سلطنت کے فرائض یاد دلاتے ہوئے لکھا کہ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی مملکت اور حدود حکومت میں اسلام کو ترقی دیں، ظلم و طغیان کا خاتمہ کر کے ملک کو عدل و انصاف سے رونق دیں، تاکہ ملک کے رہنے والے امن و اطمینان سے زندگی بسر کر سکیں۔ چنانچہ آسے لکھتے ہیں کہ :

الشکر لله کہ امروز آن عزیز محظوظ ست و بادشاہ
اہل اسلام و اعوان و ارکان دولت سلطنت وے مکرمان
و محسنان اند۔ توقع تام است کہ در این روزگار رونق
اسلام و عزت علماء و مشائخ برفعت شتابد و ظالمان و
مفسدان مخزول و مردود گردند، و ملک بعدل و انصاف
آراستہ گردد، و بہ آرام و قرار پیراستہ شود،
انشا الله تعالیٰ خاتمت محمود بالنبی^۲ و آلہ الامجاد^۲

ہم نے حضرت شیخ کے بعض خطوط کے یہ اقتباسات پیش کیے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سکاتیب قدوسیہ میں آپ کے تمام سکاتیب جو آپ نے اپنے سریدوں، صاحبزادوں، عزیزوں اور اس دور

۱۔ تردی بیگ : ہمایوں کا قدیم نوکر اور خدمت گزار تھا، گجرات کی فتح کے بعد جانیانیر کی حکومت پر مقرر ہوا، یہ اکبر کے عہد میں ہیمو بقال کی لڑائی کے بعد ۹۶۳ھ (۱۵۵۶ء) میں بیرام خاں کے اشارے پر اس کے نوکروں کے ہاتھوں قتل کیا گیا۔ (مائرا لآسرا، ج ۱، ص ۴۶۸-۴۶۹)۔

۲۔ مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۱۳۱ بجانب امیر تردی بیگ،

کے علماء و مشائخ کو لکھے ہیں ، وہ گنجینہٴ سعادت ہیں ، جو آپ کی اصلاحی کوششوں اور روحانی تربیت اور آن اعلیٰ مقاصد کو سامنے لاتے ہیں جن کے لیے آپ نے ساری عمر جدوجہد کی تھی ۔
حضرت شیخ کی وفات :

۲۳ جمادی الاخرہ ۱۳۹۴ھ (۱۵۳۷ء) کو یہ آسمان علم و فضل ، عرفان و تصوف کا آفتاب اسی سال سے کچھ زائد عمر میں اس بزرگوار پاک و ہند کے گوشے گوشے کو منور کر کے غروب ہو گیا۔^۱

لطائف قدوسی میں ہے کہ حضرت شیخ نے اپنی وفات سے تین سال پہلے لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا ، ہمیشہ عالم محویت اور بے خودی میں رہتے تھے ، کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے ، اس عالم کو دیکھ کر آپ کے صاحبزادوں شیخ رکن الدین اور شیخ احمد نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا بابا ! میں نے اپنے قلب کو ذکرِ حق میں بے حد مصروف رکھا ہے ، اب میرا تمام وجود دریائے ذکر ہو گیا ہے ، جب بحر فنا موجیں مارتا ہے ، اس وقت اس عالم شہادت کو سیرے سامنے سے ہٹا کر مجھے دوسرے عالم میں لے جاتے ہیں ، اور میں مشاہدہٴ حق کرتا ہوں ، جو مجھے اس عالم میں آنے نہیں دیتا ، جس کی وجہ سے مجھ پر یہ بے خودی اور محویت کا عالم طاری رہتا ہے ۔

لیکن اس محویت و بے خودی کے باوجود احکام شریعت پر عمل کرنے میں ذرا بھی فرق نہیں آتا تھا ۔ اور عادت کے مطابق آدابِ وضو اور نماز روزے کا بڑا خیال رکھتے تھے ، محویت کی یہ کیفیت تھی کہ ہر نماز کے وقت پر آپ کو اطلاع دی جاتی تھی کہ فلاں نماز کا وقت آگیا ہے ، اور اس نماز کی اتنی رکعتیں ہیں ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخر عمر میں آپ بے حد ضعیف ہو گئے تھے ، اور تقریباً بصرات بھی جواب دے گئی تھی ، منتخب مکتوبات قدوسیہ میں ایک خط ہے ، جس میں اپنے مرید اور خلیفہ شیخ عبدالرحمن کو ان کے خط کے جواب میں تاخیر ہونے کی معذرت کرتے ہوئے لکھا کہ :

و آنچه نبشته بودند کہ جواب عریضہ سابقہ صادر نشد لائح باد ، این فقیر در نبشتن مکتوب معذور دارند کہ گم شدہ و خراب گشتہ است ، چہ نویسند ، و چشم نیز خیرہ شدہ است مع ذالک اگر کسی کاغذ و دوات بیارد این فقیر املا کند ، او بنویسد و ہذا تکلف۔

(ترجمہ)

اور تم نے جو لکھا ہے کہ پہلے عریضے کا جواب نہیں ملا ، تو واضح ہو کہ اس فقیر کو لکھنے میں معذور سمجھو کہ کمزور اور ضعیف ہو گیا ہے ، کیا لکھے ، اور آنکھیں بھی کمزور ہو چکی ہیں ، اس کے باوجود اگر کوئی کاغذ اور قلم دوات لے آتا ہے ، یہ فقیر لکھواتا جاتا ہے ، اور وہ لکھتا جاتا ہے ، یہ ایک قسم کا تکلف ہے ۔

بیماری اور وفات کی کیفیت :

آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدین نے آپ کے مرض الموت اور وفات کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا کہ : ۱۵ جمادی الآخر ۱۲۴۳ھ (۱۸۵۳ء) پیر کے روز عین آس دن کہ جس روز مخدوم العالم حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ کا عرس تھا ، آپ کو جاڑے کے ساتھ بخار آیا ، چار روز تک مسلسل آپ کو جاڑا بخار آتا رہا ، جمعہ کے روز آپ کو کچھ آفاقہ ہوا ، کچھ دیر سوئے ،

اور نماز جمعہ ادا فرمائی، نماز جمعہ کے بعد پھر بخار شروع ہوا، پھر اور مزید چار دن آپ کو بخار آیا، یہاں تک کہ منگل کے روز ۲۳ جمادی الآخر ۵۹۴۴ (۱۵۳۷) کو چاشت کے وقت آپ واصل الی اللہ ہوئے اور اپنے آخری وطن قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں مدفون ہوئے، جہاں آج بھی آپ کا مزار پُر انوار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔^۱

عمر :

حضرت شیخ کی عمر کے متعلق کہ وفات کے وقت آپ کی عمر کیا تھی، صحیح طور پر متعین کرنا مشکل ہے، لیکن یہ امر یقینی ہے کہ آپ کی عمر اسی سال سے کچھ متجاوز ہو چکی تھی، منتخب مکاتیب قدوسیہ میں آپ کا ایک خط ہے، جس میں آپ نے اپنی عمر کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے مرید حضرت شیخ عبدالرحمان کو لکھا کہ :

از فقیر حقیر سوختہ و پیچ نپوختہ عمر بہ آخر رسیدہ و پیچ نرسیدہ آہ ہزار آہ ایں چہ افتاد کہ پیچ نیفتاد ... عمر قریب ہشتاد (۸۰) شد و راہ حق پیچ نہ ایستادہ شد، الرحیل بانگ سیزند۔^۲

ہمارا خیال ہے کہ اس خط کے بعد مزید دو چار سال آپ حیات رہے ہوں گے، اگر آپ کی عمر چوراسی سال ہم فرض کر لیں تو آپ کا سنہ ولادت ۵۸۶ (۵۶-۵۱۴۵۵ء) قرار پاتا ہے، جیسا کہ ہم آپ کی ولادت کے ضمن میں لکھ آئے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

اولاد :

حضرت شیخ کی اولاد کے متعلق ہمیں جو تصریحات تذکروں اور شجروں میں ملتی ہیں، انہیں ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

- ۱۔ لطائف قدوسی، ص ۱۷۰۔ لطیفہ ۸۷
- ۲۔ منتخب مکتوبات قدوسیہ، مکتوب سی و ہفتم، ص ۱۰۷

آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدین کی تصنیف لطائف قدوسی حضرت شیخ کے حالاتِ زندگی پر سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے۔ لطائف قدوسی کی تصنیف کے سلسلے میں حضرت شیخ رکن الدین نے لکھا کہ: میں نے یہ تحریر اور لطائف حضرت قطبی کی اجازت سے ماہ جمادی الاول ۵۹۴۴ (۱۵۳۷) میں لکھنی شروع کی تھی، مگر انہوں نے یہ کتاب حضرت شیخ کی وفات کے بعد ماہ شعبان ۵۹۴۴ (۱۵۳۸ء) میں مکمل کی، لیکن اس کتاب میں جہاں کہیں بھی انہوں نے اپنے بھائیوں کا تذکرہ کیا ہے، ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت شیخ حمید الدین (۲) حضرت شیخ احمد

(۳) حضرت شیخ رکن الدین (۴) حضرت شیخ محمد علی

ان کے علاوہ ان کے اور کسی بھائی کا تذکرہ لطائف قدوسی میں ہمیں نہیں ملتا۔

زبدۃ المقامات :

لیکن ہاشم کشمی نے اپنے مشہور تذکرے زبدۃ المقامات میں بغیر ناموں کی صراحت کے حضرت شیخ کے صاحبزادوں کی تعداد سات بتاتے ہوئے لکھا کہ :

شیخ را ہفت پسر بود کہ ہریک در حال و قال بے مثل بود^۲۔
صاحب خزینۃ الاصفیاء مفتی غلام سرور لاہوری نے آپ کے ایک اور صاحبزادے عبدالکبیر عرف بالا پیر کا تذکرہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ :

شیخ عبدالکبیر عرف بالا پیر از خلفائے ارجمند و فرزند سعادت پیوند شیخ عبدالقدوس گنگوہی است در شجاعت

۱۔ لطائف قدوسی، ص ۷۱

۲۔ زبدۃ المقامات، مطبوعہ نول کشور، ص ۹۹

و سخاوت و خوارق و کرامات و وجد و ذوق و سماع و
شوق بوقت خود ثانی نہداشت -^۱

شجرہ خاندان قدوسیہ :

لیکن خاندان قدوسیہ کے شجرے میں جو اس خاندان کے افراد
کے پاس موجود ہے ، اس میں آپ کے دس صاحبزادوں کے نام یہ
ہیں :

(۱) حضرت شیخ حمید الدین (۲) حضرت شیخ احمد

(۳) حضرت شیخ رکن الدین (۴) حضرت شیخ محمد علی

(۵) حضرت شیخ عبدالسلام (۶) شیخ محمد محدث

(۷) قطب الدین (۸) ابو سعید

(۹) محی الدین (۱۰) نظام الدین -^۲

اسی شجرے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحبزادوں میں سے
شیخ حمید ، شیخ رکن الدین ، شیخ محمد علی ، شیخ عبدالسلام اور
شیخ محمد محدث سے اولاد کا سلسلہ چلا ، شیخ عبدالحمید ، شیخ
محمد علی ، شیخ عبدالسلام اور شیخ محمد کی اولاد آج بھی قصبہ گنگوہ
(بھارت) اور پاکستان کے مختلف خطوں میں آباد ہے ۔ قطب الدین
ابو سعید ، محی الدین اور نظام الدین نے بچپن ہی میں وفات پائی ۔
خلفاء :

تذکرہ نگاروں نے حضرت شیخ کے خلفاء کی تعداد ایک ہزار
لکھی ہے ۔ لیکن مختلف تذکروں میں ہمیں آپ کے خلفاء کے جو نام
ملتے ہیں وہ یہ ہیں ۔

۱ - خزینۃ الاصفیاء ، ج ، ۱ : ص ۴۱۸

۲ - شجرہ خاندان قدوسیہ ، غیر مطبوعہ مرتبہ شاہ منظور احمد قدوسی ۔

(۱) شیخ حمید صاحبزادہ، حضرت شیخ (۲) شیخ رکن الدین صاحبزادہ، حضرت شیخ (۳) شیخ احمد صاحبزادہ، حضرت شیخ (۴) شیخ علی صاحبزادہ، حضرت شیخ (۵) حضرت جلال تھانیسری (۶) شیخ عبدالغفور اعظم پوری (۷) شیخ بہورہ (۸) شیخ عمر دینی (۹) شیخ خضر عرف شیخ بدھن جون پوری (۱۰) شیخ بہاؤ الدین ولد شیخ بہشتی نبیرہ، حضرت شیخ جمال ہانسوی، (۱۱) صوفی شیخ جعفر خادم خاص حضرت شیخ (۱۲) (دثو شروانی) (۱۳) بہولا مفید ہاف شہارنپوری (۱۴) ملک مبارک خضر آبادی (۱۵) ملک عثمان کسرائی گنگوہی (۱۶) شیخ حسام الدین معروف بہ شیخ اوجہر (۱۷) میان نصیر اللہ دیپال پوری (۱۸) مفید احمد ملتانی (۱۹) شیخ عبدالرحمن شاہ آبادی (۲۰) شیخ احمد مٹھن (۲۱) شیخ عزیز اللہ دانشمند (۲۲) شیخ عبدالستار

حضرت شیخ کے ان خلفائے نے برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ صابریہ کو غیر معمولی فروغ بخشا۔ ممتاز صوفیائے کرام تمام اکابر علمائے دیوبند حضرت شیخ کے پتی سلسلے میں منسلک نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی وہ بزرگ ہیں، جنہوں نے سلسلہ صابریہ کی برکات کو نہ صرف اس برصغیر پاک و ہند میں بلکہ دوسرے ممالک اسلامیہ میں بھی پہنچایا۔ اور آخر میں (ان پتی) کی بدولت ہر مکتب خیال کے اکابر علماء اس سلسلے میں منسلک ہوئے۔

- ۱۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات ص ۴۹۳
- ۲۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی: بن حافظ محمد امین اپنے نانہالی قصیدے نانوتہ میں ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷ء) کو اور بقول حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۵-۱۶ء) کو قصیدہ تھانہ بھون میں پیدا ہوئے، جو آپ کا آبائی وطن تھا، (بقیدہ حاشیہ صفحہ ۴۳۴ پر)

حضرت شیخ کی تصانیف : (۶) شہادت نامہ (۷) شہادت نامہ (۸) شہادت نامہ (۹) شہادت نامہ (۱۰) شہادت نامہ

حضرت شیخ نے اسی سال سے کچھ زائد عمر پائی، ان کی عمر کا طویل حصہ ریاضتوں، مجاہدوں اور سریدوں اور عوام کی اصلاح اور تربیت میں گزرا، لیکن اس غیر معمولی علم و فضل کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۱۱) شہادت نامہ (۱۲) شہادت نامہ (۱۳) شہادت نامہ (۱۴) شہادت نامہ (۱۵) شہادت نامہ

آپ (نسباً) تھانہ بھون کے مشائخ فاروقی سے تعلق رکھتے ہیں، پہلے آپ نے کلام مجید حفظ کیا، (فارسی کے علوم سروسجہ کے بعد عربی کی تعلیم کی طرف توجہ کی، لیکن عربی زیادہ نہیں پڑھیں، حضرت سید احمد شہید کی شہادت کے بعد آپ نے مولوی نصیر الدین دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر میاں جی نور محمد جھنجانوی سے بیعت ہوئی، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں تھانہ بھون اور اس کے نواح کے مسلمانوں نے امیر جہاد حاجی صاحب کو مقرر کیا تھا، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، قاضی عنایت تھانوی اور مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی اور حافظ ضامن صاحب تھانوی اس معرکہ جہاد میں شریک تھے، ان کے تمام بزرگوں نے انگریزوں سے سخت اور مردانہ وار مقابلہ کیا، لیکن بدقسمتی سے اس جنگ میں فیصلہ انگریزوں کے حق میں ہوا، اس کے بعد حضرت حاجی صاحب ۱۲۷۵ھ (۱۸۵۹ء) میں مکہ معظمہ ہجرت کر گئے، مکہ معظمہ میں پہلے رباط اسماعیل میں قیام فرمایا، پھر ایک عقیدت مند نے جارة الشاہ میں ایک مکان خرید کر آپ کی نذر کر دیا، اور آپ اس میں منتقل ہو گئے۔ مکہ معظمہ ہی میں حضرت حاجی صاحب ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ء) میں ۳۷ سال (تین ماہ بیس یوم کی عمر میں) مرض اسہال میں مبتلا ہو کر ۱۳ جمادی الآخر ۱۲۸۱ھ (۱۸۹۹ء) کو وفات پائی (تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۲۳ - تذکرہ مشائخ دیوبند، مفتی عزیز الرحمن) حالات حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سہاجر مکی

بنا پر جس سے حق تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا، آپ نے تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ فرمائی۔

آپ کے صاحبزادے، حضرت شیخ رکن الدین نے آپ کے تبحر علمی اور ذوق تصنیف و تالیف کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:

ابما بعلم لذنی و فیض الہمی چندان استعداد بود کہ در
پیر علمے بحثها غریب کردند، و تصانیف بسیار کردند،
و می فرمودند کہ در ابتداء حال نسخہ عوارف بجهت
برکت در حجرہ ماسی بود، در آن نسخہ چندان دخل
نبود، عاقبت الامر کار تا بعدے رسید کہ نسخہ عوارف
را شرح عربی کردند، و نکات و اسرار غریب نوشتند

لطائف قدوسی سے ہمیں آپ کی جن تصانیف کا پتا چلتا ہے ہم

ان کے نام ذیل میں درج کرتے ہیں :-
(۱) بحر الانشعاب: (۲) شرح مصباح (۳) شرح عوارف
(۴) فوائد القرات (۵) شرح صحائف (۶) رسالہ قدسی (۷) رشد نامہ
(۸) نور المعانی (۹) انوار العیون (۱۰) حاشیہ قصوص الحکم
(۱۱) مظهر العجائب (۱۲) مجموعہ کلام فارسی (۱۳) رسالہ
نور الہدیٰ (۱۴) رسالہ قرۃ العین (۱۵) مکتوبات قدوسیہ (۱۶) منتخب
مکتوبات قدوسیہ (۱۷) اوراد شیخ عبدالقدوس -

ہم نے ان تمام تصانیف پر تفصیلی تبصرہ اپنی تالیف
”شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات“ میں کیا ہے۔

حضرت شیخ کا اپنی کتابوں کے متعلق تاثر:

حضرت شیخ نے اپنی تصانیف کے متعلق ایک خط میں اظہار خیال
کرتے ہوئے اپنے مرید و خلیفہ خاص حضرت جلال تھانیسری

کو ایک خط میں لکھا کہ :

باید کہ شرح لمعات در پیش دارند ، تا ہزاراں و ہزاراں
شوق و ذوق در کار دارند ، ہر چند مختصر است ،
شرح است قدسی ، نورانی است معلوی و کتابہائے دیگر
کہ این فقیر از سر سوختگی و دوختگی در تحریر آورده
است ہر چند ابراست ، دفتر است ، رموز دیوانگان و رندان ،
دیوانگان و رندان دانند ، و زبان مرغان مرغان دانند ۔

حضرت شیخ کی شاعری :

حضرت شیخ شعر و سخن کا بھی ذوق رکھتے تھے ، فارسی
اور ہندی شاعری میں آپ کا مقام بلند تھا ، ہم آپ کی تصانیف کے
کے ضمن میں آپ کے فارسی مجموعہ کلام کے ذکر کر چکے ہیں ،
اگرچہ آپ کا فارسی کلام کا مجموعہ اس زمانے کی لڑائیوں اور
ہنگاموں میں ضائع ہو گیا لیکن آپ کے جو فارسی اشعار ہمیں آپ کی
تصانیف اور مکاتیب میں ملتے ہیں ، یا ہزاری خاندانی بیاضوں میں
موجود ہیں ہم انہیں یہاں درج کرتے ہیں فارسی میں آپ (قدوسی
اور احمدی دو تخلص اختیار کرتے تھے ۔ آپ کی فارسی غزلوں سے
آج بھی سماع کی محفلیں رونق پاتی ہیں ، لوحۃ الوجود آپ کی
شاعری کا موضوع خاص ہے) (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰)

نمونہ کلام فارسی :

آستین بزرخ کشیدہ سمجھو مگزار آمدی

با خودی خود در تماشا موئے بازار آمدی

در بہاراں گل شدی در صحن گزار آمدی

بعد از آن بلبل شدی با گویہ گزار آمدی

۱ - منتخب مکتوبات قدوسیہ ، مکتوب بست و دوم ، ص ۷۲ -

خویشتن را جلوه کردی اندرین آئینہا

آئینہ امیش نہادی خود باظہار آمدی

شور منصور از کجاؤ دار منصور از کجا

خود زدی بانگ انا الحق پر سر دار آمدی

گفت "قدوس فقیرے" در فناؤ در بقا

خود بخود آزاد پودی ، خود گرفتار آمدی

اس غزل کے مقطعے پر اجمیر شریف کی ایک محفلِ سماع میں صوفی

محمد حسین الہ آبادی نے حالتِ وجد میں وقت پائی ۔

گاہ بجنوں گشتہ دور از ننگ و نائوس آمدی

صورتِ لیلیٰ شدی با خویش محبوس آمدی

خوش صنم در بت کدہ پیش برہمن گشتہ ائی

با طواف حاجیان در کعبہ ملبوس آمدی

گاہ در خلوت مرا شد با حجابِ دلبری

گہہ شدی بیمارِ عشق از نبض محسوس آمدی

گفتہ ای "اول انا الحق باز عبدالحق شدی

خود شدی قدوس باز آن عبدِ قدوس آمدی

من نمی گویم انا الحق یار منی گوید بگو

من نمی گویم مرا دلدار منی گوید بگو

من نہ از خود سی سرایم این ندا در کوئے یار

بہ آستین واز بجیب و دستار منی گوید بگو

ہست یک ایک ذرہ شاید از ندائے نغمہ ام

آب گوید خاک گوید، نار منی گوید بگو

آنچند نتوان گفت اندرین صومعه شبانہ زایدان

بے تھاشا بر شمر بازار رشی گویا بگو

حضرت شیخ کی اور غزلوں کے جیسے جیسے چند شعر ذیل میں پیش ہیں، جن کو شعریت، معنویت اثر آفرینی اور سوز و گداز کا بہترین مرقع کہا جا سکتا ہے:

اللہ ترا باش و کرم پیچ مبادا

دیگر چہ بود زین دگر پیچ مبادا

گریک نظر دوست بمانست چو شایم

دیگر چہ بود زین دگر پیچ مبادا

گرچہ تو چوں ابر زر باریدہ ای بر بحر و بر

لیک بخت بے نصیب ما نگشتہ بحر و بر

تا چو از من رفتہ ای من در فراق افتادہ ام

دائما حیران و سوزان میخورم خون جگر

۱۔ حضرت شیخ کی یہ تینوں غزلیں حال ہی میں مجھے حکیم شاہ قریش احمد قدوسی موجودہ سجادہ نشین درگاہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان سے بھجوائی ہیں، اول اور تیسری غزل کے متعلق موصوف نے لکھا ہے کہ کہ آپ کی یہ دونوں غزلیں عام ہیں اور آج بھی سماع کی محفلوں میں گائی جاتی ہیں، دوسری غزل کے متعلق انہوں نے تحریر فرمایا کہ یہ غزل ان کے اجداد میں شاہ عماد الدین سجادہ نشین حضرت شیخ کی بیاض سے نقل کی گئی ہے۔

ظلمتِ شب کہ بگيرد جہاں

ز اُن سر زلف است کہ جانم گرفت

جز تو رخ حور شاید مرا

شوقِ رخت چونکہ بجائیم گرفت

ہندی شاعری :

ہندی شاعری میں حضرت شیخ، ”الکھ داس“ تخلص کرتے تھے، آپ اردو زبان کے ابتدائی محسنین میں ہیں، آپ کا شمار ان صوفیاء کرام میں ہوتا ہے، جنہوں نے اردو کی ابتدائی نشو و نما میں حصہ لیا ہے آپ کی ہندی شاعری میں بعض ایسے اردو کے الفاظ کے ملتے ہیں جو آج بھی ہماری زبان میں رائج ہیں۔ مولانا محمود خان شیرانی نے اپنی مشہور کتاب پنجاب میں اردو میں آپ کے دوہے، شبد وغیرہ درج کیے ہیں۔

حضرت شیخ کے کلام میں ایک شعر ریختہ کے نام سے بھی

ملتا ہے۔

صدق رہبر، صبر توشہ، دشت منزل، دل رفیق

ست نگری، دھرم راجا، جوگ مار

یعنی سچائی رہنما ہے، صبر توشہ سفر ہے، لامکان منزل ہے، دل

رفیق سفر ہے، حقیقت شہر ہے، مذہب اس کا راجا ہے، اور راستہ

اس کا جوگ (اخلاص و بندگی) ہے۔

۱۔ پنجاب میں اردو، ص ۴۱۶-۴۱۷

۲۔ اردو کے نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ۔ از مولوی عبدالحق،

ص ۳۴-۳۵

دارالعلوم دیوبند، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

۲۶۶

حضرت مجدد الف ثانیؒ

علامہ اقبال کی عقیدت

علامہ اقبال کو حضرت مجدد الف ثانی سے جو عقیدت و محبت تھی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ اقبال کے صاحبزادے ڈاکٹر جاوید اقبال جب پیدا ہوئے تو علامہ اقبال نے نذر مانی تھی کہ جاوید جب بڑے ہو جائیں گے تو ان کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار پر لے کر جائیں گے، چنانچہ ۲۹ جون ۱۹۳۴ء کو وہ اپنے صاحبزادے ڈاکٹر جاوید اقبال کو سرپنڈ لے کر گئے اور بارگاہ حضرت مجدد الف ثانی میں حاضری دے کر ۳۰ جون ۱۹۳۴ء کو لاہور واپس ہوئے، مزار مبارک کی زیارت سے علامہ کے قلب پر جو اثر ہوا، اس کے متعلق وہ اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مزار نے میرے دل پر بہت اثر کیا، بڑا پاکیزہ مقام ہے۔ پانی اس کا سرد و شیریں ہے، سرپنڈ کے کھنڈر دیکھ کر مجھے مصر کا قدیم شہر فسطاط یاد آگیا، جس کی بنا حضرت عمر بن العاصؓ نے رکھی تھی، اگر کھدائی ہو تو معلوم نہیں اس زمانے کی تہذیب و تمدن کے متعلق کیا کیا انکشافات ہوں، یہ شہر فرخ سیرا

۱۔ فرخ سیر: بن عظیم الشان بن عالم بہادر شاہ بن اورنگ زیب۔

عہد حکومت فرخ سیر (۱۱۲۴ھ - ۱۱۳۱ھ) (فٹ نوٹس مقالات

الشعرا، ص ۴۰۸)

دارالعلوم دیوبند، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

کے زمانے تک بحال تھا ، اور موجودہ لاہور سے وسعت و
آبادی میں دگنا ۔^۱

وہ حضرت مجدد الف ثانی^۲ کی بارگاہ میں آن کے فیوض و برکات
کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :

تین سو سال سے ہمیں ہند کے میخانے بند

اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی^۲

بال۔ جبریل میں پنجاب کے پیرزادوں سے خطاب کرتے ہوئے حضرت
مجدد الف ثانی^۲ کی شان میں نغمہ سرا ہیں :

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد ، پر

وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے

اُس خاک میں پوشیدہ ہے ، وہ صاحبِ اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

جس کے نفّسِ گرم سے ہے گرمی۔ احرار

وہ ہند میں سرِ بایہ ملت کا نگہبان

اللہ نے ہر وقت کیا جس کو خبردار

کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو

آنکھیں سری بینا ہیں ، ولیکن نہیں بیدار

اُٹی یہ صدا سلسلہ فقر ہوا بند

ہیں اہلِ نظر کشورِ پنجاب سے بیزار

۱۔ ذکرِ اقبال ، ص ۱۹۱ -

۲۔ بال۔ جبرئیل ، ص ۳۰۴ (کلیاتِ اقبال اردو)

عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں

پیدا کیا فقر سے ہو طرہ دستار

باقی کلمہ سے تھا ولولہ حق

طروں نے چڑھایا نشہ خدمت سرکار

علامہ اقبال علیہ الرحمہ حضرت مجدد الف ثانی کے اس درجہ

معرف و معترف تھے کہ علامہ نے ۲۸ جون ۱۹۱۶ء کو علم ظاہر

و علم باطن پر ایک مضمون جس میں انھوں نے لکھا کہ :

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اپنے مکتوبات میں کئی

جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعار حق اسلامیہ میں خلوص پیدا

کرنے کا نام ہے ، اگر تصوف کی یہ تعریف کی جائے تو کسی مسلمان

کو اس پر اعتراض کی جرات نہیں ہو سکتی ۔ راقم الحروف اس

تصوف کو جس کا نصب العین شعائر اسلام میں مخلصانہ استقامت پیدا

کرنا ہو عین اسلام جانتا ہے ۲

حالات :

علامہ حضرت مجدد الف ثانی سے اس قدر متاثر ہیں کہ وہ ان

کے نظریہ ہمنما از اوست کے قائل ہیں ، ان کے نظریہ خودی کا ماخذ

حضرت مجدد الف ثانی کا نظریہ ہمنما از اوست ہے ، حضرت مجدد سالک

کی آخری منزل مقام عبدیت کو قرار دیتے ہیں ، جہاں سالک کو

معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بندہ محض ہے ، بندہ بندہ ہے اور خدا

خدا ہے ۔

۱۔ بال جبرئیل ، ص ۱۱۱

۲۔ انوار اقبال ، مطبوعہ اقبال اکادمی ، ۱۹۶۸ء

۳۔ اسلامی تصوف اور اقبال ، ص ۲۱۱ - ۲۱۲ بحوالہ ذکر اقبال ،

ص ۱۹۱

(۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰)

حضرت مجدد الف ثانی کا اسم گرامی احمد ، لقب بدر الدین ، کنیت ابوالبرکات ہے ، حضرت مجدد کے والد کا نام شیخ عبدالاحد ہے ، حضرت مجدد الف ثانی کی ولادت ۱۴ شوال روز جمعہ بوقت نصف شب ۵۹۷ (۱۵۶۴ء میں ہوئی ، آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر بن الخطابؓ سے جا ملتا ہے ۔

سلسلہ نسب :

حضرت مجدد الف ثانی کا سلسلہ نسب حضرات القدس میں اس طرح منقول ہے ۔

حضرت احمد مجدد الف ثانی ، بن شیخ عبدالاحد ،
 بن شیخ زین العابدین ، بن شیخ عبدالیحی ، بن شیخ محمد
 بن شیخ حبیب اللہ ، بن امام رفیع الدین ، بن خواجہ نور بن
 خواجہ نصر ، بن خواجہ سلیمان ، بن خواجہ یوسف ، بن سلطان
 شہاب الدین علی معروف بخواجہ مسعود ، بن خواجہ عبداللہ ،
 بن خواجہ واعظ اصغر ، بن خواجہ واعظ اکبر ، بن خواجہ ابوالفتح
 بن خواجہ اسحاق ، بن خواجہ ابراہیم ، بن ناصر ، بن عبداللہ ،
 امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

قرآن مجید کی تعلیم کے بعد حضرت مجدد الف ثانی سے اپنے
 والد سے تعلیم حاصل کرتے رہے ، اس کے بعد سیالکوٹ میں بعض
 کتابوں کی تعلیم مولانا کمال کشمیری اور علم حدیث مولانا
 محمد یعقوب کشمیری سے حاصل کیا ، پھر مولانا عبدالرحمن کی
 خدمت میں حدیث مسلسل بواسطہ واحد اور دیگر مفردات کی اجازت

حاصل کی، سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہری سے فراغت حاصل کر کے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، اسی زمانے میں آپ آگرے تشریف لے گئے، وہاں اکابر علماء سے آپ کو ملنے کا اتفاق ہوا، یہیں آپ کی فیضی اور ابوالفضل سے ملاقات ہوئی۔ کچھ دنوں آگرے میں قیام کیا، پھر آپ کے والد آپ کو آگرے سے لے آئے، واپسی میں جب تھانیسر پہنچے تو وہاں کے ایک رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا۔

حضرات القدس میں ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کی علمی بلندیوں کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ابوالفیض فیضی جب قرآن مجید کی تفسیر بے نقط لکھ رہا تھا، اور ہندوستان کے مشہور علماء مولانا جمال الدین قادی وغیرہ اس کی امداد و اعانت کے لیے ہر وقت اس کی مجلس میں موجود رہتے، اچانک ایسا مشکل مقام آگیا کہ اس توضیح و تشریح سے سب عاجز رہے تب فیضی نے حضرت مجدد الف ثانی کو لکھا کہ یہ وہ مقام ہے کہ جس کی تشریح سے علماء قاصر رہے ہیں، اگر آپ اس کے مطالب و مفاہیم کو لکھیں تو میں شکر گزار ہوں گا، حضرت مجدد صاحب نے قلم برداشتہ اس کے مفاہیم و مطالب کو بے نقط عبارت میں لکھا، جسے پڑھ کر فیضی اور اس کی مجلس کے علماء حیران رہ گئے۔

بیعت و خلافت :

حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے والد سے بیعت ہو کر سلسلہ چشتیہ

اور قادریہ میں خرقہٴ خلافت حاصل کیا۔ چنانچہ آپ نے خود رسالہ مبداء و معاد میں تحریر فرمایا کہ :-

این فقیر را نسبت فردیت از پدر بزرگوار خود حاصل شدہ ،
و پدر بزرگوار را از عزیزے کہ جذب قوی داشتند
و بخوارق مشہور بودند بدست آمدہ این درویش را
توفیق عبادات نافلہ خصوصاً ادائے صلوة نافلہ از پدر
وے است و پدر بزرگوار را این سعادت از شیخ خود کہ
در سلسلہٴ چشتیہ بودند ، حاصل شدہ بود ۔

(ترجمہ)

اس فقیر کو نسبت فردیت اپنے والد بزرگوار سے حاصل
ہوئی اور والد بزرگوار کو ایک عزیز (شیخ کمال
کبتہلی) سے جو جذب قوی رکھتے تھے اور خوارق میں
مشہور تھے حاصل ہوئی ۔ اس فقیر کو عبادات نافلہ
خصوصاً صلوة نافلہ کی توفیق اپنے والد سے حاصل ہوئی
اور انہوں نے یہ سعادت اپنے شیخ (شیخ رکن الدین) سے
حاصل کی جو سلسلہٴ چشتیہ میں تھے ۔

سلسلہٴ چشتیہ :

حضرات القدس میں آپ کا سلسلہٴ چشتیہ اور قادریہ اس طرح
مندرج ہے ۔

حضرت مجدد الف ثانی مرید شیخ عبدالاحد (والد خود) مرید
شیخ رکن الدین ، مرید شیخ عبدالقدوس گنگوہی ، مرید
شیخ محمد ، مرید شیخ محمد عارف ، مرید شیخ احمد عبدالحق ،

مرید شیخ جلال پانی پتی ، مرید شیخ شمس الدین ترک

پانی پتی ، مرید شیخ علاء الدین احمد صابری کلیری ،

مرید شیخ بابا فرید گنج شکر ، مرید خواجہ قطب الدین

بختیار کاکی ، مرید خواجہ معین الدین سجزی اجمیری

سلسلہ قادریہ :

حضرت مجدد الف ثانی ، مرید (والد خود) ، مرید شیخ

رکن الدین ، مرید سید ابراہیم معین ایرجی ، مرید شیخ

بہاء الدین انصاری حسینی قادری ، مرید شیخ احمد چلبی

قادری ، مرید سید موسیٰ قادری ، مرید سید عبدالقادر ،

مرید سید حسن ، مرید سید محی الدین ابوالنصر ، مرید

سید ابو صالح ، مرید سید عبدالرزاق ، مرید والد خود ،

غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی

عزم حج اور بیعت :

جب آپ کے والد ماجد نے ۱۰۰۷ھ (۹۶ - ۱۶۹۵ء) میں وفات

پائی ، تو آپ حج کے ارادے سے اپنے وطن سے روانہ ہوئے ، دہلی

پہنچے تو آپ کی ملاقات بعض قدیم دوستوں سے ہوئی ، آپ کے ایک

دوست شیخ حسن کشمیری نے حضرت خواجہ باقی باللہ کی تعریف کی ،

حضرت مجدد صاحب خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ،

حضرت باقی باللہ نے آپ کا ارادہ حج معلوم کر کے فرمایا کہ اگر

ایک آدھ ہفتہ دہلی میں قیام کرو تو کچھ خرچ نہیں ، چنانچہ

آپ راضی ہو گئے ، تین چار روز کے بعد سلسلہ نقشبندیہ میں

حضرت خواجہ باقی باللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی دو ماہ اور

کچھ دن میں آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا،
اور آپ کے مرشد نے آپ کو وطن رخصت کیا۔

شجرہ نقشبندیہ :

حضرات القدس میں آپ کا شجرہ نقشبندیہ اس طرح منقول ہے :

رسید فیض بہ صدیق رضی احمد مختار

از و رسید بہ سلمان رضی سخن اسرار

از و بہ قاسم رضی و جعفر رضی ابو یزید از و

بہ خرقانی و زو بوعلی سر ابرار

از و ست یوسف و زو عجدوانی غارف

ز فغنوی ست بہ راستینی بزرگوار

از و ست حضرت بابا بس ست امیر کلال

بہائے ملت و دین نقشبند فخر کبار

عقیب این ہمہ یعقوب چرخ است دگر

از و بہ خواجہ عبید اللہ واقف اسرار

از و ست ازہد و درویش خواجہ اسکنی^۲

از و بہ خواجہ باقی ست معدن انوار

از و امام زمان قطب وقت شیخ احمد^۲

کہ ہست بانی این راہ منبع اسرار

خواجہ باقی باللہ کی بشارت :

آسی زمانے میں جب کہ حضرت مجدد الف ثانی دہلی میں ٹھہرے

ہوئے تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ نے اپنے ایک مخلص کو ایک

خط میں لکھا کہ: ”سرہند کے ایک شخص شیخ احمد نامی نے جو کثیر العلم اور قوی العمل ہے، فقیر کے ساتھ کچھ نشست و برخاست رکھی ہے، اس کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا چراغ ہوگا کہ اس سے دنیا روشن ہو جائے گی الحمد للہ کہ اس کے احوال کاملہ نے مجھے اس کا یقین دلایا ہے“۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ کا آستانہ صاحبان کمال اور اہل حال کا مرکز بن گیا، آپ کا سلسلہ پاک و ہند سے ماوراء النہر، روم و شام اور مغرب تک جا پہنچا۔

کچھ عرصے وطن میں رشد و ہدایت کے بعد حضرت مجدد الف ثانی دوبارہ اپنے پیر کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے۔ اس مرتبہ حضرت خواجہ باقی باللہ نے آپ کو اجازت ارشاد عنایت فرمائی۔ وطن آنے کے بعد پھر آپ رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے کہ اچانک حضرت خواجہ باقی باللہ کے ارشاد پر آپ کو لاہور جانا پڑا، وہیں آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہ کی وفات کی خبر ملی، اس خبر کے سنتے ہی آپ دہلی حاضر ہوئے، اور اپنے پیر کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور سرہند واپس تشریف لائے۔

دینِ الہی کی گمراہیاں :

اکبر کے دین الہی نے جو گمراہیاں پیدا کی تھیں، وہ جہانگیر کے دور میں بھی بعض اپنی اصلی صورت میں اور بعض دوسرے رنگ

۱۔ زبدہ المقامات۔ مطبوعہ نول کشور، ص ۱۴۵ - ۱۴۴ و

حضرات القدس، ص ۴۴ -

۲۔ حضرات القدس، ۳۰ - ۳۱ -

میں ظہور پزیر رہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے زمانے میں تہجد اور احیائے دین کی جو خدمات انجام دیں وہ ان دونوں عہدوں کی پیدا کردہ گمراہیوں کے خلاف تھیں۔

اکبر کے عہد میں دین الہی کی صورت میں جو گمراہیاں رونما ہوئیں، وہ علی الاعلان اسلام کے خلاف تھیں، اس نے حکم دیا تھا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی جگہ، لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ پڑھا جائے، اس کے زمانے میں مذہب کا مدار روایت پر نہیں بلکہ محض عقل پر رکھا گیا تھا۔

علماء سوء نے بادشاہ کی خوشامد میں اس دین کو تقویت پہنچانے میں طرح طرح کی تاویلیں کیں اور حدیثیں گھڑیں، شیخ تاج الدین جو تاج العارفین کہلاتے تھے، انہوں نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں ایسی تاویلیں کیں کہ بادشاہ اکبر خود بھی حیران رہ گیا، اس نے بادشاہ کے لیے مسجد تجویز کیا غازی خاں بدخشی نے بھی اس مسجد کی تائید کی اور اسے مسجد تعظیمی کا نام دیا۔ شیخ امان پانی پتی کے بھتیجے ملا ابو سعید نے داڑھیاں منڈوانے کے متعلق ایک حدیث نکالی۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا کہ اکبر نے اپنی ہندو رعایا کو خوش کرنے کے لیے اپنا رخ اسلام سے پھیر لیا تھا، بادشاہ قران کا منکر ہو گیا تھا، شراب حلال کی گئی تھی، جزیہ موقوف کر دیا گیا تھا، عربی کے مطالعے کو بنظر تحقیر دیکھا جانے لگا، ہر کوچہ و بازار میں ہندوؤں کی رسمیں منائی جاتی تھیں، اس نے حکم دیا تھا کہ گائے، بھینس اور اونٹ کو ذبح نہ کیا جائے، بارہ سال

سے کم بچے کی ختم نہ ہو، اس کے علاوہ اکبر نے آفتاب کی تعظیم
مریدوں کی معاشرت، خوراک اور تدفین کے لیے جو طریقے اختیار کیے
تھے اس سے مسلمانوں کا دل اکبر سے کھٹا ہو گیا تھا۔

لیکن اس دور میں بھی کچھ علمائے حق موجود تھے، جنہوں
نے اس دور ضلالت و گمراہی میں اکبر کے خلاف آواز اٹھائی،
چنانچہ جون پور کے شیعہ قاضی القضاۃ ملا محمد یزدی نے علی الاعلان
فتویٰ دیا کہ بادشاہ بد مذہب ہو گیا ہے، اس سے جہاد واجب ہے،
اسی طرح بنگال کے قاض القضاۃ معز الملک نے بھی فتویٰ دیا،
اکبر نے ان دونوں علماء کو کسی بہانے سے بلا بھیجا، جب یہ
دونوں آگرے سے دس کوس پر فیروز آباد پہنچے تو دونوں کو الگ
الگ کر کے قلعہ گوالیار میں قید کر دیا، پھر حکم دیا کہ ان
دونوں کو کشتی میں بیٹھا کر غرق کر دیا جائے، جہاں چہ دونوں
کو غرق کر دیا گیا، قاضی القضاۃ یعقوب مانکپوری کو
جنہوں نے متعدد کے خلاف فتویٰ دیا تھا، موت کے گھاٹ اتار دیا
گیا۔ دربار کے بعض امرا قطب الدین خاں کو کہ، اور شہباز کنوہ
نے جب بادشاہ کو سمجھانے کی کوشش کی تو ڈانٹ ڈپٹ کر
ان کی آواز بند کر دی، جہانگیر اگرچہ اکبری عہد کی بدعنوانیوں
سے نالاں تھا، لیکن اس عہد کی بعض گمراہیوں کو اس نے خود
بھی جائز رکھا تھا، مثلاً مسجد تعظیمی وغیرہ، اکبر کے بعد
دین الہی کی تیزی اگرچہ ختم ہو چکی تھی، لیکن اس کے اثرات
برابر باقی تھے، جہانگیر کے عہد میں بعض گمراہیاں دوسرے
رنگ میں ظاہر ہوئی تھیں، اور بعض بدعتیں جاری تھیں،

حضرت مجدد الف ثانی نے عہد اکبری اور عہدِ جہانگیری کی بدعات اور گمراہیوں کے خلاف آواز بلند کی ، اور شریعتِ اسلامیہ کی ترویج کے لیے جو کوششیں کیں ، وہ پاک و ہند کی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں ۔

حضرت مجدد کے رشد و ہدایت کا طریقہ کار :

عین اُس زمانے میں جب کہ اکثر علماء و مشائخ عافیت اسی میں سمجھتے تھے کہ خاموش ہو کر گوشوں میں بیٹھ جائیں ، حضرت مجدد الف ثانی نے جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئے گی جہانگیر کے سامنے سجدہ نہ کر کے اور قید و بند کی سختیاں جھیل کر حق کو مر بلند کر دیا ، اور دوسرے علماء کے لیے ایک مثال قائم کی کہ وہ حق کی سر بلندی میں دلیر ہوں ۔

اس کے علاوہ آپ نے اپنے سریدین کی ایک بڑی تعداد رشد و ہدایت کے پیغام کو عام کرنے کے لیے تیار کی ، اور انہیں ہر طرف بھیجا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کریں ۔

اس کے ماسوا مختلف ممالک کے نامور لوگوں سے خط و کتابت کی ، اور ان پر دین کی حقیقت و اہمیت کو واضح کیا ۔

مزید یہ کہ بادشاہ کے آراء کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کیا ، تاکہ وہ بادشاہ کے مزاج میں اسلام کے مطابق انقلاب پیدا کریں ۔

اکبر کی وفات کے بعد جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو آپ نے اس کی مدد کی کہ لوگوں سے عہد لیں کہ وہ اسلام کے خلاف

احکام شاہی کی اطاعت نہیں کریں گے اور آپ نے اپنی جدوجہد کو افواج شاہی تک پھیلا دیا۔ یہ تھا وہ طریقہ کار جس پر حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی تبلیغ کی بنیاد رکھی۔

تعلیمات :

آپ نے حالات کے مقتضائے مطابق جن تعلیمات اسلامی پر زور دیا ان میں دین سے بدعت کو نکال دینا تھا۔ فرمایا کہ یہ فقیر کسی بدعت میں خوبئی اور نورانیت محسوس نہیں کرتا۔ ظلمت اور کدورت کے سوا ان میں مجھے کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ ایک خط میں اپنے ایک مرید فتح خاں افغان کو لکھا کہ : سب سے اعلیٰ نصیحت سعادت مند دوستوں کے لیے یہ ہے کہ سنت کا اتباع کریں ، اور بدعت سے بچیں ، جو شخص کسی متروک سنت کو زندہ کرنے آئے سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔ بعض صوفیاندہ اقوال سے شریعت اور طریقت میں فرق بتایا جاتا تھا ، آپ نے اس فرق کو مٹایا ، ایک خط میں ملا بدو الدین کو لکھا کہ : مستقیم الاحوال صوفیہ احوال و اقوال ، اعمال اور علوم و معارف میں ہرگز شریعت سے تجاوز نہیں کرتے ، اگر کسی کا حال منکر کے وقت شریعت کے مخالف ہو تو معذور ہے ، اور اس کا کشف غیر صحیح ہے ، اس کی تقلید ناجائز اور نا درست ہے۔ ایک اور خط میں فتح خاں کو لکھا کہ : استقامت کا طریقہ شریعت ، اور باطن کی درستی کی علامت ظاہر کو شرعی احکام سے سنوارنا ہے۔

سنت اور فرض کا زندہ کرنا سب سے بڑا کام ہے ، اور سب سے بڑا ثواب ان پر ہی مرتب ہوتا ہے ۔ آپ کا سب سے اہم تجدیدی کارنامہ شریعت کی ترویج ہے ، ایک خط میں شیخ محمد یوسف کو لکھا کہ : اپنے ظاہر کو ، ظاہر شریعت سے اور اپنے باطن کو باطن شریعت سے آراستہ کریں اور حقیقت اور طریقت دونوں شریعت ہی کی حقیقت ہیں نہ کہ شریعت اور ہے ، اور طریقت و حقیقت کچھ اور ، انہیں علیحدہ علیحدہ کرنا الحاد اور زندقہ ہے ۔

وحدت الشہود :

حضرت مجدد الف ثانی سے پہلے اکثر پہلے تمام صوفیہ وحدت الوجود کے قائل تھے ، لیکن آپ نے سب سے پہلے وحدت الوجود کے مقابلے میں فلسفہ وحدت الشہود کا نظریہ قائم کیا ، وحدت الوجود کا خلاصہ ہمہ اوست ، اور وحدت الشہود کا مقصد ہمہ از اوست ہے ۔ وحدت الوجودیوں کے نزدیک خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں ، اور یہ کثرت جو نظر آتی ہے محض آن اعیان ثانیہ کا عکس ہے ۔ وحدت الشہودیوں کے نزدیک وہ کثرت جو نظر آتی ہے ، وہ عکس نہیں بلکہ خارج میں موجود ہے ، وہ ممکن کو واجب کا عین نہیں مانتے ، اس لیے وہ ہمہ اوست کہنے کو درست قرار نہیں دیتے ، بلکہ ہمہ از اوست کہنے کو صحیح قرار دیتے ہیں ۔

علامہ اقبالؒ وحدت الشہود کے قائل ہیں ، اور اپنے نظریہ خودی میں انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی ہی سے فیض حاصل کیا ہے ۔

شیخ بدیع الدینؒ نے جب کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیے ہوئے کئی سال گزر چکے تھے، اور آپ کے خلعاء برصغیر پاک و ہند بلکہ ممالک افغانستان و ترکستان میں پھیل چکے تھے، آپ نے اپنے ایک مرید شیخ بدیع الدینؒ کو اجمہانگیر کے لشکر میں رشد و ہدایت کے لیے بھیجا، شیخ بدیع الدینؒ نے لشکر شاہی میں تبلیغ اور ارشاد و ہدایت کا کام بڑے زور شور سے شروع کیا، شاہی لشکر کے بہت سے آدمی ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے، لیکن ساتھ ہی مخالفتوں نے بھی سر اٹھایا، چند دن کے بعد شیخ بدیع الدینؒ نے اپنے مرشد کی نافرمانی کی، اور لشکر شاہی سے اپنے مرشد کے بغیر اجازت اپنے وطن چلے آئے، یہ امر حضرت مجدد صاحب کو ناگوار گزرا، جب شیخ بدیع الدینؒ اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے اس طریقے پر، اظہار ناراضگی فرمایا، شیخ بدیع الدینؒ نے معافی چاہی، اور دوبارہ لشکر شاہی میں جا کر نہایت زور و شور سے تبلیغ کا کام شروع کیا، لیکن اس مرتبہ مخالفت زیادہ بڑھ گئی۔

جمہانگیر کی مخالفت :

اسی زمانے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے ایک خط میں اپنے عروج روحانی کا ذکر کیا تھا، یہ آپ کے مکاتیب میں دفتر اول کا گیارہواں مکتوب ہے، یہ خط آپ نے اپنے مرشد خواجہ باقی باللہؒ کے نام لکھا تھا، اس میں تحریر فرمایا تھا کہ :

دوسری عرض یہ ہے کہ اس مقام کے ملاحظے کے وقت

اور بہت سے مقام ایک دوسرے کے اوپر ظاہر ہوئے ،
 نیاز و عاجزی سے توجہ کرنے کے بعد ، جب اس مقام
 سے اوپر کے مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت
 ذوالنورین ^{رض} کا مقام ہے ، اور دوسرے خلفاء کا اس مقام
 میں عبور واقع ہوا ہے ، اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد
 کا مقام ہے ۔۔۔۔ اس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر
 آیا جب اس مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت
 فاروق اعظم ^{رض} کا مقام ہے ، اس مقام سے اوپر حضرت
 صدیق اکبر ^{رض} کا مقام ظاہر ہوا ، بندہ اس مقام پر بھی
 پہنچا ، اور اپنے مشائخ میں حضرت خواجہ نقشبند ^{قدس}
 سرہ کو ہر مقام میں اپنے ہمراہ پاتا تھا ۔۔۔۔ اس مقام
 سے اوپر سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور
 کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا ، اور حضرت صدیق ^{رض} کے
 مقابل ایک اور نہایت عمدہ نورانی مقام کہ اس جیسا
 کبھی نظر میں نہ آیا تھا ، ظاہر ہوا ، وہ مقام اس مقام
 سے تھوڑا سا بلند تھا ، جس طرح کہ صافہ کو سطح زمین
 سے ذرا بلند بناتے ہیں ، اور معلوم ہوا کہ وہ مقام
 محبوبیت کا مقام ہے ، اور وہ مقام رنگین اور منقش تھا ،
 اپنے آپ کو اس مقام کے عکس سے رنگین معلوم کیا ۔

۱۔ خواجہ نقشبند : کا نام محمد بن بخاری ہے ، آپ اویسی تھے ،
 اور روحانی تربیت خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے حاصل کی تھی ،
 آپ نے ۲۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ میں وفات پائی ۔ (نفحات الانس
 (اردو ترجمہ) ص ۴۱۵-۴۱۹)

اس خط سے حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان کھڑا کیا گیا، لوگوں نے شیخ بدیع الدین پر اعتراض کیے کہ تمہارا پیر تو اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق ^{رض} سے بھی افضل سمجھتا ہے، شیخ بدیع الدین نے یہ خط اپنے مرشد کی خدمت میں بھیج کر ان سے توضیح چاہی، اس کے جواب میں حضرت مجدد صاحب نے ان کو لکھا کہ میں نے یہ خط اپنے مرشد کے نام لکھا تھا، ہمارے سلسلے کا اصول یہ ہے کہ مرید کو جتنے واقعات بھی پیش آئیں بعینہ اپنے مرشد کو لکھ دینے چاہئیں۔ تاکہ مرشد بتا سکے کہ ان میں کون سے صحیح اور کون سے غیر صحیح ہیں، لیکن اس پر بھی لوگوں کی تشفی نہیں ہوئی، آپ کے مریدوں میں فتح اللہ گیلانی اور قاضی سنام نے آپ سے علیحدگی اختیار کر لی، آپ نے اس پر ایک مکتوب میرزا فتح اللہ کو لکھا، جس میں تحریر فرمایا۔

وہ شخص جو اپنے آپ کو حضرت صدیق ^{رض} سے افضل جانے، اس کا حال دو اس سے خالی نہیں، یا وہ زندقہ محض ہے یا جاہل۔۔۔ وہ شخص جو حضرت امیر ^{رض} کو حضرت صدیق ^{رض} سے افضل کہے، اہل سنت والجماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے، تو پھر اس شخص کا کیا

حال ہے جو اپنے آپ کو افضل جانے۔۔۔ (۱) شدہ شدہ یہ بات جہانگیر کے کانوں تک پہنچائی گئی۔ جہانگیر کو حضرت مجدد الف ثانی [ؒ] کی روز افزوں عقیدت، شہرت، اور مقبولیت سے خطرہ لگا ہوا تھا، لیکن وہ اس خدشے کا اظہار نہیں

کر سکتا تھا اب اسے موقع ہاتھ آگیا ، چنانچہ اس نے اپنے آپ کو سرہند کے حاکم کی معرفت بلا بھیجا ، وہ خود آپ کے بلانے اور قید کا تذکرہ نہایت گستاخی اور سوء ادب سے اپنی توزک کے ۵۱۰۲۸ کے واقعات میں کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :

”ان ہی دنوں مجھ سے عرض کیا گیا کہ شیخ احمد نامی ایک مکار سرہند میں مکر و فریب کا جال بھجاکر کئی نادان بے سمجھ لوگوں کو اپنے فریب میں پھانسی ہوئے ہے ، ہر شہر اور ہر علاقے میں اس نے اپنے مریدوں میں سے ایک کو جو معرفت کی دوکانداری ، معرفت فروشی ، اور لوگوں کو فریب دینے میں پوری مہارت رکھتے ہیں ، خلیفہ کے نام سے مقرر کیا ہے ، مذخرفات اور واپسیات قسم کے خطوط اپنے مریدوں اور معتقدوں کے نام لکھ کر مکتوبات کے نام سے ایک مجموعہ جمع کیا ہے اس نے اس مجموعے میں اکثر ایسی فضول اور بے ہودہ باتیں لکھی ہیں جو کفر اور زندہ قیث تک پہنچتی ہیں ، از انجملہ اس نے ایک مکتوب میں لکھا

۱۔ مکتوبات اسام ربانی : حضرت مجدد صاحب کی زندگی ہی میں مرتب ہو گئے تھے ، ان کی تین جلدیں ہیں ، دفتر اول کا نام ”درالعرفت“ ہے ، اسے خواجہ یار محمد بدخشی نے آپ کے قید ہونے سے تین سال پہلے سنہ ۱۰۶۱ھ میں مرتب کیا تھا ، یہ دفتر سب سے زیادہ مفصل ہے ، دوسرے دفتر کا نام ”نورالحقائق“ ہے ۔ یہ ۹۹ مکاتیب کا مجموعہ ہے ، یہ مجموعہ آپ کے قید ہونے سے کچھ پہلے خواجہ عبدالحمی حصاری نے خواجہ محمد معصوم کے ایما پر جمع کیا تھا ، آپ کے مکاتیب کے تیسرے دفتر کا نام ”معرفت الحقائق“ ہے ، اس میں آپ کے ۱۲۴ خطوط ہیں ، اس کے مرتب خواجہ محمد ہاشم کشمی برہان پوری ہیں ، یہ مجموعہ آپ کی وفات سے تین سال پہلے مرتب ہوا تھا ۔

ہے کہ سلوک کی منزلیں طے کرتے ہوئے سیرا گزرتا مقام ذوالنورینؑ
 میں ہوا، جو عالی شان اور نہایت پاکیزہ تھا، وہاں سے گزرتے ہوئے
 میں مقام فاروقؑ میں پہنچا اور مقام فاروقؑ سے مقام صدیقؑ میں آیا،
 اس نے ہر مقام کی تعریف اس کے مناسب حال لکھی ہے، پھر اس
 نے لکھا ہے کہ وہ وہاں سے مقام محبوبیت میں پہنچا، جو نہایت
 منور اور رنگین تھا، اس مقام پر میں نے اپنے اندر مختلف انوار اور
 الوان کو منعکس پایا۔ استغفر اللہ بزعم خویش وہ خلفا کے مرتبے سے
 بھی آگے بڑھ گیا، اور ان سے بھی زیادہ عالی مرتبے پر فائز ہو گیا،
 اس کے علاوہ اس نے اور بھی گستاخانہ باتیں لکھی ہیں۔ جن کا
 تذکرہ طوالت کا باعث ہے۔ اس بنا پر میں نے حکم دیا کہ اسے
 بارگاہ عدالت آئین میں حاضر کیا جائے، حسب الحکم وہ حاضر کیا
 گیا، میں نے اس سے جو بھی پوچھا، وہ اس کا معقول جواب نہ
 دے سکا۔ بے وقوف اور حکم عقل ہونے کے ساتھ نہایت خود پسند
 معلوم ہوا، میں نے اس کی اصلاح کے لیے یہی مناسب سمجھا کہ
 اسے چند دن قید رکھا جائے، تاکہ اس کے دماغ کی شوریدگی اور
 اس کے دماغ کی آشفتگی دور ہو، اور عوام میں اس کے مداخلات کی
 وجہ سے جو شورش پھیل رہی ہے، وہ رک جائے، چنانچہ میں
 نے اسے انی رائے سنگھ دلق کے حوالے کیا کہ وہ اسے قلعہ گوالیار
 میں قید کر دے۔

انی رائے سنگھ دلق: ولد میر نرائین راجپوتوں کی گوت ”بڑگوجر“
 سے تھا، اخیر عہد اکبری میں خواصوں کا سردار مقرر ہوا، جہانگیر
 (بقید حاشیہ پر صفحہ ۴۵۹)

سجدۃ المرجان میں ہے کہ جب حضرت مجدد الف ثانی جہانگیر کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے اس کو نہایت معقول جواب دئے ، جس پر جہانگیر خاموش ہو گیا ، لیکن اتنے میں کسی امیر نے کہا کہ شیخ کا تکبر تو دیکھیے کہ آپ کو سجدہ نہیں کیا ، حالانکہ آپ ظل اللہ اور خلیفہ الہی ہیں ، اس پر بادشاہ غضبناک ہوا اور آپ کو قلعہ گوالیار میں قید کرا دیا ۔

سجدۃ المرجان میں یہ بھی ہے کہ شاہجہاں آپ کا بے حد معتقد تھا ، ان کے دربار میں آنے سے پہلے اس نے حضرت مجدد صاحب کے پاس افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمن مفتی کو بعض فقہی کتابیں دے کر بھیجا کہ علماء نے بادشاہ کے لیے سجدہ تجیت جائز قرار دیا ہے ۔ آپ بادشاہ سے ملاقات کے وقت سجدہ کریں ، میں ذمہ

(بقیہ خاشیہ صفحہ ۴۵۸)

نے اپنے عہد میں آئے انیرائے سنگھ دکن کا خطاب دیا اور اپنے امرائے خاص میں منسلک کر لیا ، شاہجہاں نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے جشن کے پہلے سال منصب مہد ہزار و ہانصد سوار سے نوازا ، اور ۷ صفر ۱۰۴۰ھ کو اس کے باپ کی وفات کے بعد آئے راجا کے خطاب سے سر بلند کیا ، جلوس شاہجہانی کے دسویں سال اش کا انتقال ہوا (توزک جہانگیری (اردو ترجمہ جلد ۱) مترجمہ اعجاز الحق قدوسی ، خواشی جشن پنجم ، ص ۳۲۶ بحوالہ امرائے ہنود ص ۵۱ - ۵۴ -

۲ - توزک جہانگیری ، اردو ترجمہ - اعجاز الحق قدوسی جلد ۲ : ۱۱۸ - ۱۱۹

لیتا ہوں کہ آپ کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے گا، آپ نے فرمایا کہ علماء کا فتویٰ تو معذوروں اور کمزوروں کے لیے ایک اجازت ہے، لیکن عزیمت یہ ہے کہ خدا کے رسولؐ کو سجدہ نہ کیا جائے۔

قید بند رہے۔

حضرت مجدد الف ثانی ایک سال تک قلعہ گوالیار میں قید رہے، مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مال و اسباب اور کتابوں کو بھی نقصان پہنچایا گیا، ایک خط میں اپنے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم کو لکھتے ہیں کہ: وہ راضی برضا رہیں۔ اپنی والدہ کو بھی یہی سمجھائیں، پھر تحریر فرمایا کہ:

”غم حویلی و سرا و چاہ و باغ و کتب و اشیائے دیگر

خود سہل است، باید کہ پیچ چیز مزاحم وقت شما شود

نشود، و غیر از مرصیات حق جل و علا مراد و مرضی

شما نباشد۔ اگر مایہ سردیم این ہمد اشیائے ہی رفت

کہ در حیات ما رفتہ باشد پیچ فکر نکنند۔ والدہ خود

را تسلی دہند۔“

گوالیار کے قلعے میں حضرت مجدد الف ثانی ایک سال قید رہے،

حضرت مجدد الف ثانی نے اس قید خانے کو تبلیغ اور رشد و ہدایت

سے ایک خانقاہ بنادیا۔ ذکر و فکر کی محفلیں قائم ہونے لگیں، اور

وہاں نیکی اور تقویٰ کا درس دیا جانے لگا۔

رہائی :

یہاں تک کہ ۱۰۲۹ھ میں جہانگیر نے آپ کو قلعہ گوالیار

سے طلب کر کے رہا کر دیا۔ جہانگیر ۱۰۲۹ھ کے واقعات میں لکھتا ہے کہ :

(۲۱ خرداد ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ء) اسی تاریخ میں میں نے شیخ احمد سرہندی کو جو اپنی دوکان کو خود فروشی اور بیہودہ کوئی سے سجانے کی وجہ سے بغرض تادیب ، چند روز سے قید میں تھا اپنے حضور میں طلب کر کے آئے رہا کر دیا ، اور اسے خلعت اور ہزار روپے بطور خرچ عنایت کر کے ، جانے اور رہنے کا اختیار دیا۔ شیخ نے از روئے انصاف کہا کہ یہ تنبیہ و تادیب دو حقیقت ایک طرح کی ہدایت اور سبق ہے ، میرا نقش مراد آپ کی خدمت میں رہنے سے جلی ہوگا ! -

تیسرا اندراج جو توزک جہانگیری میں حضرت مجدد صاحب کے متعلق ملتا ہے - وہ یکم سہر ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ء) کا ہے ، جس میں جہانگیر نے لکھا کہ منجملہ ان کے شیخ احمد سرہندی کو دو ہزار روپے عنایت کیے ۲ -

پوری توزک میں تین جگہ حضرت مجدد صاحب کا تذکرہ ہے ، جسے ہم نے اوپر نقل کر دیا ہے ، ان کے علاوہ پوری توزک میں ہمیں آپ کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا کہ جس سے یہ معلوم ہوسکتا کہ رہائی کے بعد جہانگیر اور حضرت مجدد صاحب کے تعلقات کی

۱ - توزک جہانگیری ، اردو ترجمہ ، جلد : ۲ (اعجاز الحق قدوسی) ص ۲۱۸ -

۲ - ایضاً ، ص ۳۸ -

نوعیت کیا رہتی البتہ توڑک سے اتنا ضرور معاوم ہوتا ہے کہ آخر
میں جہانگیر ہر مذہبی رنگ غالب ہو گیا تھا اور اسے ترویج شریعت
کا خاص خیال رہتا تھا، ممکن ہے کہ جہانگیر کی طبیعت میں یہ
انقلاب حضرت مجدد صاحب کا فیض ہو مگر توڑک میں کوئی
صراحت ہمیں اس قسم کی نہیں ملتی، لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ
آپ نے اس زمانے میں جب کہ آپ لشکر شاہی کے ساتھ رہے،
ارشاد و تلقین کا سلسلہ برابر جاری رکھا ہوگا، اس زمانے کے بعض
خطوط سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی جہانگیر سے ایسی گفتگو
رہتی تھی، جس میں آپ اس کے سامنے اصلاح و تلقین کے فرائض
انجام دیتے تھے، ایک خط میں مجلس شاہی میں بادشاہ سے ایک
گفتگو کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی
عنایت سے ان گفتگوؤں سے امور دینیہ اور اصول اسلامیہ
میں سرِ موسستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی۔ اللہ تعالیٰ
کی توفیق سے ان محفلوں میں بھی وہی باتیں ہوتی ہیں،
جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں،
اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو دفتر ہو جائے۔
راجہ تاجاں کر آج ماہ رمضان کی سترہویں رات کو انبیاء علیہم

الصلوٰۃ والسلام بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت
(اور اس کے ایمان اور اس کے عذاب و ثواب اور رویت دیدار کے اثبات)
اور حضرت خاتم الرسل کی نبوت کی خاتمیت اور پھر صدی کے
مجدد اور خلفائے راشدین کی اقتدا، اور تراویح کی سنت

اور تناسخ کے باطل ہونے اور جنوں اور جنیوں کے احوال اور ان کے عذاب و ثواب کی نسبت بہت کچھ مذکور ہوا، بادشاہ بڑی خوشی سے سنتا رہتا اسی اثنا میں اور بھی بہت سی چیزوں کا ذکر ہوا، اور اقطاب و اوتاد اور ابدال کے احوال اور ان کی خصوصیتوں وغیرہ کا بیان ہوا، اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ سب کچھ قبول کرتے رہے، اور کوئی تغیر ظاہر نہ ہوا، ان واقعات اور ملاقات میں کوئی اللہ کی پوشیدہ حکمت اور خفیہ راز ہوگا۔

حضرت مجدد الف ثانی کے اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ قلعہ گوالیار سے رہا ہونے کے بعد وہ شاہی لشکر میں کیوں رہے، اور جب آپ کو جہانگیر نے قید سے رہا کیا اور جانے اور نہ جانے کا اختیار دیا تو آپ نے لشکر شاہی میں رہنے کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا کہ :

نقش مرادم در ملازمت خواہد بست ، وہ نقش مراد کیا تھا، ہماری رائے میں وہ نقش مراد بادشاہ کی اصلاح و ہدایت تھی، جب بھی اصلاح و ہدایت کا موقع ہوتا آپ اس سے فائدہ اٹھاتے، جیسا کہ آپ کے اس خط سے ظاہر ہوتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ آپ نے اکبری الحاد اور جہانگیر کے عہد کی برائیوں کے قلع قمع کرنے میں بڑی جد و جہد کی، اور آپ کے مجددانہ کارناموں نے دین کو حیات نو بخشی۔

وفات : بالمشافہت حضرت مولانا سید محمد رفیع شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۱۰ دسمبر ۱۹۶۲ء) کو لاہور میں انتقال فرمایا۔

حضرت مجدد الف ثانی تین چار سال لشکر شاہی میں رہے ،
لشکر شاہی کے ساتھ ۱۰۳۲ھ میں آپ اجمیر حاضر ہوئے ، اور
خواجہ بزرگ[ؒ] کے مزار کی زیارت سے شرف ہوئے ، مزار کے خادموں
نے حضرت خواجہ بزرگ[ؒ] کے مزار کا قبرپوش آپ کی خدمت میں پیش
کیا جسے آپ نے نہایت ادب سے لیا ، اور فرمایا چوں کہ یہ لباس
حضرت خواجہ[ؒ] سے بہت نزدیک رہا ہے ، اس لیے اسے میرے کفن
کے لیے سنبھال کر رکھا جائے ۔

اب عمر زیادہ ہو چکی تھی ، سفر کی زحمتیں برداشت نہیں ہوتی
تھیں اس لیے آپ بادشاہ کے اجازت لے کر اپنے وطن سرہند تشریف
لے آئے ، اور تھوڑے ہی عرصے میں بروز منہ شنبہ قریب چاشت
بتاریخ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ (۱۰ دسمبر ۱۹۶۲ء) آپ رحمت الحق سے
ہیوست ہو گئے ۔

تصانیف : مولانا سید محمد رفیع شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی تصانیف میں (۱) شرح رباعیات (۲) رسالہ مبدء و معاد
(۳) معارف لدینہ - (۴) رسالہ تعلیقات تہلیلہ ، تعلیقات عوارف ، اور
مکتوب دفتر اول و دوم و سوم ہیں ۔

حضرت مجدد الف ثانی کے یہ تمام حالات حیات مجدد دار
پروفیسر محمد فرمان رود کوثر اور تذکرہ علمائے ہند سے
ماخوذ ہیں ۔

اولاد :

(۱) خواجہ محمد صادق^۲ :

حضرت مجدد الف ثانی کے سب سے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ تھے۔ یہ ۱۰۰۵ھ (۱۵۹۱-۹۲ء) میں پیدا ہوئے، علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع تھے، اکثر علوم کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی تھی، بعض علوم مولانا طاہر لاہوری اور مولانا معصوم کابلی سے پڑھے تھے، اٹھارہ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کی، اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، شیخ بدرالدین سرہندی مؤلف حضرات القدس بھی ان کے تلامذہ میں تھے، سرہند میں جب شدید طاعون پھیلا، تو یہ بھی اس میں مبتلا ہوئے، ان کے دو بھائی محمد فرخ و محمد عیسیٰ ان کی وفات سے ایک روز پہلے طاعون میں مبتلا ہو کر وفات پا چکے تھے، انہوں نے بھی طاعون میں مبتلا ہو کر ۹ ربیع الاول بروز دو شنبہ سنہ ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) میں وفات پائی۔

خود حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے ایک عزیز کو خط میں

لکھا کہ :

بتاریخ نہم ربیع الاول روز دو شنبہ فرزند مرحوم خواجہ

محمد صادق بجوار رحمت حق پیوست، و خود را فدائے

عموم خلایق ساخت۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔^۱

(۱) یہ تمام تفصیل حضرات القدس - مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب

لاہور، ص ۲۲۰ - ۲۳۳ سے ماخوذ ہے۔

(۲) خواجہ محمد سعید⁷³ :

آپ کے دوسرے فرزند خواجہ محمد سعید تھے ، جن کی ولادت ماہ شوال ۱۰۰۵ھ (۱۵۹۷ء) میں ہوئی یہ انتہا درجے پر شریعت کے پابند ، متبع سنت ، اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے ، علوم ظاہری اور کمالات باطنی کو اپنے والد ماجد سے حاصل کیا تھا ، اور آپ کے سامنے آپ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے طریقت کی تعلیم دیتے تھے ، خود حضرت مجدد الف ثانی طالبان طریقت کو ان کے اور اپنے تیسرے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم⁷³ کے سپرد فرماتے تھے ، فرمایا کرتے تھے کہ ہر قطب کے دو امام ہوتے ہیں ، تم دونوں امام ہو ۔ ایک موقع پر فرمایا کہ میں عروج و نزول کے جس مقام پر بھی پہنچا ہوں ، میں نے محمد سعید کو اپنے ہمراہ پایا ۔

(۳) خواجہ محمد معصوم :

یہ حضرت مجدد الف ثانی کے تیسرے صاحبزادے تھے ، ان کی ولادت باسعادت ۱۰۰۹ھ (۱ - ۱۶۰۰ء) میں ہوئی ، ان کی ولادت کے بعد حضرت مجدد الف ثانی فرمایا کرتے تھے کہ اس لڑکے کی ولادت ہمارے لیے بے حد مبارک ثابت ہوئی ، اس کی ولادت کے چند ماہ بعد ہمیں حضرت خواجہ باقی باللہ⁷³ کا شرف ملاقات حاصل ہوا ، اور یہ تمام علوم و معارف ظہور پزیر ہوئے ، حضرت مجدد الف ثانی ان صاحبزادے کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ فرماتے تھے ، ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ بابا ! علم حاصل کرنے سے جلد فارغ ہو جاؤ کہ ہمیں تم سے بڑے بڑے کام لینے ہیں ، حضرت خواجہ محمد معصوم تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے والد سے

بیعت ہوئے ، یہاں تک کہ آپ نے ان کو خلافت سے سرفراز فرمایا ، اور انہوں نے شریعت اور تقویٰ سے آراستہ ہو کر مسند ارشاد کو زینت بخشی ، چنانچہ خود حضرت خواجہ محمد معصوم نے اپنے بعض سکاٹیب میں لکھا کہ : میں ابھی چودہ سال ہی کا تھا کہ میرے والد نے مجھے قطبیت کی بشارت دی ، اور مرتبہ قیومیت سے نوازا ۔^۱

حضرت خواجہ محمد یحییٰ :

خواجہ محمد یحییٰ حضرت مجدد الف ثانی کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے ، ان ہی کے بچپن میں حضرت مجدد الف ثانی نے وفات پائی ۔ قرآن مجید کے حافظ تھے ، اور علوم نقلیہ اور عقلیہ کے اکثر علوم کی تعلیم اپنے دونوں بھائیوں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم سے حاصل کی تھی ، طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم حضرت خواجہ محمد سعید سے حاصل کی ، اور سلوک کے تمام منازل حضرت خواجہ محمد معصوم سے طے کیے خرقہ خلافت بھی اپنے ان دو بھائیوں سے حاصل کیا ۔^۲

محمد فرخ ، محمد عیسیٰ اور ام کلثوم :

محمد فرخ ، محمد عیسیٰ ، ان دونوں صاحبزادوں نے حضرت مجدد کی زندگی ہی میں ایام ویا میں وفات پائی ۔ حضرات القدس میں آپ کی ایک صاحبزادی ام کلثوم کا تذکرہ ہے ،^۳ لیکن زبدۃ المقامات میں منقول ہے کہ آپ کی تین صاحبزادیاں تھیں ،

۱ - حضرات القدس ، ص ۲۶۲ تا ۲۹۵ -

۲ - ایضاً ، ص ۲۹۵ -

۳ - حضرات القدس ، ص ۲۹۵ تا ۲۹۷ -

ان میں سے ایک نے شیر خوارگی کے زمانے میں وفات پائی ، دوسری صاحبزادی نے پندرہ سال کی عمر میں حضرت مجدد الف ثانی کے سامنے وفات پائی ، تیسری صاحبزادی ، زبدۃ المقامات کی تصنیف کے وقت حیات تھیں ۔^۱

خلفاء :

حضرت مجدد الف ثانی کے خلفاء میں جنہوں نے آپ کے بعد اس برصغیر میں سلسلہ^۲ نقشبندیہ کو فروغ و ترقی دی ، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں ۔

- (۱) میر محمد نعمان^۱ (۲) شیخ نور محمد پٹنی^۲
- (۳) شیخ حمید بنگالی^۳ (۴) شیخ محمد طاہر لاہوری^۴
- (۵) خواجہ محمد صادق بدخشانی^۵ (۶) شیخ بدیع الدین
- سہارنپوری^۷ (۷) شیخ محمد طاہر بدخشی (۸) شیخ یار محمد قدیم
- (۹) شیخ عبد الہادی (۱۰) خواجہ محمد صادق کابلی
- (۱۱) حاجی خضر خاں افغان (۱۲) شیخ احمد دبینی (دیوبندی)
- (۱۳) شیخ احمد برکی (۱۴) شیخ یوسف برکی (۱۵) شیخ کریم الدین
- عرف عبدالکریم (۱۶) شیخ حسن برکی (۱۷) شیخ عبدالحی
- (۱۸) خواجہ محمد ہاشم کشمی برہانپوری (۱۹) شیخ آدم بنوری
- (۲۰) شیخ بدر الدین مؤلف کتاب حضرات القدس ۔

۱ - زبدۃ المقامات ، ۳۲۶ -

۲ - میر محمد نعمان بن میر شمس الدین معروف بہ میرا بزرگ :

ولادت : ۹۷۷ (حضرات القدس ص - ۳۱۱)

(بقیہ حاشیہ پر صفحہ ۲۶۹ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶۸)

(۲) شیخ نور محمد پٹنی : حضرت مجدد الف ثانی کے جلیل القدر خلفاء میں تھے، انہوں نے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد اپنے پیر کے حکم سے شہر پٹنہ میں رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا (حضرات القدس ص ۳۱۳)۔

(۳) شیخ حمید بنگالی : سنگل کوٹ کے رہنے والے تھے، خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن بنگال آئے، اور وہیں درس و تدریس و ارشاد و تلقین میں مصروف رہے (حضرات القدس ص ۳۱۴)۔

(۴) شیخ محمد طاہر لاہوری : حضرت مجدد الف ثانی نے ان کو خلافت دے کر لاہور میں متعین فرمایا تھا کہ وہ وہاں رشد و ہدایت کے فرائض انجام دیں، شیخ محمد طاہر نے ۵۶ سال کی عمر میں ۲۰ محرم ۱۰۴۰ھ (۱۶۳۰ء) بروز پنجشنبہ بوقت چاشت، وفات پائی (حضرات القدس - ۳۱۹ تا ۳۲۶)۔

(۵) خواجہ محمد صادق بدخشانی : حضرت مجدد صاحب کے اکابر خلفاء میں تھے، یہ ہندوستان میں پیدا ہوئے، خانخانان عبدالرحیم سے وابستہ ہو گئے، شاعری میں بلند پایہ رکھتے تھے، ”ہدایت“ تخلص کرتے تھے، ”حکایت شیشہ گرماچین“ کو مثنوی کے طرز میں مولانا روم کی مثنوی کے وزن میں لکھا تھا حضرت مجدد صاحب کے مرید ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، اور ۵۶ سال (۱۰۴۱ء) میں وفات پائی، دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مقبرے میں مدفون ہوئے (حضرات القدس، ص ۳۲۹ تا ۳۳۴)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶۸)

(۶) شیخ بدیع الدین سہارنپوری : صاحب کشف و کرامات تھے ، حضرت مجدد صاحب کے مرید ہو کر درجہ کمال کو پہنچے ، اور خرقہ خلافت حاصل کر کے اپنے وطن واپس ہوئے ، اور تمام عمر رشد و ہدایت میں مصروف رہے (حضرات القدس - ص ۳۳۳ تا ۳۴۰) -

(۷) شیخ محمد طاہر بدخشی ، حضرت مجدد صاحب کے خلفائے خاص میں تھے ، جون پور کے مشاہیر مشائخ میں تھے ، حضرت مجدد صاحب نے ان کو ، ۱۰۰۱ھ (۹ - ۸۱۶۰۸) میں خرقہ خلافت سے سرفراز فرما کر جون پور روانہ کیا (حضرات القدس ، ص - ۳۴۰ تا ۳۴۳) -

(۸) شیخ یار محمد قدیم ! ”قدیم“ ان کو اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے ہمنام ایک یار محمد دوسرے بھی تھے ، جو حضرت مجدد صاحب کے مکاتیب کے دفتر اول کے جامع ہیں ، ان کو حضرت مجدد صاحب یار محمد جدید کہا کرتے تھے کہ وہ ان کے بعد مرید ہوئے تھے ، انہوں نے اکبر آباد میں وفات پائی (حضرات القدس - ص - ۳۴۳ تا ۳۴۴) -

(۹) شیخ عبدالہادی : اپنے شہر کے مشہور لوگوں میں تھے ، ابتداً حضرت خواجہ باقی باللہ سے وابستہ ہوئے ، انہوں نے ان کی قربیت حضرت مجدد صاحب کے سپرد کی ، یہاں تک کہ آپ نے ان کو خلافت سے سرفراز فرمایا (حضرات القدس - ص ۳۴۴ تا ۳۴۵) -

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶۸)

(۱۰) خواجہ محمد صادق کابلی : ابتدا میں نہایت مالدار تھے ، اور شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کے ملازموں میں تھے ، یکایک قلب میں جذبہ طلب حق بیدار ہوا ، اور الہ آباد سے حضرت خواجہ باقی باللہ کی ملاقات کے لیے دہلی پہنچے ، لیکن حضرت خواجہ باقی باللہ وفات پا چکے تھے ، پھر یہ خواجہ حسام الدین مرید خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ، انہوں نے فرمایا کہ تم جس چیز کے طالب ہو تمہیں اس کے لیے سر ہند میں حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے ، چنانچہ وہ حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اور مرید ہو کر آپ کی بارگاہ میں یہاں تک تقرب حاصل کیا کہ وہ فرزندوں اور محرموں کے رشتے میں شمار ہوتے تھے ۔ خرقہ خلافت سے سرفراز ہونے کے بعد انہوں نے لاہور میں سکونت اختیار کر لی تھی ، ۱۰۱۸ھ (۱۰ - ۱۶۰۹ء) میں عبداللہادی نے وفات پائی (حضرات القدس - ص - ۳۴۵ تا ۳۴۷) -

(۱۱) حاجی خضر خاں : قصبہ بہلول پور کے رہنے والے تھے ، جو مضافات سر ہند میں ہے ، مجدد صاحب کے والد شیخ عبدالاحد سرہندی قدس سرہ کے مرید تھے پھر یہ حضرت مجدد صاحب کے مرید ہو کر اس مرتبہ عالی پر فائز ہوئے کہ ایک دن حضرت مجدد صاحب نے شیطان کو دیکھا ، اس سے پوچھا کہ ہمارے یاروں میں کون ایسا ہے ، جس پر تیرا قابو نہیں چلتا ، اس نے جواب دیا صرف حاجی خضر ایسے ہیں کہ جن پر میں قابو نہیں ہاتا ، ہر چند میں ہزار ہیلے حوالے کرتا ہوں ، لیکن ان پر میرا بس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۷)

نہیں چلتا ، اور وہ میرے جال میں نہیں آتے (حضرات القدس -

ص - ۳۴۷ تا ۳۴۸) -

(۱۱) شیخ احمد دینی (دیوبندی) یہ حضرت مجدد صاحب کے قدیم

مخلصوں میں تھے ، ابتدا میں وہ علوم ظاہری میں حضرت مجدد

صاحب کے شاگرد تھے ، اتفاق سے برہان پور میں شیخ فضل اللہ

کی خدمت میں مرید ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا ، بعد میں

حضرت مجدد صاحب کے مرید ہوئے ، اور خلافت سے سرفراز

ہوئے ، انہوں نے ستر سال کی عمر میں وفات پائی - (حضرات القدس

ص - ۳۴۷ - ۳۴۹) -

(۱۲) شیخ احمد برکی : یہ شہرود کے رہنے والے تھے ، جو کابل و

قندھار کے درمیان واقع ہے ان کی وفات پر حضرت مجدد صاحب

نے ایک خط میں ان کے فرزندوں کو لکھا کہ : بولانا آیات حق

میں سے ایک آیت ہیں ، ان کا وجود اس وقت مسلمانوں کے

لیجے حق کی ایک نشانی تھا - (حضرات القدس ص - ۳۴۷ تا ۳۴۹)

(۱۳) شیخ یوسف برکی : حضرت مجدد صاحب نے ان کو خلافت سے

سرفراز فرمانے کے بعد ارشاد و ہدایت کے لیے جالندھر بھیجوا یا تھا

(حضرات القدس - ص ۳۵۴ تا ۳۵۵) -

(۱۴) شیخ کریم الدین عرف عبدالکریم : موضع عثمان پور کھتر کے

رہنے والے تھے ، جو پرگنہ آبک میں واقع ہے ، یہ مرشد کی

تلاش میں نکلے ، اتفاق سے سرہند کے بازار میں گھوم رہے

تھے کہ صوفی سننشی نے مرشد کے سلسلے میں ان کی رہنمائی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶۷)

حضرت مجدد صاحب کی طرف کی، اور آپ سے بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے، شیخ کریم الدین نے ۳ محرم ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء) میں اپنے وطن میں وفات پائی، (حضرات القدس - ص ۱۶۲ تا ۳۵۵) (۱۵) شیخ حسن برکی، شیخ احمد برکی کے تلامذہ میں تھے، شریعت و حقیقت کے جامع تھے، صاحب مقالات عالیہ تھے، حضرت مجدد صاحب سے مرید ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، (حضرات القدس - ص ۳۶۲ تا ۳۶۶)

(۱۶) شیخ عبدالحی: پٹنہ میں مقیم تھے، یہ حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہو کر تھوڑی ہی مدت میں خلافت حاصل کی، حضرت مجدد صاحب کے مزاج میں ان کو اس قدر تقرب حاصل تھا کہ وہ آپ کے محرمانہ راز میں تھے، اور آپ کی اکثر خدمات حضوری ان سے متعلق تھیں، حضرت مجدد صاحب کے مکتوبات کے دوسرے دفتر کے جامع یہی ہیں، خلافت حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے، اور اپنے وطن میں پہنچ کر مرجع عام و خاص ہوئے۔ شیخ عبدالحی ۱۰۵۴ھ (۱۶۴۴-۴۵ء) میں عازم حرسین شریفین ہوئے، اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔ (حضرات القدس، ص ۳۶۶ تا ۳۶۸) (۱۷) خواجہ محمد ہاشم کشمی برہان پوری: بن خواجہ قاسم، یہ کشم بدخشاں کے رہنے والے ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ان کے آبا و اجداد سلسلہ کبروید میں بیعت تھے، لیکن خواجہ محمد ہاشم ابتداء ہی سے خواجگان نقشبندیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶۷)

سے دلچسپی رکھتے تھے۔ یہ اسی تلاش و جستجو میں ہندوستان آئے چند روز برہان پور میں میر محمد نعمان خلیفہ حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں رہے ، اور سلسلہ نقشبندیہ کے ذکر اور مراقبے کی تعلیم ان سے حاصل کی ۵۱۰۳۰ (۱۶۲۰ء) سے میں حضرت مجدد صاحب نے انہیں سرہند بلوایا ، یہ سرہند پہنچے ، اور تقریباً دو سال سفر و حضر میں حضرت مجدد صاحب کے ساتھ رہے ، اور حضرت مجدد صاحب کی یمن و توجہ کی وجہ سے احوال باطنی اور مقامات معنوی کی بلندیوں تک پہنچے ، یہاں تک کہ مرید ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے پھر یہ حضرت مجدد صاحب کے حکم سے برہان پور آئے ، اور یہیں انہوں نے اپنی شمع ہدایت روشن کی ، طالبان معرفت ان کے گرد پروانہ وار جمع ہوئے ، خواجہ محمد ہاشم کشمی مکاتیب مجدد الف ثانی کے تیسرے دفتر کے جامع ہیں ، وہ علوم باطنی کے ساتھ ساتھ علوم رسمی و صوری سے بھی بہرہ ور تھے ، بلند پایہ شاعر تھے ، خواجہ محمد ہاشم کشمی نے اپنے مرشد اور نقشبندیہ سلسلے کے بزرگوں کے حالات زبۃ المقامات کے نام سے ۵۱۰۳۸ (۱۶۲۸-۱۶۷۱ء) میں لکھے ، غالباً انہوں نے یہ کتاب حضرت خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کی فرمائش پر لکھنی شروع کی تھی ، اس تالیف کو انہوں نے حضرت مجدد صاحب کی وفات کے تین سال بعد برہان پور میں مکمل کیا ، کتاب کا اصل نام ”برکات احمدیہ“ اور تاریخی نام ”زبۃ المقامات“ رکھا ، بعد میں موخر الذکر نام بہت مقبول و

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶۷)

مشہور ہوا۔ یہ تذکرہ ۱۳۰۵ھ (۱۸۹۰ء) مطبع نولکشور سے طبع ہوا۔

(۱۸) شیخ بدر الدین سرہندی بن شیخ ابراہیم سرہندی حضرت مجدد صاحب کے نہایت مخلص مرید و خلیفہ تھے، یہ پندرہ سال کی عمر میں حضرت مجدد صاحب سے بیعت ہوئے، اور سترہ سال مسلسل آپ کی خدمت میں رہے، خیال ہے کہ حضرت مجدد صاحب کی وفات (۳۴۰ھ) کے وقت ان کی عمر ۳۲ سال کی تھی، علوم ظاہری کی تکمیل بھی انہوں نے حضرت مجدد صاحب سے کی، کچھ کتابیں آپ کے صاحبزادوں سے پڑھیں، رفتہ رفتہ بارگاہ حضرت مجدد صاحب میں وہ تقرب حاصل کیا کہ حرمان اسرار کے زمرے میں شامل ہو گئے۔ شیخ بدر الدین سرہندی کے نام حضرت مجدد صاحب کے کئی مکتوب ہیں، جو آپ کے مکتوبات میں ہمیں ملتے ہیں، شیخ بدر الدین صاحب تصانیف کثیرہ تھے، ان کی تصانیف میں حضرات القدس، کرامات الاولیا، ترجمہ فتوح الغیب اور روائع مشہور ہیں۔ (ماخوذ از مقدسہ حضرات القدس - ص ۸ تا ۲۱ از جناب محمد محبوب اللہی - مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب)۔

حضرت میاں میر

میاں میر کے متعلق علامہ اقبال کا تاثر:

اسرار و رموز میں علامہ اقبال برصغیر پاک و ہند کے مشہور بزرگ حضرت میاں میر کے متعلق اپنی بے پناہ عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت شیخ میاں میر عولیؒ پر خفی از نورِ جانِ او جلی

بر طریقِ مصطفیٰ محکم ہوئے نغمہٴ عشق و محبت را نئے

ترتیبِ ایمانِ خاکِ شہرِ ما

مشعلِ نورِ ہدایت بہرِ ما

ان کی تربیت کو اپنے شہر کی سر زمین کا ایمان، اور ان کی

ہندو موعظت کو اپنے اہل وطن کے لیے مشعلِ نورِ ہدایت قرار دیتے

ہیں اتباعِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے قدم کو

مستحکم، اور ان کے نغموں کو عشق و محبت کی جان بتاتے ہیں۔

یہ بزرگ جنہوں نے پنجاب کی سر زمین کو اپنے رشد و ہدایت

سے منور کر دیا، جنہوں نے بھٹکے ہوئے انسانوں کو نیکی کی راہ

دیکھائی، جنہوں نے ایک گرتے ہوئے معاشرے کو انتشار و ابتری سے بچایا، جنہوں نے پنجاب میں سلسلہ قادریہ کو نشاۃ ثانیہ بخشی، جنہوں نے تنزل و انحطاط کے دور میں احيائے ملت اور اعلاء کلمۃ الحق کی کوششیں کیں، ان کی یہ تمام مساعی و کوششیں پاکستان کی روحانی و ثقافتی تاریخ میں ہمیشہ آبِ زر سے لکھی جائیں گی۔

حالات :

حضرت میاں سیر کا نام شیخ سیر محمد، کنیت میاں میر ہے، آپ کے والد کا نام قاضی سائیں دند، بن قاضی قلندر اور والدہ محترمہ کا نام بی بی فاطمہ بنت قاضی قاضن ہے۔

آپ کا وطن سندھ کا مشہور اور قدیم شہر سیوستان (سیوہن) ہے۔ میاں سیر خاندانی اعتبار سے فاروقی ہیں، آخر میں آپ کا نسب حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد قاضی سائیں دند اپنے علم و فضل تقویٰ و تقدس کے اعتبار سے نہ صرف سیوستان میں ممتاز مانے جاتے تھے، بلکہ پورے سندھ میں آپ کی عظمت مسلم تھی تحفۃ الکرام میں ہے کہ: قاضی سائیں دند از اولاد فاروق واجلہ علمائے روزگار بود، شریعت را یار طریقت و طریقت تو اسان حقیقت داشتہ در سوستان نامی بل در تمامی مفد گرامی گزشتہ۔

دارا شکوہ نے اپنی کتاب مکینۃ الاولیاء میں میاں سیر کا سنہ ولادت آپ کے بھتیجے کے حوالے سے ۹۳۸ھ (۱۵۳۱-۳۲ء)

تحریر کیا ہے^۱، میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے اپنی مشہور کتاب تحفۃ الکرام میں آپ کا سند ولادت ۱۵۹۵ھ (۵۱-۱۵۵۰ء) لکھا ہے۔^۲

تعلیم طریقت :

بارہ سال کی عمر میں آپ نے دینی علوم کی تکمیل مختلف اساتذہ سے کی، پھر آپ کی والدہ نے آپ کو سلسلہ قادریہ کے سلوک کی تعلیم دی۔^۳

بیعت :

پھر آپ اپنی والدہ محترمہ سے اجازت لے کر اور علائق دنیوی سے منہ موڑ کر سلسلہ قادریہ میں شیخ خضر سیوستانی^۴ سے مرید ہوئے، جو سیوہن کے باہر ایک پہاڑ پر مقیم تھے، ان ہی ابزرگ سے ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقہ خلافت عطا کرنے کے بعد آپ کے شیخ نے آپ سے فرمایا تمہارا کام مکمل ہو چکا، اب تمہیں اختیار ہے، جہاں چاہے سکونت اختیار کرو۔

-
- (۱) مکینۃ الاولیا (اردو ترجمہ) ص ۱۹ -
 (۲) تحفۃ الکرام، جلد ۳ : ص ۱۳۸ -
 (۳) خزینۃ الاصفیاء، جلد ۱ : ص ۱۵۴، مطبوعہ نولکشور۔
 (۴) شیخ خضر سیوستانی : سندھ میں سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتبت صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں، ان کا وطن سیوہن تھا، سندھ میں سلسلہ قادریہ کے فیوض و برکات کے عام کرنے میں شیخ خضر (بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷۹ پر)

لاہور میں آمد :

اکبر کے عہد حکومت میں پچیس سال کی عمر میں بنیاں میر لاہور تشریف لائے، لاہور پہنچ کر آپ مولانا سعد اللہ کے حلقہ درس میں شریک ہو گئے، جو اس دور کے متبحر عالم تھے، پھر کچھ زمانے تک مولانا نعمت اللہ اور مفتی عبدالسلام لاہوری سے بھی تعلیم حاصل کی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷۸)

کا بڑا حصہ ہے، ان کے آئینہ اخلاق میں اتقا، تقدس توکل و استغناء کا عکس نمایاں نظر آتا ہے، توکل کی انتہا یہ تھی کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی میں کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھا، وہ ابتداءً اپنے وقت کا بڑا حصہ ایک قبرستان میں گزارتے تھے، پھر وہ سیوہن کے باہر ایک پہاڑ پر مقیم ہو گئے، جہاں ان کا سارا وقت عبادتوں، مجاہدوں اور یاد اللہی میں گزرتا تھا، انہوں نے ایک تنور بھی بنوایا تھا، جسے موسم سرما میں رات کے وقت گرم کر کے رات اس تنور کے پاس بسر کرتے، گرمی اور سردی میں ان کا لباس ایک تہ بند تھا، شیخ خضر نے ۱۹۹۴ء میں وفات پائی (خزینۃ الاصفیاء جلد ۱،

ص ۱۳۶)

(۱) مفتی عبدالسلام لاہوری: اپنے دور کے ان بے مثل علماء میں سے تھے جن کی درس و تدریس میں مثال نہیں ملتی، انہوں (بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۰ پر)

ریاضتیں اور مجاہدے :

و یاد رہے کہ

لاہور میں آپ دن کے وقت بزرگوں کے مقابر، باغوں یا جنگلوں میں یادِ حق میں گزارتے تھے، اور جو سریدین و معتقدین آپ کے ساتھ ہوتے وہ بھی الگ الگ ایک ایک درخت کے نیچے یادِ الہی میں مشغول ہو جاتے، جب نماز کا وقت آتا تو سب مل کر نماز باجماعت ادا کرتے، راتوں کو عبادت الہی میں مشغول رہتے، اکثر یہ اشعار پڑھتے :

کسے کو غافل از حق یک زماں ست

در آں دم کافر ست امّا نہاں ست

کز یس غفلت بجاں پیوستہ بودے

در اسلام پیر وے بستہ بودے

(بقینہ حاشیہ صفحہ ۴۷۹)

نئے کتب درسیہ کی تعلیم شیخ اسحاق بن کاکو، شیخ سعد اللہ اور قاضی صدر الدین سے پائی تھی، اور حکمت و فلسفے کی کتابیں علامہ فتح اللہ شیرازی سے پڑھی تھیں، تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ لاہور میں درس و تدریس میں پچاس سال مشغول رہے، ان کے مشہور تلامذہ میں شیخ محب اللہ آبادی، مفتی عبدالسلام دیوی اور میاں میر لاہوری ہیں۔ ان کی تصانیف میں بیضاوی کا حاشیہ ہے۔

ماثر الاسرا میں ہے کہ وہ لشکر میں مفتی تھے، ایک طویل عرصے تک اس خدمت پر مامور رہے، پھر اس خدمت سے غلیحذہ ہنو گئے، مفتی عبدالسلام نے اسی سال کی عمر میں ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۷ء) میں وفات پائی (فرہنگ الخواطر جلد ۵ : ص ۲۲۳-۲۲۴)

جن باغوں اور مقامات میں آپ عبادت کے لیے جاتے ، داراشکوہ نے مکینہ الاولیاء میں ان مقامات اور باغوں کے نام صراحت سے لکھے ہیں ۔

سرہند میں تشریف آوری :

لاہور میں جب میان میر کی ولایت کی شہرت ہوئی ، معتقدین کا ہجوم ہونے لگا تو آپ سرہند تشریف لے گئے ، لیکن وہاں گھٹنوں کے درد اور سخت بیماریوں میں مبتلا رہے ۔

پہلا مرید :

سب سے پہلے مرید جن کو آپ نے درجہ کمال تک پہنچایا وہ حاجی نعمت اللہ سرہندی تھے ، اس زمانے میں جب کہ آپ سرہند میں بیمار تھے ، حاجی نعمت اللہ کو آپ کی بیماری اور تنہائی کا حال معلوم ہوا ، وہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر انتہائی اخلاص و سعادت سے آپ کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے ، یہاں تک خدمت کی کہ پیشاب پاخانہ بھی اپنے ہاتھ سے اٹھاتے تھے ، جب حضرت میان میر صحت یاب ہوئے تو آپ نے ان سے خوش ہو کر فرمایا ، ہمارے پاس دنیاوی مال و متاع نہیں جو ہم تم کو دیں ، لیکن اگر تم چاہو تو ہم تمہیں روحانی نعمتوں سے مالا مال کر سکتے ہیں ، حاجی نعمت اللہ نے عرض کیا کہ اس سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہو سکتی ہے ، چنانچہ آپ نے ان کو بیعت کر کے ایک ہی ہفتے میں سلوک کے درجہ کمال پر پہنچا دیا ۔ حاجی نعمت اللہ پہلے طالب تھے جو آپ کی روحانی تعلیمات سے مستفیض ہوئے ۔

لاہور میں دوبارہ تشریف آوری :

مرہند میں ایک سال قیام کے بعد آپ پھر دوبارہ لاہور تشریف لائے اور آخر عمر تک باغبانوں کے محلے میں ، جسے اب خانپورہ کہتے ہیں مقیم رہ کر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے ، اور سارے پنجاب کو اپنی روحانی نعمتوں سے سالا مال کر دیا ، اور اپنے مریدوں کی اصلاح فکر اور تہذیب نفس کر کے ایک ایسی جماعت پیدا کی ، جس سے رشد و ہدایت کے چشمے پھوٹے ۔

طریقہ بیعت :

بہت کم لوگوں کو بیعت کرتے تھے ، جب کوئی شخص آپ کی خدمت میں آتا تو اس سے پوچھتے کس لیے آئے ہو؟ اگر وہ کہتا کہ آپ کی ملاقات کے لیے آیا ہوں تو اس سے نہایت مہربانی سے پیش آتے ، اور فرماتے آؤ بیٹھو ، پھر کچھ دیر کے بعد پیاتھ اٹھا کر اس کے لیے دعا کرتے اور اسے رخصت کرتے ، اگر وہ کہتا کہ میں طلب حق کے لیے آیا ہوں ، فرماتے جاؤ اپنا کام کرو ، بابا! حق کی طلب آسان کام نہیں ، بہت مشکل ہے ، جب تک کہ تم اس کی طلب میں یگانہ نہ ہو جاؤ گے ، اسے نہ پاسکو گے ، اور چون کہ دل ایک ہے ، اور ایک چیز میں صرف ایک ہی چیز سما سکتی ہے ، اس لیے مجرد ہونا چاہیے ، جب کوئی آپ کا مرید ہوتا تو اسے یہ شعر سناتے :

شرط اول در طریق معرفت دانی کہ چیست

ترک کردن ہر دو عالم را و پشت پا زدن بہ ہر

یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے :

کسے را امتحان نا کردہ صد بار
نگزدانی تو او را صاحب اسرار

آخر جب طالب ترک و تجرید اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر کرتا اور قطع علائق کر لیتا تو اسے ریاضت شاقہ ، کم خوری ، کم خوابی اور کم گوئی کی تلقین فرماتے ۔

مریدوں کی تربیت :

مریدوں کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ فرماتے ، مثلاً خواجہ بہاری جو آپ کے مرید و خلیفہ ہیں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے گھر میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے ، اتفاقاً مکان گرنے کے آثار ظاہر ہوئے ، میں نے لوگوں سے کہا فوراً باہر چلے جاؤ ، یہ مکان گرنے والا ہے ، لوگ باہر چلے گئے ، لیکن میں وہیں بیٹھا ہوا کلمہ طیب بلند آواز سے پڑھتا رہا ، یہاں تک کہ چھت گری ، دو لکڑیاں آپس میں کچھ اس طرح ملیں کہ میں ان کے بیچ میں آکر سلامت رہا ۔ جب یہ بات لوگوں نے حضرت میان میر سے بیان کی تو لوگوں کو امید تھی کہ اس واقعہ کے سننے کے بعد آپ میری تعریف فرمائیں گے ، لیکن آپ نے فرمایا ”پائے مرتبہ ، پائے مرتبہ“ مرتے وقت بھی اس کا خیال دل سے نہ گیا ، آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ چون کہ میں نے کلمہ طیب بلند آواز سے پڑھا تھا ، تاکہ لوگ کہیں کتنا بڑا درویش ہے کہ مرتے وقت بھی خدا

کو یاد کرتا رہا ، گویا یہ اس پر تنبیہ تھی کہ مجھے کلمہ
آہستہ آہستہ پڑھنا چاہیے تھا ۔
میاں میر کے متعلق علامہ اقبال کی ایک روایت :

علامہ اقبال نے مثنوی اسرار و رموز میں اس ضمن میں کہ
مسلم کی زندگی کا مقصد اعلائے کلمہ اللہ ہے ، اگر جہاد میں یہ
مقصد پیش نظر نہ ہو ، اور جہاد ، زمین حاصل کرنے کی ہوس میں ہو
تو ایسا جہاد اسلام میں حرام ہے ، اس ضمن میں انہوں نے
حضرت میاں میر کے ایک واقعہ کو نظم کرتے ہوئے لکھا کہ :
ان کے ارادت مندوں میں ہندوستان کا ایک بادشاہ تھا ، جس کی
ہوس ملک گیری اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ چاہتا تھا کہ تمام
ممالک پر قبضہ کر لے ، ہوس نے اس کی جان میں آگ لگا رکھی
تھی ، اور وہ تلوار کو محض اس لیے چلاتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ
ملک حاصل کرے ۔ اس میں ملک گیری کا جذبہ اس قدر بڑھا
ہوا تھا کہ وہ ملک گیری کے لیے ایک طویل عرصے
سے مصروف جنگ تھا ۔ ایک روز یہی بادشاہ حضرت میاں میر کی
خدمت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوا کہ ملک گیری میں اس
کو کامیابی حاصل ہو ۔ حضرت میاں میر اس کی بات سن کر خاموش
رہے ، یہاں تک کہ اسی وقت ایک مرید نے آپ کی خدمت میں
چاندی کے چند مکے بطور نذر پیش کیے ۔ اس نے کہا کہ حضور !
میں نے یہ مکے نہایت محنت کر کے حاصل کیے ہیں ، آپ میری
اس حقیر نذر کو قبول فرمائیں ، حضرت میاں میر نے اس مرید سے

۱ ۔ یہ تمام تفصیل سکینہ الاولیاء (اردو ترجمہ) سے ماخوذ ہے ۔

فرمایا کہ یہ روپیہ ہمارے اس بادشاہ کو دے دو، جو اب بھی بادشاہی کے اباس میں گدا ہے، اگرچہ اس کی حکومت چاند، سورج، ستاروں پر ہے، لیکن پھر بھی یہ اپنی حرص و ہوس کی وجہ سے دنیا کے مفلس ترین لوگوں میں ہے، وہ دوسروں کے دستر خوان پر نظریں جمائے ہوئے ہے، اس کی حرص و ہوس کی بھوک نے زمانے کو جلا رکھا ہے، اس کی ناداری سے خدا کی مخلوق پریشان ہے، اس کی تہی دستی سے ضعیف آزار میں ہیں۔ اس نے اپنے فکر خام کی وجہ سے لوٹ مار کا نام تسخیر رکھا ہے، خود اس کا لشکر، اس کے غنیم کا لشکر اس کی بھوک کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے ہے، فقیر کی بھوک کی آگ تو اسی کی حد تک رہتی ہے، لیکن بادشاہ کی بھوک کی آگ ملک و ملت کو فنا کر دیتی ہے، جس نے بھی تلوار غیر اللہ کے لیے اٹھائی، اس کی تلوار اسی کے سینے میں گھپی۔^۱

علامہ اقبال کے اصل اشعار یہ ہیں :

حضرت شیخ میاں میر ولی
پہر خفی از نور جانِ او جلی
بر طریقِ مصطفیٰ محکم ہئے
نغمہٴ عشق و محبت را نشے
تربتش ایمان خاکِ شہرِ ما
مشعلِ نور ہدایت بہرِ ما

۱۔ علامہ اقبال کی اس روایت کا خلاصہ مثنوی اسرار و رموز،

ص ۷۰ - ۷۲ سے میں نے اپنے الفاظ میں لکھا ہے۔

بر در او جبهه فرما آسمان
 از سریدانش شهنشاه هندوستان
 شاه تخم حرص در دل کاشته
 قصد تسخیر ممالک داشته
 از پوس آتش بجان افروخته
 تیغ را هل من بزید آموخته
 رفت پیش شیخ گردون پاینده
 از دعا سرمایند
 مسلم از دنیا موئے حق رم کند
 از دعا تدبیر را محکم کند
 شیخ از گفتار شد خاموش ماند

بزم درویشان سراپا گوش ماند

تار مریدی سکه سیمین بدست
 لب کشود و بسهر خاموشی شکست
 گفت این نذر حقیر از من پذیر
 این حق آوارگان را دست گیر
 غوطه بها زد در خوئے محنت تنم
 تا گره زد در پی در دامنم

گفت شیخ این زر حق سلطان ما است
 آنکه در پیرایین شایبی گداست

حکمِ رانِ مہر و ماہِ انجم است
 شاہِ ماہِ مفلحِ ترینِ مردم است
 دیدہ بر خوانِ اجانبِ دوخت است
 آتشِ جوعشِ جہانی سوخت است
 قحط و طاعونِ تابعِ شمشیرِ او
 عالمِ ویرانہ از تعمیرِ او
 خلقِ در فریاد از ناداریش
 از تہی دستیِ ضعیفِ آزاریش
 سطوتشِ اہلِ جہاں را دشمن است
 نوعِ انسانِ کاروان، او رہ زن است
 از خیالِ خودِ فریب و فکرِ خام
 می کند تاراج را تسخیرِ نام
 عسکرِ شاہی و افواجِ غنیم
 ہر دو از شمشیرِ جوعِ او دونیم
 آتشِ جانِ گدا، جوعِ گداست
 جوعِ سلطانِ ملک و ملت را فناست
 ہر کہ خنجرِ ہر غیرِ اللہ کشید
 تیغِ او در سینہ او آرمید
 شاہانِ وقت کی عقیدت :

جہانگیر:

شاہانِ وقتِ حضرتِ میاں میر سے غیر معمولی عقیدت و محبت

۱۔ انیروز و رموز، ص ۷۰ - ۷۲ -

رکھتے تھے ، جہانگیرؑ اپنی توزک میں حضرت میاں میر کا تذکرہ
نہایت عقیدت و احترام سے کرتے ہوئے چودھویں جشن ۱۰۲۸ھ
(۱۶۱۹ء) کے واقعات میں لکھتا ہے کہ :

جب مجھے اس کی اطلاع ملی کہ لاہور میں میاں
شیخ میر محمد ناسی ایک درویش سندھی نژاد ہیں ، جو
نہایت فاضل ، ریاضت کش ، مبارک نفس ، صاحبِ حال
بزرگ ہیں ، اور وہ گوشہٴ توکل و عزالت میں گوشہ نشین
ہو کر فقر کی دولت سے غنی اور دنیا سے بے نیاز ہیں ،
یہ سن کر میری حق پسند طبیعت ان کی ملاقات کے لیے
بیقرار ہوئی ، اور ان کے دیکھنے کا جذبہٴ اشتیاق اور
بڑھپا ۔ چوں کہ لاہور جانا مشکل تھا ، اس لیے میں نے
ان کی خدمت میں ایک رقعہ لکھا ، اور اس رقعے میں
اپنے اشتیاقِ ملاقات کو ظاہر کیا ، وہ بزرگی بڑھاپے
اور کمزوری کے باوجود زحمتِ سفر برداشت کر کے
میری ملاقات کے لیے تشریف لائے ، اور ایک طویل مدت
تک تخلیے میں ان کے ساتھ میری صحبت رہی ،
فی الحقیقت وہ نہایت شریف النفس بزرگ ہیں ، اور اس
زمانے میں ان کا وجود نہایت غنیمت ہے ، یہ نیاز مند

-
- ۱ - جہانگیر : ۱۰۱۳ھ میں تخت نشین ہوا ، اور ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ
کو ۲۳ سال ۸ ماہ اور پندرہ روز حکومت کر کے وفات پائی
(حاشیہ مقالات الشعراء ، ص ۳۲۵ ، بحوالہ مفتاح التواریخ -)

آن سے نہایت والہانہ محبت رکھتا ہے ، بہت سی حقائق و معارف کی بلند باتیں آن سے سنیں ، میں نے ہر چند چاہا کہ آن کے سامنے نذر پیش کروں ، لیکن آن کے عزم و حوصلے کو دیکھ کر اور اس سے باند و بالا پا کر میرے دل نے اس ارادے کو پورا کرنے کی اجازت نہ دی ، سفید پرن کی کھال کی جائے نماز آن کی خدمت میں پیش کی ، وہ ملاقات سے فارغ ہونے کے بعد فوراً واپس لاہور تشریف لے گئے ۔^۱

مکینہ الاولیاء میں ہے کہ جہانگیر نے اس ملاقات کے موقع پر آپ سے عرض کیا کہ : آپ مجھ سے کسی بات کی خواہش کریں ؟ آپ نے فرمایا کہ میں جو کچھ تم سے طلب کروں گا تم دو گے ؟ جہانگیر نے کہا ہاں ، فرمایا تو بس میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے رخصت کی اجازت دو ، جہانگیر نے آپ کو نہایت تعظیم و توقیر سے رخصت کیا ، اور آپ لاہور واپس تشریف لے آئے ، واپس آنے کے بعد بھی جہانگیر نے آپ سے خط و کتابت جاری رکھی ، ایک خط کے آخر میں لکھا :

بعرض پیر دستگیر شیخ سیر، از بس نیازمند درگاہِ الہی بعد
از عرض دعا التماس یہ ہے کہ دعا کے وقت کبھی کبھی
اس بندے کو یاد فرمایا کریں ۔^۲

(۱) توزک جہانگیری ، جلد ۲ ، (آردو ترجمہ) - اعجاز الحق قدوسی ،

ص ۱۵۰ -

(۲) مکینہ الاولیا (آردو ترجمہ) ص ۳۸ -

شاہجہاں

شاہجہاں بھی آپ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا، بادشاہ نامہ، عمل صالح اور سکینۃ الاولیاء میں ان ملاقاتوں کا تذکرہ ملتا ہے، بادشاہ نامے میں ۸ رجب ۱۰۴۳ھ میں جو شاہجہاں اور میاں میر کی ملاقات ہوئی، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے صاحب بادشاہ نامہ لکھتا ہے:

صافی ضمیر، میاں میر کہ جن کی تشریف آوری سے

پہلے بھی یہ گھر مہبط انوار بن چکا تھا تشریف لائے،

اور بادشاہ کی گزارش پر آپ نے بہت سے دقائق، حقائق

اور غوامض و معارف کو اس دلکش طریقے پر بیان فرمایا

جو انشراح صدر اور انبساط قلب کا موجب تھا۔

شاہجہاں پر آپ کی عقیدت کا تاثر اس درجہ تھا کہ وہ آپ کی بزرگی اور علوئے مرتبت کے سامنے کسی دوسرے کو نہ مانتا تھا، عمل صالح میں ہے کہ:

حضرت بادشاہ حقائق آگاہ اس مقتدائے اصحاب و عرفان

۱۔ شاہجہاں: شہاب الدین محمد شاہ جہاں بن جہانگیر بن اکبر:

یکم ربیع الاول ۱۰۰۰ھ میں لاہور میں پیدا ہوا، اور ۳۷ سال کی

عمر میں جہانگیر کے بعد ۷ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ کو آگرے

میں تخت نشین ہوا، اور ۷۶ سال کی عمر میں ۲۶ رجب

۱۰۷۶ھ میں وفات پائی، (حواشی مقالات الشعراء، مرتبہ

سید حسام الدین راشدی، ص ۳۲۳ و ۳۲۶)۔

(میاں میر) کی صحبت کے والد و شیدا تھے کہ اس سے زیادہ کسی عقیدت و شیفتگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا ، چنانچہ بارہا آپ کے محمودہ اطوار اور مبارک احوال کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے کہ اس سر زمین کے مشائخ میں میں نے میاں میر جیسا کامل نہیں دیکھا ، اور ان کے بعد شیخ المشائخ فضل اللہ ہیں ۔

شاہجہاں کو نصائح :

داراشکوہ نے مکینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ شاہجہاں دو مرتبہ میاں میر کے گھر پر حاضر ہوئے ۔ ان مجالس میں میں خود بھی حاضر تھا ، آپ نے انہیں پند و نصائح فرمائے ، شاہجہاں آپ کے ارشاد اور شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ترک و تجرید میں میں نے میاں میر جیسا کوئی درویش نہیں دیکھا ۔

ان ہی میں سے ایک ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے دارا شکوہ لکھتا ہے کہ جب شاہجہاں میاں میر کے حجرے میں داخل ہوئے ، پہلی بات جو آپ نے شاہجہاں سے فرمائی ، وہ یہ تھی کہ عادل بادشاہ کو اپنی رعیت اور سلطنت کی خبر گیری کرنی چاہیے ، اور تمام قوتیں اپنی مملکت کے آباد کرنے میں صرف کرنی چاہیں ، کیونکہ اگر رعیت آسودہ اور ملک آباد ہے ، تو فوج مطمئن اور خزانہ معمور ہوگا ۔^۱

۱ ۔ مکینۃ الاولیاء (آردو ترجمہ) ، ص ۳۸ ۔

دارا شکوہ :

دارا شکوہ! بھی حضرت میاں میر کا عاشق تھا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے بھی اس کی روحانی تربیت اور ذوق و شوق کو آب و رنگ بخشا تھا، جب دارا شکوہ کو بیعت کا خیال پیدا ہوا تو اس وقت میاں میر وفات پاچکے تھے، لہذا

(۱) دارا شکوہ شاہجہاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا، جو ۲۱ صفر ۱۰۲۳ھ (۱۶۶۵ء) میں بانو بیگم المخاطب بہ ممتاز محل کے بطن سے اجمیر میں بمقام ماگر تال پیدا ہوا، ابو طالب کلیم نے اس کی تاریخ ولادت گلِ اولین گلستان شاہی سے نکالی، اس ۱۰۲۳ھ

نے شیخ میرک بن فکیح الدین پروی اور دوسرے علماء سے تعلیم حاصل کی اس کا علمی مرتبہ بہت بلند تھا، تصوف سے اس کو غیر معمولی دلچسپی، اور صوفیہ سے غیر معمولی عقیدت تھی، اس کی تصانیف جن کا اب تک پتا چل سکا ہے، اور جو فارسی ادب اور تصوف کا بہترین سرمایہ سمجھی جاتی ہیں، حسب ذیل ہیں۔

- (۱) سفینۃ الاولیاء (۲) سکینۃ الاولیاء (۳) رسالہ حق نما
- (۴) حسنات العارفین یا شطحیات (۵) مجمع البحرین (۶) ستر اکبر
- (۷) ترجمہ بھگوت گیتا (۸) بیاض دارا شکوہ (۹) دیوان دارا شکوہ (۱۰) دیباچہ مرقع (۱۱) مثنوی (۱۲) نادر النکات
- (۱۳) رسالہ معارف (۱۴) سکاتیب -

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۳ پر)

آس نے آپ کے خلیفہ مُسلا محمد بدخشی^۱ سے بیعت کی - اور حضرت میاں میر بھی اس سے بے حد محبت فرماتے تھے -

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۲)

دارا شکوہ ۲۱ ذی الحجہ ۱۱۶۹ھ کو اپنے بھائی عالمگیر کے حکم سے قتل کیا گیا ، سیف خاں ، نظر بیگ چیلہ اور بعض دوسرے لوگوں نے آسے قتل کیا ، اور ہمایوں کے مقبرے کے تہہ خانے میں دفن کیا گیا - عمل صالح میں ہے کہ اسی لباس میں دفن کیا گیا جو قتل کے وقت آس کے جسم پر تھا ، مقالات الشعرا بضمن قادری ، ص ۵۰۴ - ۵۱۰ -

(۱) مُسلا شاہ محمد بدخشی : کا نام شاہ محمد ، ان کے والد کا نام مُسلا عبدی تھا ، مُسلا عبدی جوارِ ارکسا کے قاضی تھے ، ارکسا روشاق کا ایک گاؤں ہے - مُسلا شاہ محمد بدخشی ۱۰۲۳ھ (۱۶۲۳-۲۴ء) میں سلسلہ قادریہ میں حضرت میاں میر کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے ، میاں میر نے اپنی وفات سے چند سال پہلے مُسلا بدخشی کو اپنی خلافت سے سرفراز کیا ، تقریباً تیس سال تک آپ میاں میر کی خدمت میں حاضر رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے ، لاہور کی گرمی سے مجبور ہو کر آپ نے کشمیر کو اپنا وطن بنایا ، آپ جب تک حیات رہے ہر سال التزاماً موسم سرما میں اپنے مرشد کی خدمت میں لاہور حاضر ہوتے تھے ، کشمیر میں دارا شکوہ اور جہاں آرا نے آپ کے لیے دامنِ کوہ میں ایک عالی شان خانقاہ تعمیر کرا دی تھی -

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۴ پر)

ایک دفعہ دارا شکوہ کا ملازم کسی کام سے حضرت میاں میر کی خدمت میں گیا، آپ نے حسب عادت اس سے اس کا نام پوچھا، اور دعا فرمائی، رخصت ہوتے وقت اس نے عرض کیا کہ میں دارا شکوہ کا ملازم ہوں، اگر وہ مجھ سے پوچھیں کہ حضور نے میرے متعلق کیا فرمایا تو میں کیا عرض کروں؟ فرمایا اگر تم اس کے ملازم ہو تو بیٹھ جاؤ، پھر یہ مصرعہ پڑھا:

اے گیل! بتو خور سندم تو بوئے کسی داری! اور اس پر نہایت توجہ اور عنایت فرمائی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۳)

۵۰۵ (۱۶۳۹ء) میں دارا شکوہ اور اس کی بہن آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔

ملا شاہ محمد بدخشی فارسی کے بلند پایہ شاعر بھی تھے، غزلوں میں اپنا تخلص شاہ فرماتے تھے، اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے دور حکومت میں حکم دیا کہ ملا بدخشی بجائے کشمیر کے لاہور میں قیام فرمائیں، اس حکم کے بعد آپ لاہور میں مقیم ہو گئے، لاہور میں آپ کے قیام کو ایک سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ ۵۰۷ (۱۶۵۹ء) میں آپ نے وفات پائی (رود کوثر، ص ۳۸۵ - ۳۸۶ - فٹ نوٹ مقالات الشعراء، ص ۵۳ - سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۳۷ - ۳۸)

(۱) سکینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۳۱ - ۳۲

اخلاق :

حضرت میاں میر حسن اخلاق کا پیکر مجسم تھے ۔ دارا شکوہ نے سکینہ الاولیاء میں آپ کے حسن اخلاق کی توصیف کرتے ہوئے لکھا کہ : آپ کا خُلق اس مرتبے کا تھا کہ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ، اگرچہ حضرت اُسے تھوڑی سی دیر اپنے پاس بٹھاتے تاہم اس طرح توجہ اور مہربانی فرماتے کہ وہ سمجھتا کہ جس قدر لطف و عنایت اس پر ہوئی ، کسی دوسرے پر نہیں ، یہ بات میں نے اکثر لوگوں سے سنی کہ جس پر شفقت فرماتے ، اس کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر بات کرتے ۔

ابو جعفر حداد کہا کرتے تھے کہ اگر عقل مرد کی صورت میں ہوتی تو جنید کی صورت میں ہوتی ، اور اگر خُلق مرد کی صورت میں ہوتا تو حضرت میاں میر کی صورت میں ہوتا ، آپ جس پر بھی عنایت فرماتے اُسے ”یار عزیز“ کہہ کر مخاطب کرتے ، سلک کی خوش حالی ، اور لوگوں کی خبر گیری کرنے کی تلقین کرتے ، اور مستحق لوگوں کے لیے صدقے کی نصیحت فرماتے ، مریدوں کو وہ دوست سمجھتے تھے ، لفظ مرید آپ کی زبان مبارک پر کبھی نہ آتا تھا ، فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں پیری مریدی کا سلسلہ نہ تھا ، لیکن (ہمنشین) و صحبت تھی ، جس کی پیروی ہم کرتے ہیں ، جو ہمارے ساتھ مل بیٹھتا ہے وہ ہمارے دوستوں میں ہے ۔^۱

۱۔ سکینہ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۴۱ - ۴۲ -

مسلمک :

میاں میر ایک قدیم طرز کے صوفی تھے ، جو فنا فی اللہ کی منزل میں تھے ، ان کا تمام وقت عبادتوں اور ریاضتوں میں گزرتا تھا ، وہ وحدت الوجود کو منہائے نظر بنائے ہوئے تھے ، عمل صالح میں بے کما آپ کو شیخ محی الدین ابن العربی کی کتاب ”فتوحات مکیہ“ کا اکثر حصہ حفظ یاد تھا ، اور مولانا جامی کی شرح فصوص الحکم بھی آپ کو پوری طرح حفظ تھی ، شہرت سے آپ کو نفرت تھی ، اور گوشہ تنہائی کو آپ عزیز رکھتے تھے ۔

تعلیمات :

اپنی روحانی تعلیم و عتریت میں وہ شریعت کے اتباع پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے ۔ مریدوں سے ارشاد فرمایا کرتے تھے ، سلوک میں پہلا مرتبہ شریعت ہے ، طالب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے حفظ مرااتب کی کوشش کرے ، جب وہ شریعت کے حقوق مکمل طور پر ادا کرنے لگے گا تو شریعت کے ادائے حقوق کی برکت سے دل میں طریقت کی خواہش خود بخود پیدا ہوگی ، اور جب طریقت کے حقوق کو بھی اچھی طرح ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ بشریت کا حجاب اس کی دل کی آنکھوں سے دور کر دے گا ۔ اور حقیقت کا مفہوم اس پر منکشف ہوگا ، جو روح سے متعلق ہے ، اور طریقت ، باطن کی طہارت اور مرتبہ حقیقت کا ادراک ہے ،

(۱) مکینہ الاولیاء (آردو ترجمہ) ، پروفیسر مقبول بیگ بدخشی ،

مطبوعہ پیکجز لمیٹڈ - لاہور - ص ۹۱ -

اور حقیقت، مفہوم وجود کو فانی بنانا اور دل کو ماسوی اللہ سے خالی کرنا ہے، جو درجہ قرب تک واصل ہوتی ہے، انسان نفس، دل، روح کا مجموعہ ہے، ان میں سے ہر ایک کی اصلاح مقصود ہے، نفس کی اصلاح شریعت ہے، دل کی طریقت اور روح کی حقیقت سے ہوتی ہے۔^۱

ترکِ جاہ :

مریدین و معتقدین کو جاہ و مرتبے کے خیال کو ترک کرنے کی بے حد تلقین فرماتے تھے، فرمایا کرتے تھے : دوستوں ! دل سے جاہ کی محبت نکال دینا بڑی بات ہے۔

فقر و غنا :

حضرت میاں میر کے گھر کا فرش بورے کا تھا، فقر و غنا کا یہ عالم تھا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں، دنیا کی کسی چیز سے دل بستگی نہ تھی، فقرا کو صاحبِ ثروت لوگوں سے بہتر سمجھتے تھے۔^۲

وفات :

حضرت میاں میر اٹھاسی سال کی عمر میں ۷ ربیع الاول ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۵ء) کو بروز سہ شنبہ پیر کا دن گزرنے کے بعد واصل الی اللہ ہوئے، سکینہ الاولیاء میں ہے کہ آخر عمر میں آپ اسہال میں

(۱) ماخوذ از سکینہ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۶۶ -

(۲) سکینہ الاولیاء اردو ترجمہ - مترجم پروفیسر مقبول بیگ بدخشی

مبتلا ہوئے، پانچ روز تک بیمار رہے، بیماری کے دنوں میں آپ کے مزیدین و خلفاء میں مولانا خواجہ بہاری، شیخ محمد لاہوری، میان حاجی محمد بنیانی اور نور محمد خادم نے تیمارداری اور خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، یہ حضرات رات دن آپ کی خدمت میں لگے رہتے۔ دارا شکوہ کا بیان ہے کہ آپ کے خادم نور محمد نے مجھے بتایا کہ حضرت میان میر کی وفات سے ایک دن پہلے وزیر خاں حاکم آپ کی عیادت و مزاج پرسی کے لیے آیا، خادموں نے آپ کو اطلاع دی، فرمایا آسے واپس کردو، خادموں نے عرض کیا کہ وہ آپ کی عیادت کے لیے آیا ہے، فرمایا اچھا آنے دو، لیکن اس سے کہہ دو کہ وہ زیادہ دیر تک نہ بیٹھے، وزیر خاں جب اندر آیا تو اس نے عرض کیا کہ میں آپ کے علاج کے لیے ایک طبیب حاذق کو ساتھ لایا ہوں، اگر آپ کی اجازت ہو تو یہ آپ کا علاج کرے، فرمایا میرے لیے حکیم مطلق کافی ہے پھر آپ نے وزیر خاں کو رخصت کر دیا۔

حاجی پراچہ کا بیان ہے کہ میں مرض الموت حضرت میان میر کی خدمت میں موجود تھا، وفات سے کچھ پہلے حضرت کو اجابت ہوئی، فراغت کے بعد پھر بے چینی ہوئی اور چاہا کہ چارپائی سے نیچے اتریں میں نے حضرت کا ہاتھ تھاما کہ سہارا دوں، حضرت نے ہاتھ کھینچ لیا، اور کہا چھوڑ دو، پھر خود ہی بے چینی کی حالت میں نیچے اترے اور کہا: الصلوٰۃ السلام علیک یا رسول اللہ۔ اس کے بعد آپ کا سانس رکنے لگا، میں نے آپ کو بستر پر لٹا دیا، اللہ اللہ آپ کے ورد زبان تھا، مسکراتے تھے اور دونوں ہاتھ اہل۔

وجد کی طرح بہلاتے تھے ، یہاں تک کہ رحمت حق سے جاملے ۔
 میاں شیخ محمد لاہوری کا بیان ہے کہ میں حضرت میاں میر
 کی وفات کے وقت موجود تھا ، نزع کے عالم میں میں نے دیکھا کہ
 آپستہ آپستہ دہن مبارک پل رہا ہے ، قریب گیا کہ سنوں آپ
 کیا فرما رہے ہیں ، میں نے دیکھا کہ سانس مینے سین رک گیا ہے ،
 اور اضطراب کی کیفیت ہے ، پھر آپ نے دو بار اللہ اللہ کہا ، اور
 سانس منقطع ہو گیا ۱ ۔

جس دن وفات ہوئی ، سارے شہر میں کھرام مچ گیا ، حاکم شہر
 آپ کی وفات کی خبر سن کر اکابر ، علماء و فضلاء ، اور شہریوں
 کے ساتھ آپ کے گھر آیا ، خادم تجہیز و تکفین کے انتظام میں
 مصروف ہو گئے ، پورے اعزاز و احترام کے ساتھ آپ کا جنازہ اٹھایا
 گیا ، جنازہ اس جگہ لایا گیا کہ جہاں آپ نے وصیت کی تھی کہ
 مجھے دفن کیا جائے ، کیوں کہ میرے یار میاں نتھا ۲ ، حاجی سلیمان ۳ ،
 شیخ ابوالمکارم ۴ ، حاجی مصطفیٰ کلالہ ۵ ، چند اور دوسرے لوگ
 وہیں محو استراحت ہیں ۔

-
- (۱) ماخوذ از سکینۃ الاولیاء - اردو ترجمہ - بدخشانی ، ص ۱۲۳
 (۲) میاں نتھا : حضرت میاں میر کے سر پر آورده سریدں میں تھے ،
 سرہند کے رہنے والے تھے ، عالم جوانی میں میاں نتھا آپ کے
 حلقہ ارادات میں داخل ہوئے ، صاحب کشف و کرامات تھے ،
 میاں نتھا نے ۱۰۲۷ ہ بروز پنج شنبہ وفات پائی ، حضرت میاں میر ،
 (بقیہ حاشیہ ص ۵۰۰ ہ)

ملا فتح اللہ نے اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے
حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا :

میاں میر سر دفترِ عارفان

کہ خاکِ درش رشکِ اکسیر شد

سفرِ جانبِ شہرِ جاوید کرد

چو زینِ محنت آباد دلگیر شد

خرد بہرِ سالِ وفاتش نوشت

بہ فردوسِ والا ”میاں میر“ شد

۵۱۰۴۵

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۹ نمبر ۲)

میاں نتھا سے بے حد محبت رکھتے تھے، جب آپ نے
میاں نتھا کی وفات کی خبر سنی تو فرمایا ہماری وفات کے بعد
ہمیں میاں نتھا کے پاس دفن کرنا (سکینۃ الاولیاء - اردو ترجمہ -
مترجم پروفیسر مقبول بیگ بدخشی مطبوعہ - پیکجز لمیٹڈ -
لاہور) ص ۱۵۹ تا ۱۶۶ -

(۳) حاجی سلیمان : بھی میاں میر کے جلیل القدر مریدوں میں تھے،
ان کی قبر حضرت میاں میر کے مزار کے قریب اور میاں نتھا کی
قبر کے پاس ہے (سکینۃ الاولیاء - اردو ترجمہ، بدخشی)
ص ۱۷۸ پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۱ پر)

مزار کی تعمیر :

آپ کے مزار کی تعمیر کے لیے دارا شکوہ نے جو آپ کا نہایت معتقد تھا ، سالہ جمع کیا تھا ، لیکن ابھی تعمیر کی نوبت نہ آئی تھی کہ دارا شکوہ اپنے بھائی کے حکم سے قتل کیا گیا ، کئی سال کے بعد عالمگیر آپ کے مزار پر حاضر ہوا اس نے اس عمارت کو مکمل کرایا ۲ -

خلفاء و سریدین :

حضرت میاں میر کے خلفاء و سریدین کی تعداد کثیر ہے ، ان میں سے جنہوں نے سلسلہ قادریہ کے فیوض و برکات کو عام کیا ، ان میں حاجی نعمت اللہ سرہندی - میاں نتھا - حاجی مصطفیٰ سرہندی ، ملا حامد گوجر ۳ ، ملا روحی ۴ ، ملا خواجہ کلاں ۵ ،

(بقید حاشیہ صفحہ ۴۹۹)

(۴) شیخ ابوالمکارم : کی قبر بھی میاں نتھا کے مزار کے قریب ہے ، ان کا انتقال حضرت میاں میر سے پہلے ہوا (سکینہ الاولیاء -

آردو ترجمہ ، بدخشی) ص ۱۷۸ -

(۵) حاجی مصطفیٰ سرہندی : حضرت میاں میر کے خاص سریدوں میں تھے ، صاحب حال بزرگی تھے ، ان پر محویت کی کیفیت طاری رہتی تھی ، حاجی مصطفیٰ نے ۱۴ ماہ صفر بروز چہار شنبہ ۱۰۳۹ھ وفات پائی ان کی قبر میاں میر کے روضے کے قریب اور میاں نتھا کی قبر سے متصل واقع ہے (سکینہ الاولیاء - آردو

ترجمہ ، بدخشی) ص ۱۶۷

صالح کشمیری ، ملا عبد الغفور ، شیخ ابوالخیر ، اسماعیل ہزارہ ، قاضی عیسیٰ وغیرہ ہیں ۔

لیکن آپ کے خلفاء میں جو آسمان ولایت پر آفتاب درخشاں بن کر طلوع ہوئے وہ ملا شاہ بدخشی ہیں ، دارا شکوہ نے جو حضرت ملا شاہ بدخشی کا سرید ہے ، سکینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ کا نام شاہ محمد ہے ، لیکن حضرت میاں میر انہیں محمد شاہ کہا کرتے تھے ، اور آپ کے سریدین حضرت اخوند کہہ کر خطاب کرتے تھے ، ان کا لقب ”لسان اللہ“ تھا ، خود ایک رباعی میں فرماتے ہیں :

اں کس کہ زراہ حق آگاہ است

ملا شاہ است و عارف این راہ است

از تاثیر زبان او معلوم است

کامروز ملقب بہ لسان اللہ است

(۱) سکینۃ الاولیاء (ترجمہ بدخشی)

(۲) تذکرہ صوفیائے پنجاب (تالیف اعجاز الحق قدوسی ، ص ۵۷۵)

(۳) ملا حامد گوجر : حضرت میاں میر کے خاص سریدوں میں تھے ،

علوم ظاہری میں ممتاز عالم اور شہر کے معلمین میں تھے ،

ملا حامد گوجر نے حضرت میاں میر کی وفات سے پانچ ماہ اور

۱۹ دن پہلے ۱۷ رمضان ۱۰۴۴ھ کو وفات پائی (سکینۃ الاولیاء،

اردو ترجمہ - بدخشی) ص ۱۶۸

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۳ پر)

ملا شاہ بدخشی کی جلالت شان کا اندازہ اس سے کیجئے کہ
ایک دن حضرت میاں میر نے دعا فرمائی ، اہلِ مجلس نے پوچھا کہ
یہ دعا کس کس کے حق میں ہے ، فرمایا ملا شاہ کے حق میں ،
جس سے میرا طریقہ روشن ہوگا ۔^۱

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۱)

(۴) ملا روحی : کا نام ابراہیم تھا ، صاحبِ مقامات عالیہ تھے ،
میوات ، ہرات اور نارنول کے لوگ آپ سے فیض یاب ہوئے ،
ملا روحی نے ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی ان کی قبر حاجی سلیمان
کی قبر کے متصل ہے (سکینۃ الاولیاء - اردو ترجمہ - بدخشی)
ص ۱۶۹ تا ۱۷۰

(۵) ملا خواجہ کلاں : لاہور کے گرد و نواح کے رہنے والے تھے ،
انہوں نے حضرت میاں سیر کی زندگی میں وفات پائی
(سکینۃ الاولیاء - اردو ترجمہ - بدخشی) ص ۱۷۱ تا ۱۷۲

(۶) صالح کشمیری : کشمیر کے رہنے والے تھے ، انہوں نے میاں میر
کے بعد اپنے ملوک کی تکمیل ملا شاہ بدخشی سے کی ، حاجی
صالح کشمیری نے ماہ جمادی الاول ۱۰۴۵ھ کو وفات پائی
(سکینۃ الاولیاء - اردو ترجمہ ، بدخشی) ص ۱۷۳ - ۱۷۴

(۷) ملا عبد الغفور : علوم ظاہری کے بھی عالم تھے ، شہر لاہور
میں مدرس تھے ، ان کی وفات حضرت میاں سیر کی وفات سے پہلے
ہوئی ان کی قبر کلاں نور میں ہے (سکینۃ الاولیاء - اردو ترجمہ ،
بدخشی) ص ۱۷۵ - ۱۷۶

(۱) تذکرہ صوفیائے پنجاب (تالیف اعجاز الحق قدوسی) ص ۵۷۵

پیر غلام حیدر علی شاہ

علامہ اقبال کی عقیدت :

حضرت پیر غلام حیدر علی شاہ ان بزرگوں میں جن کی خدمت میں علامہ اقبال عقیدت مندانه حاضر ہوتے تھے ، ان سے دعا کرتے اور تصوف کے مسائل پوچھتے تھے ان کے وصال پر علامہ نے یہ تاریخی قطعہ لکھا تھا :

ہر کہ بر خاکِ مزار پیر حیدر شاہ رفت

تربتِ او را امینِ جلوہ ہائے طور گفت

ہاتف از گردوں رسید و خاک اورا بوسہ داد

گفتش سال وفات او بگو مغفور گفت

حالات :

پیر سید غلام حیدر علی شاہ ۳ صفر ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ء) میں پیدا ہوئے ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کی والدہ نے کی ، قرآن حکیم کی تعلیم خان محمد اعظم سے شروع کی ، جس کی تکمیل آپ کے چچا سید اسام شاہ نے کرائی ۔ اردو اور فارسی کی درسی

کتابیں میاں عبداللہ چکروی سے پڑھیں ، فقہ کی کتابیں موضع نینوال میں قاضی محمد کاسل سے پڑھیں ، مفتی غلام محی الدین جو علمی اعتبار سے اس نواح میں بلند پایہ رکھتے تھے استفادہ کیا ، اور فقہ کی مشہور کتاب کنز الدقائق پڑھی ، پھر خواجہ شمس الدین سیالوی سے سرقع اور کشکول کی تعلیم حاصل کی ، گو ظاہر علوم کی تکمیل نہ کرسکے ، لیکن فطری سعادت اور اکابر کی صحبت نے آپ میں علم و عمل کے وہ انداز پیدا کیے جو بہت سے عالموں کے لیے قابل رشک تھے ۔

بیعت :

تعلیم کے بعد آپ شیخ کاسل کی تلاش میں یرن پور پہنچے ، اور وہاں کے ایک بزرگ سید غلام شاہ سے بیعت کی استدعا کی ، وہ آپ کو اپنے ساتھ لے کر حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کی خدمت میں حاضر ہوئے ، خواجہ شمس الدین سیالوی نے آپ کو اپنے دستِ حق پرست پر بیعت کیا ۔

خلافت :

بیعت ہونے کے بعد پیر غلام حیدر شاہ کا دستور تھا کہ ہر دسویں روز پابندی سے اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے ، جب

(۱) خواجہ شمس الدین سیالوی : حضرت سلیمان تونسوی کے محبوب ترین خلفا میں تھے وہ ۱۲۱۴ھ کو میال میں پیدا ہوئے ، اور ۲۱ صفر ۱۳۰۰ھ میں آپ نے وفات پائی (تاریخ مشائخ چشت ، ص ۷۰۲ - ۷۰۵)

چھٹی مرتبہ آپ اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کے مرشد نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا ، اور بیعت لینے کی اجازت دی ۔

شیخ کی شفقت :

حضرت شیخ سیالوی آپ پر بے حد شفقت فرماتے تھے ، اس شفقت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب آپ سیال آتے تو حضرت شیخ سیالوی ان کے استقبال کے لیے کچھ دور جاتے ، ایک دن پیر حیدر شاہ نے حضرت سیالوی کے ایک خادم شیخ عبد الجلیل کے توسط سے عرض کیا کہ حضور میری اس قدر تعظیم و تکریم فرماتے ہیں کہ جس سے میں بے حد شرمندہ ہوتا ہوں ، اور بجائے خود یہ بے ادبی بھی ہے کہ آپ میری تعظیم کے لیے تشریف لائیں ، خواجہ سیالوی نے فرمایا ان سے کہہ دو کہ ہم اپنی مرضی کے مختار ہیں ، تم اس معاملے میں خاموش رہو ۔

اخلاق :

مجسمہٴ اخلاق تھے ، نہایت رقیق القلب اور نرم دل تھے ، کبھی کسی پر خفا ہوتے تو صرف اس قدر فرماتے ، نیک بختا ! تونے یہ کیا کیا ، پھر اسے آزرہ نہ ہونے دیتے فرمایا کرتے تھے :
مباش در پئے آزار ہر چہ خواہی کن
کہ در طریقت ما غیر ازین گنا ہے نیست

ایک شخص مرزا خاں نامی آپ کا سخت مخالف تھا ، جب اس کی شرارتیں حد سے زیادہ بڑھیں تو لوگوں نے آپ سے بیان کیا ، آپ نے فرمایا کہ دعا کرو کہ خدائے تعالیٰ اس پر رحم فرمائے ۔

بے حد متبع شریعت تھے ، ان کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ وہ فقہاء کی طرح محتاط اور شریعت پر عامل تھے ۔

وفات :

۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء) میں پیر غلام حیدر شاہ نے وصال فرمایا ۔

(۱) پیر غلام حیدر شاہ کے یہ حالات تاریخ مشائخ چشت ، ص ۷۰۸۔ ۷۱۲ سے ماخوذ ہیں ۔

حضرت سید بابا تاج الدین ناگپوری

علامہ اقبال کا تاثر :

آخری دور کے بزرگوں میں جن بزرگ سے علامہ اقبال کو عقیدت تھی وہ تاج الاولیا حضرت بابا تاج الدین ناگپوری ہیں۔ اس عقیدت کا پتا ہمیں ان خطوط سے چلتا ہے جو ”شاد و اقبال“ کے نام سے ڈاکٹر محی الدین زور سرخوم نے مرتب کیے تھے۔ اس میں علامہ اقبال اور مہاراجا سرعکشن پرشاد وزیر اعظم حیدرآباد دکن کے وہ خطوط ہیں، جو ایک نے دوسرے کے نام لکھے ہیں۔ افسوس ہے کہ ان مکاتیب کا مجموعہ ہمیں دستیاب نہیں ہو سکا۔

لیکن اقبال اکیڈمی - کراچی کے قلمی ذخیرے سے ان خطوط کے چند اقتباسات درج کرتے ہیں، جن سے بابا تاج الدین سے علامہ اقبال کی دلی عقیدت کا پتا چلتا ہے۔

علامہ اقبال کو مردانِ حق آگاہ کی تلاش رہتی تھی، وہ جہاں کہیں بھی کسی اہل دل کا نام سنتے اس کی ملاقات کے لیے بے چین ہوتے، حضرت بابا تاج الدین ناگپوری کے عرفان و فیوض کا تذکرہ سن کر ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو مہاراجا سرعکشن پرشاد کو

دیر میں دیکھا کہ وہ ایک شخص کی طرف سے ایک خط لکھا تھا جس میں (۱)

میں نے آپ کو ایک خط لکھا تھا

ان بزرگ سے اپنے بے پایاں اشتیاقِ ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک خط میں لکھا :

ناگپور میں ایک بزرگ مولانا تاج الدین نام ہیں۔ کیا سرکار نے کبھی اُن کا نام سنا اُن کی زیارت کی؟ حکیم اجمل خاں صاحب دہلوی سے ان کی بڑی تعریف سنی ہے اور لاہور کے ایک اور دوست بھی اُن کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اُن کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد ہے۔ دیکھیے کب لاہور کی زنجیروں سے خلاصی ملتی ہے۔ چشتی سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں، چوبیس گھنٹے میں بیشتر حصہ مجذوبانہ حالت میں رہتے ہیں۔ مگر سنا ہے کہ رات کے دو بجے کے بعد سے صبح تک اُن کے فیضان کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ حیدرآباد میں کوئی مولوی یا منشی محمد اسماعیل صاحب ان کے پیر بھائی ہیں۔ شاید سرکار کو معلوم ہو۔ غرض کہ جن ذرائع سے معلوم ہوا آدمی قابلِ زیارت ہیں^۱۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو پھر علامہ اقبال نے ایک خط سہا راجا سرکشن پرشاد وزیر اعظم حکومت حیدرآباد دکن کو لکھتے ہوئے حضرت بابا تاج الدین کے متعلق اپنی عقیدت کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔

(۱) ذخیرہ اقبال اکیڈمی قلمی - صحیفہ اقبال نمبر حصہ اول،

ص ۱۸۲ - ۱۸۳ - ۱۸۵

سرکار و الاتبار تسلیم

نوازش نامہ مع ”سفر نامہ ناگپور“ ملا، جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ میں نے اس چھوٹی سی کتاب کو بڑی مسرت سے پڑھا اور سرکار کی عقیدت سے دل کو ایک قسم کی روحانی بالیدگی ہوئی۔ سیرا قصد بھی ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا ہے۔ بعض وجوہ سے تجدید بیعت کی ضرورت پیش آئی ہے۔ سنتا ہوں کہ وہ مجذوب ہیں۔ مگر آج کل زمانہ بھی مجاذیب کا ہے۔ بہر حال اگر مقدر میں ہے تو انشاء اللہ ان سے مشکل کا حل ہوگا۔

اب ہم جناب سید عبد الواحد صاحب معینی نائب صدر اقبال اکیڈمی کے اس مضمون سے استفادہ کرتے ہیں جو حضرت بابا ذہین شاہ تاجی کی تصنیف ”تاج الاولیاء“ میں بطور ضمیمے کے شائع ہوا ہے۔

سید عبد الواحد صاحب معینی ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ مطالعہ اقبال پر صرف کیا ہے، اور علامہ اقبال پر کئی کتابیں تحقیقی رنگ میں لکھی ہیں، برصغیر پاک و ہند میں وہ اس موضوع پر اپنی غیر معمولی محنت و کاوش کی وجہ سے ماہرین اقبالیات میں شمار ہوتے ہیں، اور علمی حلقوں میں ان کی کتابوں کو نہایت مقبولیت حاصل ہے۔

(۱) اس سفر نامے کا دوسرا نام ”آنکھ والا آنکھ والے کی تلاش میں“ ہے اور اس میں بابا تاج الدین کا ذکر نہایت عقیدت سے کیا گیا ہے، اس کتاب کا اسلوب بیان دلچسپ ہے (صحیفہ - اقبال نمبر حصہ اول، ص ۱۸۵)

سید عبد الولحد صاحب معینی اپنے مضمون ” بارگاہ تاج الاولیا میں علامہ اقبال کی عقیدت “ کے عنوان سے رقم طراز ہیں کہ حضور تاج الاولیا سید محمد بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کس قدر عقیدت تھی ، اس کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے ، جو انہوں نے مہاراجا سرکشن پرشاد یمن السلطنت حیدرآباد دکن کو لکھے ہیں ۔

آگے چل کر وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مہاراجا سرکشن پرشاد جب اپنے منصب سے علیحدہ ہو گئے ... تو آن کی درخواست (دعا) دربار تاج الاولیاء میں گزاری ، اور اس کے بعد علامہ اقبال نے ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو مہاراجا کو لکھا کہ :

خاکسار نے جو پیغام سولانا شاہ تاج الدین کی خدمت میں بھیجا تھا ۔ اس کا جواب سرکار والا کی خدمت میں پہلے پہنچے گا ۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۲۲ء کے ایک خط میں علامہ پھر مہاراجا کو لکھتے ہیں :

رات پھر ایک پیغام حضرت تاج الدین کی خدمت بابرکت میں بھیجا گیا ۔

۱۱ نومبر ۱۹۲۲ء کو علامہ نے ایک اور خط میں مہاراجا سرکشن پرشاد کو لکھا کہ :

بابا تاج الدین کے پیغام سے میری سراد معشوق کامرانی کا خیال ہے ، جب سرکار کو یہ پیغام موصول ہو تو

دربار تاج میں تشریف لے جایے ، فی الحال سرکار والا

کا تامل بالکل بجا ہے ۔

خطوط مندرجہ بالا کے اقتباسات حضرت بابا تاج الدینؒ سے علامہ اقبال کی عقیدت کے آئینہ دار ہیں ۔ حضرت بابا ذہین شاہ تاجی نے نہایت عقیدت سے اپنے مرشد کے مرشد حضرت بابا تاج الدین ناگپوری کا ایک مفصل تذکرہ تاج الاولیا کے نام سے لکھا ہے ہم نے حضرت بابا ذہین شاہ تاجی کی اس گراں بہا تصنیف سے استفادہ کیا ہے ۔

حالات :

حضرت سید محمد بابا تاج الدین ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱-۵۲ء) میں پیدا ہوئے ، ”چراغ دین“ سے آپ کی تاریخ ولادت نکلتی ہے ۔ آپ کا سلسلہ نسب حسنی و حسینی ہے خود حضرت بابا صاحب کا بیان ہے کہ میں امام حسن عسکری کا پوتا ہوں ۔ آپ کے جد اعلیٰ نے مدراس میں آکر سکونت اختیار کی ، آپ کے والد محترم جو فوج میں ملازم تھے جن کا اسم گرامی بدرالدین تھا ، اسی پلٹن کے ساتھ تبادلہ ہو کر کاشی (سی۔ پی) آئے آپ شکم مادرہمی میں تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ اور یہیں - ۱۲۶۸ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی ۔

اس تذکرے میں آپ کی تعلیم کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی ، صرف اتنا بتا چلتا ہے کہ آپ مکتب میں پڑھنے کے لیے بٹھائے گئے ، آپ نے اردو ، انگریزی ، عربی اور فارسی کی بھی تکمیل فرمائی ۔

ایام جوانی میں پلٹن میں تین سال تک ملازمت کی ، دوران ملازمت ، ناگپور کے قریب کاشی ملیٹری کیمپ (میگزین) میں

اسلحہ کے ذخیرے پر پہرہ دینے کے لیے متعین تھے ، پھر ترکِ ملازمت کر کے سلوک باطن کی طرف متوجہ ہوئے ، اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد آپ کی شہرت بہت جلد اکنافِ عالم میں پھیل گئی ۔ آپ کم گو اور کم اُسیز تھے ، کم کھاتے اور کم سوتے تھے ، تلاوت قرآن مجید آپ کا محبوب مشغلہ تھا عبادت ، ریاضت اور مجاہدہ آپ کی فطرتِ ثانیہ بن چکا تھا ، روحانی سرشاریوں میں جسمانی تقاضوں کو بھلا دیا تھا ، رفتہ رفتہ آپ کا جسم بھی روحانی انوار کی جلوہ گاہ بن گیا ، اور آپ مرکزِ جذب و کشش ہو گئے ۔

سلسلہ طریقت :

حضرت بابا ذہین شاہ تاجی نے لکھا ہے کہ بابا کی نسبت ابتداءً قادری ہے ، حضرت عبداللہ شاہ قادری جن کا مزار کاشی میں ہے ، اور جو ایک صاحبِ باطن بزرگ تھے ، اوائلِ عمر میں بابا نے ان سے استفادہ کیا تھا ۔ پھر انہوں نے لکھا کہ حضرت بابا صاحبِ اوہسیہ نسبت بھی رکھتے تھے ، سلسلہٴ چشتیہ صابریہ میں آپ کی نسبت حضرت داؤد مکی قطبِ جہاں سے ہے جن کا مزار پُرانوار ساگر (سی - پی) میں ہے ، حضرت داؤد مکی سلسلہٴ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت شمس الدین " ترک پانی پتی کے مرید و خلیفہ ہیں ، حضرت داؤد مکی کے مزار پر حضرت بابا صاحب نے بہت سی ریاضتیں اور مجاہدے کیے تھے ۔

عالمِ جذب و سرمستی :

حضرت بابا تاج الدین پر عالمِ جذب و سرمستی کی کیفیت ظاری رہتی تھی ، اس جذب و سرمستی کی کیفیت کی بنا پر ابتداءً

رمزناشناس لوگ آپ کو چھیڑتے اور تنگ کرتے تھے، لیکن جوں جوں حقیقت سامنے آتی گئی، مخلوق خدا اور عوام کو اپنی غلطی محسوس ہونے لگی یہاں تک کہ آپ مرکز عقیدت خلافت بنے، آخر وہ وقت بھی آیا، جب آپ کی خدمت میں ہزاروں عقیدت مند حاضر ہوتے تھے، اور اکتساب فیض کر کے جاتے تھے۔

راجا رگھوجی راؤ کی عقیدت

اور شکر درے میں قیام :

اسی زمانے میں شہر ناگپور کا مشہور و معروف گونڈ راجا رگھوجی راؤ گھونسلہ جس کو حکومت برطانیہ نے سالانہ نقد وظیفہ کے علاوہ شکر درہ، واک وغیرہ کئی گاؤں جاگیر میں دیے تھے، آپ کی بعض کرامات دیکھ کر آپ کا غیر معمولی معتقد ہو گیا، اور وہ نہایت عقیدت و احترام سے آپ کو اپنے گاؤں شکر درہ میں عقیدت مندوں کے ایک جلوس کے ساتھ لے کر آیا، پھر آپ شکر درہ میں مستقل طور پر مقیم ہو گئے، اور ایک غیر مسلم کا یہ گاؤں حضرت بابا تاج الدین کی وجہ سے ایمان و عرفان، رشد و ہدایت کی شیرینی کا ایک مرکز بنا۔

کرامات :

تاج الاولیا میں آپ کی بہت سے کرامات کا تذکرہ کیا گیا ہے، جنہیں تفصیل سے اس کتاب میں دیکھا جاسکتا ہے۔

تربیت و تزکیہ نفس :

بابا صاحب اپنے مریدین و معتقدین کی تربیت اور تزکیہ نفس کا بڑا اہتمام کرتے تھے، آپ کا ارشاد ہے کہ لوگ اصلاح اعمال

کا تو اہتمام کرتے ہیں ، لیکن اصلاحِ نفس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ، نفس کی جڑ کامل تلوار کے بغیر نہیں کٹتی ، فرمایا کرتے تھے کہ برائی ہو یا بھلائی ہزاروں پردوں میں چھپ کر کی جائے تو بھی نہیں چھپتی ۔

تربیت اور عام معاملات میں سب مریدین و معتقدین کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے تھے ، آپ کے فیوض و برکات کی بارش ہر خاص و عام پر یکساں برستی تھی ۔

وفات :

حضرت بابا تاج الدین نے ۲۶ محرم ۱۳۴۴ھ - مطابق ۱۷ اگست ۱۹۲۵ء بروز دوشنبہ بوقت مغرب شکر درہ میں وصال فرمایا ، رگھو راؤ راجا آپ کو شکر درہ میں دفنانا چاہتا تھا ، مگر نواب نیاز الدین خان نے بیربٹ (تاج آباد) میں آپ کی تدفین کے لیے ایک پلاٹ کی پیش کش کی ، اور اعلان کیا کہ وہ عنقریب یہ ہوا موضع آپ کی درگاہ کے لیے وقف کر دیں گے ۔ چنانچہ مریدین و معتقدین کی اتفاق رائے سے آپ کو موضع بیربٹ (تاج آباد) میں دفن کیا گیا ، مولوی نجم الدین کابلی ، محمد فرید خان فضا ، اور حسن ناسی ایک شخص نے غسل دیا ۔ نماز جنازہ مولوی محمود علی ندوی نے پڑھائی ، مولوی نجم الدین اور حکیم سید ظفر حسین نے جسد مبارک کو لحد میں اتارا ، جنازے میں ہزاروں انسانوں نے شرکت کی سعادت حاصل کی ۔ ملک کے اخبارات و جرائد نے اپنے اخباروں اور رسالوں میں آپ کی وفات حسرت آیات پر تعزیتی نوٹ لکھے ۔

حضرت شاہ سلیمان پهلوارویؒ

حضرت شاہ سلیمان پهلواروی علیہ الرحمہ ایک بلند پایہ عالم اور عظیم المرتبت صوفی تھے ، اسرار خودی کے چھپنے کے بعد ملک میں جو ہنگامہ ہوا تو حضرت خواجہ حسن نظامی نے مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق علامہ اقبال کے خیالات سے شدید اختلافات کرتے ہوئے ، اس سلسلے میں علامہ اقبال اور حضرت شاہ سلیمان پهلواروی کو خطوط لکھے ، شاہ سلیمان پهلواروی نے اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار ایک خط میں فرمایا جو رسالہ خطیب میں چھپا اس خط کے شائع ہونے کے بعد علامہ اقبال نے حضرت خواجہ حسن نظامی کو مشورہ دیا کہ وہ اس سلسلے میں حضرت شاہ سلیمان پهلواروی سے رجوع کریں ، چنانچہ یہ اختلاف جو خواجہ صاحب اور علامہ کے درمیان تھا ، حضرت شاہ سلیمان پهلواروی اور حضرت اکبر الہ آبادی کی مداخلت سے رفع ہو گیا ۔

ایک اور غلط فہمی کا ازالہ :

قبل اس کے کہ ہم شاہ سلیمان پهلواروی کے حالات زندگی قلم بند کریں ، ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے ،

جو علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے متعلق ایک طویل عرصے سے چلی آتی ہے ، وہ یہ کہ علامہ اقبال شیخ ابن عربیؒ کے مخالف تھے ، حقیقت یہ ہے کہ علامہ اقبال کو بعض مسائل میں فکر و نظر کا اختلاف بلاشبہ شیخ محی الدین ابن عربی سے تھا ، لیکن جہاں تک کہ ان کی عظمت و محبت کا تعلق ہے ، علامہ اقبال نے اس کا اس کا اعتراف اپنے متعدد خطوط میں کیا ہے ، حضرت سلیمان پھلواروی کو اپنے ایک خط میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی سے اپنی محبت و اختلاف کو واضح کرتے ہوئے لکھا کہ :

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کوئی بدظنی نہیں ، بلکہ مجھے ان سے محبت ہے میرے والد کو فتوحات اور فصوص سے کمال توغل رہا ہے ، اور چار برس کی عمر سے میرے کانوں میں ان کا نام اور ان کی تعلیم پڑنی شروع ہوئی ، برسوں تک ان دونوں کتابوں کا درس ہمارے گھر میں رہا ، گو بچپن کے دنوں میں مجھے ان مسائل کی سمجھ نہ تھی ، تاہم محفلِ درس میں ہر روز شریک ہوتا ، بعد میں جب عربی سیکھی تو کچھ کچھ خود پڑھنے لگا ، اور جوں جوں علم اور تجربہ بڑھتا گیا ، میرا شوق اور واقفیت زیادہ ہوتی گئی ۔ اس وقت میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت شیخ کی تعلیمات قرآن کے مطابق نہیں ہیں اور نہ کسی تاویل و تشریح سے اس کے مطابق ہوسکتی ہیں ، لیکن یہ بالکل ممکن ہے کہ میں نے شیخ کا

مفہوم غلط سمجھا ہو۔ کئی سالوں تک میرا یہی خیال رہا ہے کہ میں غلطی پر ہوں، گو اب میں سمجھتا ہوں کہ میں ایک قطعی نتیجے تک پہنچ گیا ہوں، لیکن اس وقت بھی مجھے اپنے خیال کے لیے کوئی ضد نہیں اس واسطے بذریعہ عریضہ ہذا آپ کی خدمت میں ملتصق ہوں کہ از راہ عنایت و مکرمت چند اشارات تسطیر فرمادیں۔ میں ان اشارات کی روشنی میں قصوص اور فتوحات کو پھر دیکھوں گا اور اپنے علم و رائے میں مناسب ترمیم کرلوں گا۔^۱

علامہ اقبال کے اس خط کے اقتباس سے محبت اور اختلاف کے دونوں پہلو متوازن صورت میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔
نفسِ تصوف کے متعلق علامہ کی رائے :

۹ مارچ ۱۹۱۶ء کو مولانا سلیمان پھلواڑوی کو علامہ نے ایک خطِ نفسِ تصوف پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا کہ :
حقیقی اسلامی تصوف کا میں کیوں کر مخالف ہوسکتا ہوں کہ میں خود سلسلہٴ عالیہ قادریہ سے تعلق رکھتا ہوں، میں نے تصوف کثرات سے دیکھا ہے۔ بعض لوگوں نے ضرور غیر اسلامی عناصر اس میں داخل کر دیئے ہیں، جو شخص غیر اسلامی عناصر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے، وہ تصوف کا خیر خواہ ہے نہ کہ مخالف۔^۲

(۱) انوار اقبال (بشیر احمد ڈار) ص ۷۸ تا ۷۹

(۲) ایضاً، ص ۱۸۱

اس خط سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ علامہ اقبال ، نہ صرف تصوف اسلامی کے قائل تھے ، بلکہ خود سلسلہ قادریہ میں مرید تھے ، وہ شیخ محی الدین ابن عربی سے خلوص نیت کے ساتھ بعض مسائل تصوف خصوصاً مسئلہ وحدۃ الوجود میں اختلاف رکھتے تھے لیکن ان کی عظمت بزرگانہ کے قائل تھے ، وہ شیخ ابن عربی کی تعلیمات میں ایک متجسس کی حیثیت رکھتے تھے تا کہ شیخ ابن عربی کی تعلیمات کا مفہوم ان پر کھل جائے ، چنانچہ وہ اس باب اپنی رائے کی غلطی کے امکان کو بھی نظر انداز نہیں کرتے ، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور مسئلہ وحدۃ الوجود پر بھی کچھ روشنی ڈالتے چلیں ۔

شیخ محی الدین ابن عربی^{۲۲} اور وحدت الوجود :

بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں جو آسمان تصوف پر آفتاب بن کر درخشاں ہوئے ، وہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی ہیں ، انہوں نے تحریک تصوف کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ وہ سب کچھ دیا ، جس کی اس تحریک کو ضرورت تھی ، اکابر صوفیہ ان کو اپنا امام تسلیم کرتے ہیں ، ان کی دو تصانیف فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ سے تحریک تصوف پر بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں ۔

انہوں ہی نے منصور کے نازہ ' انا الحق کو پہلی مرتبہ فلسفہ وحدت الوجود کی شکل بخشی ان کے نظریہ وحدت الوجود کو مقبول بنانے میں مختلف دور کے صوفیہ اور شعراء نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے ۔

وحدت الوجود کا ماحصل یہ ہے کہ خدا کے سوا کائنات میں کوئی چیز موجود نہیں ، یا یہ کہ کائنات میں جو کچھ موجود ہے سب خدا ہی ہے ، لیکن بخلاف اس کے اہل ظاہر کے نزدیک خدا کائنات سے بالکل الگ اور جدا گانہ ہستی ہے ۔

شیخ اکبر کے نظریہ وحدت الوجود نے بڑے بڑے صوفیہ کو متاثر کیا ، اور یہ نظریہ تصوف کی روح بن گیا ، یہاں تک علامہ اقبال کے مرشد معنوی مولانا روم بھی وحدت الوجود کے قائل و معترف نظر آتے ہیں ۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب ”تاریخ مشائخ چشت“ میں وحدت الوجود کے عملی زندگی پر خوشگوار اثرات کو مرتب ہونے کے ضمن میں لکھا کہ :

اس پر اعتقاد رکھنے والے کا مطمح نظر بلند ، ہمدردیاں وسیع اور مقاصد اعلیٰ ہوتے ہیں ، وہ عملاً ”ایخلق عیال اللہ“ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے) کا قائل ہوتا ہے ۔ وحدت الوجود پر ایمان لانے کے بعد انسان میں تنگ نظری اور تعصب کا وجود ہی نہیں رہتا ۔ ہمارے مشائخ نے اسی نظریے کے ذریعے دوسری قوموں کے مزاج کو پہچانا ، ان کے مذہبی اور سماجی حالات کو پرکھا ، پھر اسلام کے زریں اصولوں کو ان تک پہنچانے کی کوشش کی ... پھر آگے چل کر وہ لکھتے ہیں ، کہ وحدت الوجود کو عملی زندگی میں ایک اعلیٰ عنصر کی حیثیت سے استعمال کرنے کے لیے مجددانہ بالغ نظری اور مذہبی شعور کی ضرورت ہے ، ورنہ اس کی گمراہیاں

کبھی ”دین النہی“ کی شکل اختیار کرتی ہیں ، اور کبھی
فتنہ^۱ نمود و انمود^۲ کی ۔

شاہ کلیم اللہ دہلوی^۳ نے ایک موقع پر وحدت الوجود کے
متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا :
(ترجمہ)

مسئلہ^۴ وحدت الوجود پیش پر آشنا و بیگانہ نہ خواہید
بر زبان آورد ۔

مسئلہ وحدت الوجود کو پر آشنا اور بیگانہ کے سامنے
بیان نہیں کرنا چاہیے ۔

متاخر دور کے صوفیہ میں حضرت شاہ نور محمد مہاروی^۵ کا
ارشاد ہے :

براسم ماضیہ کہ حوادث واقع می شدند محض برائے اظہار
وحدت وجود ۔

(ترجمہ)

پہلی آستوں پر جو حوادث واقع ہوئے ہیں وہ صرف
وحدت وجود کے ظاہر کرنے کی بنا پر تھے ۔

(۱) تاریخ مشائخ چشت ، ص ۱۱۳ - ۱۱۴ ۔

(۲) شاہ کلیم اللہ دہلوی : بن حاجی نور اللہ ۲۴ جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ

(۱۶۵۰ء) ، اساتذہ : شیخ برہان الدین معروف بہ شیخ بہلول ،

ولادت : شیخ ابوالرضا الہندی ، مرشد : حضرت شیخ یحیی مدنی ،

وفات : بعمر ۷۸ یا ۷۹ سال بمرض نقرس اور وجع المفاصل ،

۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ (۱۷ اکتوبر ۱۷۳۹ء) ، اپنی مسکنہ

حویلی جو قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان تھی مدفون ہوئے ،

(مکتوبات کلیمی ، ص ۹۳) تکرملہ سیر الاولیاء ص ۵۸ خزینۃ الاصفیاء

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲۲)

علامہ اقبال اور ابن عربی :

علامہ اقبال آن لوگوں میں ہیں ، جنہوں نے شیخ ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کی سخت مخالفت کی ، انہوں نے مسئلے کا ماخذ افلاطون کے فلسفے تصورات کو قرار دیا ، جس کو صوفیہ اعیانِ ثابۃ سے تعبیر کرتے ہیں ۔ وہ وحدت الوجود کے فلسفے کو فلسفہ افلاطونی سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اور کوہستان وجود میں اس فلسفے کو ستم قرار دیتے ہیں ، آن کا خیال ہے کہ اس فلسفے نے قوم کو ایک ایسا نشہ دلایا ہے کہ جس نے قوم کے افراد کو خودی سے نابلد کر کے ذوقِ عمل سے محروم کر دیا ہے ، اور مسم بالائے مسم یہ ہے کہ صوفیوں نے اس کے فلسفے کو تسلیم کر کے اس فلسفے میں اپنے آپ کو اس طرح جذب کیا ہے کہ وہ اسلامی نظریہ حیات کے مطابق نظر آنے لگا ۔ علامہ نے اسرار خودی میں تمثیلاً شیر و گوسفند کی حکایت سے ان کی مراد افلاطون ہے ، لکھ کر اس بات کو واضح کیا ہے کہ کس طرح گوسفند نے جس سے آن کی مراد افلاطون ہے شیر کو نفی خودی کی تعلیم دی ہے ۔ فرماتے ہیں :

راہبِ دیرینہ افلاطون حکیم

از گروہِ گوسفندانِ قدیم

(بقیہ حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۵۲۱)

(۳) شاہ محمد سہاروی : ولادت : ۱۴ رمضان ۵۱۱۴۲ (۱۷۳۰ء)

بہ مقام چوٹالہ ، اساتذہ : حافظ محمد مسعود ، حافظ برخوردار جی ،

مرشد : شاہ فخر شاہ فخر صاحب ، وفات : ۳ ذی الحجہ ۵۱۲۰ھ

مزار : تاج سرور ۔ (مناقب المحبوبین) ۔

رخسِ او در ظلمتِ معقولِ کم
 در کمستانِ وجودِ افگندہ سم
 آن چنان افسوں نا محسوس خورد
 اعتبار از دست و چشم و گوش برد
 گفت سِر زندگی در سِردن است
 شمع را صد جلوه از افسردن است
 بر تخیلہائے ما فرساں رواست
 جامِ او خوابِ اورو گیتی رباست
 گوسفندے در لباسِ آدم است
 حکمِ او بر جانِ صوفی محکم است
 فکرِ افلاطون زیاں را سود گفت
 حکمتِ او بود را نا بود گفت
 منکرِ ہنگامہٗ موجود گشت
 خالقِ اعیان نا مشہود گشت
 آپوش بے بہرہ از لطفِ خرام
 لذتِ رفتار بر کبکشِ حرام
 قومہا از سکرِ او مسموم گشت
 خفت و از ذوقِ عمل محروم گشت

علامہ ، حضرت مجدد الف ثانی کے نظریے ہمہ از اوست سے متاثر ہیں ، ان کے خیال میں ملت اسلامیہ میں فلسفہ ”ہمہ اوست“ کے عام ہونے کی وجہ سے قوتِ عمل سے محرومی ، ترکِ جدوجہد ، ناتوانی ، کاہلی ، سستی مسلمانوں میں پیدا ہوئی ، یہاں تک کہ انہوں نے اپنی خودی اور وجود کو فراموش کر دیا ، انہوں نے اپنی فکری کاوشوں کے بعد خودی کے فلسفے کو قرآنی آیت :

ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين ولكن المنافقين لا يعلمون
عزت اللہ ، اور اُس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے ،
لیکن منافق اس (بات کو) نہیں جانتے ۔

اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس میں
ارشاد فرمایا گیا ۔

(ترجمہ)

من عرف نفسه فقد عرف ربه (جس نے اپنی ذات کو پہچانا اُس
نے اپنے رب کو پہچانا) سے اخذ کیا ہے ، انہوں اس حدیث کے
مطابق اپنے فلسفے کی بنیاد خودی پر رکھی ، اور اپنے نفس کے
عرفان کو خدا کی معرفت کا ذریعہ ٹھہرایا ، چنانچہ اسرار خودی
میں فرماتے ہیں :

پیکرِ مستی ز آثارِ خودی است
ہر چہ می بینی ز اسرارِ خودی است
خویشتن را چون خودی بیدار کرد
آشکارا عالمِ پندار کرد
صد جہاں پوشیدہ اندر ذاتِ او
غیرِ او پیدا منت از اثباتِ او

پیامِ مشرق میں کہتے ہیں کہ :

ز من گو صوفیانِ با صفا را
خدا جو یان و معنی آشنا را
غلامِ ہمتِ آن خود پرستم
کہ با نورِ خودی بیند خدا را

زبور عجم میں فرماتے ہیں :

از ہمہ کس کنارہ گیر ، صحبتِ آشنا طلب
ہم ز خدا خودی طلب ، ہم ز ہودی خدا طلب

بالِ جبریل میں فرماتے ہیں :

خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل

یہی ہے قبرے لیے اب صلاح کار کی راہ

تصوف میں نظریہٴ خودی علامہ اقبال کا وہ فلسفہ تھا کہ جس نے تصوف کی دنیا کو ایک نئی راہ دکھائی ، انہوں نے خودی کا فلسفہ دے کر ذوقِ عمل کو بیدار کیا اور خودی کے رُخ سے نقاب اٹھا کر اس راز کو فاش کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات پیدا کیا ہے ، اور دنیا میں آئے اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے ، اس لیے انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی خودی کو پہچانے ، اور اشیا کے خواص پر غور کر کے اُن کو مسخر بنائے ، وہ خودی کو بحروحدت میں فنا کر کے حیات جاودانی کا راستہ نہیں ڈھونڈتے بلکہ خودی کے شعور کو بیدار کر کے حیات جاودانی کی راہ دکھاتے ہیں ۔ فرماتے ہیں :

مسافر جاوداں زی ، جاوداں میر

جہانی را کہ پیش آید فراگیر

بہ بحرِش گم شدن انجام ما نیست

اگر او را تو در گیری فنا نیست

وہ انسانوں کو خودی سے آراستہ کر کے کائنات کی تسخیر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ذہنِ انسانی میں فکر و عمل اور محنت کی عظمت کی نئی شمع روشن کرتے ہوئے کہتے ہیں :

اے کہ از تاثیرِ افیون خفتہ ای

عالمِ اسباب را دوں گنتہ ای

خیز و وا کن دیدهٔ مخمور را
 دوز مخوان این عالم مجبور را
 غایتش توسیع ذات مسلم است
 امتحانِ ممکنات مسلم است
 می زند شمشیرِ دوران بر تنت
 تابان بینی پستِ خون اندر تنت
 سینۀ را از سنگِ زورے ریش کن
 امتحانِ استخوانِ خویش کن
 حق جهان را قسمتِ نیکان شمرد
 جلوه اش پادیدهٔ مومن سپرد
 تاز تسخیرِ قوائے این نظام
 ذو فنونیهائے تو گردد تمام
 دست رنگین کن زخونِ کوپسار
 جوئے آبِ گوهر از دریا برآر
 تابش از خورشید عالم تاب گیر
 برق طاق افروز از سیلاب گیر
 ثابت و سیّارهٔ گردونِ وطن
 آن خداوندانِ اقوامِ کهن
 این همه اے خواجہ! آغوش تو اند
 پیش خیز و حلقہ در گوش تو اند
 جستجو را محکم از تدبیر کن
 انفس و آفاق را تسخیر کن

چشم خود بکشا و در اشیا نگر
نشہ زیر پردہ صہبا نگر
تا نصیب حکمت اشیا برد
نا توان باج از توانا یان خورد^۱

وہ فلسفہ خودی میں اپنے آپ کو مولانا روم کا فیض یافتہ قرار دیتے ہیں ، اس حقیقت سے انکار نہیں کہ مولانا روم اگرچہ مسلک وحدۃ الوجود کے قائل تھے ، لیکن ان کے ہاں فلسفہ خودی کی بھی جھلکیاں ملتی ہیں مگر علامہ نے فلسفہ خودی کو اپنے فکر کا موضوع خاص بنا کر ایک ایسا رنگ و آہنگ بخشا ہے کہ اگر انہیں فلسفہ خودی کا مؤسس کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا ۔

اس کے باوجود کہ علامہ ، شیخ ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود سے سخت اختلاف رکھتے تھے مگر ان کی صوفیانہ عظمت کے قائل تھے ، تلمیحات اقبال میں سید عابد علی مرحوم نے لکھا کہ :

علامہ نے ایران کے مابعد الطبیعیات اور اپنے خطبات میں ابن العربی سے استفادہ بھی کیا ہے ، اور ان کی تردید بھی کی ہے ۔^۲

اب ہم حضرت شیخ محی الدین ابن عربی^۳ حالات زندگی اجالا پیش کرتے ہیں تاکہ ان کی زندگی کے مختلف پہلو قارئین کے سامنے آسکیں ۔

حالات حضرت شیخ ابن عربی :

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی ۵۶۱ھ (۱۱۶۵ء) میں

۱ - رموز بر خودی ، ص ۱۶۵ - ۱۶۶

۲ - تلمیحات اقبال ، ص ۱۵۱

اسپین کے مشہور شہر مرمیہ میں پیدا ہوئے ، ۸ سال کی عمر میں مرمیہ سے لسبن آئے ، لسبن میں قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کی ، اس کے بعد اشبیلیہ تشریف لے گئے ، اور وہاں کے مشاہیر کی صحبت سے مستفیض ہوئے ، ناساعد حالات نے ان کو اشبیلیہ ٹھہرنے نہ دیا ۔^۱

دائرہ معارف اسلامیہ جلد اول میں ہے کہ ان کا نام شیخ ابوبکر محی الدین بن علی تھا ، وہ ۱۷ رمضان ۵۵۶۰ میں پیدا ہوئے ۔ ۵۵۶۸ میں اشبیلیہ چلے آئے ۔ ۵۵۹۸ میں وہ بلادِ مشرق کی طرف روانہ ہو گئے ۔ بالآخر انہوں نے دمشق میں سکونت اختیار کر لی ۔ ابن عربی کے متعلق شدید اختلاف ہے ، بعض لوگوں کے نزدیک وہ ولی کامل تھے ، اور علم باطنی میں سند تھے ، ان کے بہت سے مداح جلیل القدر علماء بھی تھے ۔ مثلاً مجدد الدین فیروز آبادی ، الجلال سیوطی ، عبدالرزاق کاشانی ، متاخرین میں عبدالوہاب شعرانی ۔ ممتاز مخالفین میں رضی الدین الخیاط الذہبی ، ابن تمیمیہ ، ابن ایاس ، علی القادری ، اور جمال الدین محمد نور الدین صاحب کشف الغمہ ہیں ۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو ان کا شدید مخالف ہے اسی طرح ان کی کتابیں بعضوں کے نزدیک بڑی وقعت سے دیکھی جاتی ہیں ، اور بعض ان کی مذمت کرتے ہیں ۔^۲

خلافت :

نفحات الانس میں ہے کہ تصوف میں ان کے خرقے کی نسبت

۱ - تاریخ مشائخ چشت ، ص ۱۱۱

۲ - دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ : ص ۶۰۵ تا ۶۱۴

ایک "واسطے" سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتی ہے ، خود حضرت شیخ اکبر کا بیان ہے کہ میں نے خرقہ خلافت ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جامع کے ہاتھ سے موصول کے باہر آن کے باغ بقی میں ۵۶۰۱ (۶۱۲۰۴) میں پہنا تھا ۔^۱

شیخ ابن عربی اسپین کے ہر گوشے میں پہنچے ، اور وہاں کے کا بغور مطالعہ کیا ، قرطبہ میں ابن رشد سے ملاقات کی - ۵۹۸ء (۶۱۲۰۱) میں شیخ اکبر نے مشرق کی طرف رخ کیا ، مصر ، حجاز ، بغداد ، ایشیائے کوچک کی سیاحت کی ، لیکن آن کے نظریات میں ایک ایسی جدت و ندرت تھی کہ کہیں بھی انہیں لوگوں نے چین سے بیٹھنے نہ دیا ۔^۲

شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاقات :

سلسلہ سہروردیہ کے مشہور بزرگی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی جو شیخ اکبر کے ہم عصر ہیں ، ان دونوں کی ملاقات مکہ معظمہ میں ہوئی ، دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ، اور بغیر کسی گفتگو کے ایک دوسرے سے رخصت ہو گئے ، بعد میں کسی نے شیخ اکبر سے ، شیخ شہاب الدین سہروردی کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ : وہ ایک مرد ہے جو سراپا متبع سنت ہے ۔ اسی قسم کا سوال جب شیخ اکبر کے متعلق حضرت شہاب الدین سہروردی سے کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ : وہ حقائق کے سمندر ہیں ۔^۳

۱ - نفحات الانس (اردو ترجمہ) ص ۵۸۳ -

۲ - تاریخ مشائخ چشت ، ص ۱۱۱ -

۳ - نفحات الانس (اردو ترجمہ) ص ۵۸۱ -

شیخ علاء الدولہ سمنائی جو شیخ اکبر کے فلسفہٴ وحدت الوجود کے سخت مخالفین میں تھے، جن کا تذکرہ علامہ اقبال نے بھی اپنے ایک خط میں کیا ہے، جو ہم منصور کے حالات ضمن میں ذیلی حواشی میں نقل کر آئے ہیں، لیکن باوجود اس مخالفت کے حضرت شیخ علاء الدولہ سمنائی شیخ اکبر کے بزرگی اور کمال کے سدّاح و معترف تھے، انہوں نے شیخ اکبر کی کتاب فتوحات کے حاشیے پر ایک جگہ لکھا :

ایّھا الصدیق و ایّھا المقرب و ایّھا الولی و ایّھا المعارف الحقانی
(اے صدیق ، اے مقرب ، اے ولی ، اے عارف حقانی)
وفات :

حضرت شیخ اکبر بروز جمعرات ۲۲ ربیع الآخر ۶۳۸ھ (۱۲۴۰ء) میں واصل الی اللہ ہوئے، اور دمشق کے باہر کوہ فاسیون و حالیا میں جو موضع صالحیہ سے مشہور ہے مدفون ہوئے۔^۱
تصانیف :

شیخ اکبر کثیر التصانیف بزرگی تھے، مولانا جامی نے نفحات الانس میں ان کی تصانیف کی تعداد پانسو سے زائد بتائی ہے، شیخ اکبر نے بعض دوستوں کی فرمائش پر اپنے ایک رسالے میں اپنی تصانیف کی فہرست میں دو سو پچاس سے زیادہ کتابوں کے نام تحریر کیے ہیں، جن میں سے اکثر تصوف پر ہیں^۲، پروفیسر خلیق احمد نظامی

(۱) نفحات الانس (آردو ترجمہ)، ص ۵۹۲، نفحات الانس میں شیخ اکبر کی ولادت کی تاریخ ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ (۱۱۶۵ء) مندرج ہے۔

(۲) نفحات الانس (آردو ترجمہ) ص ۵۸۰-۵۸۱۔

نے اپنی کتاب تاریخ مشائخ چشت میں لکھا کہ : برکلمان نے ان کی ڈیڑھ سو ایسی تصانیف کی فہرست دی ہے ، جو اب بھی دستیاب ہوتی ہیں ^۲ ، لیکن شیخ اکبر کی جن کتابوں کو غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ، اور جن کو آج بھی صوفیائے کرام خرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں ، اور جنہیں ان کے نظریات و فکر کا آئینہ دار کہنا چاہیے ، وہ فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ ہیں ۔

فتوحات کے متعلق شیخ اکبر کا اظہار خیال :

نفحات الانس میں حضرت شیخ اکبر نے اپنی تصانیف پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کتابوں کی تصنیف میں میرا ارادہ دوسرے مصنفین کی طرح نہیں تھا ، بلکہ بعض تصانیف میں نے اس لیے کہیں کہ خواب یا مکاشفے میں مجھے خدائے تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا تھا ۔

فتوحات مکیہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو حقائق و معارف قاری کے لیے بطور امانت درج کیے ہیں ، وہ اکثر خانہ کعبہ کے طواف کرنے کے وقت یا حرم شریف میں بحالت مراقبہ خدائے تعالیٰ نے مجھ پر کھولے ہیں ۔

فتوحات مکیہ میں ایک اور جگہ تحریر فرمایا کہ : ہم پر اس کتاب کی تکمیل کے لیے خدائے تعالیٰ کا تاکید حکم وارد ہوا ، اس وجہ سے ہم اس کتاب کی تصنیف میں مشغول ہو گئے ،

۱ - تاریخ مشائخ چشت ص ۱۱۱ بحوالہ محی الدین ابن عربی از عقیفی ۔

اور دوسرے امور کے انجام دینے سے رک گئے۔^۱

دائرہ معارف اسلامی میں ہے کہ یہ کتاب انہوں نے ۱۹۶۹ء میں مکہ معظمہ میں تصنیف کی تھی۔^۲

ہم نے شیخ منہی الدین ابن عربی کے فلسفہ وحدۃ الوجود، آن کی زندگی، اور حضرت مجدد الف ثانی کے فلسفہ وحدۃ الشہود کے متعلق علامہ اقبال کی رائے کو گزشتہ اوراق میں تفصیل سے پیش کر دیا ہے۔ ان دونوں میں سے ایک تصوف کا آفتاب ہے تو دوسرا اسلامی فکر و نظر، شعر و ادب کا ماہتاب دونوں کے پاس دلائل و بیروہین ہیں، دونوں خلوص نیت کے ساتھ اپنی اپنی راہ پر گامزن ہیں، دونوں اپنے اپنے فلسفے میں حق کے متلاشی ہیں، دونوں کا مقصد ایک اور جادے مختلف ہیں۔

اس کے بعد ہم مولانا شاہ سلیمان پهلوارى کے حالات زندگی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

علامہ کا مولانا شاہ سلیمان کے متعلق تاثر :

علامہ نے ایک خط میں جو ۹ مارچ ۱۹۱۶ء کو مولانا شاہ سلیمان علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیجا، اس میں مولانا کے متعلق اپنے جذبات و تاثرات کو سموئے ہوئے لکھا کہ:

آپ کو اللہ تعالیٰ نے کمال روحانی کے ساتھ علم و فضل سے آراستہ کیا ہے۔

(۱) تاریخ مشائخ چشت، ص ۱۱۱-۱۱۲ بحوالہ فتوحات مکیہ، ج ۱، ص ۹۸-۱۰۱۔

(۲) دائرہ معارف، جلد ۱، ص ۶۰۵ تا ۶۱۲۔

پھر اسی خط کے آخر میں لکھا :

آپ کے مکتوبات نہایت دلچسپ ہیں، اور حفاظت سے رکھنے کے قابل، نہ کہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل میں نے خود ان کو پڑھا ہے، اور بیوی کو پڑھنے کے لیے دیا ہے، یہ اعتراف ضرور کرتا ہوں کہ بعض بعض مقامات سے مجھے اختلاف ہے، اور یہ سب مقامات مسئلہ وحدۃ الوجود سے تعلق رکھتے ہیں جب آپ اپنے مضمون میں زیادہ تشریح سے کام لیں گے تو ممکن ہے مجھے اختلاف نہ رہے۔

حالات :

پاک و ہند کے نامور عالم و صوفی واعظ و خطیب مولانا شاہ سلیمان پھلواری، صوبہ بہار کے مشہور ضاع عظیم آباد پنشنہ کے ایک مردم خیز قصیے پھلواری میں ۱۲۷۶ھ (۶۰ - ۱۸۶۹ء) میں پیدا ہوئے۔

اس وقت ہندوستان کی علمی دنیا جن چراغوں سے تابناک تھی، ان میں فرنگی محل لکھنؤ میں مولانا عبدالحی، سہارنپور میں مولانا احمد علی اور دہلی میں سید نذیر حسین محدث دہلوی علم کے وہ بحر ذخار تھے کہ تشنگانِ علم ان چشموں سے فیض یاب ہوتے تھے۔

مولانا شاہ سلیمان پھلواری علوم کے ان تینوں سرچشموں سے مستفیض ہوئے، وہ پہلے فرنگی محل آئے، یہاں سے فارغ ہو کر

مہارنپور اور دہلی گئے ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) میں ان تینوں درسگاہوں میں علوم ظاہر کی تکمیل کی۔

لکھنؤ کے دوران قیام میں انہوں نے علومِ درسیہ کی تکمیل کے بعد طب کی بھی تکمیل کی، اور طبیب کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا، اور شروع میں حکیم محمد سلیمان کے نام سے مشہور ہوئے۔

شاعری سے ذوق رکھتے تھے، اور لکھنؤ کے مشاعروں میں پڑھتے بھی تھے اپنے پیشے کے لحاظ سے اپنا تخلص ”حاذق“ رکھا تھا، مشہور عالم شاعر شوقِ نیموی کے ہمدرس تھے۔

ملت کی تباہ حالی سے متاثر ہو کر چند بزرگوں نے مل کر ندوۃ العلماء کے نام سے پہلے کانپور میں پھر لکھنؤ میں ایک انجمن کی بنیاد ڈالی مولانا سید محمد علی، علامہ شبلی، مولانا عبدالحق حقانی، سید ظہور الاسلام فتح پوری، مولانا ابراہیم صاحب آروی، اور مولانا شاہ سلیمان پھلواری اس انجمن کے ممتاز اراکین میں تھے، اسی کے پلیٹ فارم سے مولانا کی خطیبانہ تقریروں کا شہرہ عام ہوا۔ دارالعلوم ندوہ کی بنیاد حضرت شاہ سلیمان پھلواری کی تحریک و تجویز کا نتیجہ ہے۔

مولانا کی خدمات :

رفتہ رفتہ مولانا کی خطیبانہ شہرت سے ہندوستان گونچ اٹھا، مرسید نے مولانا کی وہ تقریر جو انہوں نے ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس میں کی تھی، اپنے اخبار میں ”شاہ سلیمان کا نیچریانہ وعظ“ کی سرخی سے چھاپی۔

مولانا شاہ سلیمان نے صوفیانہ ساجول میں آنکھیں کھولیں ، وہ صوفیہ کی گودوں میں پلے اور بڑھے ، اور خود بھی علم و فضل کے ساتھ ایک باعمل صوفی اور درویش تھے ، تصوف کا رنگ ان پر سب سے زیادہ غالب تھا ، وہ سلسلہ قادریہ اور چشتیہ کے مرید و خلیفہ تھے ، انھوں نے اپنے خاندان سے بھی فیوض باطنی حاصل کئے تھے ، اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ سے بھی نسبت رکھتے تھے ، ان کے مریدوں اور عقیدت مندوں کی تعداد کثیر تھی ، جو پنجاب ، مدراس ، شمالی بہار اور صوبہ متحدہ میں پھیلے ہوئے تھے ۔

مولانا کے سواعظ و ارشادات اثر و تاثیر کا ایک گنجینہ ہوتے تھے ، نہایت خوش الحان تھے ، شہنوی مولانا روم اس خاص انداز سے پڑھتے کہ سننے والے جھوم جھوم جاتے تھے ۔

طباعی اور ذہانت میں اپنا جواب نہ رکھتے ، علامہ سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ ۱۹۱۵ء میں ندوہ کے ایک جلسے چار سلیمان اتفاق سے جمع ہو گئے تھے : قاضی محمد سلیمان منصور پوری مصنف رحمۃ اللعالمین ، مولانا سلیمان اشرف (استاد دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) ، مولانا شاہ سلیمان پھلواروی اور میں ، اس موقع پر مولانا شاہ سلیمان پھلواروی نے برجستہ فرمایا کہ آج کل کئی کئی سلیمان پیدا ہو گئے ہیں ، لیکن ان میں سلیمان بن داؤد میں ہوں۔ ع

پریاں نئی نئی ہیں سلیمان نئے نئے

حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کے والد ماجد کا نام داؤد تھا ، اور اسی لیے ان کی ”سہر میں“ و ورث سلیمان داؤد“ ”کنندہ تھا ،

یہ سن کر مجمع بے اختیار ہنسن پڑا پھر فرمایا پہلے سلیمان فرد تھا ، اب رباعی ہے ، چار چار سلیمان یک جا ہیں ۔ افسوس ہے کہ آج عام و عمل کے یہ چاروں آفتاب غروب ہو چکے ، اب نہ رباعی ہے ، نہ قطعہ اور نہ فرد ۔ واللہ هو الباقی ، حضرت شاہ صاحب کے تقریروں میں دل آویز نکتے بڑی گرمی محفل پیدا کر دیتے تھے ، رنگوں میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں جب کہ بعض مولویوں نے کانفرنس والوں پر کفر کا فتویٰ لگادیا تھا ، نواب محسن الملک (جن کا نام مہدی علی تھا) وہ بھی حضرت شاہ صاحب کے ساتھ تھے ، جلسے میں تقریر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا : یہاں کے بعض مولویوں نے اہل کانفرنس پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے ، جس میں شاید میں بھی داخل ہوں ، مگر غور تو کیجئے کہ نواب محسن الملک تو مہدی ہیں (نام مہدی علی تھا) ان کو کون مسلمان دجال کہے گا ، اور مجھ پر تو کفر کا فتویٰ لگ ہی نہیں سکتا کہ خود اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے : و ما کفر سلیمان و لمن الشیطن کفر و (سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے کفر کیا)

ان کے صاحب علم و فضل ہوتے محب محترم مولانا حسن مثنوی ندوی نے سہ ماہی العلم کراچی جنوری ۱۹۵۲ء میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی کے محلے میں حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کے حالات زندگی قلم بند کرتے ہوئے لکھا کہ :

حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی اپنے عہد میں ایک امتیازی

(۱) یاد رفتگان (علامہ سید سلیمان ندوی) ص ۱۷۹ تا ۱۸۷

حیثیت اور غیر معمولی جامعیت کے قدسی نفس بزرگ شریعت و طریقت کے امام اور اسلامی سیاست کے مقتدر رہنما ، سحرالبیان خطیب اور بذلہ سنج ادیب تھے ، ان کی ساری زندگی قوم و ملت کی تعمیر میں صرف ہوئی ، اور پچاس ساٹھ سال تک اس برصغیر کا گوشہ گوشہ ان کے دل گداز پند و نصائح سے گونجتا رہا

یہ حکیم شاہ محمد محبوب عالم کے پوتے تھے ، جن کا مقصد حیات ہی اعلاء کلمۃ اللہ تھا اور حکیم مولانا شاہ محمد داؤد آن کے والد محترم تھے ، جو فیض آباد شہر کے طبیب تھے - ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے زمانے میں جب کہ فرنگی استبداد شمع حق کے پروانوں کو کچل رہا تھا ، مولانا حکیم شاہ محمد داؤد بھی روپوش ہوتے ہوئے پھلواڑی پہنچے ، یہیں ۱۲ محرم سنہ ۱۲۵۵ھ کو شاہ سلیمان پھلواڑی کی ولادت باسعادت ہوئی -

انہوں نے جن اہم علمی سرکڑوں میں تعلیم پائی ، ان کا تذکرہ ہم پہلے کرچکے ہیں - علوم ظاہری سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ، وہ علم طریقت کی طرف متوجہ ہوئے ، مولانا حسن مثنوی ندوی نے لکھا کہ پہلے وہ اپنے خسر اور پیر و مرشد مصباح الطالبین حضرت مولانا شاہ علی حبیب نصر پھلواڑی سے ، پھر شیخ زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی سے ، اور بعد میں قطب عالم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے جب کہ ۱۳۰۳ء میں حج کے لیے گئے تو اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے ، اجازت و خلافت حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی سے بھی حاصل تھی -

حضرت شاہ سلیمان نے جو علمی ملی اور سیاسی خدمات انجام دیں ، ان کی تفصیل دیتے ہوئے ان کے دانشور پوتے مولانا حسن مشنی نے لکھا کہ : جب حج سے واپس آئے تو ایک ولولہ تازہ ساتھ لے کر آئے ، حضرت قبلہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے ان سے فرمایا کہ تذکیہ (وعظ و نصیحت) کیا کرو۔ چنانچہ مرشد کے اس حکم کی تعمیل میں انہوں نے اللہ کا نام لے کر پوری توانائیوں کے ساتھ وعظ و نصیحت کا باقاعدہ سلسلہ شروع کیا ، وہ اپنی بے مثال خطابت اور روح پرور وعظ گوئی کے اعتبار سے سارے برصغیر ہند میں یگانہ عصر تھے اسی تذکیر سے انہوں نے مجلس اندوہ العلماء کی بنیاد رکھی ، اسی تحریک نے علماء و مشائخ کو ان کی خاوتوں سے از سر نو نکال نکال کر خدمت قوم و ملت کی جلوتوں میں پہنچا دیا ، ہر طرف سے تعلیم تعلیم ! تعمیر تعمیر کی آواز آنے لگی ۔

شاہ صاحب نے فقہ اسلامی کی تدوین جدید کی ضرورت کی طرف بھی توجہ دلائی ۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سرسید کی وہ تعلیمی تحریک تھی ، جو ۱۸۸۶ء میں قائم ہوئی تھی ، اس کانفرنس کی مقبولیت کا ایک بڑا ذریعہ مولانا کے مواعظ ہی ہوا کرتے تھے کوئی وفد خواہ ندوہ کا ہو ، یا کانفرنس اور گروہ کا ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس میں شاہ صاحب کی شرکت لازمی نہ سمجھی جاتی ہو ۔

حضرت شاہ صاحب عالم و صوفی اور رہنمائے ملت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر تعلیم بھی تھے وہ کلکتہ یونیورسٹی مینٹ کے وکٹن تھے ، مدرسہ عالیہ کلکتہ کی مدرسہ کمیٹی اور نصاب کمیٹی

کے بھی رکن ، ڈھا کہ یونیورسٹی قائم کرنے کی جدوجہد میں
نواب سلیم اللہ کے معین و مددگار رہے ۔

آس دور کی اسلامی سیاست میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا ،
ان کی سیاسی زندگی کا عظیم مقصد وجود ملی کی حفاظت و بقا اور
اسلام کی سربلندی کے لیے جدوجہد تھا آل انڈیا مسلم لیگ قائم
ہوئی تو وہ اس کے ساتھ تھے ، خلافت کی تحریک چلی تو انہوں نے
اس تحریک میں نمایاں خدمات انجام ، جمعیتہ العلماء سب سے پہلے
سویہ بہار میں آن پی کی صدارت میں قائم ہوئی ۔ خلافت کمیٹی نے
جب ترک موالات کا فیصلہ کیا تو شاہ صاحب نے ترک موالات
کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا ۔

حضرت شاہ صاحب نے صوفیہ اور مشائخ زادوں کی اصلاح کی
فکر کی طرف بھی توجہ کی ، وہ ان کو رسومات واپس سے نکال کر
قوم و ملت کے لیے مفید تر بنانا چاہتے تھے ۔

علامہ اقبال نے ۱۹۱۶ء میں جب تصوف اسلامیہ کی تاریخ
لکھنی شروع کی اور قدیم و جدید محققین کی کتابیں پڑھیں ، شکوک
و شبہات کا ایک انبار ان کے ذہن و فکر میں جمع ہو گیا ، اور
وحدة الوجود کے بارے میں تفصیلی اور حقیقی معلومات درکار ہوئیں ،
تو انہوں نے بھی شاہ صاحب سے خط و کتابت کی ، اور اپنی مثنوی
پر رائے مانگی ۔

مختصر یہ کہ حضرت شاہ صاحب کی ذات گرامی بجائے خود
ایک ادارہ طریقت اور درسگاہ تصوف تھی ، نصف سے زیادہ

عرصے تک انہوں نے خدمت و تعمیر ملت میں ہمہ تن مصروف و منہمک رہ کر عملاً اس کو ثابت کر دیا کہ :

بزرگی بہ از خدمتِ خلق نیست

بہ تسبیح و سجادہ و خلق نیست

۲۷ صفر ۱۳۵۴ھ (۳۱ مئی ۱۹۳۵ء) کو جمعہ کے دن

صبح کی نماز کے وقت حضرت شاہ سلیمان پھلواوی واصل الی اللہ ہوئے ۔

(۱) ہم العلم جنوری ۱۹۵۲ء ص ۸۸ تا ۹۹ ان معلومات میں محب محترم جناب سید الطاف علی صاحب بریلوی سکریٹری آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی کے شکر گزار ہیں ، جنہوں نے ہماری رہبری کی ، اور مولانا حسن مثنیٰ ندوی کے اس علمانہ مضمون کی طرف توجہ مبذول کرائی ۔ (مؤلف)

حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ

علامہ اقبال کی عقیدت :

علامہ اقبال حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے تبحر علمی اور بصیرت روحانی کے بے حد مداح و معترف تھے۔ ایک خط میں جو حضرت سید پیر مہر علی شاہ کے نام علامہ نے تحریر کیا ہے جسے ہم آئندہ اوراق مکمل نقل کریں گے، اس خط سے اس گہری عقیدت کا پتا چلتا ہے جو علامہ کو آپ سے تھی۔

حالات :

حضرت پیر سید مہر علی شاہ کے والد محترم کا نام سید نذر الدین شاہ تھا، آپ کا سلسلہ نسب چوبیسویں پشت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جا ملتا ہے۔

سلسلہ نسب :

مہر علی شاہ، بن سید نذر الدین، بن سید پیر غلام شاہ
بن سید روشن دین، بن سید عبدالرحمن، بن سید
عنايت الله، سید عنایت علی، بن سید فتح الله، بن سید

اسد اللہ ، بن سید فخر الدین ، بن سید احسان ، بن
 سید درگاہی ، بن سید جمال علی ، بن سید محمد جمال ،
 بن سید ابی محمد ، بن میراں سید محمد کلاں ،
 بن میراں شاہ قادر - بن السید ابی الحسنات ، بن
 سید التاج ، بن سید بہاء الدین ، بن سید جلال الدین ،
 بن سید داؤد ، بن سید علی ، بن سید ابی صالح نصر ،
 بن سید عبدالرزاق ، بن شیخ سید عبدالقادر جیلانی
 بغدادی الحسنی آبا و الحسنی آباء -

آپ کے اجداد میں حضرت شاہ قمبض (یا کمبض) ہندوستان
 تشریف لائے ، اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی^۱ سے ملاقات کی ،
 اور ساڈھپورے میں مقیم ہو گئے ، اور وہیں وفات پائی ، حضرت
 شاہ قمبض کے دو صاحبزادے تھے ، وہ گولڑہ تشریف لے آئے ، ان
 میں سے ایک نے شادی نہ کی ، دوسرے صاحبزادے کا سلسلہ اب
 تک چلا آرہا ہے ، حضرت خواجہ مہر علی شاہ ان ہی کی اولاد
 میں ہیں ، حضرت سید پیر مہر علی شاہ یکم رمضان ۱۲۷۴ھ
 (۱۸۵۹ء) میں پیدا ہوئے^۲ -

بیعت :

پیر سید مہر علی شاہ نے خواجہ شمس الدین سیالوی^۱ کے
 دست حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت حاصل کی -

۱ - انوار الاصفیاء (ناشر شیخ غلام علی - لاہور) ، ص ۶۰۳ -

۲ - خواجہ شمس الدین سیالوی : حضرت سلیمان تونسوی کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴۳ پر)

سفر حجاز :

اس کے بعد آپ حجاز چلے گئے ، مکہ معظمہ میں ایک دن حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر ہوئے دوران ملاقات حاجی صاحب نے آپ کو ہندوستان جانے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا

در ہندوستان عنقریب یک نتنہ ظہور کند، در ملک خود

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جلیل القدر خلفاء میں تھے - یہ ۱۲۱۰ھ کو سیال میں پیدا ہوئے تعلیم و تربیت اپنے ماموں میاں احمد الدین اور مکہؓ میں مولوی علی محمد کے ساتھ حضرت شاہ سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے بیعت کی اور خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے ، خواجہ سیالوی نے ۲۱ صفر ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۲ء) میں وفات پائی - (تذکرہ صوفیائے پنجاب - تالیف اعجاز الحق قدوسی ص ۳۵۷ - ۳۶۰ بحوالہ تاریخ مشائخ چشت) -

۲ - حاجی امداد اللہ : بن حاجی محمد امین ، اپنے نانہالی قصبے نانوتہ ضلع سہارنپور میں ۲۶ صفر ۱۲۲۳ھ (۱۸۱۵ء) کو پیدا ہوئے ، ان کا آبائی وطن قصبہ تھانہ بھون تھا ، حاجی صاحب نے پہلے مولوی نصیر الدین دیساوی کے ہاتھ پر بیعت کی ، اس کے بعد مشہور بزرگ میاں جی نور محمد جھنجھانوی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے ، ۱۲۷۶ھ (۱۸۵۹ء) مکہ معظمہ ہجرت کر گئے ، اور جمادی الاخریٰ ۱۳۱۷ھ (۱۸۹۹ء) میں وہیں وفات پائی - (فٹ نوٹ تذکرہ علمائے ہند ، ص ۱۲۳) -

واپس بروید ، و اگر بالفرض شما در ہند خاموش نہشتہ
باشید ، تاہم اُن فتنہ ترقی نکند ، و در ملک آرام
ظاہر شود ۔

(ترجمہ)

ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ ظاہر ہوگا تمہیں چاہیے
کہ اپنے ملک واپس چلے جاؤ اور اگر تم بالفرض
ہندوستان میں خاموش بھی رہو گے تو وہ فتنہ ترقی نہ
کرے گا ، اور ملک میں سکون رہے گا ۔

چنانچہ آپ حضرت حاجی صاحب کے ارشاد پر ہندوستان واپس
آئے ، اور یہاں آنے کے بعد رشد و ہدایت اور علمی سرگرمیوں میں
مصروف ہو گئے ۔

اپنے تبحر علمی کی بدولت حضرت پیر سید سہر علی شاہ صاحب
پنجاب کے ممتاز علماء اور جلیل القدر صوفیہ میں شمار ہوتے تھے ،
آپ کی وسعت نظر اور تبحر علمی اور وسعت معلومات کا اندازہ اس
سے ہوتا ہے کہ علامہ اقبال جیسے یگانہ روزگار اسلامی مفکر و شاعر
مشکل علمی مسائل میں آپ سے استفادہ کرتے تھے ۔ شیخ امی الدین ابن
عربی نظریہ ”وحدت الوجود“ پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ جس
کی نظیر اس طبع میں نہیں ملتی ، ابن العربی کی مشہور اور مشکل
کتاب فصوص الحکم کا باقاعدہ درس دیتے تھے ، علامہ اقبال اُن
کے تبحر علمی سے بے حد متاثر تھے ۔

علامہ اقبال کا استفادہ :

ایک خط میں علامہ اقبال حضرت پیر سہر علی شاد کو لکھتے ہیں :

لاہور : ۸ اگست ۱۹۳۳ -

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ - السلام علیکم

اگرچہ زیارت اور استفادے کا شوق ایک مدت سے ہے - تاہم اس سے پہلے شرف نیاز حاصل نہیں ہوا - اب اس محرومی کی تلافی اس عریضے سے کرتا ہوں ، گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی ، بہر حال جناب کی وسعت اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہوں ، کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لئے کھٹکھٹایا جائے ..

میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی ، جو وہاں کے ادا شناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی ، اب پھر آدھر جانے کا قصد ہے ، اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے ، نظر بایں حال چند امور دریافت طلب ہیں ، جناب کے اخلاق کریمانہ سے بعید اندہ ہوگا ، اگر ان سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے ..

(۱) اول یہ کہ حضرت شیخ اکبر نے ”تعلیم حقیقت زماں“ کے متعلق کیا کہا ہے ، اور ائمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے -

(۲) یہ تعلیم شیخ اکبر کی کون کون سی کتب میں پائی جاتی ہے ، اور کہاں کہاں ، اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اول کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کر سکیں ۔

(۳) حضرات صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقتِ زمان پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں ۔ مولوی سید انور شاہؒ مرحوم و مغفور نے مجھے عراقی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا ، اس کا نام تھا ”درایدۃ الزمان“ جناب کو اس کا علم ضرور ہوگا ۔ میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے ، مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے ، اس لیے مزید روشنی کی ضرورت ہے ۔

میں نے سنا ہے جناب نے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرمادیا ہے ، اس لیے مجھے یہ عریضہ لکھنے میں تامل تھا ، لیکن چونکہ مقصود خدمتِ اسلام ہے ، مجھے یقین ہے کہ اس تصدیعہ کے لئے جناب معاف فرمائیں گے ، اور جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے ۔

مخلص

محمد اقبال

۱ ۔ مولانا سید انور شاہؒ : جانشین حضرت مولانا شیخ الہندؒ : وسعتِ نظر ، قوتِ حافظہ ، اور کثرتِ حفظ میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے ، علومِ ادب میں بلند پایہ ، معقولات میں ماہر اور (بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴۷ پر)

حضرت پیر سید مہر علی شاہ کو حضرت شاہ ولی اللہ^۲ سے
بے حد عقیدت تھی، ایک جگہ وہ حضرت شاہ ولی اللہ سے اپنی
عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں

کمالات شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی مرحوم بعد غایت کمال
رسیدہ اند، در علم ظاہر و باطن نظر خود خود گذاشتہ اند

(ترجمہ)

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی مرحوم کمال کی اس انتہا کو
پہنچے ہوئے ہیں کہ علم ظاہر و باطن میں وہ اپنی نظیر آپ
ہی تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

زہد و تقویٰ میں کامل تھے، معلومات کے ایک بحر بے پایاں،
حافظے کے بادشاہ، علوم کے کنج گراں مایہ تھے، مشہور
دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند و ڈابھیل کے مدتوں شیخ الحدیث
رہے، ۳ صفر ۱۲۵۲ھ (۲۹ مئی ۱۹۳۳ء) کو حضرت مولانا
انور شاہ صاحب نے وفات پائی (یاد رفتگان، ص ۸۶۹)۔

۱۔ اقبال نامہ، حصہ اول (مرتبہ شیخ عطاء اللہ ایم۔ اے،
ناشر محمد اشرف، ص ۴۴۲ - ۴۴۴)۔

۲۔ شاہ ولی اللہ: بن شاہ عبدالرحیم بن شیخ وجیہ الدین کا نام
قطب الدین احمد شاہ تھا، وہ ۱۱۱۳ھ (۳، ۱۷۷۷ء) میں عالمگیر
کے دور حکومت میں پیدا ہوئے، اور پندرہ سال کی عمر میں
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴۸ پر)

حضرت پیر سید مہر علی شاہ کے ملفوظات ، ”ملفوظات طیبہ“ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں ، یہ ملفوظات اور ارشادات آن کے تبحر علمی ، وسعت نظر اور اصلاح معاشرے کی جدوجہد کے آئینہ دار ہیں۔ انہوں نے اپنی تعلیمات میں اتباع سنت پر خاص طور پر زور دیا ہے ، فرمایا کہ اتباع رسولؐ سے بڑھ کر ایک مسلمان کے لیے اور کوئی فخر نہیں ہو سکتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اپنے والد سے سلسلہٴ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر خرقہٴ خلافت اور علمی فراغت کی سند حاصل کی۔ سترہ سال کی عمر میں اپنے والد کی وفات کے بعد آن کی جگہ مدرسہ رحیمیہ کی مسند صدارت کو زینت بخشی۔ ۱۱۴۳ھ (۱۷۳۰ء) میں حرمین شریفین حاضر ہوئے اور دو سال تک وہاں کے مختلف شیوخ سے ، جن میں شیخ ابی طاہر محمد کردی مدنی ، اور شیخ ابو طاہر مکی سے مختلف کتابیں پڑھیں۔ ۱۱۴۵ھ (۱۷۳۲-۳۳ء) ہندوستان واپس تشریف لائے۔ ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ء) حضرت شاہ ولی اللہ نے دہلی میں وفات پائی۔ آپ کے چاروں صاحبزادے مولانا شاہ عبدالعزیز ، مولانا رفیع الدین ، مولانا عبدالقادر اور مولانا عبدالغنی یہ سب کے سب اپنے والد محترم کے صحیح جانشین اور علم و عمل کا روشن مینار تھے (نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۳۹۸ - رود کوثر ، ص ۵۱۸ - تذکرہ علمائے ہند ، ص ۵۴۲ - ۵۴۳)۔

شاعری :

کبھی کبھی فارسی اور پنجابی شعر بھی فرماتے تھے ، شاعری میں مہر تخلص کرتے تھے ، ہم آپ کے چند شعر یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں :

صبا ز طرهٔ شب مہوشِ طنناز
کشید نافۂ مشکین بروئے اہل نیاز
رہنِ ماقی چشمے کہ جرعۂ بخشاند
ز جام چہرۂ ترکانِ مہوشانِ حجاز
بہ بزم بادہ فروشان بہ نیم جو نہ خرنند
متاع زائدِ طمّاع چہ حج و صوم و نیاز
مرا ز پیرِ مغان راز پرائے سربستہ است
فغان ز واعظِ خود کجاست محرمِ راز

اگرچہ حسنِ تو از مہر غیر مستغنی مت
من آن نیم کہ از خویش آیم باز

شعر و ناب میں جناب غلام نظام الدین مرولوی نے حضرت پیر مہر علی شاہ کے چند پنجابی اشعار دیتے ہوئے ، ان کے پنجابی کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ :

پیر صاحب کی زبان ہمارے معاصر پنجابی روزمرہ کے

۱۔ حضرت پیر مید مہر علی شاہ کے یہ تمام حالات تاریخ مشائخ چشت - تالیف پروفیسر خلیق احمد نظامی - ص ۷۱۳-۷۱۷ سے ماخوذ ہیں ۔

زیادہ قریب ہے ، اس لیے پیر صاحب کی کافیاں زود فہم
 اور زیادہ مانوس ہیں ، پیر صاحب کی امتیازی خصوصیت
 یہ ہے کہ انہوں نے حقیقت اور مجاز کے درمیان ایک
 خوشگوار توازن قائم رکھا ، اس لیے ان کے ہاں عوامی
 مقبولیت کے درخشندہ امکانات ہیں لیکن افسوس ہے کہ
 ان کی کافیوں کے شایانِ شان اشاعت ہر چند برس کوئی
 توجہ نہیں دی گئی ۔

شعر ناب سے ہم ان کے چند پنجابی اشعار تیر کا یہاں نقل
 کرتے ہیں :

آج سیک متراندی ودھیری اے
 کیوں ولڑی آداس گھنیری اے
 لون لون وچ شوق چنگیری اے
 آج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں
 مکھ چند بدر شمشانی اے
 منٹھے چمکے لاٹ نورانی اے
 کالی زلف تے اکھ مستانی اے
 مخمور اکھیں مد بھریاں
 اس صورت نوں جان آکھاں
 جاناں کہ جان جہاں آکھاں
 سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں
 جس شان توں شانناں سب بنیاں

سبحان اللہ ما اجمعک
 ما احسنک ما اکملک
 کتھے مہر علی ، کتھے تیری ثنا
 گستاخ اکھوں کتھے جا اڑیاں

وفات :

حضرت پیر مہر علی شاد ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ (۱۱ مئی ۱۹۳۷ء)
 کو بمقام گولڑہ (ضلع راولپنڈی) واصل الی اللہ ہوئے ، اور اپنے والد
 محترم کے مزار کے پاس مدفون ہوئے

آپ کا مزار مبارک گولڑہ میں ریلوے اسٹیشن سے قریباً دو
 میل کے فاصلے پر ہے ، ۲۹ صفر کو آپ کا سالانہ عرس بڑی دہوم
 سے منایا جاتا ہے

صاحب تصانیف تھے ، آپ کی تصانیف میں تحقیق الحق فی
 کلمۃ الحق ، الاصلاح الفتح لاعجاز المسیح معروف بہ سیفِ چشتیائی ،
 شمس الہدایہ ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اہل بہ بغیر اللہ ، عجائب
 ان کے علاوہ آپ کے مکتوبات طبیات اور ملفوظات مشہور ہیں^۲۔

(۱) یہ تمام تفصیل شعر ناب (تالیف جناب غلام نظام الدین مرولوی)۔
 مطبوعہ مکتبہ معظمیہ - لاہور۔ ص - ۱۶ تا ۱۶۲۔ (۲) انوار الاصفیاء ،
 ص - ۶۰۶ - سے ماخوذ ہے۔

ضمیمہ

اقبال کے محبوب صوفیہ کا بڑا حصہ چھپ چکا تھا کہ ہمارے عزیز دوست جناب مدبٹر رضوی نے ہمیں حضرت حارث محاسبی کے حالات کی طرف توجہ دلائی، اور شاعر مشرق علامہ اقبال کے ایک خط کا اقبال نامہ سے حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ علامہ حضرت حارث ابن اسد المحاسبی کی عظمت تصوف کے بڑے مداح و معرف تھے، چنانچہ ان کے توجہ دلانے پر جب میں نے اُس خط کو پڑھا جو ڈاکٹر ظفر الحسن کے نام ہے تو اپنی کوتاہی اور سہو پر افسوس ہوا، میں اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہوں کہ میرے سہو کے سبب یہ تذکرہ اپنی جگہ پر نہ آسکا، لیکن حضرت حارث محاسبی کی عظمت بزرگانہ کا تقاضا یہ ہے کہ میں اُن کے حالات کو بطور ضمیمہ شریک کروں۔

و العذر عند کرام الناس مقبول

چنانچہ میں تصوف اسلامی کے گوہر گراں سایہ حضرت حارث بن اسد المحاسبی کے حالات کو بطور ضمیمہ شریک کر رہا ہوں، کہ حضرت حارث بن اسد المحاسبی کے حالات کے بغیر علامہ اقبال کے محبوب صوفیہ کی جو بزم میں نے سجائی ہے، وہ نامکمل رہی جاتی ہے۔

حضرت حارث بن اسد محاسبی

حالات :

حضرت حارث بن اسد محاسبی کا شمار طبقہ اول کے صوفیہ میں ہوتا ہے ان کے علم و فضل معرفت ، و تصوف کے اکابر رجال مداح و معترف و معترف نظر آتے ہیں ، صاحب کو اکب دریدہ نے حضرت محاسبی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا :

تمیمی کہتے ہیں فقہ و حدیث اور کلام و تصوف میں وہ مسلمانوں کے امام ہیں^۱ -

ابن خلکان نے ان کو حقیقت و معرفت کے واقف کار ، علم ظاہر و باطن کے جامع بتایا ہے^۲ -

ابو القاسم قشیری نے تصوف میں ان کے بلندی مرتبہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن حنیف کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :

عبداللہ بن حنیف فرماتے تھے کہ ہمارے شیوخ میں پانچ کی اقتدا کرو ، اور باقیوں کے احوال خود ان کے حوالے کرو (۱) حارث بن اسد محاسبی (۲) جنید بن محمد بغدادی

(۱) رسالہ معارف ، نمبر ۶ ، جلد ۱۰ ، دسمبر ۱۹۶۷ء ص ۴۰۵ مقالہ مولانا سعید احمد پالنپوری بحوالہ کو اکب الدریہ فی تذکرۃ الصوفیہ ، جلد ۱ - ص ۲۱۸

(۲) رسالہ معارف ، دسمبر ۱۹۶۷ء مضمون مولانا احمد سعید پالن پوری ، ص ۴۰۵ بحوالہ وفیات الاعیان ، جلد ۱ - ص ۳۴۰

(۳) ابو محمد ردیم (۴) ابو العباس بن عطا (۵)
عمر و بن عثمان^۱

شیخ عبدالفتاح ابو غده (مقیم حلب) ان کے حالات کے
ضمن میں، ان کے اوصاف و محامد کے متعلق رقم طراز ہیں :
امام عارف، علوم حکمت و معرفت میں رطب اللسان،
تقویٰ و تقدس،^۲ علم و عمل، معاملات و حالات میں
عزیم النظیر، زہد و عبادت، پند و مواعظ میں بے مثال،
فقیہ و متکلم اور خطابت میں فرد تھے^۳

علامہ اقبال کا تاثر :

علامہ اقبال نے ان کی عظمت علمی، اور شان تصوف سے
متاثر ہو کر ڈاکٹر ظفر الحسن کو ایک خط میں ۱۳ دسمبر ۱۹۳۵ء
کو لکھا کہ :

آپ کے شاگرد رشید محمد عمر الدین صاحب نے کچھ
عرصہ گزرا مجھے الغزالی پر ایک چھوٹی سی کتاب ارسال
فرمائی تھی، ان سے کہیے کہ وہ مارگیرڈ سمیتہ کی
کتاب ("An Early Mystic of Baghdad")
حارث ابن اسد المحاسبی کا جو چند ماہ قبل شائع ہوئی
مطالعہ کریں انہیں چاہیے کہ اس کتاب کا ایک ایک

(۱) رسالہ قشیریہ ص ۱۵

(۲) رسالہ معارف دسمبر - ۱۹۶۷ء ص ۵

(۳) اقبال نامہ، جلد اول - ص ۶۸ - ۶۹

لفظ نہایت غور سے پڑھیں ، اس کتاب سے انھیں نہ صرف غزالی کی تعلیمات کے سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی ، بلکہ غزالی کی مدد سے مشرق و مغرب کے یہودی اور عیسائی تصوف پر محاسبی کے اثرات کا بھی معقول اندازہ ہو سکے گا ۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا ۔

حضرت حارث محاسبی کی کنیت ابو عبد اللہ ، تھی حارث بن اسد بصرے میں پیدا ہوئے ، لیکن بغداد میں سکونت اختیار کی ، اور وہیں وفات پائی علوم و فنون میں غیر معمولی تبحر حاصل کیا ، ان کے اساتذہ میں یزید بن ہارون اور اس طبقے کے محدثین ہیں ، ان کے شاگردوں میں ابو العباس بن مسروق ، احمد بن حسن بن عبد الجبار ، جنید بغدادی ، اسماعیل بن اسحاق سراج ، ابو علی حسین بن خیران ، احمد بن قاسم بن نصر ، احمد بن عبد اللہ سیمون وغیرہ ہیں ۔

تحصیل علم کے بعد وہ تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے ، ان کا موضوع تصنیف اخلاقیات ، زہد و تصوف ، رد بدعات و عقائد باطلہ تھا ، ان کی تصانیف میں کتاب الرعاۃ ، کتاب التوہم ، رسالہ المسترشدين مشہور ہیں ۔ حضرت محاسبی کی تمام تصانیف معیاری ہیں ، اور ان کی تصانیف ان کے بعد آنے والے مصنفین کے لیے نشان راہ ہیں ۔

حضرت امام غزالی نے احیاء العلوم میں ان کی تالیفی و تصنیفی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے میں لکھا :

المحاسبی خیر الامۃ فی عالم المعاملۃ ولہ السبق علی

جميع الباحثين عن عيوب النفس و آفات الاعمال و اغوا
العبادات و كلاس

(ترجمہ)

محاسبی علم المعاملہ میں خیرالامت ہیں ، نفسانی عیوب ،
نقائص اعمال اور عبادات میں جو خرابیاں پیدا ہوتی
ہیں ، ان پر جن لوگوں نے لکھا ہے ان سب پر محاسبی
سبقت لے گئے ہیں ۔

حضرت امام غزالی کی تصانیف پر محاسبی کا بڑا اثر ہے ، اور
اپنی تصنیفات میں وہ ان کے خوشہ چیں ہے ۔ علامہ زاہد کوثری
نے لکھا کہ :

محاسبی کا امام غزالی پر بڑا اثر پڑا ہے
انہوں نے محاسبی کی کتاب الرعایا کو ،
اپنی کتاب احیاء العلوم میں چھپا لیا ہے ۔

حافظ ابو نعیم اصفہانی نے ان کے متعلق اپنے تذکرے
حلیۃ الاولیاء میں لکھا کہ :

جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ حارث محاسبی میرے گھر
آتے ، اور مجھ سے فرماتے اؤ ذرا تفریح کو چلیں ، میں
عرض کرتا کہ وحدت و عزلت سے نکال کر تنہائی کا
اسن و سکون ختم کر کے آپ مجھ کو آفات و بلیات
میں پھنسانا ، راستوں کی سیر و تفریح میں منہمک اور

رسالہ معارف ، دسمبر ۱۹۶۷ء ، ص ۸۰ ، بحوالہ مقدمہ رسالۃ المشتشدین ۔

شہوات و خواہشات میں مبتلا کر دینا چاہتے ہیں ۔
 حضرت جنید سے فرماتے چلے بھی چلو ، گھبراؤ نہیں ۔ میں
 آن کو ساتھ لے کر روانہ ہو جاتا ، اور عجب بات یہ
 دیکھتا کہ راستے میں کوئی ناپسندیدہ چیز حائل ہی
 نہ ہوتی ، جب ہم جنگل میں پہنچ کر کسی جگہ بیٹھ
 جاتے تو فرماتے مجھ سے سوالات کرو ، میں عرض کرتا
 میرے ذہن میں پوچھنے کے لیے کوئی سوال ہی نہیں
 ہے ، فرماتے جو بھی دل میں آئے پوچھو ، پھر خود
 سوالات کی بوچھاڑ کر دیتے ، میں وہی سوالات آن سے
 پوچھتا ، وہ آن کے برجستہ جواب دیتے ، اس کے بعد
 وہ گھر لوٹتے اور ایک کتاب تیار کر لیتے ۔^۱

ادب و بیان میں حضرت محاسبی کا پایہ بہت بلند ہے ، جس
 کا اندازہ آن کی تصانیف کتاب الرعاۃ ، کتاب التوہم اور رسالہ
 المسترشدین سے لگایا جا سکتا ہے ۔

حضرت محاسبی کی زیادہ تر وجہ شہرت آن کی تصوف پر
 تصانیف ہیں ، وہ اپنی تصوف کی کتابوں میں قرآن حکیم ،
 احادیث نبوی ، اقوال صحابہ^{رض} اور اعمال سلف صالحین سے استدلال
 کرتے ہیں ، صوفیہ کی شطحیات اور فلسفیانہ بحثوں سے بالکل
 کنارہ کش رہتے ہیں آن کے تصوف کا مرکز علم و عمل کی اصلاح
 مراقبہ^۱ خداوندی ، نفس کے رذائل و خباثت سے پاکی حاصل کرنا

۱۔ رسالہ معارف ، دسمبر ۱۹۶۷ء ص ۴۰۸ ، بحوالہ حلیۃ الاولیا ،

جلد ۱۰ ، ص ۷۴ ۔

قربِ الہی کے حصول کے طریقے ، یہ وہ امور ہیں جن کے گرد ان کا تصوف گھومتا ہے ۔

اگرچہ ابو نصر سراج طوسی کے بیان کے مطابق حارث محاسبی کا مکان عمدہ تھا ، اور وہ عمدہ لباس پہنتے تھے ، لیکن زہد کا یہ عالم تھا کہ بقول ابنِ خلدان وفات کے وقت وہ ایک ایک پیسے کے محتاج تھے ۔

جنید بغدادی جو حضرت محاسبی کے شاگرد رشید ہیں وہ حضرت حارث کی زاہدانہ زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ : ایک روز میں اپنے مکان کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا کہ حارث محاسبی میرے سامنے سے گزرے ، میں نے ان کے چہرے سے شدید بھوک کے آثار محسوس کیے ، اور ان سے عرض کیا کہ چچا جان ! اگر آپ غریب خانے پر تشریف لے جا کر ماحضر تناول فرمالیں تو میری خوش نصیبی ہوگی ، حضرت حارث نے فرمایا کیا کچھ کھلاؤ گے ؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کی خدمت تو میری معادت کا باعث ہے ، پھر ہم دونوں گھر میں آئے ، میں اپنے چچا کے گھر سے جہاں انواع و اقسام کے کھانے اور طرح طرح کے میوے ہر وقت رہتے تھے ، ان میں سے عمدہ کھانے اور پھل لے کر آیا حضرت حارث نے ایک لقمہ اٹھا کر منہ میں رکھا ، مگر چباتے رہے ، نگل نہ سکے اچانک کھڑے ہو گئے اور اور بغیر کچھ کہے منے روانہ ہو گئے ۔

دوسرے دن پھر مجھ سے ملاقات ہوئی ، میں نے ان سے عرض کیا چچا جان ! کل آپ نے میری درخواست قبول کر کے میرا دل

خوش کر کے پھر ناراض کر دیا انہوں نے جواب دیا یہاں صاحبزادے! اس وقت مجھے شدید بھوک لگی ہوئی تھی، اور میں نے کوشش بھی کی کہ تمہارے لائے ہوئے کھانوں میں سے کچھ کھالوں، مگر خدائے تعالیٰ سے سیرا یہ عہد ہے کہ اگر کھانا مشتبہ ہوتا ہے تو اس کی بومیری قوت شامہ فوراً محسوس کرتی ہے، پھر میں اس کھانے کو ہرگز نہیں کھا سکتا، چنانچہ وہ لقمہ بھی جو میں نے کھایا تھا، میں نگل نہیں سکا اور تمہاری دہلڑ میں ڈال دیا تھا۔^۱

قشیری نے اس واقعہ میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ: پھر حضرت جنید نے اُن سے عرض کیا کہ اچھا آج اور سہی، حارث آمادہ ہو گئے، حضرت جنید نے گھر میں جو سوکھی روٹی کے ٹکڑے پڑے ہونے تھے، وہ سامنے رکھ دیے، انہوں نے وہ کھائے، اور فرمایا کہ جب کسی فقیر کے سامنے کھانا پیش کرو تو وہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔

ابن خلکان کا بیان ہے کہ حارث جب کسی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے اور اس میں کسی قسم کا شبہ ہوتا تو ان کی انگلیوں کی ایک رگ پھڑکنے لگتی اور وہ فوراً اس سے ہاتھ کھینچ لیتے۔^۲ حضرت حارث کے ارشادات و ملفوظات حکمت و موعظت کا ایک خزانہ تھے، ہم ان میں سے چند ملفوظات یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

۱۔ رسالہ معارف - دسمبر ۱۹۶۷ء، ص ۱۱۱۔

۲۔ رسالہ معارف - دسمبر ۱۹۶۷ء، ص ۱۱۰۔

- ۱ - ہر چیز کا ایک جوہر ہوتا ہے ، انسان کا جوہر اس کی عقل ہے ، اور عقل کا جوہر توفیق خداوندی ہے ۔
- ۲ - خلقِ حسن کا مطلب اذیت کو برداشت کرنا ، غصہ کم کرنا ، خندہ پیشانی اور سیٹھے بول ہیں ۔
- ۳ - جس نے نعمتِ خداوندی کا شکر ادا نہ کیا ، اس نے بربادی کو خود ہی دعوت دی ۔
- ۴ - ہر زاہد کا زہد اس کی معرفت کے اعتبار سے ہوتا ہے ، اور معرفت، عقل کے اور عقل قوتِ ایمانی کے متناسب ہوتی ہے ۔
- ۵ - ظالم نادم ہوتا ہے ، خواہ لوگ اس کی مدح سرائی کریں ، مظلوم خوش رہتا ہے ، خواہ لوگ اس کی مزمت کریں ، قانع مال دار ہوتا ہے ، خواہ بھوکا رہے ، اور لالچی فقیر ہوتا ہے ، خواہ وہ خزانوں اور دولت کا مالک ہو جائے ۔
- ۶ - جب کوئی انسان صلاح و تقویٰ سے آراستہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو کی صلاح کا ذریعہ بنادیتے ہیں ، اور جب کوئی انسان گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خلق کی گمراہی کا ذریعہ بنادیتے ہیں ۔
- ۷ - دنیا کا خیال رہتے ہوئے اس سے کنارہ کش رہنا ، زاہدوں کا طریقہ ہے اور دنیا کو بالکل نسیا نہ کر دینا عارفین کا مقام ہے ۔

۱ - رسالہ معارف ، دسمبر ۱۹۶۷ء ص ۴۱۰ -

۲ - رسالہ معارف ، دسمبر ۱۹۶۷ء ص ۴۱۱ ، بحوالہ وفیات ،

جلد ۱ ، ص ۳۳۸ -

حضرت محاسبی صاحب تصانیف کثیرہ ہیں ، بعض لوگوں کی روایت کے مطابق ان کی تصانیف کی تعداد دو سو تک پہنچتی ہے ، ان میں سے بعض کتابوں کے نام یہ ہیں ۔

(۱) کتاب الرعاۃ لحقوق اللہ عز و جل

(۲) کتاب الوہم (۳) رسالہ مسترشدین

ان کی یہ تینوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں ۔

غیر مطبوعہ تصانیف میں آداب النفوس ، شرح المعرفہ ، البعث والنشور ، المسائل فی اعمال الناب و الجوارح ، المسائل فی الزہد وغیرہ ، کتاب فی الدماء ، کتاب التفکر والاعتبار ، رسالہ الوصایا ، رسالہ المراقبہ وغیرہ مشہور ہیں ۔

حضرت حارث محاسبی کے ناقدین میں حضرت امام احمد بن حنبل محدث ابو زرعہ اور ابن العربی مالکی ہیں ، ابن عربی محاسبی کے قدر شناس بھی ہیں ، اور ناقد بھی ، انہوں نے جو تنقید حضرت حارث پر کی ہے ، وہ معتدل بھی ہے ، اور مفید بھی ۔

حضرت حارث محاسبی نے ۵۲۴ھ (۵۸-۶۸۵ھ) میں بغداد میں وفات پائی ۔ خطیب اور ابن السبکی نے امام ابو ثور سے روایت کی ہے کہ میں حارث کی وفات کے وقت ان کے قریب موجود تھا ، انہوں نے فرمایا دیکھنا اگر عالم سکرات میں مجھے اچھا منظر نظر آیا تو میں ہنسون گا ، ورنہ میرے چہرے پر بُرے آثار ظاہر ہوں گے ، ابو ثور کہتے ہیں کہ وہ عالم سکرات میں ہنسی اور وفات پا گئے ۔

نفحات الانس میں ہے کہ حضرت حارث بن اسد محاسبی کی

کنیت ابو عبداللہ ہے ، آپ صوفیہ کے طبقہ اول سے تعلق رکھتے
 ہیں ، صاحب تصانیف ہیں ، بغدادیوں کے استاد ہیں ، آپ اصل
 میں بصرے کے رہنے والے تھے ، لیکن بغداد میں آباد ہو گئے تھے ،
 امام احمد ابن حنبل کے دو سال بعد ۲۴۳ھ (۵۸-۸۵۷ء) میں آپ
 کا وصال ہوا ۔!

-
- ۱۔ حضرت حارث بن اسد محاسبی کے یہ حالات مقالہ مولانا
 سعید احمد پالنپوری ، دارالعلوم اشرفیہ رانڈیر ، رسالہ معارف
 ماہ دسمبر ۱۹۶۷ء ص ۴۰۵ تا ۴۲۳ سے ماخوذ ہیں ۔
 - ۲۔ نفحات الانس (آرڈو ترجمہ) ص ۵۷ ۔

اشاريه :

● اشخاص

● مقامات

● كتب

اشخاص

الف محدودہ

آدم بنوری شیخ - ۳۶۸

آدم سنائی - ۹۵-۹۱

آقائی سعید نفیسی - ۲۹۸

الف مقصورہ

ابراہیم ادھم ، حضرت - ب - ج

ابوحنیفہ ، امام - ج

ابراہیم آروی مولانا - ۵۳۴

ابراہیم خان شروانی -

۴۲۳ - ۴۲۴ (ح)

ابراہیم خواجہ - ۴۴۳

ابراہیم (بلا روحی) - ۵۰۳ (ح)

ابراہیم سرہندی شیخ - ۴۷۵ (ح)

ابراہیم ، سلطان - ۹۲ (ح)

ابراہیم شرقی ، سلطان -

۳۷۱ - ۳۷۲ - ۳۸۵ (ح)

ابراہیم شیخ - ۳۹۸ (ح) -

۳۹۹ (ح)

ابراہیم علیہ السلام ، (ابراہیم خلیل اللہ)

، حضرت - ۷۸ - ۱۵۶

ابراہیم قاضی - ۳۲۰

ابراہیم قندوزی ، سجدوب ، ۱۲۲

ابراہیم لودھی - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۲۰

۴۲۳ (ح) - ۴۲۴

ابراہیم مرتضیٰ ، سید - ۱۱۰

ابراہیم معین ابرجی سید - ۴۴۶

ابن اثیر - ۷۸

ابن ایاس - ۵۲۸

ابن تیمیہ - ۵۲۸

ابن حبّان (رک - ہرم بن حبان)

ابن خلدون ، علامہ - ۷۹

ابن خلکان - ۵۵۳ - ۵۵۸ - ۵۵۹

ابن رشد ، (شیخ الاشراق) -

۷۵ - ۵۲۹

ابن السبکی - ۵۶۱

ابن العربی - ۵۶۱

ابن ملجم - ۵

ابوبکر خراطہ ، قٹوال (ابوبکر قوال)

۲۴۷

ابوبکر ، خواجہ - ۲۷۰

ابوبکر زنبیل ہاف - شیخ ۱۳۷

ابوبکر میلہ ہاف ، شیخ - ۱۳۸

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت -

۴ - ۴۵۶ - ۴۵۸

ابوبکر غازی - ۲۲۲

ابوبکر محی الدین بن علی شیخ -

۵۲۸

ابوبکر واسطی - ۱۱۱

ابوتراب (رک: علی، حضرت) -

ابو ثور امام - ۵۶۱

ابوجعفر حداد - ۵۹۵

ابوحفص، مولانا - ۱۳۴ (ح)

ابوحنیفہ، امام (امام اعظم - نعمان

بن ثابت) - ۲۲۱ - ۲۲۲ - ۲۵۴

(ح) - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰

ابوزرعہ - ۵۶۱

ابومسعود - ۴۳۲

ابومسعود ابوالخیر، حضرت، سلطان -

۵ - ۱۷۰ - ۱۷۱

ابومسعود سلا - ۴۴۹

ابوصالح سینہ - ۴۴۶

ابوطالب، ۲

ابوطالب مکتی - ۲۶

ابوطاہر مکتی شیخ - ۵۳۸ (ح)

ابوعبد اللہ - ۵۵۵ - ۵۶۱

ابوعلی حسین بن خیران - ۵۵۵

ابو محمد ردیم - ۵۵۴

ابونصر سراج طوسی - ۵۵۸

ابونعیم اصفہانی، حافظ - ۵۵۶

ابوالبرکات تقی الدین علی دوستی،

شیخ - ۲۲۴

ابوالحسن، خسرو، امیریمین الدین -

۲۷۴

ابوالحسن - (رک: علی) حضرت

ابوالحسن سید علی ندوی، مولانا -

۸۲ - ۱۳۷ - ۲۷۰

ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جامع -

۵۲۹ -

ابوالخیر شیخ - ۵۰۲

ابوالرضا الہندی، شیخ - ۵۲۱ (ح)

ابوالعباس بن شبروق - ۵۵۵

ابوالعباس بن عطا - ۵۵۴

ابوالفتح خورجہ - ۴۴۴

ابوالفضل علائی - ۳۲۵ - ۴۰۴

(ح) - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۱۷۳

ابوالقاسم قشیری - ۵۵۳ - ۵۵۹

ابوالمکارم شیخ - ۴۹۹ - ۵۰۱ (ح)

ابوالمجد ہجدود - ۹۵

ابوالنصر اسماعیلی، امام - ۸۳

ابی الحسنات سید - ۵۴۲

ابی صالح نصر، سید - ۵۴۲

احمد عارف، شیخ - ۳۸۵ - ۳۸۵ (ح)
۳۸۶ (ح) ۳۸۷ (ح) ۵۳۳

احمد عبدالحق ردولوی، شیخ
صاحب نوشہ - ۳۸۳ - ۳۸۳ -
۳۸۵ (ح) ۳۸۶ (ح) ۳۸۷ -
۳۸۸ - ۳۹۵ - ۴۲۹

احمد علی، مولانا ۵۳۳

احمد غزالی - ۷۸

احمدی (تخلص)، عبد القدوس گنگوہی
شیخ - ۳۳۶

احمد یسوی، خواجہ - ۲۲۶ (ح)

اختیار الدین (مرید حضرت بو علی
قلندر) ۲۳۶

اخیر مبارک - ۲۶۹

اسپرنگر - ۱۴۳

اسحاق بن کاکو، شیخ - ۴۸۰ (ح)

اسحاق خواجہ - ۴۴۳

اسد اللہ، سید - ۵۴۲

اسعد لاپوری شیخ - ۳۷۳ (ح)

اسماعیل بن اسحاق سراج - ۵۵۵

اسماعیل، شیخ - ۳۶۸

اسماعیل عبد اللہ انصاری پروی،

حضرت - ۳۸۱ (ح)

اسماعیل ہزارہ - ۵۰۲

ابی طاہر محمد کردی مدنی، شیخ -
۵۴۸ (ح)

ابی محمد سید - ۵۴۲

اجمل خان دہلوی حکیم - ۵۰۹

احسان، سید - ۵۴۲

احمد الدین، میان - ۵۴۳ (ح)

احمد برکی، شیخ - ۳۶۸ - ۴۷۲ (ح)

۴۷۳ (ح)

احمد بن حسن بن عبد الجبار - ۵۵۵

احمد، (بن شمس الدین، مفتی)

۱۵۴ (ح)

احمد بن عبد اللہ میمون - ۵۵۵

احمد بن قاسم بن نصر - ۵۵۵

احمد جام، شیخ الاسلام - ۳۳۳

احمد جلیبی شیخ - ۴۴۶

احمد حبیب، سید - ۳۹۸ (ح)

احمد حسین، شیخ، تلمتانی - ۳۹۰ (ح)

احمد خان بھٹی - ۳۹۷ (ح)

احمد دشتی - ۴۴۲

احمد دینی دیوبندی، شیخ

۳۶۸ - ۴۷۲ (ح)

احمد راز کانی، شیخ - ۸۳

احمد سریندی شیخ (مجدد الف ثانی

ابوالبرکات بدر الدین) - ۴۴۳ - ۴۴۴

۴۴۸ - ۴۵۷ - ۴۶۱

اشرف جہانگیر سمنانی ، حضرت -

۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۴ (ح)

اعجاز الحق قدوسی - ۱۳۴ (ح)

۳۹۰ (ح) - ۳۹۹ (ح) - ۴۵۹

۵۰۲ (ح) - ۵۱۱ (ح) - ۵۰۲ (ح)

۵۰۳ (ح) - ۵۴۳ (ح)

اعظم خان وزیر - ۳۷۵ (ح)

افضل خان - ۴۵۹

افلاطون - ز - ح - ط - ۱۸۰ -

۱۸۱ - ۵۲۲

افلاکی - ۱۳۹ - ۱۴۰ - ۱۴۱ -

اقبال ، خواجہ - ۲۴۴ - ۲۰۰ -

۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۳۰۴ -

اقبال ، صلاح الدین - ۲۷۴ - ۲۷۹ -

اقبال ، علامہ - ڈاکٹر -

و - ز - ط - ی - ۷۵ - ۸۹ -

۹۰ - ۹۱ - ۹۷ - ۹۸ - ۹۹ -

۱۰۹ - ۱۱۳ - ۱۱۵ - ۱۱۹ -

۱۲۰ - ۱۲۶ - ۱۳۷ - ۱۴۵ -

۱۵۴ - ۱۷۷ - ۱۸۲ - ۱۸۳ -

۱۸۴ - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۸ -

۱۹۹ - ۲۱۷ - ۲۲۱ -

۲۳۱ - ۲۳۲ - ۲۴۲ - ۲۷۳ -

۲۹۲ (ح) - ۳۰۰ - ۳۰۵ -

۳۰۶ - ۳۱۸ - ۳۳۱ - ۳۶۴ -

۳۶۵ (ح) - ۴۴۰ - ۴۴۲ -

۴۵۳ - ۴۷۶ - ۴۸۴ - ۴۸۵ -

۵۰۴ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۰ -

۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۶ - ۵۱۷ -

۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۲ -

۵۲۳ - ۵۲۵ - ۵۲۷ - ۵۳۰ -

۵۳۲ - ۵۳۹ - ۵۴۱ - ۵۴۴ -

۵۴۵ - ۵۴۶ - ۵۵۲ - ۵۵۴ -

اکبر الہ آبادی ، حضرت - ی - ۵۱۶ -

اکبر ، جلال الدین محمد اکبر ، شہنشاہ -

۳۹۲ (ح) - ۴۰۸ - ۴۰۸ (ح) - ۴۲۷ -

۴۲۸ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ -

۴۵۱ - ۴۷۹ - ۴۹۰ (ح) -

اکبر حسین قریشی ، ڈاکٹر - ۲۱۸ -

اکمل الدین ، طبیب - ۱۶۲ -

اگوست بریکتو ، پروفیسر -

(August Brictence Prof.)

۳۵۶

التمش ، شمس الدین ، سلطان -

۱۳۰ - ۱۳۱ - ۱۷۴ -

الجلال سیوطی - ۵۲۸ -

الطاف علی بریلوی سید - ۵۴۲ (ح)

الغ بیگ مرزا - ۳۳۴ -

الکھداس (تخلص ہندی) ،

(عبدالقدوس گنگوہی) شیخ - ۴۳۹ -

اللہ دیا شیخ العالم - ۳۹۱ (ح) -

امام احمد بن حنبل - ۴۰۶ - ۵۶۲ -

- امیر منصور - ۳۳۴ (ح)
 امین الدولہ شیخ - ۲۱۹
 انور شاہ سید موالوی - ۵۴۶ -
 ۵۴۷ (ح)
 انی، مولانا - ۳۱۹ (ح)
 آنی رائے سنگھ دکن - ۴۵۸ -
 ۴۵۹ (ح)
 اوحید الدین کرمانی، حضرت شیخ -
 ۱۲۴
 اوحید الدین، محمد، انوری - ۲۷۳ -
 ۲۷۷ (ح) - ۲۷۸ -
 ۲۹۳ - ۳۴۶ - ۳۴۸ -
 اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ -
 ۳۰۶ (ح) - ۴۴۰ (ح) -
 ۴۹۳ (ح) - ۴۹۴ (ح) - ۵۰۱ -
 ۵۴۷ (ح)
 اویس - (اویس قرنی حضرت)
 ۷۱ - ۷۲ - ۷۳

E. F. C. Rosenmucner.

326

(ب)

- بابا طاہر - ۳۱۸
 بابر، ظہیر الدین محمد، بابر - ۳۲۵ -
 ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۲۰ -
 ۴۲۴ - ۴۲۶ (ح)

- امام الحرمین - ۸۳ - ۸۶
 امام شافعی - ۴۰۶
 امام شاہ، سید - ۵۰۴
 امام مالک - ۳۰۶
 امام محمد - ۴۰۶
 امام یوسف - ۴۰۶
 امان پانی پتی، شیخ - ۴۴۹
 امداد اللہ - ۱۳۲
 امتیاز الدین، مولانا - ۱۶۳
 امداد اللہ، حاجی، مہاجر مکی - ۴۴۳
 ۴۴۴ (ح) - ۵۳۵ - ۵۳۸ -
 ۵۴۳ - ۵۴۴ -
 ام کلثوم - ۴۶۷
 امیر حسن علا سجزی - ۲۶۰ - ۲۷۰
 امیر خسرو - ۲۵۵ - ۲۵۹ - ۲۷۳ -
 ۲۷۸ - ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۲۸۱ -
 ۲۸۲ - ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۲۸۵ -
 ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۸۸ - ۲۸۹ -
 ۲۹۰ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۳ -
 ۲۹۴ - ۲۹۵ - ۲۹۶ - ۲۹۷ -
 ۲۹۸ - ۲۹۹ - ۳۰۱ - ۳۰۳ -
 ۳۰۴ - ۳۴۷ - ۳۴۹ (ح) -
 ۳۵۵

- امیر سنگھ، راجپوت - ۲۳۵
 امیر شاہ اسلام - ۴۹۰ -
 امیر کلاڈل، حضرت - ۳۳۶ (ح)

بازالاشہب منصور، شیخ - ۱۱۱

باقر سلیمانی، آغا - ۲۱۹

باقی باللہ خواجہ - ۴۴۶ - ۴۴۷

۴۴۸ - ۴۵۳ - ۴۶۶ - ۴۶۹ (خ)

۴۷۰ (ح) - ۴۷۱ (خ)

بالیسنگر، میرزا - ۲۹۷

بایزید خان دوم، سلطان - ۳۶

بایزید بسطامی، حضرت (بایزید)

شیخ، ج - ۷ - ۱۷۸ - ۲۰۷ - ۳۰۶

برہان الدین غریب حضرت - ۳۰۶

بختیار کاکی (رک: خواجہ قطب الدین

بختیار کاکی)

بدخشانی - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵

بدر الدین - ۵۱۲

بدر الدین اسحاق، خواجہ - مولانا

۲۵۱ - ۲۵۸

بدر الدین سرہندی شیخ - ۴۶۵

۴۶۸ - ۴۷۵ (ح)

بدر الدین ملا - ۴۵۲

بدیع الدین شیخ - ۴۵۳ - ۴۵۶

بدیع الدین سہارن پوری شیخ -

۴۶۸ - ۴۷۰ (ح)

براؤن، پروفیسر - ۲۱۷ - ۲۲۰

۳۵۸

برخوردار، جی حافظ - ۵۲۲ (ح)

برکلمان - ۵۳۱

برکیارق - ۷۶

برگس ٹال - ۲۱۷

بزر چمہر (شہریار) - ۲۰۷

برہان الدین المروغینانی، علامہ -

۲۴۹

برہان الدین ابونصر پارسا، خواجہ -

۳۳۹

برہان الدین شیخ معروف بہ شیخ

بہلول - ۵۲۱ (ح)

برہان الدین، غریب، مولانا -

۲۷۰ - ۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳

برہان الدین تحقیق - ترمذی، امینہ -

۱۵۲ - ۱۵۷ (ح)

بڑ گوجر - ۴۵۸ (ح)

بشیر احمد ڈار - ۵۱۸ (ح)

بشیر احمد قدوسی، صوفی - ۴۱۳ (ح)

بلبن، غیاث الدین، سلطان - ۲۹۵

بوسعید - ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴

بوعلی سینا - ۱۰۰ - ۱۰۷

بوعلی قلندر (رک: شرف الدین

بوعلی قلندر)

بونصر پارسا (رک - نظام الدین

بولصر پارسا، امیر)

بہادر شاہ - ۴۴۰ (ح)

بہاری خواجہ - ۴۸۳ - ۴۹۰

(ت)

تاج الدین بابا ناگپوری، سید - ۵۰۸

۵۰۹

تاج الدین شیخ، (تاج العارفین) ۴۴۹

تاج الحق شیخ - ۳۸۱ (ح)

تاج خاں - ۴۲۴ (ح)

تردی بیگ - ۴۲۷

تقی الدین، شیخ - ۳۸۳ (ح)

تقی الدین علی دوستی، حضرت -

۳۰۷

تلمذ حسین، قاضی - ۱۳۹ - ۱۴۴ (ح)

تیمور - امیر - ۳۱۱ - ۳۳۳ - ۳۷۰ (ی)

(ث)

ثولک - ۲۱۷

(ج)

جالینوس - ۱۸۰ - ۱۸۱

جامی، عبدالرحمن (مولانا جامی)

عماد الدین نور الدین -

- ۳۰۶ - ۲۱۷ - ۲۱۳ - ۲۰۷

- ۳۳۴ - ۳۳۳ - ۳۳۲ - ۳۳۱

- ۳۳۸ - ۳۳۷ - ۳۳۶ - ۳۳۵

- ۳۳۲ - ۳۳۱ - ۳۳۰ - ۳۲۹

بہاؤ الدین انصاری حسینی قادری،

شیخ - ۴۴۶

بہاء الدین اوشی، خواجہ - ۱۲۴

بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت،

شیخ - ۲۰۸ - ۲۰۹ - ۲۱۰ -

- ۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۲۲ - ۲۳۷ -

۲۸۳ - ۲۶۹

بہاء الدین، سید - ۵۴۲

بہاؤ الدین، شیخ - ۴۳۳

بہاء الدین عمر، شیخ - ۳۳۹

بہاء الدین محمد، سلطان العلماء -

۱۵۱ - ۱۵۲

بہرام شاہ - ۹۱ - ۹۳ - ۹۵

بہلول لودھی - ۳۷۸ - ۳۹۷ (ح)

۴۱۹ - ۴۲۰

بہولا سفید باف سہارنپوری - ۴۳۳

بی بی فاطمہ، والدہ حضرت میان میر -

۴۷۷

بیرام خاں - ۴۲۷ (خ)

بیر نرائن راجپوت - ۴۵۸ (ح)

(پ)

پراچہ، حاجی - ۴۹۸

پر تھوی راج - ۱۳۰

پیر مستجر (رک : معین الدین اجمیری،

(حضرت خواجہ)

جلال الدین عطائی، سید - ۳۱۱

جلال الدین پورانی، مولانا - ۳۳۹

جلال الدین محمود پانی پتی، شیخ

(جلال، شیخ) - ۲۲۵ - ۲۲۶

۳۸۳ (ج) - ۳۸۳ (ح) - ۳۳۶

جمال الدین قلو، مولانا - ۴۴۴

جمال الدین، حضرت، محدث - ۴۱۲

جمال الدین محمد نور الدین - ۵۲۸

جمال الدین، پدانیوی، مولانا -

شیخ - ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۴۳۳

جمال علی سید - ۵۴۲

جمالی، شیخ - ۲۰۸ - ۲۰۹

جنید اصولی، مولانا - ۳۳۳

جنید بغدادی، شیخ - ج - ۲۶۷

۴۹۵ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۷

۵۵۸ - ۵۵۹

جهان آرا - ۴۹۳ (ج)

جهان شاه قراقونیلو - ۳۶۰

جهانگیر - ۴۴۸ - ۴۵۰ - ۴۵۱

۴۵۴ - ۴۵۶ - ۴۵۸ (ح) - ۴۵۹

۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳

۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹

(ج)

چراغ دہلی، نصیر الدین محمود،

خواجہ، حضرت، ۲۵۵

۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۴۵ - ۳۴۶

۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۵۰ - ۳۵۱

۳۵۲ - ۳۵۳ - ۳۵۵ - ۳۵۶

۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰

۴۹۶ - ۵۳۰

جاوید اقبال، ڈاکٹر - ۴۴۰ - ۴۴۲

جعفر، شیخ، صوفی - ۴۳۳

جلال تہا نیسری، شیخ - ۴۰۸

۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲

جلال خان - ۴۲۳ (ج)

جلال الدین تبریزی، حضرت - ۴۴۷

جلال الدین خلجی، سلطان - ۴۲۶

۴۶۳ - ۴۶۸

جلال الدین روسی (روسی - روم -

مولانا، - ۷۵

۸۹ - ۹۸ - ۹۹ - ۱۰۰ - ۱۰۱

۱۳۶ - ۱۳۷ - ۱۳۸ - ۱۳۹

۱۴۱ - ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۴۴

۱۴۸ - ۱۴۹ - ۱۵۰ - ۱۵۱

۱۵۲ - ۱۵۳ - ۱۵۴ - ۱۵۵

۱۵۶ - ۱۵۷ - ۱۵۸ - ۱۵۹

۱۶۱ - ۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۶۴

۱۶۹ - ۱۷۰ - ۱۷۱ - ۱۷۲

۱۹۲ - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۴

۴۶۹ - ۴۷۰

جلال الدین سید - ۵۳۰

چلیپی ، عارف - (رک - حسام الدین
چلیپی)

(ح)

حاتم - ۴۲۳ (ح)

حاترث ابن اسدالمجاسبی - ۵۵۲ -

۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۵ - ۵۵۶ -

۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۵۹ - ۵۶۰ -

۵۶۱ - ۵۶۲ (ح)

حاترث قبادیانی - ۲۸۸ (ح)

حافظ ، شیرازی - و - ز - ط - ۲۹۳ -

۳۴۶

حافظ جمال ، بی بی - ۱۳۳ - ۲۲۲

حامد گوجر ، سلا - ۵۰۱ - ۵۰۲ (ح)

حبیب عجمی - ب - ج

حبیب الله شیخ - ۴۴۴

حبیب الله شیخ (عرف بخدوم شهن)

۳۷۷

حجاج بن یوسف (حجاج) - ۱ - ۸

حسام الدین ، (چلیپی ، عارف)

مولانا - ۱۵۸ (ح) ۱۶۲ - ۱۶۶ -

۱۷۲ - ۱۷۳ - ۱۷۴ - ۱۹۳ -

۲۰۰ - ۲۰۲ - ۲۰۳ -

حسام الدین ، خواجہ - ۱۳۳ -

۴۷۱ (ح)

حسام الدین راشدی ، سید - ۲۹۰ (ح)

۳۰۸ (ح) ۳۱۰ (ح) ۳۱۵ (ح)

۳۱۸ (ح) ۳۲۳ (ح)

حسام الدین ، شیخ - ۱۲۴

حسام الدین ، سائک بوری ، شیخ -

۳۷۵ (ح)

حسام الدین ، معروف بہ شیخ اوجہر -

۴۳۳

حسام الدین ، ملتانی ، شیخ - ۲۷۰

حسام الحق ضیاء الدین (ضیاء الحق

حسام الدین) چلیپی ، عارف

حضرت ، شیخ -

۱۹۳ - ۲۰۰ - ۲۰۲ - ۲۰۳

حسن - ۵۱۵

حسن برکی شیخ - ۳۶۸ - ۳۷۳ (ح)

حسن بصری ، خواجہ - ل - ب

حسن بن محمد صنعانی - علامہ ، ۲۴۹

حسین رفاعہ پاشمی ، سید - ۱۱۰

حسن سجزی - ۳۴۹ (ح)

حسن سید - ۴۴۶

حسن ، سالار - ۲۲۲

حسن عسکری امام - ۵۱۲

حسن کشمیری شیخ - ۴۴۶

حسن مثنی ، ندوی مولانا - ۵۳۶ -

۵۳۷ - ۵۳۸ - ۵۴۰ (ح)

حسن نظامی ، خواجہ - ۵۱۶

حسین ^{رض} ، حضرت ، امام - ۱۱۰

حسین الخطیبی - ۱۵۱

حمید بنگالی ، شیخ - ۴۶۸، ۴۶۹ (ح)

حمید الدین ، شیخ بن شیخ

عبدالقدوس گنگوہی

حمید الدین - ۳۲۰

۳۶۷ - ۳۹۰ (ح) - ۴۳۱ - ۴۳۲

حمید الدین صدر شریعت ، قاضی

۲۲۳

حمید الدین صوفی ، سواہی ناگوری

شیخ ، ۱۳۱ - ۱۳۳ (ح) ۱۳۴

(ح) ۳۸۱

حیدر - (رک : علی ^{رض} ، حضرت) ۴

(خ)

خاقانی ، افضل الدین بدیل ابراہیم

بن علی خاقانی ، شروانی ۲۹۱ -

۲۹۲ - ۳۳۷

خاموش ، سید - ۳۰۲

خاموش ، نظام الدین ، مولانا - ۳۳۵

(ح) - ۳۳۷

خان محمد اعظم - ۵۰۴

خسرو ، امیر - ۸۹ - ۲۲۸ - ۲۲۹

۲۳۰ - ۲۳۴ - ۲۵۹ - ۲۷۰

۲۷۵ - ۲۷۶ - ۲۷۷

خسرو خان - ۲۶۴

خضر ، حضرت ، - ۲۴۳

خضر خان افغان حاجی - ۴۶۸ -

(ح) ۴۷۱

خضو میوستانی ، شیخ - ۴۷۸ - ۴۷۹

(ح)

خلیق احمد نظامی ، پروفیسر - ۷۸

(ح) - ۵۲۰ - ۵۲۰ - ۵۲۹

خلیل اتا - ۳۳۶ (ح)

خواجہ علی سمرقندی ، مولانا - ۳۳۳ -

۳۵۵

خواجہ کلان ، ملا - ۵۰۱ - ۵۰۳

(ح)

خواجہ نقشبند محمد بن بخاری اویسی

۳۴۲ - ۳۵۵

خواجہ واعظ اصغر - ۴۴۴

خواجہ واعظ اکبر - ۴۴۴

خواجگی دہلوی ، مولانا - ۳۷۰

خواص خان - ۴۲۳ - ۴۲۴ (ح)

خیام - ۲۱۸

(د) ۷۵۱

داتا گنج بخش ہجویری ، حضرت

۱۱۹ - ۱۲۰

رسول اکرم محمد ﷺ - صلی اللہ علیہ وسلم

۱ - ۲۸۰ - ۳۳۹ - ۴۰۵ - ۴۶۲

۵۴۸ - ۴۷۶

رشید احمد گنگوہی، مولانا - ۴۳۴ (ح)

رضا زاده شفق - ۱۱۰۳ - ۱۶۰

۲۴۵ - ۲۸۹ (ح) - ۲۹۶ (ح)

۲۹۷ (ح)

رضی الدین الخياط الذهبی - ۵۲۸

رضی الدین، شیخ - ۳۷۲

رفیع الدین، امام - ۴۴۴

رفیع الدین، شاه مولانا - ۵۴۸ (ح)

رفیع الدین ہائچہ، مولانا - ۲۸۱

راکن الدین حسین - ۲۱۹

راکن الدین سنجابی، شیخ - ۱۳۷

راکن الدین شریعی کندی - ۳۷۰ (ح)

راکن الدین، شیخ الاسلام، حضرت

۲۶۹

راکن الدین شیخ حضرت، (بن شیخ

عبدالقدوس گنگوہی، ۳۶۴ -

۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۱ - ۳۸۲ -

۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۹۴ - ۳۹۶ -

۳۹۸ - ۳۹۹ (ح) - ۴۰۰ -

۴۰۲ - ۴۰۵ - ۴۰۷ - ۴۱۰ -

۴۱۵ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۱ -

۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۵ - ۴۳۵ -

۴۴۶

داراشکوہ - ۳۴۰ - ۳۷۷ - ۴۸۱ -

۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ (ح) -

۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۸ - ۵۰۱ -

۵۰۲

داغستانی - ۲۷۵

داؤد - ۳۸۳ (ح)

داؤد سید - ۵۳۵ - ۵۴۲

داؤد مکی قطب جہان، حضرت - ۵۱۳

دتو شروانی - ۴۳۳

دجال - ۵۳۶

درگاہی، سید - ۵۴۲

دلاور خان - ۴۲۳

دولت شاہ - ۱۴۳ - ۲۹۷ - ۳۵۱

(ذ)

ذوالنورین رضی حضرت، رک - عثمان رضی

حضرت -

ذوالنون مصری، حضرت - ج - ۱۷۸

ذہین شاہ، تاجی، بابا، ۵۱۰ - ۵۱۲ -

۵۱۳

(ر)

رازی - ۷۵ - ۷۶ - ۹۹ - ۱۴۶

راوت عرض - ۲۵۵ - ۲۸۱

ربیع بن حیشم - ۷۲

رستم - ۴۲۳ (ج)

رکن الدین ، میر ، حضرت - ۳۱۳

رگھوجی راؤ ، راجا - ۵۱۴ - ۵۱۵

روحی ، ملا - ۵۰۱ - ۵۰۳

رودی - ۳۳۸

روشن دین سید - ۵۴۱

رہبر ، محمد داؤد ، رہبر - ۲۹۷ (ح)

(ز)

زیاد ۱ -

زین الدین سرہندی ، شیخ - ۳۹۹ (ح)

زین الدین ، سنجاسی ، شیخ - ۱۳۸

زین العابدین ، شیخ - ۴۴۴

زین الدین ، مولانا - ۳۳۵ (ح)

(س)

سالار ، خواجہ - ۲۷

سائیں دند ، قاضی - ۴۷۷

سیکتگین ، سلطان - ۹۲ - ۹۳

سید سالار - ۱۵۷ - ۱۶۴ - ۱۶۵

سراج الدین ، اخئی ، سراج ، مولانا -

۲۷۰

سراج بقال - ۲۵۶

میری سقطی ، حضرت - ۱۷۸

سراج الدین عثمان حضرت - ۳۷۳ (ح)

سراج الدین ، قاضی - ۱۶۳

سعد اللہ شیخ مولانا - ۳۷۹ - ۳۸۰

(ح)

سعد الدین محمد کاشغری ، حضرت -

۳۳۵ - ۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۴۰

۳۵۱

سعد الدین نجم الدین (رک : محمود

شبستری ، شیخ)

سعدی شیخ مشرف الدین مصلح بن

عبداللہ - ۲۹۳ - ۳۴۶ - ۳۴۸

(ح) - ۳۵۰

سعید خان شبروانی - ۴۲۳

سعید ، مولانا - ۳۲۲

سفیان ثوری ، امام - ج

سغیر الدین ، مولوی ، دیپلوی ۴۳۴ (ح)

سقراط - ز (ح)

سکندر خان گبکور - ۳۹۷ (ح)

سکندر ، سلطان - بن سلطان قطب الدین

۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲

سکندر لودھی - ۳۹۷ (ح) - ۴۰۳

۴۲۰ - ۴۲۱ - ۵۲۳

سلطان ابو سعید مرزا - ۳۴۱

سلطان بہاولد - (رک : سلطان ولد)

سلطان ولد (بہاء الدین) - ۱۴۰ - ۱۴۱

۱۵۸ - ۱۶۲ - ۱۶۶ - ۱۶۸

سلطان حسین بایقرا ، ایوالغازی -

۳۳۳ - ۳۵۸

سلطان ، شیخ - ۳۴۳

سلطان محمد - ۳۲۱ - ۳۲۵ - ۳۶۰

سلطان المشائخ ، نظام الدین ،

حضرت - ۲۷۹ -

- ۲۸۰ - ۲۸۱ - ۲۸۲ - ۲۸۳

- ۲۸۴ - ۲۸۸ - ۲۹۱ - ۳۰۰

۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳

سلیم - ۳۰۶ (ح)

سلیم شاہ - ۴۲۴ (ح)

سلیم اللہ نواب - ۵۳۹

سلیمان اشرف مولانا - ۵۳۵

سلیمان تونسوی ، حضرت شاہ - ۵۰۵

۵۴۲ (ح) - ۵۴۳ (ح)

سلیمان حاجی - ۴۹۹ - ۵۰۲ (ح)

۵۰۳ (ح)

سلیمان ، خواجہ - ۴۴۴

سلیمان شان پهلواروی - ۵۱۶ -

- ۵۱۷ - ۵۱۸ - ۵۲۲ - ۵۲۳

- ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۳۶ - ۵۳۷

۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۰

سلیمان ، شیخ ، - ۳۱۴

سلیمان علیہ السلام ، حضرت ، ۵۳۶

سلیمان ندوی ، سید ، مولانا - ۹۱ -

۵۳۵ - ۵۳۶ (ح)

سنائی ، حکیم - ۸۹ - ۹۱ - ۹۲ -

۹۳ - ۹۵ - ۹۷ - ۹۸ - ۱۰۱ -

۱۰۲ - ۱۰۹ - ۱۰۳ - ۱۰۷ -

۳۳۸ - ۲۷۸

سنجر ، سلطان - ۷۶ - ۸۷ - ۲۷۷ (ح)

سید احمد خان ، سر - ۵۳۳ - ۵۳۸ -

سید احمد سامانی - ۳۱۰ (ح)

سید احمد شہید ۴۳۴ (ح)

سید احمد (کبیر) رفاعی ، حضرت

- ۱۰۹ - ۱۱۰ - ۱۱۱ - ۱۱۲ -

- ۱۱۳ - ۱۱۴ - ۱۱۶ - ۱۱۷ -

۱۱۸

سید احمد کبیر صالح ۱۱۰

سید احمد ملتانی - ۴۳۳

سید حسین - ۳۰۲ - ۳۰۴

سید حسین مامانی (سمانی) ، میر -

۳۱۰ - ۳۱۱

سید درویش ، قاضی - ۳۷۶

سید راجا - ۴۰۲ - ۴۰۳

سید عرب - ۲۴۶

سید علی - ۲۴۶ - ۵۴۲

سید علی بسال ، میر - ۳۱۷

C. Salnont. 326

سید علی میر - ۳۲۹

سید فیروز (جلال الدین ، سید)

۳۱۲

سید محمد - ۳۹۰

سید محمد قادری ، مولانا - ۳۱۳

سید محمد قریشی - ۳۱۳

سید محمد لورستانی - ۳۱۴ - ۳۲۵

سید محمد یزدانی میر - ۳۲۱ - ۳۲۲
(۳۳۰)

سیف الدولہ (رک - محمود - ملقب)

بہ سیف الدولہ

سیف الدین - ۳۳۰

سیف خان - ۳۹۳ (ح)

سیف الدین ، لاجین ، امیر - ۲۷۹ - ۲۹۱

سید بٹ ، پریم ، وزیر - ۳۳۰

(ش)

شاہ امداد الدین ، سجاده نشین -

۳۳۸ (ح)

شاہجہاں - ۳۵۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱

۳۹۲ (ح)

شاہ رخ مرزا - ۳۳۳ (ح) - ۳۵۱

شاہزادہ سلیم ، جہانگیر - ۳۷۱ (ح)

شاہ ظہور الحق - ۳۹۰ (ح)

شاہ عبدالصمد - ۳۹۰ (ح)

شاہ عنایت احمد - ۳۹۰ (ح)

شاہ فتح اللہ - ۳۹۰ (ح)

شاہ فخر الاسلام ، مولانا - ۳۹۰

شاہ فخر - ۵۲۲ (ح)

شاہ قریش احمد قدوسی ، حکیم -

۳۳۸ (ح)

شاہ مشتاق احمد - ۳۹۰ (ح)

شاہ محمد بدخشی ملا - ۳۹۳ -

۳۹۴ (ح) - ۵۰۲ -

شاہ محمد جی - ۳۹۰ (ح)

شاہ محمد حسین ، سید ، مراد آبادی ،

صوفی - ۳۹۷

شاہ محمد صادق - ۳۹۰ (ح)

شاہ محمد محبوب عالم ، حکیم - ۵۳۷

شاہ محمد داؤد حکیم ، مولانا - ۵۳۷

شاہ محمد حیات - ۳۹۰ (ح)

شاہ منظور احمد قدوسی - ۳۹۰ (ح)

شائق (عبدالوہاب ، شائق) -

۳۱۷ (ح)

شبلی (- شبلی نعمانی - علامہ)

۱۵۳ - ۱۵۲ - ۹۳ - ۷۹ - ۷۵

(ح) - ۱۵۷ - ۱۵۹ - ۱۶۳

۱۷۴ (ح) - ۲۱۷ - ۲۹۳

۵۳۴

- شمس الدین دشتی ، مولانا - ۳۳۲
 شمس الدین میالوی خواجہ - ۵۰۵
 ۵۳۲ - ۵۳۳ (ح)
 شمس الدین (شمس الملک) مولانا
 ۲۳۸
 شمس الدین محمد اسد، مولانا - ۳۳۹
 شمس الدین محمد کوسونی خواجہ -
 ۳۳۹
 شمس الدین ، مفتی ، مولانا -
 ۱۵۳ (ح)
 شمس الدین ، مولانا (رک - شمس
 تبریز)
 شمس الدین ، میان ، شراب دار
 ۲۵۶
 شمس الدین یحیی ، مولانا - ۲۶۰
 ۲۶۵ (ح) ، ۲۷۰ -
 شوق نیموی - ۵۳۳ -
 شہاب الدین عمر مسروردی ، شیخ -
 ۵ - ۹۷ - ۲۰۸ - ۵۲۹ -
 شہاب الدین علی سلطان (معروف
 بخواجہ مسعود) - ۳۳۳ -
 شہاب الدین ، قاضی - ۳۶۹ - ۳۷۰
 (ح) - ۳۷۱ - ۳۷۹ -
 شہاب الدین محمد جاجری ، مولانا -
 ۳۳۳ -
 شہاب الدین محمد (رک : شاہجہاں)

- شرف الدین (بوعلی) قلندر ہانی
 ہتی ، شیخ - ۲۲۱ - ۲۲۲ -
 ۲۲۳ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۲۶ -
 ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۲۳۰ -
 ۲۳۱ - ۲۳۲ - ۲۳۳ - ۲۳۴ -
 ۲۳۵ - ۲۳۹
 شرف الدین محمود مزدقانی ، شیخ -
 ۳۰۷ - ۳۲۴ - ۳۲۹
 شرکت ، شیخ سلمان - ۳۱۴
 شفیق - ۳۴۰ (ح) ۳۵۱ (ج)
 شمس تبریز ، حضرت (شمس الدین ،
 مولانا) ، شمس الدین محمد -
 ۱۳۷ - ۱۳۸ - ۱۳۹ - ۱۴۰ -
 ۱۴۱ - ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۵۳ -
 ۱۵۴ - ۱۵۵ - ۱۵۶ - ۱۵۷ -
 ۱۵۸ - ۱۵۹ - ۱۶۰ - ۱۶۱ -
 ۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۶۸ - ۱۶۹ -
 ۲۲۲
 شمس العارفین - ۳۱۸ (ح)
 شمس الدین التمش (رک - التمش
 شاہ)
 شمس الدین ترک ہانی ہتی ،
 حضرت - ۲۲۵ - ۲۲۶ - ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۲۳۰ -
 شمس الدین خوارزمی ، مولانا -
 ۲۳۶
 شمس الدین دامغانی ، مولانا -
 ۲۶۸ - ۲۶۹

شہاب الدین محمد غوری، سلطان -

۳۱۱ - ۳۱۲ (ح) - ۳۲۵ -

شہاب الدین، مولانا - ۳۷۰ -

شہاب الدین، میر - ۳۰۹ -

شہباز کنبوہ - ۳۵۰ -

شہریار (رک : بزرچمہر) -

شیر شاہ سوری - ۴۲۴ (ح) -

شیخ احمد حسینی ملتانی - ۳۹۰ (ح)

شیخ احمد (بن) ، شیخ عبدالقدوس

کنگوہی - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۴۰۵

۴۰۷ - ۴۱۰ - ۴۲۸ - ۴۳۱ -

۴۳۲ - ۴۳۳ -

شیخ احمد، خوش خواں - ۳۱۴ -

۳۱۵ -

شیخ اکبر (شیخ محی الدین ابن -

عربی) - ۹۷ - ۵۳۰ - ۵۳۱ -

۵۴۶ -

شیخ الاسلام - ۳۹۰ (ح) -

شیخ بختیار - ۳۸۳ (ح) - ۳۸۵ (ح)

شیخ بڈھا - ۳۹۹ - ۴۰۰ -

شیخ برہان - ۳۸۵ (ح) -

شیخ ہرام - ۳۸۵ (ح) -

شیخ بہشتی - ۴۳۳ -

شیخ بہورہ - ۴۳۳ -

شیخ حمید (بن) شیخ عبدالقدوس

کنگوہی - ۳۹۸ - ۴۰۲ - ۴۰۳ -

۴۰۵ - ۴۰۷ - ۴۱۰ - ۴۳۳ -

شیخ خضر (عرف شیخ بڈھن

جونپوری) - ۴۳۳ -

شیخ خواجگی بن علی بن خیر الدین

بن نظام الدین - ۳۸۰ - ۳۸۱ -

۳۸۹ - ۳۹۱ -

شیخ شمس الدین سیالوی - ۶ - ۵ -

شیخ عارف - ۳۹۵ -

شیخ علی (محمد علی بن شیخ

عبدالقدوس کنگوہی) - ۴۱ -

۴۳۳ -

شیخ عمر - ۳۸۳ (ح) -

شیخ فتح اللہ - ۳۹۸ (ح) -

شیخ محمد (مرشد شیخ عبدالقدوس

کنگوہی) - ۳۸۵ - ۳۹۵ - ۳۹۶ -

۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۴۴ - ۴۴۵ -

شیخ محمد محدث - ۴۳۲ -

شیخ محمد لاہوری - ۴۹۸ - ۴۹۹ -

(ص)

صابر کلیری (رک : علا الدین صابر

کلیری) -

صاعد بن الفارس، شیخ - ۷۸ -

صالح کشمیری - ۵۰۲ - ۵۰۳ (ح) -

صائن الدین علی ترکہ اصفہانی -

۴۱۳ -

صدر الدین، شیخ - ۴۸۴ -

ضیاءالدین برنی ، خواجہ - ۲۶۷ -

- ۲۷۰ - ۳۶۸ (ح) -

ضیاءالدین سناسی ، مولانا - ۲۲۴ -

(ط)

طاہر شمس الدین ، شیخ - ۳۷۵ (ح) -

طوسی - ۲۱۸ -

(ظ)

ظفر احمد عثمانی - مولانا - ۱۱۲ -

ظفر حسین ، حکیم ، سید - ۵۱۵ -

ظہورالحسن ، قاضی ، شہواروی -

۳۱۲ (ح) - ۳۳۰ -

ظہورالدین بجواری - قاضی - ۲۲۳ -

(ع)

غابد علی ، سید - ۵۲۷ -

عارف رومی - ۳۴۸ -

عباس - ۳۳۴ (ح) -

عبدالاحد ، شیخ ، سرہندی - ۳۹۹ -

(ح) - ۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۴۵ -

- ۳۷۱ (ح) -

عبدالجلیل ، شیخ - ۵۰۶ -

عبدالحق محدث دیلوی ، مولانا -

- ۲۲۳ - ۲۳۵ - ۲۳۹ - ۲۹۳ -

- ۳۶۹ (ح) - ۳۸۶ (ح) - ۳۸۷ -

(ح) - ۳۹۸ (ح) -

صدرالدین ، قاضی - ۳۸۰ (ح) -

صدرالدین قونیوی ، شیخ - ۱۶۲ -

- ۱۶۳ - ۱۶۸ - ۲۱۴ -

صدرالدین محمد احمد میوستانی ،

شیخ - ۱۲۴ -

صدیق (ابوبکر صدیق ^{رض} ، حضرت) -

- ۱۸۸ - ۳۵۵ -

صفی الدین ، شیخ - ۳۶۸ - ۳۷۲ -

- ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۶ - ۳۷۷ -

- ۳۷۸ -

صلاح الدین زرکوب - (صلاح الدین

فریدون ثونیوی معروف بزرکوب)

- ۱۵۷ - ۱۵۸ (ح) - ۱۶۶ -

صلاح الدین ، شیخ - ۱۴۰ -

صلاح الدین موسی ، مولانا (قاضی

زادہ روم) - ۳۳۴ -

صوفی - ۳۱۷ (ح) -

(ض)

ضامن تھانوی ، حافظ - ۴۳۴ (ح) -

ضیاءالحق حسام الدین چلپی (رک -

حسام الدین چلپی) -

ضیاءالحق حسام الدین (رک : حسام

الحق ضیاءالدین)

ضیاءالدین ابو سعید - ۱۳۳ -

- عبدالحق حقانی ، مولانا - ۵۳۴ -
 عبدالحق ، مولوی - ۴۳۹ (ح) -
 عبدالحی حصاری ، خواجہ - ۴۵۷ (ح)
 عبدالحی ، شیخ - ۴۴۴ - ۴۶۸ -
 ۴۷۳ (ح) -
 عبدالحی ، مولانا - ۵۳۳ -
 عبدالمخالق غجدوانی ، خواجہ ،
 ۴۵۵ (ح) -
 عبدالرحمن - ۲۲۲ -
 عبدالرحمن ، سید - ۵۴۱ -
 عبدالرحمان ، شیخ ، شاہ آبادی ،
 ۴۸۳ (ح) - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۳۳ -
 عبدالرحمان ، شیخ - ۴۱۷ - ۴۱۸ -
 (ح) - ۴۲۹ - ۴۳۰ -
 عبدالرحمان ، مفتی ، خواجہ -
 ۴۵۹ -
 عبدالرحمان ، مولانا - ۴۴۴ -
 عبدالرحیم - ۲۲۲ -
 عبدالرحیم ، خانخانان - ۴۶۹ (ح) -
 عبدالرحیم ، شاہ - ۵۴۷ (ح) -
 عبدالعلیم ، شرر ، مولانا - ۱۱۲ -
 ۱۳۰ (ح) - ۱۳۲ -
 عبدالرزاق ، سید - ۴۴۶ -
 عبدالرزاق کاشانی - ۵۲۸ -
 عبدالستار ، شیخ - ۴۳۳ -
- عبدالسلام ، شیخ - ۴۳۲ -
 عبدالسلام لاہوری ، مفتی - ۴۷۹ -
 ۴۸۰ (ح) -
 عبدالسمیع حربونی - ۱۱۱ -
 عبدالسمیع ، شیخ - ۱۱۳ - ۱۱۴ -
 عبدالصمد ، شیخ - ۳۷۶ - ۳۷۷ -
 عبدالعزیز ، شاہ - ۵۴۸ (ح) -
 عبدالغافر فارسی - ۸۶ -
 عبدالغفور اعظم پوری ، شیخ - ۴۳۳ -
 عبدالغفور لاری ، مولانا - ۴۵۴ (ح)
 عبدالغفور ، ملا - ۵۰۲ - ۵۰۳ (ح)
 عبدالغنی شاہ مولانا - ۵۴۸ (ح) -
 عبدالفتاح ابوالغده ، شیخ - ۵۵۴ -
 عبدالقادر جیلانی ، شیخ - ۱۱۷ -
 ۱۱۸ - ۴۴۶ - ۵۲۹ - ۵۴۱ -
 ۵۴۲ -
 عبدالقادر ، شاہ ، مولانا - ۵۴۸ (ح)
 عبدالقادر ملا ، بدایونی - ۴۴۹ -
 عبدالقدوس گنگوہی ، شیخ ، حضرت
 ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۷۲ -
 ۳۷۶ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ -
 ۳۸۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ -
 (ح) - ۳۸۴ (ح) - ۳۸۵ (ح) -
 ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ -
 ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۳۹۳ -
 ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۳۹۸ (ح) -

- عبدالحق حقانی ، مولانا - ۵۳۴ -
 عبدالحق ، مولوی - ۴۳۹ (ح) -
 عبدالحی حصاری ، خواجہ - ۴۵۷ (ح)
 عبدالحی ، شیخ - ۴۴۴ - ۴۶۸ -
 ۴۷۳ (ح) -
 عبدالحی ، مولانا - ۵۳۳ -
 عبدالمخالق غجدوانی ، خواجہ ،
 ۴۵۵ (ح) -
 عبدالرحمن - ۲۲۲ -
 عبدالرحمن ، سید - ۵۴۱ -
 عبدالرحمان ، شیخ ، شاہ آبادی ،
 ۴۸۳ (ح) - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۳۳ -
 عبدالرحمان ، شیخ - ۴۱۷ - ۴۱۸ -
 (ح) - ۴۲۹ - ۴۳۰ -
 عبدالرحمان ، مفتی ، خواجہ -
 ۴۵۹ -
 عبدالرحمان ، مولانا - ۴۴۴ -
 عبدالرحیم - ۲۲۲ -
 عبدالرحیم ، خانخانان - ۴۶۹ (ح) -
 عبدالرحیم ، شاہ - ۵۴۷ (ح) -
 عبدالعلیم ، شرر ، مولانا - ۱۱۲ -
 ۱۳۰ (ح) - ۱۳۲ -
 عبدالرزاق ، سید - ۴۴۶ -
 عبدالرزاق کاشانی - ۵۲۸ -
 عبدالستار ، شیخ - ۴۳۳ -

عبدالهادی، شیخ - ۴۶۸ - ۴۷۰ (ح)
۴۷۱ (ح) -

عبدی، ملا - ۴۹۳ (ح) -

عبدالله احرار، خواجه - ۳۵۱ -

عثمان^{رض} ذوالنورین، حضرت - ۴ -
۴۵۵ - ۴۵۸

عثمان کرانی گنگوپی، ملک - ۴۳۳ -

عثمان هارونی، حضرت - ۱۲۴ -

عراقی (رک: فخرالدین ابراهیم،
عراقی) - ۳۳۱ -

عرفی - ۲۹۳ -

عزیز، سالار - ۲۲۲ -

عزیزالدین، خواجه - ۲۶۶ -

عزیزالله، شیخ - ۳۷۷ -

عزیزالله دانشمند، شیخ - ۴۳۳ -

عزیزالرحمان، مفتی، مولانا -
۴۳۳ (ح) - ۴۳۴ (ح) -

عضدالدوله شیرزاد - ۹۲ (ح) -

عطار (رک: فریدالدین عطار) -

عطاءالله شیخ - ۵۴۷ (ح) -

عطا محمد، شیخ - ۲۴۵ - ۳۰۰ -

عظیم الشان - ۴۴۰ (ح) -

علاءالحق بنگالی، شیخ - ۳۷۴ - ۳۷۵ -

علاءالحق والدین خواجه (رک)

عطار، خواجه - ۳۳۷ -

علاءالدوله سمنانی - ۹۸ - ۵۳۰ -

۳۹۹ (ح) - ۴۰۰ - ۴۰۱ -

۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۵ -

۴۰۷ - ۴۰۸ (ح) - ۴۰۹ -

۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ -

۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۷ -

۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۵ -

۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۰ -

۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ -

۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۸ - ۴۳۹ -

۴۴۵ -

عبدالکبیر (عرف بالا پیر) - ۴۳۱ -

عبدالکریم بن یحیی - ۲۱۸ -

عبداللطیف، مرزا - ۳۳۴ (ح)

عبدالملک حربونی، شیخ - ۱۱۱ -

عبدالله - ۴۴۴ -

عبدالله انصاری، خواجه - ۵ - ۱۸۹ -

عبدالله بن حنیف، حضرت - ۵۵۳ -

عبدالله بن مبارک، حضرت - ۱۲۲ -

عبدالله چکروی، میان - ۵۰۵ -

عبدالله، خواجه - ۴۴۴ -

عبدالله شاه قادری، حضرت - ۵۱۳ -

عبدالمقتدر، قاضی - ۳۷۰ - ۳۷۱ (ح)

عبدالنبی، شیخ - ۳۹۲ (ح) -

عبدالواحد معینی، منید - ۱۲۰ -

۲۴۴ - ۳۰۰ - ۵۱۰ - ۵۱۱ -

عبدالوهاب شعرانی - ۵۲۸ -

غلام حیدر علی شاہ ، پیر - ۵۰۴ -
 ۵۰۵ - ۵۰۶ - ۵۰۷ -
 غلام رسول مہر ، مولانا - ۲۰۱ -
 ۲۰۲ (ح) -

غلام سرور لاہوری ، مفتی - ۱۱۷ -
 ۳۹۶ - ۴۳۱ -

غلام شاہ ، سید - ۵۰۵ - ۵۴۱ -
 غلام علی ، شیخ - ۱۴۶ (ح) -
 ۲۰۲ (ح) - ۵۴۲ (ح) -

غلام محی الدین ، مفتی - ۵۰۵ -
 غلام نظام الدین ، مولوی - ۵۴۹ (ح) -
 ۵۵۱ (ح) -

غنی ، محمد طاہر غنی - ۳۰۵ -
 ۳۰۶ -

غوثی مائدوی - ۲۲۶ (ح) -

غیاث الدین بلبن - ۲۴۶ (ح) -

غیاث الدین تغلق ، سلطان - ۲۷۴ -

غیاث الدین حسین ، سید - ۱۲۳ -

(ف)

فاطمہ (بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 و آلہ وسلم) - حضرت - ۳ -

فاطمہ بی بی والدہ (سید علی ہمدانی)
 ۳۲۴ - -

فانی ، محسن فانی - ۳۰۶ (ح) -

فتح اللہ تبریزی ، مولانا - ۳۳۴ -

عمر ، شیخ - ۳۳۴ (ح) -

عمر ، حضرت (رک : عمر فاروق ،
 حضرت) -

عمر فاروق رضی اللہ عنہ ، حضرت - ۴۰ - ۷۰ - ۷۱ -

۸۰ - ۱۴۲ - ۳۳۸ - ۳۸۳ (ح) -

۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۵۵ - ۴۵۸ - ۴۷۷ -

عمید الملک - ۹۲ (ح) -

عنایت احمد ، شاہ (جد اعجاز الحق

قدوسی) - ۳۹۱ (ح) -

عنایت اللہ ، سید - ۵۴۱ -

عنایت قہانوی ، قاضی - ۴۳۴ (ح) -

عنصری ، ابوالقاسم حسن بن احمد

عنصری - ۳۳۸ -

عنایت علی سید - ۵۴۱ -

عیسیٰ خان - ۴۲۳ (ح) -

عیسیٰ قاضی - ۵۰۲ -

(غ)

غازی خان بدخشی - ۴۴۹ -

غزالی (ابو حامد محمد) امام - ۵ -

۷۵ - ۷۶ - ۷۷ - ۷۸ - ۷۹ -

۸۰ - ۸۱ - ۸۲ - ۸۳ - ۸۴ -

۸۵ - ۸۶ - ۸۷ - ۸۸ - ۹۶ -

۹۹ - ۱۰۰ - ۱۴۶ - ۳۰۵ -

۵۵۵ - ۵۵۶ -

غضنفر ، حکیم - ۱۶۲ -

فتح الله ، سید - ۵۴۱ -

فتح الله شیرازی ، علامہ - ۴۸۰ (ح)

فتح الله کیلانی - ۴۵۶ -

فتح الله ، مرزا - ۴۵۶ -

فتح الله ، ملا - ۵۰۰ -

فتح خان افغان - ۴۵۲ -

فتح شاه - ۳۱۹ (ح) -

فخرالدین ابراہیم عراقی (عراقی)

شیخ - ز - ۲۰۷ - ۲۰۹ - ۲۱۰ -

۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۱۴ -

۲۱۵ - ۳۳۱ -

فخرالدین ہائلی ، مولانا - ۲۲۳ -

فخرالدین ، خواجہ - ۱۳۳ -

فخرالدین ، سالار - ۲۲۲ -

فخرالدین ، سید - ۳۱۳ - ۵۴۲ -

فخرالدین ، شیخ - ۳۷۲ -

فخرالدین لورستانی ، مولانا - ۳۳۸ -

فخرالدین مروزی ، مولانا - ۲۶۵ -

- ۲۷۰ -

فخرالسادات مشہور بہ سید حسینی

(رک : حسین بن ابی الحسن

حسینی غوری) -

فرخ سیر - ۴۴۰ -

فردوسی - ۲۹۳ - ۳۴۶ -

فریدالدین عطار ، شیخ ، خواجہ -

۷۱ - ۷۳ (ح) - ۷۵ - ۹۷ -

۹۸ - ۹۹ - ۱۰۰ - ۱۰۱ -

۱۰۲ - ۱۰۵ - ۱۰۷ - ۱۰۸ -

۱۰۹ - ۱۳۶ - ۱۳۷ - ۱۵۱ -

- ۱۷۹ - ۱۷۲ -

فریدالدین گنج شکر ، حضرت (بابا

فرید) (مسعود - فرید - گنج شکر)

۲۴۵ - ۲۴۷ - ۲۵۰ - ۲۵۱ -

۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۶ - ۲۵۷ -

- ۲۶۷ - ۴۴۶ -

فرید طلنبی تھانیسری ، شیخ -

- ۳۶۶ -

فریدی ، محمد عالم - ۳۰۴ (ح) -

فصیح الدین پروی - ۴۹۲ (ح)

فضل الله ، شیخ - ۴۷۲ (ح) - ۴۹۱ -

فضل الرحمان شاہ گنج مراد آبادی ،

مولانا - ۵۳۷ -

فضیل بن عیاض ، حضرت (فضیل

ب - ج - ۷ - ۸ -

فیثا غورث - ز (ح)

فیضی - ۴۴۴ -

(ق) - ۷۷ - ۷۸ -

۷۹ - ۸۰ - ۸۱ - ۸۲ -

قادری - ۴۹۳ (ج) - ۵۰۰ -

قاسم خواجہ - ۴۷۳ (ح) - ۴۸۰ -

قاضی خان - ۳۷۶ - ۴۰۰ - ۴۰۱ -

قاضی دانیال - ۳۷۲ - ۳۷۹ -

(ک)

کبیر الدین ، شیخ (بن عراقی) -

۲۱۳

کریم الدین ، شیخ ، عرف عبدالکریم

۳۶۸ - ۳۷۲ (ح) - ۳۷۳ (ح)

کشن پرشاد ، مہاراجا ، سر - ۱۲۰

۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۱

کمال جندی ، بابا - ۱۳۷ - ۱۵۳

کمال خجندی - ۳۳۷ - ۳۳۸

کمال کیتھلی ، شیخ - ۳۳۵

کمال ، سید - ۳۱۱ - ۳۱۲

کمال کشمیری ، مولانا - ۳۳۳

کمال الدین ، سید - ۱۳۳

کمال الدین ، مولانا - ۲۳۶ - ۳۰۳

کایم ، ابوطالب - ۳۰۶ (ح) - ۳۹۲

(ح) -

کایم اللہ دہلوی ، شاہ - ۵۲۱

(ل)

لاخدار ، سجدوب - ۹۳

لیچھمہ دیوی - ۳۳۰

(م)

مارگیرڈ اسمتھ - ۵۵۳

ماسیناس ، سلینوس - ۳۵۸

قاضی سام - ۳۵۹

قاضی قاضن - ۳۷۷

قاضی قلندر - ۳۷۷

قتلغ ، خسام الدین - ۲۷۳

قشیری ، امام - ۷۶

قطب الدین - ۳۳۲

قطب الدین احمد ، شاہ - ۵۳۷ (ح)

قطب الدین ایبک - ۱۳۰

قطب الدین بختیار کاکی ، حضرت

خواجہ - (قطب الدین اوشی)

۱۲۵ - ۱۳۳ - ۲۲۳ - ۲۳۵ -

۲۵۸ - ۳۷۱ (ح) - ۳۰۲ - ۳۳۶

قطب الدین خاں کوکبہ - ۳۵۰

قطب الدین سرہندی ، مولانا - ۳۸۲

۳۹۰ (ح)

قطب الدین ، سلطان - ۳۰۹ - ۳۱۲

۳۱۳ - ۳۱۵ - ۳۱۶ - ۳۱۹ -

۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۵

قطب الدین (سبارک خاں) ، سلطان

۲۳۲ (ح) - ۲۶۳

قطب الدین ، سنور پانسوی ، شیخ

۲۷۰

قطب الدین ، مولانا - ۲۲۳

قطب الدین ناقلہ ، مولانا - ۲۳۸

قمبض (کقبض) ، شاہ - ۵۳۲

قوام الدین بدخشی ، شیخ - ۳۲۱

۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۴ - ۲۶۵ -

۲۶۶ - ۲۶۷ - ۲۶۸ - ۲۶۹ -

۲۷۰ - ۲۷۱ - ۲۷۲ - ۲۷۳ -

۲۸۰ - ۲۸۱ - ۲۸۲ - ۲۸۳ -

۲۸۷ - ۲۸۸ - ۲۸۹ - ۲۹۰ -

۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۳ - ۲۹۴ -

۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۳۰۴ -

۳۰۵ - ۳۰۶ - ۳۰۷ - ۳۰۸ -

۳۰۹ - ۳۱۰ - ۳۱۱ - ۳۱۲ -

۳۱۳ - ۳۱۴ - ۳۱۵ - ۳۱۶ -

۳۱۷ - ۳۱۸ - ۳۱۹ - ۳۲۰ -

۳۲۱ - ۳۲۲ - ۳۲۳ - ۳۲۴ -

۳۲۵ - ۳۲۶ - ۳۲۷ - ۳۲۸ -

۳۲۹ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲ -

۳۳۳ - ۳۳۴ - ۳۳۵ - ۳۳۶ -

۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۰ -

۳۴۱ - ۳۴۲ - ۳۴۳ - ۳۴۴ -

۳۴۵ - ۳۴۶ - ۳۴۷ - ۳۴۸ -

۳۴۹ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ -

۳۵۳ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۶ -

۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰ -

۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۴ -

۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۸ -

۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲ -

۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۵ - ۳۷۶ -

۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۰ -

۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ - ۳۸۴ -

۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ -

مأمون الرشید ، عباسی ، خلیفه - ج

مبارک شاه ، خلجی ، سلطان -

۲۸۰ - ۳۷۱ (ح)

مبارک محمد کرمانی ، سید - ۲۵۶

مبشر ، خواجہ - ۲۰۲

مجدالدین اسحاق - ۲۱۳ (ح)

مجدد الف ثانی ، حضرت - و -

۳۹۹ (ح) - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ -

۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ -

۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۴۵۱ -

۴۵۲ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ -

۴۵۶ - ۴۵۷ - ۴۵۸ - ۴۵۹ -

۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ -

۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۷ -

۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ -

۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵ -

۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۷۹ -

۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ -

۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۸۴ - ۴۸۵ -

۴۸۶ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹ -

۴۹۰ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ -

۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶ - ۴۹۷ -

۴۹۸ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ -

۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۴ - ۵۰۵ -

۵۰۶ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ -

۵۱۰ - ۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ -

۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۱۷ -

۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۱ -

۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ -

محمد (بن ملک شاہ سلجوقی) - ۷۶

محمد بخاری نقشبندی - ۳۳۶ (ح)

محمد بلال - ۳۰۴ (ح)

محمد بہاء الحق والدین ، خواجہ

نقشبند - ۳۳۶ - ۳۳۷

محمد پارسا خواجہ - ۳۳۶ (ح) -

۳۳۷ - ۳۳۸

محمد تاج الدین بابا ، سید - ۵۱۰ (ح)

۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ - ۵۱۴ -

۵۱۵

محمد تغلق ، سلطان - ۲۶۴ - ۲۶۸

۲۶۹ - ۲۹۷ - ۳۰۴

محمد جمال ، سید - ۵۴۳

محمد حسین الہ آبادی صوفی - ۴۳۷

محمد خاوری ، سید - ۳۱۰

محمد دشتی - ۳۳۲

محمد سعید خواجہ - ۴۶۶ - ۴۶۷ -

۴۷۳ (ح)

محمد سلیمان ، حکیم - ۵۳۴

محمد سلیمان منصور پوری - ۵۳۵

محمد صادق کابلی ، خواجہ - ۴۶۸

۴۷۱ (ح)

محمد طاہر بدخشی ، شیخ - ۴۶۸ -

۴۷۰ (ح)

محمد طاہر لاہوری ، مولانا - ۴۶۵ -

۴۶۸ - ۴۶۹ (ح)

محمد عارف ، شیخ - ۴۴۵

محمد عبد اللہ قریشی ، علامہ - ۱۱۲

۱۱۷ (ح)

محمد علی ، سید ، مولانا - ۵۳۴

محمد علی شیخ - ۴۳۱ - ۴۳۲

محمد علی ماہر ، مرزا - ۳۰۶ (ح)

محمد عیسوی - ۴۶۵ - ۴۶۷

محمد غوری - ۱۳۰

محمد فرخ - ۴۶۵ - ۴۶۷

محمد فرمان ، پروفیسر - ۴۶۴ (ح)

محمد فرید خان فضا - ۵۱۵

محمد، قاری ، مولانا - ۲۲۰

محمد قاسم نالوتوی مولانا - ۴۴۴

(ح)

محمد کاظم (سید قاضی) - ۳۱۳

محمد کاسل ، قاضی - ۵۰۵

محمد مسعود حافظ - ۵۲۲ (ح)

محمد معصوم خواجہ - ۴۵۷ (ح)

۴۶۰ - ۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۷۳ (ح)

محمد منیر نانوتوی، مولانا - ۴۳۴ (ح)

محمد نعمان، میر - ۴۶۸ - ۴۷۳ (ح)

محمد مودود خراسانی، شیخ - ۴۱۴ -

۴۱۹ - ۴۲۰

محی الدین ابن عربی ، حضرت شیخ

و - ط - ۱۷۸ - ۲۱۳ - ۲۱۵ -

۳۳۹ - ۳۴۴ - ۳۹۶ - ۵۱۱ -

۵۱۹ - ۵۲۲ - ۵۲۷ - ۵۲۸ -

۵۲۹ - ۵۳۱ (ح) - ۵۳۲ -

۵۴۴ - ۵۴۵

محی الدین زور ، ڈاکٹر - ۵۰۸

مخدوم جہانیاں جہان گشت -

۳۷۴ (ح)

مدبٹر رضوی - ۵۵۲

مرزا خاں - ۵۰۶

مسعود سعد - ۹۲

مسعود غزنوی - ۲۸۸ (ح)

مشتاق احمد انبہٹوی، مولانا - ۴۰۴

(ح) - ۳۱۳ (ح) ۳۱۶ (ح)

مصطفیٰ، حاجی سرپندی - ۵۰۱

مصطفیٰ کلال، حاجی - ۴۹۹

مظہر الحق ردولوی، قاضی - ۲۷۳

(ح) - ۳۷۸ (ح)

معروف کرخی، حضرت - ج - ۱۷۸

معز الدین، پائچہ، قاضی - ۲۸۱

معز الدین، سلطان - ۲۲۶ (ح)

معز الدین، کیقباد، سلطان - ۲۶۱

معز الملک - ۴۵۰

محمد، میوہ فروش - ۲۵۶

محمد ہاشم کشمی، برہان پوری، خواجہ

۴۳۱ - ۴۵۷ (ح) ۴۶۸ - ۴۷۳

(ح) - ۴۷۴ (ح)

محمد یحییٰ، خواجہ - ۴۶۷

محمد یحییٰ لاپچی - ۲۱۷

محمد یزدی، ملا - ۴۵۰

محمد یعقوب کشمیری، مولانا - ۴۴۴

محمد یوسف شیخ - ۴۵۳

محمود الحسن شیخ الہند مولانا -

۵۴۶ (ح)

محمود بن شہاب الدین، خواجہ - ۴۴۱

محمود خاں شیروانی، مولانا - ۴۴۹

محمود سبکتگین (رک - سبکتگین،
سلطان)

محمود (سلف بہ سیف الدولہ) ۹۲
(ح)

محمود سیف الدین، امیر - ۲۷۴

محمود شبستری، شیخ (محمود، شیخ)

(سعد الدین نجم الدین) - ۹۹

(ح) - ۲۱۷ - ۲۱۸ - ۲۱۹

محمود علی ندوی، مولوی - ۵۱۵

محمد عمر الدین - ۵۵۴

محمود (غزنوی) سلطان - ۹۰ -

۲۸۸ (ح) ۳۵۸

محی الدین - ۴۴۲ - ۴۴۶

معزی، ابو عبدالله محمد بن عبدالملک
نیشا پوری - ۳۴۸

معصوم کابلی مولانا - ۴۶۵

معزالدين، ڈاکٹر - ل

معین حسین ابرجی - ۳۹۸ (ح)
۳۹۹ (ح)

معین الحق، ڈاکٹر - ۲۲۶

معین الدین اجمیری (پیر منجر)
(سجزی)، حضرت خواجہ -

۱۱۹ - ۱۲۲ - ۱۲۳ - ۱۲۵ -

۱۲۶ - ۱۲۹ - ۱۳۰ - ۱۳۳ (ح)

۲۳۵ - ۴۴۶

معین الدین پروانہ، امیر روم -

۲۱۳ - ۲۱۴

معین الدین عمران مولانا - ۳۷۰

معین الدین ندوی، مولانا - ۶ (ح)
معینی، عبدالواحد، سید - ل

مقبول بیگ بدخشی - ۴۹۶ (ح)

۴۹۷ (ح) - ۴۹۹ (خ) - ۵۰۰

(ح) - ۵۰۱ (ح) - ۵۰۳ (ح)

ملک داؤد تبریزی (ملک داد) -

۱۳۷ - ۱۳۹ - ۱۶۰

ملک شاہ سلجوقی - ۷۶ - ۸۷

ملک شہاب الدین - ۲۳۲ (ح)

ملک عثمان کرانی - ۴۰۰ - ۴۳۳

ملک مبارک خضر آبادی - ۴۳۳

ملک نائیب، خواجہ سرا - ۲۳۱

ممتاز محل - ۴۹۲ (ح)

منتخب الدین، قاضی - ۲۵۳

منصور - ۵۱۹ - ۵۲۰

منصور بطایحی، شیخ - ۱۱۱

منصور حلاج - ۴۰۶

منظور احمد، قدوسی شاہ - ۴۳۲ (ح)

منوچہر بن فریدون، خاقان اکبر،

شیروان، شاہ - ۲۹۶ (ح)

موسوی ثانی، سید - ۱۱۰

موسوی قادری سید - ۴۴۶

موسوی کاظم، امام - ۱۱۰

مولانا روم - ۵۲۰ - ۵۲۷

مہر علی شاہ گولڑوی پیر سید -

۵۴۱ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۵ -

۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۰ -

۵۵۱

میان فرید - ۳۸۵ (ح)

میان میر حضرت - (میر محمد) شیخ

۴۷۷ - ۴۷۶ -

۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۳ -

۴۸۴ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۹۱ -

۴۹۲ - ۴۹۳ - ۴۹۴ - ۴۹۵ -

۴۹۶ - ۴۹۷ - ۴۹۹ - ۵۰۰ (ح)

۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳

میان نتھا - ۴۹۹ - ۵۰۰ (ح) -

میان نصرالله دیبال پوری - ۳۳۳

میراں شاہ قادری - ۵۴۲

میراں محمد کلان، معید - ۵۴۲

میر (میر تقی، میر) ۱۰۳

میرک شیخ - ۳۹۲ (ح)

میر علی شیرنوائی، فانی، ذواللسانین

۳۵۶ - ۳۵۹ (ح)

(ن)

ناصر خسرو، حکیم - ۲۸۸ (ح)

۲۸۹ (ح)

ناصرالدین عبید الله احرار، خواجہ

۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲ - ۳۳۳

ناصرالدین محمود، سلطان - ۲۴۸

نجم الدین کابلی، مولوی - ۵۱۵

نجم الدین کبری، شیخ - ۱۵۱

۱۵۴ (ح) - ۳۲۶

نجیب الدین متوکل، شیخ - ۲۵۰

۲۵۷

نذرالدین شاہ، معید - ۵۴۱

نذیر حسین، معید - ۵۳۳

نذیر نیازی - ۳۶۴ (ح)

نصر، خواجہ - ۳۴۴

نصرت، ملک - ۳۰۳

نصیر الدین محمود، خواجہ

(چراغ دہلی) ۲۵۹ - ۲۷۰

۳۷۱ (ح) - ۳۸۹ (ح)

نصیر الدین دہلوی، مولانا - ۵۴۳ (ح)

نصیرالدین، شیخ - ۳۶۸ - ۳۷۹

۳۷۱ - ۳۷۲

نظام الدین محمد (رگ) محبوب الہی

(حضرت)

نظام الدین - ۳۳۲

نظام الدین، شیخ - ۳۶۸ - ۳۶۹

۳۷۱

نظام الملک - ۸۳

نظامی، ابو محمد الیاس بن یوسف

بن زکی بن مؤید نظامی - ۲۹۶

۳۳۷ (ح)

نظر بیگ چیلہ - ۴۹۳ (ح)

نظیری - ۲۹۳

نعمت الله مولانا - ۴۷۹

نعمت الله سریندی، حاجی - ۴۸۱

۵۰۱

نعمت الله ہمدانی کرمانی، سید -

۲۲۲

نکسن - ۲۰۰ - ۲۰۱ (ج)

نور خواجہ - ۴۴۴

نور محمد - ۴۹۸

نور محمد پٹنی شیخ - ۴۶۸ - ۴۶۹ (ح)

نور محمد جھنجانوی، (میان جی) ۴۳۴ (ح) - ۵۴۳ (ح)

نور محمد شاہ مہاروی - ۵۲۲ (ح) نور الدین، شیخ - ۳۱۱ - ۳۱۸

نورالحق، حضرت - ۳۷۵

نور اللہ، حاجی - ۵۲۱ (ح)

نیاز الدین خاں، نواب - ۵۱۵

(و)

وجیہ الدین پائلی، مولانا - ۲۲۳

وجیہ الدین شیخ - ۵۴۷ (خ)

وجیہ الدین مشہدی، سید، داروغہ،

وحید احمد مسعود - ۱۴۶ - ۱۲۷

(ح) - ۱۳۰ (ح) - ۱۳۲

۱۳۳

وحید مرزا، ڈاکٹر - ۲۸۰ - ۲۹۳

وزیر خاں - ۴۹۸

ولی اللہ، شاہ - ۷۶ - ۵۴۷

(ح) ۵۴۸

(۵)

ہارون (رک: ہارون الرشید، خلیفہ)

ہارون الرشید (ہارون) خلیفہ - ۱۲۲

ہدایت محمد بدخشانی، خواجہ -

۴۶۵ - ۴۶۸ - ۴۶۹ (ح)

ہرم بن حبان (ابن حبان) - ۷۱ - ۷۲

ہشام بن حکیم بن حزام - ۲

ہلاکو خاں - ۳۶۸

ہلال، طشت دار - ۲۵۶

ہمایوں - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۹

۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۵ (ح)

۴۲۶ - ۴۲۷ (ح) - ۴۹۳ (ح)

ہمیت خاں - ۴۲۳

ہیمو بقال - ۴۲۷ (ح)

(ی)

یار محمد بدخشی، خواجہ - ۴۵۷

(ح)

یار محمد جدید - ۴۷ (ح)

یار محمد قدیم شیخ - ۴۶۸

(ح) ۴۷۰

یحییٰ مدنی، شیخ، حضرت -

۵۲۱ (ح) -

یعقوب بیگ سلطان - ۳۶۰

یعقوب مانکیپوری قاضی - ۴۵۰

یوسف برکی، شیخ - ۴۶۸ - ۴۷۲ (ح)

یوسف چندیری، مولانا - ۲۷۰

یوسف، خواجہ - ۴۴۴

یوسف سلیم چشتی، پروفیسر - ۲۰۲

۲۰۳

یوسف ملاطی، ۲۱۳ (ح)

یونس علی بیگ، سیر - ۳۶۶

مقامات

الف محدودہ

آذربائیجان - ۲۹۶ (ح)

آگرہ - (اکبر آباد) ۱۵۳ (ح)

۳۲۳ (ح) ۳۴۳ - ۳۵۰ - ۳۷۰ (ح) ۳۹۰

آل انڈیا مسلم لیگ - ۵۳۹

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس - ۵۳۶ - ۵۴۰ (ح)

آئینہ ادب - لاہور، (ادارہ) - ۱۱۳

الف مقصورہ

اجمیر - ۱۲۰ - ۱۲۶ - ۱۲۷

۱۳۰ - ۱۳۲ - ۱۳۳ - ۱۳۷

۳۶۳ - ۳۹۲

اجودپن (پاک پٹن) - ۲۴۵ - ۲۵۰

۲۵۲ - ۲۵۸ - ۳۰۵

اردن - ۱۳۸

ارکسا - ۳۹۳ (ح)

ارن پورہ - ۳۱۳

اریوت - ۳۱۲

اسپین - ۵۲۸ - ۵۲۹

استرآباد - ۳۵۹ (ح)

استنبول - ۳۶۰

اشبیلیہ - ۵۲۸

اصفہان - ۳۳۲

افغانستان - ۹۰ - ۲۸۹ (ح) - ۳۵۳

اقبال اکیڈمی - ل - ۱۲۰ - ۳۰۰

۳۴۲ (ح) - ۵۰۸ - ۵۰۹ (ح)

۵۱۰

اکبر آباد - رگ : آگرہ

الروم (روم) - ۱۳۸ - ۱۳۹

الہ آباد - ۳۷۱ (ح)

امرتسر - ۳۲۶ - ۳۲۷ (ح)

آندلس - ۷۷ - ۸۵۴ (ح)

انگلستان - ۵۳۵

اودہ - ۳۷۶ - ۳۸۰ (ح)

اوش، قصبہ - ۱۳۳ (ح)

برصغیر پاک و ہند - ۲۹۰ - ۳۷۵
 (ح) - ۲۸۲ (ح) - ۳۰۱
 - ۳۲۳ - ۳۲۰ - ۳۱۷ - ۳۰۴
 - ۳۲۵ - ۳۲۸ - ۳۲۳ - ۳۲۸
 ۵۳۳ - ۵۱۰ - ۳۷۶ - ۳۵۴ - ۳۵۱
 برطانیہ - ۵۱۴
 برہمان پور - ۳۷۲ (ح) ۳۷۳ (ح)
 بصرہ - ۵۵۵ - ۵۶۲
 بغداد - ۵ - ۷۶ - ۷۹ - ۸۴
 - ۱۱۱ - ۱۲۳ - ۱۳۸ - ۱۵۱
 - ۵۲۹ - ۳۵۲ (ح) ۲۲۲
 ۵۶۲ - ۵۵۵
 بلخ - ۱۵۱ - ۲۷۷ (ح) - ۲۸۸
 (ح) - ۲۸۹ (ح)
 بمبئی - ۲۲۰
 بنگال - ۳۷۴ (ح) - ۳۵۰ - ۳۶۹
 (ح)
 بہار - ۳۷۴ (ح) - ۵۳۳ - ۵۳۹
 بہارت - ۳۳۲
 بہشور - ۳۹۷ (ح)
 بہتورہ ، موضع - ۳۷۷ (ح)
 بہکلی - ۳۲۱
 بہکولی ، موضع - ۳۷۲
 بہلول پور - ۳۷۱ (ح)
 بہیکم پور - ۳۹۷ (ح)
 بیت المقدس - ۸۴

اولر - ۳۱۳ - ۳۲۲
 ایتھنس - ز - (ح)
 ایشہ ۲۷۴
 ایران - ۱۱۵ - ۱۳۶ - ۱۳۶
 ۱۵۱ - ۱۷۲ - ۲۹۰ - ۲۹۱ (ح)
 - ۲۹۸ - ۳۰۵ - ۳۱۸ - ۳۲۹
 ۵۲۷
 ایران مشرقی - ۳۵۸ - ۳۶۰
 ایشیا - ب
 ایشیائے کوچک ۵۲۹
 ایک ، پرگنہ - ۳۷۲ (ح)
 (ب)
 باجور - ۳۲۵
 بارہ بنکی - ۳۸۳ (ح)
 بارہ مولہ - ۳۱۱
 باغبان ، محلہ - ۳۸۲
 باغ سلیمان - ۳۱۴
 پاکھوٹی - ۲۳۵
 بجبارہ ، (بت خانہ) - ۳۱۳
 بخارا - ۱۶۴ - ۳۳۶ (ح)
 بدایون - ۲۴۶ - ۲۵۵
 بدخشاں - ۲۸۹ (ح) - ۳۷۳ (ح)
 بدہا کھنڈہ - ۲۴۴ - ۲۳۵

بیج بہارا - ۳۱۷ (ح)

بیربٹ (تاج آباد) ۵۱۵

(پ)

پاخلی - ۳۲۵

پاک (پاکستان) - ۱۲۰۰ - ۱۲۳

۱۲۵ - ۱۰۶ - ۱۸۳ - ۲۰۹

۲۱۳ - ۲۴۶ - ۳۳۲ - ۴۷۷

پاک پٹن (رک - اجودھن) -

پانی پت - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۵

۲۲۶ - ۲۲۸ - ۲۳۳ - ۲۳۵

۳۸۳ (ح) - ۴۰۱ - ۴۰۲

۴۰۳ - ۴۲۴

پایل پور - ۳۹۷ (ح)

پٹنہ - ۴۶۹ (ح) - ۴۷۳ (ح)

۵۳۳

پٹیالی - ۲۵۸ - ۲۷۴

پنجاب - ۴۴۱ - ۴۷۶ - ۴۷۷

۴۸۲ - ۵۳۵ - ۵۴۴

پنڈوہ (بنگال) - ۳۷۴ - ۳۷۵

پشنالہ - ۲۵۸

پہلواوی - ۵۳۳ - ۵۳۷

پیکیز لمیٹڈ - ۴۹۶ (ح) - ۵۰۰

(ح)

(ت)

تاج سرور - ۵۲۲ (ح)

تاشقند - ۳۴۱ - ۳۵۱

تبریز - ۱۳۶ - ۱۳۸ - ۱۳۹

۱۳۶ - ۲۱۸ - ۲۱۹ - ۲۹۱

(ح) - ۳۴۷ (ح)

تخت سلیمان - ۳۰۶ (ح)

تراوڑی - ۱۲۷

ترکستان - ۱۳۴ (ح) - ۲۲۶ (ح)

۲۷۴ - ۲۸۹ (ح) - ۳۲۵

۳۲۹ - ۳۵۴

ترمذ - ۱۵۲ (ح)

تھانہ بھون - ۴۳۳ (ح) - ۴۴۴

(ح) - ۵۴۳ (ح)

تھانیسو، قصبہ - ۴۰۸ - ۴۴۴

تہ خانہ مقبرہ پنماپون - ۴۹۳ (ح)

(ج)

جارہ الشاہ - ۴۳۴ (ح)

جالندھر ۹۲ (ح) - ۴۷۲ (ح)

جام - ۳۳۲ - ۳۳۳ - ۳۳۷ - ۳۳۸

۳۵۱ - ۳۵۴

جامع مسجد دمشق - ۸۴

جامع مسجد ہرات - ۳۳۵ (ح)

جانپانیر - ۴۲۷ (ح)

جبل صالحیہ - ۲۱۵

حیدر آباد دکن - ۳۸۱ (ح) -
۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۱

(خ)

خانپور - ۳۸۲

خانقاہ آم عید - ۱۱۱ - ۱۱۶

خانقاہ شیخ عبدالصمد - ۳۷۱ (ح)

خانقاہ معلیٰ - ۳۲۲

خانہ کعبہ - ۲۱۲ - ۵۳۱

خاوران - ۲۷۷ (ح)

ختلان (جیکستان) - ۳۲۱

ختلان (کولاب) - ۳۲۵

خراسان - ۸۷ - ۱۲۲ - ۱۳۹

۲۷۷ (ح) - ۳۲۲ - ۳۲۳

۳۳۳ - ۳۳۱ - ۳۵۲ - ۳۵۸

خرچرد ، قصبہ - ۳۳۲ - ۳۳۳

۳۳۸

خیبر - ۴

خیز ران ، مقبرہ - ۲۲۲ (ح)

(د)

دارالعلوم اشرقیہ رائدیر - ۵۶۲ (ح)

دارالعلوم دیوبند - ۵۴۷ (ح)

درگاہ قطبی شریف - ۳۰۴

دشت - ۳۳۲

جرجان - ۲۷۴ (ح)

جمنا ، (دریا) - ۴۰۱ - ۴۰۹

جنت الفردوس - ۳۰۵

جنت الماویٰ - ۳۲۳

جہتر ، موضع ، ۳۱۱

جہلم ، دریا - ۳۱۲ - ۳۱۵ - ۳۲۱

جون پور - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲

۳۷۴ (ح) - ۳۷۶ - ۳۸۰ (ح)

۴۵۰ - ۴۷۰ (ح)

جسید برقی پریس ، دہلی - ۳۰۴ (ح)

(چ)

چاغان سرائے - ۳۲۶

چوٹالہ - ۵۲۲ (ح)

(ح)

حالیا کوہ - ۵۳۰

حجاز - ۸۴ - ۳۳۶ - ۵۲۹ - ۵۴۳

حرم شریف - ۵۳۱

حرمین شریفین - ۳۵۱ - ۴۷۳ (ح)

۵۴۸ (ح)

حسن ، قریہ - ۱۱۰

حلب - ۱۵۲ - ۱۶۰ - ۵۵۴

حوض رانی - ۲۵۸

حوض شمسی - ۳۷۱ (ح)

دمشق - ۸۴ - ۱۳۸ - ۱۴۰ - ۱۴۲

۱۵۳ - ۱۵۸ - ۱۶۰ - ۲۱۴

۲۱۵ - ۵۲۸ - ۵۳۰

دولت آباد - ۳۶۹

دیسر، پرگنہ - ۳۱۲

دیپلی - ۱۲۰ - ۱۲۶ - ۱۳۰ - ۱۳۱

۲۰۹ - ۲۲۳ - ۲۲۸ - ۲۳۰

۲۳۱ - ۲۳۶ - ۲۳۸ - ۲۳۹

۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - ۲۵۶

۲۵۷ - ۲۵۸ - ۲۹۷ - ۳۰۰

۳۶۸ (ح) - ۳۶۹ - ۳۷۰

۳۷۱ - ۳۷۷ (ح) - ۳۹۲ (ح)

۳۹۷ (ح) - ۴۰۳ - ۴۲۴ (ح)

۴۴۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۶۹

۴۷۱ (ج) - ۵۳۳

۵۳۴ - ۵۳۸ (ح)

(ڈ)

ڈابھیل - ۵۳۷ (ح)

ڈیپاکہ یونیورسٹی - ۵۳۹

(ر)

راولپنڈی - ۵۵۱

رباط اسماعیل - ۴۳۴ (ح)

رقہ - ۱۲۲

ردولی - ۳۷۲ - ۳۷۶ - ۳۷۷ (ح)

۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۳ (ح)

۳۸۴ (ح) - ۳۸۵ (ج) - ۳۸۹

۳۸۳ (ح) - ۳۸۴ (ح) - ۳۸۵

۳۸۵ (ح) - ۳۸۹ (ح)

۳۹۷ - ۳۹۹

رنگون - ۵۳۶

روشناق - ۳۹۳ (ح)

روم - ۱۴۵ - ۱۵۴ - ۲۱۳

۳۵۹ (ح) - ۴۴۸

(ز)

زنجان - ۳۰۸ (ح)

زیناکدل (پٹل) - ۳۲۲

(س)

ساڈپورہ - ۵۴۲

ساگر (سی پی) - ۵۱۳

ساگر تال - ۴۹۲ (ح)

سپور، موضع - ۳۱۲

ستارہ ہند، مطبع - ۱۵۲ (ح)

سجستان - ۱۲۳

سرادر، قصبہ - ۱۳۳

سرائے میان بازار - ۲۵۵

سر تا سر کشمیر (لشکر خانہ) - ۳۶۷

شاوړه ، پر گنبه - ۳۲۲ -

شاه آباد - ۳۹۲ (ح) ، ۳۹۳ (ح)

۳۹۷ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۰۰ -

۴۰۱

شبستر - ۲۱۹

شخنی ، موضع - ۳۷۶ (ح)

شروان - ۲۹۱ (ح)

شکر دره - ۵۱۳ - ۵۱۵

شمالی بهار - ۵۳۵

شیراز - ۳۳۸ (ح)

(ص)

صالحیه موضع - ۵۳۰

صفین - ۷۱

صوبه متحدہ ۵۳۵

(ط)

طوس - ۷۶ - ۸۲

طهران - ۳۳۳ (ح)

(ع)

عجم - ۱۰۹ - ۱۱۳ - ۱۱۵ - ۱۳۶ -

۱۹۹ - ۱۴۶

عثمان پور کھتر - ۴۷۲ (ح)

عدن - ۲۱۲

سرپند - ۳۸۲ - ۳۹۷ (ح) - ۴۴۰ -

۴۴۲ - ۴۴۸ - ۴۵۷ - ۴۶۴ -

۴۶۵ - ۴۷۱ (ح) ، ۴۷۲ (ح) -

۴۷۴ (ح) - ۴۸۱ - ۴۸۲ -

۴۹۹ (ح)

سرینگر - ۳۱۷ (ح) - ۳۲۲

سعدیه شیراز - ۳۳۸ (ح)

سمرقند - ۳۱۴ - ۳۳۳ - ۳۳۴ -

۳۴۱ - ۳۵۱ - ۳۵۵

سمنان - ۳۷۳ - (ح) - ۳۷۴ (ح)

سندھ - ۱۷۷ - ۴۷۷ - ۴۷۸ (ح)

سوالی ، موضع - ۱۳۱ - ۱۳۴ (ح)

سوات - ۳۲۵

سواد کبر - ۳۲۰

سوریہ - ۳۵۰

سومناٹ - ۲۰۹

سپهان پور - ۴۳۰ - ۵۳۳ - ۵۳۴ -

۵۳۳ (ح)

سیال - ۵۰۵ - ۵۰۶

سیالکوٹ - ۴۴۴

سیوستان ، سیوین - ۴۷۷ - ۴۷۸ -

۴۷۹ (ح)

(ش)

شام - ۸۳۱ - ۱۱۰ - ۱۴۲ - ۸

(ق)

قبادیان، قصبہ - ۲۸۸ (ح)

قدوسی منزل - (ل)

قرطبہ - ۵۲۹

قرن - ۵۰ - ۵۱

قصر عارفان، قصبہ - ۳۳۶ (ح)

۳۳۷ (ح)

قصر ہزار ستون - ۲۳۲ (ح)

قصر ہندوان - ۳۳۶ (ح)

قطب پورہ - ۳۱۲

قطب سینار - ۲۲۳

قلعہ بہشتندہ - ۱۲۷

قلعہ دیگ دسو - ۹۲ (ح)

قلعہ سلطانیدہ - ۳۳۴ (ح)

قلعہ مرنج - ۹۲ (ح)

قلعہ ناٹی - ۹۲ (ح)

قندھار - ۴۷۲ (ح)

قونیہ - ۱۳۹ - ۱۴۰ - ۱۵۲

۱۵۳ - ۱۵۸ - ۱۶۰

قیصر پل - ۲۵۶

قیصریہ - ۱۳۸

(ک)

کابل - ۴۷۲ (ح)

عراق - ۴ - ۱۱۰ - ۲۲۲ - ۳۵۰

غرب - ۱۰۹ - ۱۱۵ - ۱۹۹

۲۹۰ - ۲۰۱ - ۲۲۲

عصامیو موضع - ۲۷۶ (ح)

عظیم آباد - ۵۳۳

علاء الدین پورہ، محلہ - ۳۱۵ - ۳۲۲

علی گڑھ - ۵۳۸

(غ)

غزنی - ۹۰ - ۹۵ - ۳۶۸ - ۳۶۹

غزوہ احد - ۳

غزوہ بدر - ۳

غزوہ خندق - ۴

غور - ۳۱۱

غیاث پور - ۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۱

۲۶۲

(ف)

فارس - ۲۲۲

فاسیون، کوہ - ۵۳۰

فتح مکہ - ۴

فرنگی محل - ۵۳۳

فیروز آباد - ۴۵۰

فیض آباد - ۵۳۷

کلکتہ یونیورسٹی - ۵۳۸
کمجان (کونجان - کمیجان) قصبہ -
۲۰۸

کوٹلاور قصبہ - ۳۷۶
کوچہ سرخاب - ۲۹۲ (ح)
کونر، (کافرستان) - ۳۲۵
کول - ۲۹۷ (ح)
کولاب - ۳۱۴

کونار - ۳۲۵
کونار نورگل - ۳۲۵
کونجان (رک : کمجان)
کھادر، پرگنہ - ۳۱۱
کھنی وال (کھوتوال) - ۲۳۵ (ح)
کھوتوال (رک : کھنی وال)
کیجھاسہ، موضع - ۳۱۱
کیلوکھری - ۲۲۶ - (ح) ۲۶۱
کیموہ، موضع - ۳۱۱

(گ)

گجرات - ۴۲۷ (ح)
گنجدہ - ۲۹۶ (ح) - ۳۳۷ (ح)
گنگوہ - ۳۶۶ - ۳۹۹ (ح) - ۴۰۰
- ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۵ - ۴۰۹
- ۴۳۰ - ۴۳۲
گوالیار - ۴۲۳ (ح) - ۴۵۰ - ۴۵۸

کالپی - ۳۷۰ (ح)

کالنجر - ۴۲۳ (ح)

کامٹی (سی - پی) - ۵۱۲ - ۵۱۳

کامٹی بلٹری کیمپ - ۵۱۲

کان پور - ۵۳۴

کبر - ۳۲۱

کتاند، گاؤں - ۴۰۱

کچھوچھہ - ۳۷۴ (ح)

کدکن، قصبہ - ۱۰۸

کدل پل - ۳۲۲

کراچی - ل - ۵۰۸ - ۵۳۶ -
۵۴۰ (ح)

کرٹیللاس - ز (ح)

کورنال - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۳۵ -
۳۹۷ - ۳۹۸ (ح)

کش - ۲۷۴

کشم - ۴۷۳ (ح)

کشمیر - ۳۰۶ (ح) - ۳۰۹ - ۳۱۰

- ۳۱۱ - ۳۱۲ - ۳۱۳ - ۳۱۴

- ۳۱۵ - ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۳۱۸

- ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۵ - ۳۲۹

- ۳۳۰ - ۳۹۳ (ح) - ۳۹۴ (ح)

۵۰۳ (ح)

کلانور - ۵۰۳ (ح)

کلکتہ - ۳۶۸ (ح) - ۵۳۸

مارنند ، پرگنہ - ۳۲۳

مانڈل ، موضع - ۱۳۳

مجلس دائرہ المعارف - ۳۸۱ (ح)

محکمہ اوقاف پنجاب - ۳۳۳ (ح)

۳۳۳ (ح) - ۳۶۵ (ح) - ۳۷۵

(ح)

محلہ سرائے - ۳۰۰

محمدن (مسلم) ایجوکیشنل کانفرنس -

۵۳۶ - ۵۳۸

مدراس - ۵۳۵

۲۲۲ - ۲۲۳

مدرسہ حلاویہ - ۱۵۳

مدرسہ رحیمیہ - ۵۳۸ (ح)

مدرسہ عالیہ - ۳۳۸

مدرسہ مقدسیہ - ۱۵۳

مدرسہ نظامیہ - ۱۸۳ - ۱۸۳ - ۱۲۳

۳۳۳

مدینہ منورہ (یثرب) - ۳ - ۳ - ۳

۱۲۵ - ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۱۳

مرسیہ - ۵۲۸

مرو - ۲۱۸ - ۲۷۷ (ح) - ۳۳۱

۳۵۱ - ۵۷۲ - ۱۶۲ - ۱۶۲

(سزار الشعراء - ۳۰۶) (ح) - ۱۶۲

مسجد اقصی - ۳۲۳ (ح) - ۲۰۵

مسجد شاہ پمدان - ۳۲۲

مسلم یونیورسٹی - ۵۳۵

۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۳

گولڑہ - ۵۳۲ - ۵۵۱

گولہ گام ، موضع - ۳۱۱

(ل)

لارندہ - ۱۵۱

لاہور - ۵ - ۵ - ۹۲ (ح) - ۱۲۶

۲۰۱ (ح) - ۳۲۳ (ح) - ۳۳۰

۳۳۱ - ۳۳۲ - ۳۳۸ - ۳۶۵ (ح)

۳۶۹ (ح) - ۳۷۱ (ح) - ۳۷۵

(ح) - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱

۳۸۲ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰

۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۶ (ح)

۵۰۰ (ح) - ۵۰۳ (ح) - ۵۰۹

۵۳۲ (ح)

لداخ - ۳۲۵

لسبن - ۵۲۸

لکھنوتی ، قصبہ - ۳۰۸

لکھنؤ - ۲۳۹ - ۳۰۳ (ح) - ۵۳۳

۵۳۳

لنگرہ ، محلہ - ۳۱۳

لیاقت آباد - (ل)

(م)

مارکنڈہ ، دریا - ۳۹۴ (ح) -

۳۹۳ (ح)

مصر - ۱۰۱ - ۱۱۰ - ۳۵۰ - ۴۴۰ - ۵۲۹

مطبع بیت اشرف - ۳۹۷ (ح)

مطبع نامی - ۲۳۹

مغربی پنجاب - ۳۲۵

مقبرہ الشعرا - ۲۹۱ (ح)

مقلی باغ - ۵۲۹

مکہ معظمہ - ۲ - ۷۰ - ۱۲۵ -

۲۱۲ - ۴۳۳ (ح) - ۵۳۲ -

۵۴۳

سلاطین - ۱۵۱

ملتان - ۱۲۶ - ۲۰۹ - ۲۴۷

مندہ پل - ۲۵۵

مندہ دروازہ - ۲۵۵

منگل کوٹ - ۴۶۹ (ح)

مومن آباد - ۲۷۴

موصل - ۵۲۹

ماوراء النہر - ۲۳۳ (ح) ۲۷۴ (ح)

۳۴۱ - ۳۴۳ - ۴۴۸

سہنہ - ۲۷۷ (ح)

میوات - ۵۰۳ (ح)

(ن)

نارنول - ۵۰۳ (ح)

ناگپور - ۵۰۹ - ۵۱۲ - ۵۱۴

ناگور - ۱۳۱ - ۱۳۲

نائوتہ - ۴۳۳ (ح) - ۵۴۲ (ح)

نجد - ۷۰

ندوۃ العلماء - ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۴۸

نزال، موضع - ۳۲۲

نمک سرائے - ۲۵۵

نوشہرہ - ۳۱۹ (ح)

نول کشور، مطبع - ۲۱۱ (ح) -

۲۳۱ - ۲۷۱ (ح) - ۴۰۴ (ح) -

۴۳۱ - ۴۴۸ (ح) - ۴۷۵ (ح) -

۴۷۸ (ح)

نوند وئی - ۳۲۲

نیشاپور - ۷۶ - ۸۳ - ۱۰۰ - ۱۲۴ -

۱۲۴ - ۱۵۱ - ۲۷۷

نینوال - ۵۵

(و)

واسط - ۱۱۱

واکی - ۵۱۴

ود - ۴۷۲ (ح)

ویشود، دریا - ۳۱۱

(ہ)

ہانسی - ۲۵۳ - ۲۵۴ (ح) - ۲۵۸

ہرات - ۳۳۳ - ۳۳۴ - ۳۴۱ - ۳۵۱ -

(ح) - ۲۹۱ - ۳۰۶ (ح) -
 - ۳۲۱ - ۳۲۹ - ۳۶۸ - ۳۷۲ -
 (ح) ۳۷۴ - ۳۰۱ - ۳۲۳ (ح)
 - ۳۳۸ - ۳۴۴ - ۳۶۹ (ح)
 - ۳۷۴ (ح) - ۳۸۴ - ۵۳۳ -
 - ۵۳۳ - ۵۳۲ - ۵۳۸ - ۵۳۴
 (ح) ۵۳۸ - ۵۳۵ - ۵۳۴

(ی)

یشرب (رک : مدینه منوره)

یگماں - ۲۸۹ (ح)

یورپ - ۲۱۷ - ۲۲۰ - ۲۴۲
 ۲۵۶

(ح) ۵۰۳ - ۳۵۸ - ۳۵۵

پرن پور - ۵۰۵

پروٹون ، قصبہ - ۱۲۴

پمدان - ۹۲ (ح) - ۲۰۸ - ۲۰۹

۳۱۰ - ۳۲۴ - ۳۲۹

پند (رک : ہندوستان)

ہندوستان (پند) - ۹۲ (ح) ۱۱۵ -

- ۱۲۰ - ۱۲۱ - ۱۲۲ - ۱۲۵ -

- ۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۲۸ - ۱۳۴ -

- ۱۳۵ - ۱۳۶ - ۱۳۷ - ۱۷۷ -

- ۱۸۴ - ۱۹۰ - ۲۰۹ - ۲۱۴ -

- ۲۲۲ - ۲۲۶ (ح) - ۲۴۶ -

۲۵۷ - ۲۷۴ - ۲۷۵ - ۲۸۹

کتاب

الف سمدودہ

آب کوثر - ۳۷۵ (ح)

آثار النافعہ - ۱۱۲

آداب النفوس - ۵۶۰

آنکھ والا آنکھ والے کی تلاش میں
۵۱۰ (ح)

الف مقصورہ

احیاء العلوم - ۵ - ۷۹ - ۸۰ - ۸۶

۹۷ - ۵۵۵ - ۵۵۶

اخبار الاخیار - ۱۲۴ - ۱۳۰ (ح) -

۱۳۲ - ۱۳۵ (ح) - ۲۲۳ -

۲۲۴ - ۲۲۵ (ح) - ۲۳۹ -

۲۴۶ (ح) - ۲۵۴ (ح) - ۲۶۲ -

۲۶۵ (ح) - ۲۹۰ (ح) - ۲۹۱ -

۲۹۲ (ح) - ۲۹۳ (ح) - ۳۶۹ -

۳۷۰ (ح) - ۳۷۱ (ح) -

۳۷۴ (ح) - ۳۷۵ (ح) - ۳۸۳ -

۳۸۵ (ح) - ۳۸۶ (ح) -

۳۸۷ (ح) - ۳۹۸ (ح)

اختیارات المنطق در تصوف - ۳۲۷

اخلاق محترم، باسحر - ۳۲۷

الذاتیہ - ۳۲۷

ارشاد الطالبین - ۴۰۸ (ح)

اربعمین امیرہ - ۳۲۶

آردو کے نشوونما میں صوفیائے کرام

کا حصہ - ۴۳۹ (ح)

ارشاد - ۳۶۹ (ح)

ارمغان حجاز - ۷۵ - ۹۰ (ح) -

۱۴۷ - ۲۷۳ (ح) - ۳۳۱ (ح)

۳۳۲

اسد انعابہ - ۲ (ح)

اسرار خودی - ۱۳۶ - ۱۴۷ - ۱۵۶

(ح) - ۲۰۰ - ۵۲۲ - ۵۲۴

اسرار القلبیہ - ۳۲۷

اسرار و رموز - ۱ - ۱۰۹ - ۱۱۹

(ح) - ۱۴۹ (ح) - ۱۵۵ (ح)

۱۸۴ - ۱۹۳ - ۲۰۰ - ۲۰۱ -

۲۳۱ - ۲۳۴ (ح) - ۳۳۲ -

۳۷۶ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۷

(ح)

اسرار نامہ - ۱۰۸ - ۱۵۱

اسرار نقطہ - ۳۰۷

اسلامی تصوف اور اقبال - ۷۳ (ح)

۴۴۲ (ح)

اشعہ شرح لمعات - ۳۴۴

اشعہ اللامعات ۲۱۳

اصول الطریقہ - ۱۳۴ (ح)

اعجاز خسروی - ۲۷۵

اعلاء کلمتہ اللہ فی بیان وما اپل

بہ بغیر اللہ - ۵۵۱

افضل الفوائد - ۲۸۳ - ۲۸۷

۲۸۸

اقبال کے محبوب صوفیائے کرام -

(ک) ۵۵۲

اقبال نامہ ، ج : ۲ - ۱۲۰ (ح)

۵۴۷ (ح) - ۵۵۱ - ۵۵۴ (ح)

اقتباس الانوار - ۴۱۶ (ح)

اکبر نامہ - ۱۲۶

الاصلاح الفصیح اعجاز المسیح

معروف بہ سیف چشتیائی - ۵۵۱

العلم ، بہ ماہی - ۵۳۶ - ۵۴۰

(ح)

البرہان الموید - ۱۱۲

البعث والنشور - ۵۶۰

الحکم الساطعہ - ۱۱۲

الغزالی - ۷۵ - ۷۶ (ح) - ۷۹ (ح)

۵۵۴

المسائل فی اعمال القلوب والجوارح

۵۶۰

المسائل فی الزاہد - ۵۶۰

المقلہ فی بیان النقطہ - ۳۲۷

المنقذ من الضلال - ۸۵

النہی نامہ - ۱۰۸

امرائے ہنود - ۴۵۹ (ح)

انوار اقبال - ۴۴۲ (ح) - ۵۱۸ (ح)

۵۳۳ (ح)

انوار الاصفیا - ۵۴۲ (ح) - ۵۵۱ (ح)

انوار الصفی - ۳۷۲ - ۳۷۳ (ح) -

۳۷۶ (ح) - ۳۷۷ (ح)

انوار العیون - ۳۸۳ (ح) - ۳۸۵ (ح)

۳۸۶ (ح) - ۳۸۷ - ۳۸۸

افیس الغربا - ۳۷۵ (ح)

اوراد شیخ عبد القدوس - ۴۳۵

اوراد فتحید - ۳۰۸ - ۳۲۶

اولیائے دیلی - ۳۰۴ (ح)

آئین اکبری - ۳۲۵

آئینہ سکندری ، (مثنوی) - ۲۹۶

(ب)

بابر نامہ - ۳۲۵

پس چہ باید کرد ، (مثنوی) - ۹۰
پیام مشرق - ۱۸۸ - ۵۲۴

(ت)

تاج الفتوح - ۲۹۷
تاریخ ادبیات ایران (شفق) - ۹۲
(ح) - ۹۵ (ح) - ۹۹ (ح)
- ۱۰۱ - ۱۰۳ - ۱۰۸ (ح)
- ۱۵۱ (ح) - ۱۵۲ (ح) - ۱۶۰ -
۱۴۰ (ح) - ۱۴۴ (ح) - ۲۸۹
(ح) - ۲۹۶ (ح) - ۲۹۷ (ح)
۳۴۰ - ۳۵۱ (ح)

تاریخ ادبیات عجم - ۲۱۷
تاریخ اعظمی - ۳۰۶ (ح) - ۳۰۹ -
۳۱۰ (ح) - ۳۱۵ - ۳۲۱ -
۳۲۴

تاریخ دعوت و عزیمت - حصہ اول -
۸۲ - ۸۸ (ح) - ۱۳۷ - ۱۳۹
(ح) - ۱۶۶ (ح) - ۱۶۸ (ح)
تاریخ دعوت و عزیمت ، حصہ دوم
۲۶۷ (ح) - ۲۷۰ (ح) - ۳۰۴
(ح)

تاریخ دعوت و عزیمت - حصہ سوم
۲۴۹ (ح) - ۲۵۵ (ح) - ۲۵۶
(ح)

تاریخ فرشتہ - ۱۲۶ - ۲۹۰ (ح) -
۳۶۹ (ح) - ۴۲۳ (ح)

بادشاہ نامہ - ۴۹۰

باقیات اقبال - ۲۴۴ - ۳۰۰

بال جبریل - ۱۴۶ - ۲۷۳ (ح) -

۴۴۱ - ۴۴۲ (ح) - ۵۲۵

بانگ درا - ۱۱۹ - ۱۲۰ (ح) -

۲۴۳ (ح)

بدیع البیان - ۳۶۹ (ح)

بحرالانشعاب - ۳۷۹ - ۴۳۵

بحر مواج ، تفسیر قرآن مجید -

۳۶۹ (ح)

برکات احمدیہ ، (زبدۃ المقات) -

۴۷۴ (ح)

بزم صوفیہ - ۱۲۳ - ۲۱۳ (ح) -

۲۴۲ (ح) - ۲۴۱ (ح) - ۲۵۷

(ح) - ۲۶۴ (ح) - ۲۸۹ (ح) -

۲۹۰ (ح) - ۲۹۸ (ح)

بنیان المشید - ۱۱۲

بہرام نامہ - ۳۴۷ (ح)

بیاض حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی

۴۳۸ (ح)

برہان ، رسالہ - ۲۱۸ (ح)

بیاض داراشکوہ - ۴۹۲ (ح)

(پ)

پنجاب میں اردو - ۴۳۶ (ح)

پند نامہ - ۱۰۸

تاریخ گزیده - ۲۰۷

تاریخ مشائخ چشت - ۷۸ (ح) -

۸۰ (ح) - ۸۱ (ح) - ۸۲ (ح)

۹۳ (ح) - ۹۴ (ح) - ۱۲۹ -

۲۶۷ (ح) - ۲۷۱ (ح) - ۵۰۵ -

۵۰۵ (ح) - ۵۰۷ (ح) - ۵۲۰ - ۵۲۱ (ح)

۵۲۸ (ح) - ۵۲۹ (ح) - ۵۳۱ -

۵۳۲ (ح) - ۵۳۳ (ح) - ۵۳۹ -

۲۷۵ (ح) -

تاریخ معصومی - ۳۶۸ (ح)

تحقیق اراضی الہند - ۳۰۸ (ح)

تحفۃ الاحرار مشنوی - ۳۴۲ - ۳۵۰

تحفۃ الصغر ، دیوان اسیر خسرو -

۲۹۵

تحفۃ العراقین ، مشنوی - ۲۹۲ (ح)

۳۴۷ (ح)

تحفۃ الکرام - ۳۷۷ - ۳۷۸

تذکرۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) -

۷۳ (ح) - ۳۰۴

تحقیق الحق فی کلمۃ الحق - ۵۵۱

تذکرۃ اولیائے ہند - ۲۳۰ (ح) -

۲۷۹ (ح)

تذکرۃ بزرگان و سخن سرا یان ہمدان

۳۰۹ - ۳۱۷

تذکرۃ تاج الاولیاء - ۵۱۰ - ۵۱۲ -

۵۱۳

تذکرۃ حلیۃ الاولیاء - ۵۵۶ -

۵۵۷ (ح)

تذکرۃ دولت شاہ سمرقندی - ۹۴ (ح)

تذکرۃ ریاض الشعراء - ۳۲۴

تذکرۃ شعرائے کشمیر بخش اول -

۳۰۸ (ح)

تذکرۃ شعرائے کشمیر بخش دوم -

۳۰۴ (ح) - ۳۰۸ - ۳۱۰ (ح)

۳۱۵ (ح) - ۳۱۷ (ح) - ۳۲۷ (ح)

۳۲۸ (ح) - ۳۲۹ (ح)

تذکرۃ الشعراء - ۱۴۳

تذکرۃ صوفیائے پنجاب - ۵۰۲ (ح)

۵۰۳ (ح) - ۵۴۳ (ح)

تذکرۃ علمائے ہند - ۲۴۶ (ح) -

۴۳۴ (ح) - ۴۶۴ (ح) - ۵۴۳

۵۴۸ (ح) -

تذکرۃ مجالس العشاق - ۳۵۸

تذکرۃ مشائخ دیوبند - ۴۳۴ (ح)

ترجمہ بھگوت گیتا - ۴۹۲ (ح)

ترجمہ آردو تاریخ فیروز شاہی (ضیابرنی)

۲۲۴ (ح) - ۲۲۶ (ح) - ۲۲۷ -

۲۳۲ (ح) - ۲۶۷ - ۲۶۸ (ح)

ترجمہ توزک جہانگیری جلد اول

حواشی جشن پنجم - ۴۵۹ (ح)

ترجمہ توزک جہانگیری جلد دوم۔

۴۵۷ (ح) - ۴۶۱ (ح) - ۴۶۲

- ۴۶۲ - ۴۸۹ (ح)

ترجمہ فتوح الغیب - ۴۷۵ (ح)

تشکیل جدید المہیات اسلامیہ -

۳۶۵

تعلیقات عوارف - ۴۶۴

تغلق نامہ - ۲۹۷

تکملہ سیر الاولیا - ۵۲۱ (ح)

تلمیحات اقبال - ۵۲۷

تمہافتہ الفلاسفہ - ۸۶

(ج)

جامی - ۲۳۳ (ح) - ۲۳۸ - ۲۳۹ (ح)

۳۴۱ - ۳۴۲ (ح) - ۶۴۶

۳۴۴ (ح) - ۳۴۵ (ح) - ۳۴۶

- (ح) ۳۴۹ - ۳۴۸ (ح)

۳۵۱ - ۳۵۲ (ح) - ۳۵۳ (ح)

۳۵۴ (ح) - ۳۵۶ (ح) - ۳۵۷ (ح)

۳۵۹ (ح)

جاوید نامہ - ۱۵۰ - ۱۸۳ - ۲۱۸

۳۰۵ - ۳۱۸

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء - ۴۳۴ (ح)

۵۳۷

جواہر مضئیہ - ۱۵۳

جواہر نامہ ۱۰۸ -

(ج)

چہل اسرار - ۳۲۷ - ۳۲۸ (ح)

(ح)

حاشیہ بیضاوی - ۴۸۰ (ح)

حاشیہ فصوص الحکم - ۴۳۵

حاشیہ مقالات الشعراء - ۴۸۸ (ح)

۴۹۰ (ح)

حبیب السیر - ۳۰۷

حدیقہ (حدیقہ الحقیقت) - ۹۴ - ۹۶

حرست سماع - ۳۹۲ (ح)

حسنات العارفين يا شطحيات -

۴۹۲ (ح)

حضرات القدس - ۴۲۵ (ح) -

۴۴۳ - ۴۴۵ - ۴۴۷ - ۴۴۸ (ح)

۴۶۵ - ۴۶۷ - ۴۶۸ - ۴۶۹ (ح)

۴۷۰ - ۴۷۱ (ح) - ۴۷۲ (ح) - ۴۷۳

(ح) - ۴۷۵ (ح) - ۴۷۶ (ح)

حق الیقین فی معرفت رب العلمین -

۲۱۹

حکایت شیشہ گرما چین -

۴۶۹ (ح)

حکمت رفاعی - ۱۱۳ (ح) -

۱۱۴ (ح) - ۱۱۷ (ح)

حکم نامہ شرف الدین - ۲۳۹

حکمت غنا ۳۹۲ (ح)

حل النصوص ، شرح فصوص الحکم -

۳۲۶

حواشی کافیہ . ۳۶۹ (ح)

حیات مجدد - ۴۶۴ (ح)

حیات نامہ - ۳۳۷ (ح)

(خ)

خاتمة الحیلوة ، دیوان سوم - ۳۴۳ -

۳۶۰

خاور نامہ - ۳۱۰ (ح)

خرد نامہ سکندری - ۳۵۵

خزائن الفتوح - ۲۹۷

خزینة الاصفیاء ، ۱۱۷ - ۱۱۸ -

۱۲۶ (ح) - ۱۳۲ - ۲۲۳ (ح)

۲۳۶ - ۲۸۶ (ح) - ۳۳۰ -

۳۹۶ - ۴۰۸ (ح) - ۴۳۱ -

۴۳۲ (ح) - ۴۷۸ (ح) - ۴۷۹ -

(ح) - ۵۲۱ (ح)

خسرو شیریں بیان - ۲۲۹ (ح) -

۲۷۴ - ۲۷۸ (ح) - ۲۷۹ -

۲۷۰ (ح)

خسرو و شیریں ، مشنوی - ۲۹۹ -

۳۴۷ (ح)

خسرو نامہ - ۱۰۱ - ۱۰۷

خطبات اقبال - ۳۶۴ (ح) - ۳۶۵

(ح)

خلاصۃ التواریخ ۳۷۸ (ح)

خلفائے راشدین^{رض} - ۶ (ح) - ۴۲۵

خلاصۃ المناقب - ۳۲۴ - ۳۲۶

خیر المجالس - ۲۶۰ (ح)

(د)

دائرہ معارف اسلامیہ جلد اول -

۵۲۸ - ۵۳۲

در المعرفت دفتر اول مکاتیب مجدد

الف ثانی - ۴۵۷ (ح) - ۴۷۰

(ح)

در مکنون - ۲۸۳ (ح) - ۲۸۶ (ح)

دلیل العارفین - ۱۲۵

دلیل العاشقین - ۳۳۷ (ح)

دلیل المتحیرین - ۲۸۹ (ح)

دول رانی ۲۹۷

دہ قاعدہ - ۳۲۶

دیباچہ عزہ الکمال - ۲۷۵

دیباچہ مرقع - ۴۹۲ (ح)

دیوان امیر خسرو - ۲۹۸

دیوان حافظ - ۱۷۲

دیوان خاقانی - ۳۴۷ (ح)

دیوان شمس تبریز - ۱۶۸

دیوان قصائد و غزلیات (حکیم سنائی)

۹۶

دیوان قصائد و غزلیات (عطار) ۱۰۸

دیوان ناصر خسرو - ۲۸۹ (ح)

(ذ)

ذخیره الملوك - ۳۰۷ - ۳۲۶

ذکر اقبال - ۴۴۱ (ح) - ۴۴۲ (ح)

(و)

رحمة المعلمين - ۵۳۵

رساله احوال پیران چشت - ۱۲۹

رساله اصطلاحات ، در اصطلاحات

تصوف - ۳۲۲

رساله المراقبه - ۵۶۱

رساله المسترشدين - ۵۵۵ - ۵۵۷ - ۵۶۰

رساله الوصايا - ۵۶۱

رساله تعليقات - ۴۶۴

رساله تهليليه - ۴۶۴

رساله چهل مقام و عقبات - ۳۲۷

رساله حق نما - ۴۹۲ (خ)

رساله خطيب - ۵۱۶

رساله درايه الزمان - ۵۴۶

رساله در حقائق توبه - ۳۲۶

رساله در معرفت صورت و سیرت

انسان - ۳۲۶

رساله سبع المثاني - ۳۲۷

رساله سلاسل اربعین - ۳۹۷

رساله شایده - ۲۱۹

رساله عشقیه - ۲۳۹

رساله عید قربان - ۳۹۹ (ح)

رساله قدسی - ۴۳۵

رساله قره العین - ۴۳۵

رساله قشیریہ - ۵۵۴ (ح)

رساله مبدا و معاد - ۴۶۴

رساله معارف - ۴۹۶ (ح) - ۵۵۳

(ح) - ۵۵۴ (ح) - ۵۵۶ (ح) - ۵۵۷

۵۵۷ (ح) - ۵۵۹ (ح) - ۵۶۰ (ح)

(ح) - ۵۶۲ (ح)

رساله مکتوبات - ۳۲۶

رساله منہاج العارفین - ۳۲۷

رساله نور الهدی - ۴۳۵

رساله نوریہ - ۳۲۶

رمائل الاعجاز - ۲۹۷

رشحات عین الحیوۃ - ۳۳۸ -

۳۳۹ - ۳۴۱

رشد نامہ - ۳۹۹ (خ) - ۴۱۲ -

سراج کبیر - ۳۹۲ (ح)
 سراج السائرین - ۳۳۳ (ح)
 سراج المجالس (اردو ترجمہ) - ۲۶۰
 (ح)

سوالنقطہ - ۳۲۷

سرور الصدر - ۱۳۴ (ح)

معادیت نامہ - ۲۱۹ - ۲۸۹ (ح)

سفر نامہ ناگپور - ۵۱۰

سفینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) - ۸۲

(ح) ۱۱۷ - ۱۲۴ - ۲۸۵ (ح)

۲۸۶ - ۲۸۹ (ح) - ۳۴۰ - ۳۴۱

(ح) ۳۰۸ - (ح) ۳۹۲ (ح)

سکندر نامہ ، مثنوی - ۲۹۶ -

(ح) ۳۳۷

سکینۃ الاولیاء - ۳۷۷ - ۳۷۸ (ح)

۳۸۱ - ۳۸۴ (ح) - ۳۸۹ - ۳۹۰

۳۹۱ - ۳۹۲ (ح) - ۳۹۳ (ح)

۳۹۵ - ۳۹۶ (ح) - ۳۹۷

۳۹۹ (ح) - ۵۰۰ (ح) - ۵۰۱

(ح) ۵۰۲ - ۵۰۳ (ح)

سلامان و اہمال مثنوی - ۳۴۸

مہلبیۃ النبیؐ مثنوی - ۳۵۰

۳۶۰

سلطان الاذکار - ۳۹۳

۳۱۴ (ح) - ۳۳۵

روائع - ۳۷۵ (ح)

رود کوثر - ۳۷۵ (ح) - ۳۰۸ (ح)

۳۶۴ (ح) - ۳۹۴ (ح) - ۵۳۸

(ح)

روز روشن - ۳۲۴

روشنائی نامہ - ۲۸۹ (ح)

روضۃ الاولیاء - ۳۰۲ (ح) -

۳۰۳ (ح)

روضۃ الفردوس - ۳۲۶

رموز بے خودی - ۱۱۶ (ح) -

۵۲۷ (ح)

ریاض العارفین - ۳۲۴

(ز)

زاد المسافرین ۲۸۹ (ح)

زبور عجم - ۹۸ - ۱۳۶ - ۵۲۴

زبدۃ المقامات - ۳۳۱ - ۳۳۸ (ح)

۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۷۴ (ح)

زرقانی ، ج - ۱ - ۲ (ح)

(س)

سجۃ الابرار (مثنوی) - ۳۳۸ - ۳۵۰

سجۃ المرجان - ۳۵۹

شاہ نامہ - ۱۷۲

شجرہ خاندان قدوسیہ - ۳۹۰ (ح)
۳۳۲

شرح اسرار خودی - ۲۰۲

شرح اسماء اللہ - ۳۰۷

شرح اسماء الحسنی - ۳۲۷

شرح رباعیات - ۳۶۳

شرح صحائف - ۳۸۲ - ۳۳۵

شرح عوارف - ۳۸۲ - ۳۳۵

شرح فصوص الحکم - ۳۰۷ - ۳۹۶

شرح قصیدہ خمیریہ فارضیہ - ۳۰۷

شرح قصیدہ خمیریہ فارضیہ - ۳۲۶

شرح القلب - ۱۰۸

شرح المعانی - ۳۱۰ (ح)

شرح مصباح - ۳۳۵

شرح المعرفہ - ۵۶۰

شرح منار - ۳۸۲

شروانی نامہ - ۳۹۷ (ح) - ۳۲۳

(ح) - ۳۲۳ (خ)

شعر العجم - ۲۹۳ - ۲۹۷ (ح)

شعر ناب - ۵۵۱ (ح)

شمس الہدایہ - ۵۵۱

شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان

کی تعلیمات - ۱۳۴ (ح) - ۱۳۵

سلطانیہ - ۳۰۸

سوانح خواجہ معین الدین چشتی -

۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۳۰ (خ) -

۱۳۲ - ۱۳۳

سوانح مولانا روم - ۱۵۹ (ح) -

۱۶۳ (ح) - ۱۶۴ - ۱۷۴ (ح)

سیر افغانستان - ۹۱ (خ)

سیر العارفین - ۱۲۵ - ۱۲۸ -

۲۰۷ - ۲۰۸ - ۲۱۳ - ۲۶۱ -

۲۶۲

سیر العباد الی المعاد - ۹۶

سیر الاقطاب - ۱۲۵ - ۱۳۲ - ۲۲۲ -

۲۲۵ - ۲۳۵

سیر المتأخرین - ۳۷۱ (ح) - ۳۰۴

سیر الأولیاء - ۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۲۸ -

(ح) - ۱۳۲ (ح) - ۲۵۱ (ح) -

۲۵۲ (ح) - ۲۵۳ (ح) - ۲۵۴ -

۲۵۵ (ح) - ۲۵۶ (ح) - ۲۵۷ -

(ح) - ۲۶۱ - ۲۶۲ (ح) - ۲۶۵ -

(ج) - ۲۶۶ - ۲۷۱ (ح) -

۲۷۲ (ح) - ۲۸۱ - ۲۹۲ -

۳۰۰ - ۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳ -

(ح) - ۳۰۴

سیرۃ النعمان - ۲۲۲

(ش)

شادو اقبال - ۵۰۸

علم القيافه - ٣٢٦
 عمل صالح - ٣٩٠ - ٣٩٣ (ح) -
 ٣٩٦
 عوارف - ص ٢٥٢ - ٣٨٢

(غ)

عثره الكمال ، ديوان - ٢٤٥ -
 ٢٩٦ - ٢٤٥
 غريب نامه - ٩٣
 غنيه الطالبين - ٥

(ف)

فتح رباني - ٥
 فتوحات مكيه - ٣٩٦ - ٥١٨ -
 ٥١٩ - ٥٣٠ - ٥٣١ - ٥٣٢ (ح)
 فتوح الغيب - ٥
 فصوص الحكم - ٥١٨ - ٥١٩ -
 ٥٢٠ - ٥٢١ - ٥٢٢ - ٥٢٣ -
 فوائد العرفانيه - ٣٢٤ -
 فوائد الفواد - ٢٣٤ (ح) - ٢٣٨ (ح)
 ٢٥٢ (ح) - ٢٥٥ (ح) - ٢٥٨ -
 ٢٦٠ (ح) - ٢٦٣ (ح) - ٢٦٥ -
 ٢٦٤ (ح)
 فوائد القراءة - ٣٣٥
 فيوضات ربانيه - ٥
 فيد ما فيد - ١٦٨

(ح) - ٢٣٥ (ح) - ٣٩٠ (ح) -
 ٣٩٩ (ح) - ٣٢٣ (ح) -
 ٣٣٥ (ح) -

شيرين خسرو ، مشنوی - ٢٩٦

(ص)

صاحب المثنوی - ١٣٩ - ١٣٣ -
 ١٦٣
 صحيفه (اقبال نمبر) حصه اول -
 ٥٠٩ (ح) - ٥١٠ (ح)
 صولات شير شاهي - ٣٢٣ (ح)

(ض)

ضرب كلیم - ٩٩ - ٢٩٢ (ح) -
 ٢٩٣ (ح)

ضوء اللغات - ٢١٣

(ط)

طبقات ابن سعد - ٥
 طبقات اكبرى - ٣٢٣
 طريق التحقيق - ٩٦

(ع)

عشق نامه ، ٩٣ - ٩٦
 عفو نامه - ٩٦
 عقل نامه - ٩٣ - ٩٦

کشکول - ۵۰۵

کشف المحجوب - (و) - ۷۳ - (ح)

کشف منار - ۳۸۱

کلام الله - ۳۱۳ - ۴۳۴ (ح)

کلیات اقبال اردو - ۴۴۱ (ح) -

۴۴۲ (ح)

کلیات اقبال فارسی (غلام علی

اینڈ سنز) ۱۰۹ - ۱۱۷ - ۱۴۶

(ح) - ۱۹۰ (ح) - ۲۱۸ (ح) -

۲۳۴ (ح) - ۳۳۲ (ح)

کنز الدقائق - ۵۰۵

کنز الاسرار - ۲۳۹

کواکب درید - ۵۵۳

کیمیائے سعادت - ۸۲

(گ)

گلزار ابرار - ۲۲۶ (ح)

گلستان - ۱۷۲

گلشن راز - ۲۱۷ - ۲۱۸ - ۲۱۹ -

۲۲۰

گلشن راز جدید - ۲۱۸

(ل)

لطائف اشرفی - ۳۷۲ - ۳۷۳

لطائف قدوسی - ۳۶۴ (ح) - ۳۶۶ -

(ق)

قرآن حکیم - (و) - (کلام الله)

۳۱۳ - ۳۱۴ - ۳۱۵ - ۳۹۱

- ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۳۴ - ۴۴۴ -

- ۴۴۹ - ۴۶۷ - ۵۰۴ - ۵۱۳ -

۵۱۷ - ۵۲۸

قرآن السعدین - ۲۹۶

قدوری - ۲۴۶

قصیر عارفان - ۲۱۵ (ح)

(ک)

کارنامه ہزرگان ایران - ۹۴ - ۹۵ -

۹۶ (ح) - ۱۰۸ - ۳۳۷ (ح)

کافیہ - ۳۷۹

کتاب اسرار النقطہ - ۳۲۷

کتاب التفکر والاعتبار - ۵۶۱

کتاب التواہم - ۵۵۵ - ۵۵۷ -

۵۶۰

کتاب الحکم - ۱۱۲

کتاب الرعايہ - ۵۵۵ - ۵۵۶ -

۵۵۷ - ۵۶۰

کتاب الشیعین فی فضائل الاربعین -

۳۲۶

کتاب فی الدماء - ۵۶۱

کتاب المودہ فی القربی - ۳۲۶

کرامات الاولیاء - ۴۷۵ (ح)

- مجنون و لیلوی، (مثنوی) - ۲۹۶
 مختار نامہ - ۱۰۸
 مخزن الاسرار، (خمسہ) - ۲۹۶
 - ۳۳۷ (ح)
 مخزن الغرائب - ۲۰۷
 مراۃ الخيال - ۲۰۷
 مراۃ الاسرار - ۳۷۳ - ۳۰۳
 مراۃ الکونین - ۴۳۰ (ح) - ۴۳۱
 (ح)
 مرج البحرين - ۳۹۹ (ح)
 مرغوب القلوب - ۱۴۴
 مرقع - ۵۰۵
 مسافر، مثنوی - ۹۱ (ح)
 مسقدرک حاکم - ۳ (ح)
 مشارق الانوار - ۲۴۶ (ح) - ۲۴۹
 مصباح - ۳۷۹
 مصیبت نامہ - ۰۰۸
 مطالب اسرار و رموز - ۲۰۲ (ح)
 مطلع الانوار، خمسہ - ۲۹۶
 مطلوب الطالبین قلمی عرف ارشاد
 نظامی مملوکہ میوزیم، کراچی -
 ۳۰۳ (ح)
 مظهر العجائب - ۳۳۵
 معارج الولايت - ۳۹۶
 معارف المدينہ - ۳۶۴

- ۳۶۷ (ح) - ۳۷۸ - ۳۹۷ (ح) - ۳۸۰ (ح)
 ۳۸۱ (ح) - ۳۸۲ (ح) - ۳۸۷
 ۳۹۱ - ۳۹۲ (ح) - ۳۹۳ (ح)
 ۳۹۴ (ح) - ۳۹۵ (ح) - ۳۹۶
 ۳۹۸ - ۳۹۹ (ح) - ۴۰۰ (ح)
 ۴۰۱ - ۴۰۳ - ۴۰۵ - ۴۰۶ (ح)
 ۴۱۴ - ۴۱۵ (ح) - ۴۲۸
 ۴۳۰ - ۴۳۱ (ح) - ۴۳۵

لمعات (ز) ۲۱۳

لوائح - ۳۳۵

لیلوی و مجنون، (مثنوی) - ۲۹۶
 ۳۳۷ (ح)

(م)

ماثر الامراء - ۳۲۷ (ح) - ۳۸۰
 (ح)

مجموعہ کلام فارسی - ۳۳۵

مثنوی شاہ بوعلی قلندر - ۲۳۹

مثنوی مولانا روم - ۱۷۰ - ۱۷۲

۱۷۷ (ح) - ۵۳۵

مجالس الاحمدیہ - ۱۱۲

مجالس العشاق - ۳۰۷

مجالس المومنین - ۱

مجمع الجرین - ۳۹۲ (ح)

مجمع الفصحا - ۱۳۹ - ۱۷۲ - ۳۲۳

مجمع النقائس - ۳۲۴

- معجم المؤلفین - ۳۲۷
 معرفت الحقائق دفتر سوم مکاتیب
 مجدد الف ثانی - ۳۵۷ (ح)
 ۳۷۴ (ح)
 مفتاح التواریخ - ۲۲۳ (ح) - ۲۲۹
 (ح) - ۲۳۵ - ۳۸۸ (ح)
 مفتاح الفتوح - ۲۹۷
 مقاصد الفلاسفہ - ۸۶
 مقالات دانش آموزان - ۳۲۷
 ۳۲۹
 مقالات الشعراء - ۳۴۰ (ح)
 ۳۹۳ (ح) - ۳۹۴ (ح)
 مقامات حریری - ۲۴۹
 مقدمہ ترجمہ نفیسی - ۳۵۶
 مقدمہ حضرات القدس - ۳۷۵ (ح)
 مقدمہ رسالہ المسترشدين - ۵۵۶
 (ح)
 مکتوب امام ربانی - ۳۵۷ (ح)
 ۳۹۲ (ح)
 مکتوبات طبیات - ۵۵۱
 مکتوبات کلیمی - ۵۲۱ (ح)
 مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی -
 ۳۶۰ - ۳۶۴
 ملفوظات شیخ حسام الدین مانکپوری -
 ۳۷۵ (ح)

- ملفوظات طیبہ - ۵۴۸
 منازل السالکین - ۳۲۶
 مناقب سادات - ۳۷۰ (ح)
 مناقب العارفین - ۱۳۹ - ۱۵۳
 مناقب المحبوبین - ۵۲۲ (ح)
 منتخب مکتوبات قدوسیہ - ۳۶۷
 (ح) - ۳۱۳ (ح) - ۳۱۶ - ۳۱۸
 ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۲
 (ح) - ۳۲۳ (ح) - ۳۲۶ - ۳۲۷
 ۳۲۹ - ۳۳۰ - ۳۳۵ - ۳۳۶ (ح)
 منشآت فریدون بیگ جلد اول -
 ۳۶۰
 منطق الطیر - ۱۰۴ - ۱۰۸ - ۱۷۲
 مقالہ مولانا سعید احمد ہالن پوری ،
 ۵۵۳ (ح) - ۵۶۲ (ح)
 مونس الارواح - ۱۲۴
 میخانہ عبد النبی - ۲۰۷ (ح)
 ۲۰۸ (ح) - ۲۰۹ - ۲۱۰ (ح)
 ۲۱۱ (ح) - ۲۱۲ - ۲۱۳
 ۲۱۵ - ۲۴۴ (ح) - ۲۸۱
 ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۳۳۳ (ح)
 ۳۳۴ (ح) - ۳۳۵ (ح)
 (ن)
 نادرالنکات - ۳۹۲ (ح)
 نزہۃ الخواطر - ۳۸۱ (ح) - ۳۸۲
 (ح) - ۳۹۰ (ح) - ۳۹۲ (ح)

نورالحقائق دفتر دوم مکاتیب مجدد

الف ثانی - ۳۵۷ (ح) - ۳۷۳

(ح)

۳۹۳ (ح) - ۳۸۰ (ح) - ۵۳۸

(ح)

نسب نامه قلمی - ۳۷۳ (ح) -

۳۷۸ (ح)

نفحات الانس (اردو ترجمه) ۸۲ (ح)

۹۳ (ح) - ۹۵ (ح) - ۱۰۱ -

۱۳۷ (ح) - ۱۵۱ (ح) - ۱۵۲ -

۱۵۳ (ح) - ۱۵۸ (ح) -

۱۵۹ - ۲۱۱ (ح) - ۱۱۳ -

۲۸۰ - ۳۰۷ - ۳۰۷ - ۳۳۳

۳۳۵ (ح) - ۳۳۷ -

۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۳۷ - ۳۵۵

۵۲۸ - ۵۲۹ (ح) -

۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۶۱ - ۵۶۲

(ح)

نقد النصوص شرح فصوص - ۳۳۳

نقش حجاز پند - ۳۲۳ (ح)

نگارستان کشمیر - ۳۱۲ (ح) -

۳۳۰

(۳) - ۶۱۸ - ۶۱۹

(۳) - ۶۱۸ - ۶۱۹

(۳) - ۶۱۸ - ۶۱۹

نور المعانی - ۳۳۵

نهایه الکمال ۲۹۶

نہ سپہر - ۲۷۵ - ۲۹۷

(۹)

وسط الحیوۃ - ۲۷۵ - ۳۹۵

وفیات الاعیان جلد ۱ - ۵۵۳ (ح)

۵۶۰ (ح)

(۵)

ہدایہ - ۲۴۹

ہشت بہشت، (مثنوی) - ۲۹۶

ہفت اقلیم - ۳۰۸

ہفت پیکر، مثنوی - ۲۹۶ - ۳۴۷

(ح)

(۵)

یاد رفتگان - ۵۳۶ (ح)

یوسف زلیخا (مثنوی) - ۲۵۳ (ح)

(۵) - ۵۷۶

غلط نامہ

ہم اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں کہ اس کتاب میں طباعت کی بعض غلطیاں رہ گئیں ہیں جن کا صحت نامہ صفحہ و سطر کے حوالے کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|------|-----|---------|---------|
| ۲ | ۲۲ | جوہر | جوہر |
| ۹ | ۱ | الاولیا | X |
| ۱۲ | ۱۲ | بار | کار |
| ۲۱ | ۱۰ | صل | صلی |
| ۲۲ | | X | و حنین |
| ۲۸ | | ردد | رود |
| ۳۲ | ۱۰ | بزرگ | بزرگ |
| ۳۳ | ۷ | ماسینون | ماسینون |
| ۳۱ | ۸ | ور | اور |
| ۳۳ | ۷ | یہاں | X |
| ۳۶ | ۱۷ | اویز | اویز |
| ۳۷ | ۳ | X | فرمایا |
| ۵۳ | ۵ | ہچویری | ہچویری |

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|------|---------|---------------------|---------------------|
| ۵۷ | ۲۰ | بالاتحرام | بالالتزام |
| ۵۸ | ۱۷ | خواجہ نظام الدین | نظام الدین |
| ۶۱ | ۱۳ | ساز و سامان | ساز و سامان |
| ۶۲ | ۱۷ | ابتیری | اسیری |
| ۶۳ | ۱۲ | نویب | نوبت |
| ۸۳ | ۲۰ | بھرتی | پھرتی |
| ۸۷ | ۲۱ | ٹھا | تھا |
| ۹۰ | ۵ | پس چہ ماید کرد | پس چہ باید کرد |
| ۹۰ | ۶ | کلیم سنائی متعلق کے | حکیم سنائی کے متعلق |
| ۹۱ | ۱۲ | بجو | بجوی |
| ۹۲ | ۵ | نغمات الانس | نفحات الانس |
| ۹۷ | ۸-۷-۵-۴ | تصرف | تصوف |
| ۱۰۰ | ۸ | ملاحقہ | ملاحقہ |
| ۱۰۳ | ۱ | عطر | عطشان |
| ۱۰۵ | ۲۲ | غواضد | غواضد |
| ۱۰۶ | ۲۰ | ضائع | ضنائع |
| ۱۱۱ | ۵ | سرپرستی | سرپرستی |

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|------|-----|-------------------|----------------------|
| ۱۱۱ | ۱۳ | خرقہ | خرقہ |
| ۱۱۳ | ۶ | مرعظت | موعظت |
| ۱۲۸ | ۵ | سرکشی | سرکش |
| ۱۳۰ | ۵ | پہیں | وہیں |
| ۱۳۹ | ۸ | صاحب مثنوی | صاحب المثنوی |
| ۱۴۹ | ۵ | مروز | فروز |
| ۱۴۹ | ۹ | اندلشہ | اندیشہ |
| ۱۵۰ | ۳ | روح رومی و پردہا | روح رومی پردہا |
| ۱۵۳ | ۶ | مدرسہ مقدسہ | مدرسہ مقدسہ |
| ۱۵۴ | ۲۰ | کلیم سینائی | حکیم سنائی |
| ۱۵۷ | ۲۴ | ازاد | آزاد |
| ۱۶۶ | ۹ | اب | آپ |
| ۱۷۰ | ۷ | فرقہ مجادہ | خرقہ و مجادہ و تسبیح |
| ۱۷۱ | ۱ | موضوع سخن | موضوع سخن |
| ۱۷۱ | ۱۸ | افہام و تفہیم لیے | افہام و تفہیم کے لیے |
| ۱۷۱ | ۱۹ | تشبیہو | تشبیہوں |
| ۱۷۲ | ۷ | حاصلی | حاصل |

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|------|-----|--|--|
| ۱۷۲ | ۱۳ | جانے | جائے |
| ۱۷۲ | ۱۶ | بشنوئے از چو حکایت می کند | بشنو از نے چوں حکایت می کند |
| ۱۷۲ | ۱۷ | مشمول | مشمول ہے |
| ۱۷۳ | ۲۰ | تاریخ انران | تاریخ ادبیات ایران |
| ۱۷۵ | ۳ | مطالبین | مضامین |
| ۱۷۶ | ۱۵ | جو | چو |
| ۲۰۸ | ۱۶ | در صف عشا نشینم | در صف عشاق نشینم |
| ۲۱۰ | ۱۳ | نسختیں | نخستیں |
| ۲۲۱ | ۳ | مگویم | میگویم |
| ۲۲۵ | ۹ | کبیرالایا | کبیرالاولیا |
| ۲۳۶ | ۶ | والد کا نام سید علی اور
نانا کا نام سید عرب تھا | والد کا نام سید احمد اور
دادا کا سید علی اور نانا
کا نام سید عرب تھا |
| ۲۳۶ | ۸ | ۵۶۳۰ (۷۱۲۳۳) | ۵۶۳۶ (۷۱۲۳۸) |
| ۲۵۰ | ۳ | حضرت محبوب | حضرت محبوب الہی |
| ۲۵۰ | ۱۲ | دایا | دلہا |
| ۲۶۱ | ۱۷ | نمی دار | نمی دارد |
| ۲۶۹ | ۱۶ | سید حسن | سید حسین |

| صفحہ | مطر | غلط | صحیح |
|------|-----|---------------------|-----------------------|
| ۲۶۹ | ۱۷ | معید | میڈا! |
| ۲۹۲ | ۲۰ | لن قرانی | لن قرانی |
| ۳۰۰ | ۳ | علیہ الرحمہ | علیہ الرحمہ |
| ۳۱۹ | ۷ | لطف عنایت | لطف و عنایت |
| ۳۱۹ | ۲۱ | فتح شاہ | فتح شاہ |
| ۳۳۰ | ۱۹ | علیہ الصلوٰۃ السلام | علیہ الصلوٰۃ و السلام |
| ۳۵۳ | ۶ | لخطہ | لخطہ |
| ۳۵۵ | ۱۷ | ناقدین | ناقدین |
| ۳۵۷ | ۱۳ | حیکم | حکیم |
| ۳۶۱ | ۲۳ | مقیرے | مقیرے |
| ۳۶۷ | ۲۱ | نغزیدہ | نغزیدہ |
| ۳۸۷ | ۱۴ | مستند | مستند |
| ۴۲۳ | ۱۳ | ہیبت خاں کی | ہیبت خاں کی |
| ۴۲۳ | ۲۳ | رستم | رستم |
| ۴۳۳ | ۱۴ | صابر | صابر |
| ۴۳۵ | ۵ | لذنی | لذنی |
| ۴۳۷ | ۶ | پودی | پودی |

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح | صفحہ |
|------|-----|---------------------------------|--|------|
| ۳۳۷ | ۷ | انقطرے | انقطرے | ۶۳۶ |
| ۳۳۰ | ۱۳ | مقرینہ شد | مقرینہ شد | ۶۶۶ |
| ۳۳۲ | ۳ | باقی کا سے تھا ولولہ حق | باقی کا فقر سے تھا ولولہ حق | ۶۱۶ |
| ۳۳۲ | ۶ | ایک مضمون جس میں انہوں نے لکھا۔ | ایک مضمون تحریر کیا، جس میں انہوں نے لکھا۔ | ۶۱۶ |
| ۳۳۳ | ۱۵ | اخواخہ | اخواخہ | ۶۶۶ |
| ۳۷۶ | ۸ | ترتبہ | ترتبہ | ۶۶۶ |
| ۵۱۳ | ۱۳ | اوبشہ | اوبشہ | ۵۵۶ |
| ۵۳۵ | ۱۵ | قاقی | قاقی | ۵۵۶ |
| ۵۳۹ | ۷ | جمعیت العلماء | جمعیت العلماء | ۶۶۶ |
| ۵۳۹ | ۲۰ | مختصر | مختصر | ۵۶۶ |
| ۵۴۰ | ۱۲ | علماء | علماء | ۵۸۶ |
| ۵۴۴ | ۱۷ | ابن عربی نظریہ وحدت الوجود پر | ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود پر | ۶۶۶ |

۶۶۶ ۶۶۶ ۶۶۶

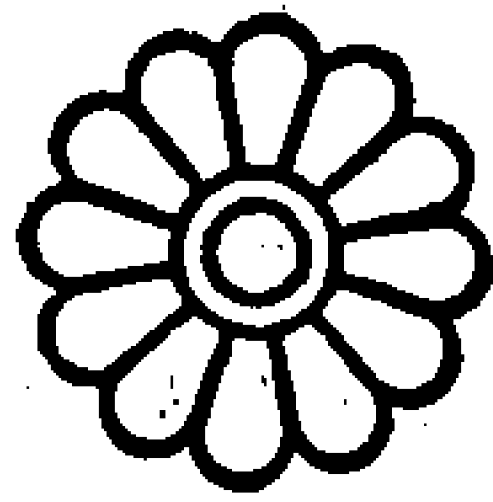
۵۶۶ ۵ ۵

۵۶۶ ۳ ۳

اقبال

کے

محبوب صوفیہ



اعجاز الحق قدوسی

اقبال اکادمی پاکستان